احسنُ الخالقین

(جلد دوئم)

باب سوئم کی اختتامی ہستی

خاتم الانبیاء، وجہ تخلیق کائنات، محبوبِ خالق کون و مکاں

احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ

(صلی اللہ علیہ وسلم)

کے

مختصر حالاتِ زندگی اور سیرتِ مطہرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

احسنُ الخالقین

(جلد دوئم)

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ج (۱۲) ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ص (۱۳) ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ط (مومنون: ۱۴)

ترجمہ:۔

”اور بلاشبہ ہم نے انسان کو (سلالۃ) چنی ہوئی مٹی سے بنایا (۱۲) پھر اسے (انسانی نطفہ کو) ایک مضبوط ٹھہراؤ (رحم مادر) میں پانی کی بوند کیا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو جونک (علقہ) کی شکل کیا پھر اس خون کی پھٹک کو گوشت کا لوتھڑا گھوڑے سے مشابہ بنایا‘ پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنایا پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے انسانی صورت میں اٹھان دی (یعنی انسان کی شکل وصورت بنائی اس میں روح ڈالی اسے سمع وبصر اور نطق عطا فرمائی) پس اللہ کیا ہی برکت والا بہترین خالق ہے“ (مومنون:۱۲تا۱۴)

احسنُ الخالقین
(جلد دوئم)

القرآن:

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط
اَوَ لَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ (حٰم السجدہ:۵۳)

ترجمہ:۔

ہم آفاق وانفس میں انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے جس سے اُن پر یہ حقیقت کھل جائیگی کہ بیشک وہ حق ہے (یعنی) قرآن اللہ کا کلام ہے اور اسلام سچا دین ہے کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں ہے (حٰم السجدہ : ۵۳)

فہرست مضامین نمبر صفحات

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت نبی آخرالزماں واوّل الزماں	۱
کلمہ طیبہ کے تعارف میں ایک مقالہ	۲
کلمۃ اللہ کا قیام	۹
نورِ احمدؐ (قندیل میں)	۱۰
آنحضرتؐ کا شجرہ نسب	۱۳
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباواجداد کا مختصراً تعارف	۱۴
عام الفیل کا مشہور واقعہ	۱۸
اولادِ عبدالمطلب	۲۰
ظہورِ قدسی	۲۱
کلکی اوتار	۲۲
آنحضرتؐ کی ولادتِ باسعادت	۲۳
ولادت مبارکہ پر پیش آنے والے واقعات	۲۵
آنحضرتؐ کو دودھ پلانے والی خواتین	۲۵
دودھ پلوانے کی وجہ	۲۶
حلیمہ سعدیہؓ کے چند بیانات (بحوالہ ابن اسحٰقؒ)	۲۷
حضورؐ کو کمسنی میں قتل کر ڈالنے کا عزم	۲۹
شق صدر کا واقعہ	۳۰
حضرت آمنہؓ کا انتقال	۳۰

فہرست مضامین — نمبر صفحات

دادا کے سائیہ شفقت میں	۳۱
اپنے شفیق چچا ابو طالب کی کفالت میں	۳۱
آنحضرتؐ کا پہلا سفر شام اور بحیرہ راہب سے ملاقات	۳۲
بکریاں چرانا	۳۳
عرب میں جاہلانہ رسوم ورواج	۳۴
حربِ فجار	۳۵
حربِ فجار کی وجہ تسمیہ	۴۰
حلف الفضول	۴۰
الحمس	۴۳
حضرت خدیجہؓ کے لئے تجارت	۴۴
دوسرا سفر شام	۴۶
حضرت خدیجہؓ سے آنحضرتؐ کا عقد مبارک	۴۸
کعبۃ اللہ کی تعمیر نو اور حجر اسود کے تنازعہ کا فیصلہ	۴۹
قبل از وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجمالی سیرت	۵۱
وحی کی ابتداء	۵۲
ورقہ بن نوفل	۵۴
پہلے پہل ایمان لانے والے افرادِ مسلم	۵۶
حضرت خدیجہؓ	۵۶

فہرست مضامین　　　　نمبر صفحات

حضرت علیؓ ابن ابی طالب	۵۶
حضرت ابوبکرؓ صدیق	۵۷
حضرت بلالؓ بن رباح حبشی	۵۹
اوّلین راہروانِ اسلام اور مصلحتِ اخفائے تبلیغ	۶۰
کھلی تبلیغ کی ابتداء	۶۲
مشرکین مکہ کی مخالفت اور اسلام دشمنی	۶۴
قریش کی مجلس شوریٰ	۶۶
قریش کی محاذ آرائی کے انداز	۶۸
ابتدائے اسلام میں جور وستم	۶۹
اہل طائف کی ستم رسانی	۷۱
طائف سے واپسی اور جنات کا قبول اسلام	۷۴
دارِ ارقم	۷۵
پہلی ہجرتِ حبشہ	۷۶
دوسری ہجرت حبشہ	۷۸
حبشہ کے مہاجرین کے خلاف قریش کی سازش	۷۹
قریش کا نمائندہ حضورؐ کی خدمت میں	۸۱
ابوطالب کے خدشات	۸۳

فہرست مضامین نمبر صفحات

حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کا واقعہ	۸۴
حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ	۸۵
بنی ھاشم اور بنی مطلب کے خلاف مشرکین کا قطع تعلق	۹۰
شعب ابی طالب میں تین سال محصوری اور اسکا اختتام	۹۱
ابو طالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد	۹۲
معجزۂ شق القمر	۹۴
غم کا سال	۹۵
حضرت خدیجہؓ الکبریٰ جوارِ رحمت میں	۹۶
آنحضرتؐ کی عائلی زندگی	۹۷
ذاتِ عورت کے حقوق	۹۷
ازواجِ مطہرات ایک نظر میں	۱۰۱
حضرت خدیجہؓ	۱۰۱
حضرت سودہؓ	۱۰۱
حضرت عائشہؓ صدیقہ	۱۰۲
حضرت حفصہؓ	۱۰۲
حضرت ام سلمہؓ	۱۰۲
حضرت زینبؓ	۱۰۲
حضرت زینبؓ بنت جحش	۱۰۳

فہرست مضامین نمبر صفحات

حضرت جویریہؓ	۱۰۳
حضرت ریحانہؓ	۱۰۳
حضرت ماریہؓ	۱۰۴
حضرت رملہ ام حبیبہؓ	۱۰۴
حضرت صفیہؓ	۱۰۴
حضرت میمونہؓ	۱۰۵
اسرأ اور معراج	۱۰۵
اسرأ و معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۰۸
ہجرتِ مدینہ کی تیاری	۱۱۶
پہلی بیعت عقبہ	۱۱۶
قابل رشک کامیابی	۱۱۷
دوسری بیعت عقبہ	۱۲۰
بیعت کی خطرنا کی کے بارے دوبارہ یاددہانی	۱۲۳
رؤسائے یثرب سے قریش کا احتجاج	۱۲۳
بیعت کرنے والوں کا تعاقب	۱۲۴
ہجرت کے ہراول دستے	۱۲۵
قریش کا دارالندوہ میں اجتماع	۱۲۶
ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۲۹

فہرست مضامین　　نمبر صفحات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا گھیراؤ	۱۲۹
قریش کی تگ ودَو	۱۳۲
آنحضرتؐ کا سفر مدینہ	۱۳۳
قباء میں تشریف آوری	۱۳۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں داخلہ	۱۳۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے چار مراحل	۱۳۷
یہودیوں کی اسلام دشمنی	۱۴۳
مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر	۱۴۵
نئی ریاست کی تعمیر	۱۴۶
نئے معاشرہ کی تعمیر میں بنیادی اسباق	۱۴۸
یہود سے معاہدہ	۱۵۱
عبداللہ بن ابی سے قریش کا نامہ پیام	۱۵۳
مہاجرین کو قریش کی دھمکی	۱۵۴
جنگ (جہاد) کی اجازت	۱۵۵
غزوۂ بدر کبریٰ	۱۶۲
اسلامی لشکر کیلئے حالات کی نزاکت	۱۶۴
مال غنیمت کا مسئلہ	۱۷۴
۲۴ غزوات وسرایا (شوال ۲ـ ہجری تا ربیع الاوّل ۱۱ـ ہجری تک)	۱۷۶

فہرست مضامین — نمبر صفحات

غزوۂ الکدر	۱۷۷
غزوۂ سویق	۱۷۷
کعب بن اشرف (یہودی) کا قتل	۱۷۸
سریہ قردہ	۱۸۰
غزوۂ اُحد	۱۸۲
لشکر قریش اور سامان بمعہ خواتین	۱۸۴
مدینہ میں ہنگامی صورتِ حال کے مقابلہ کی تیاری	۱۸۵
مدینہ میں دفاعی حکمت عملی کیلئے مجلس شوریٰ کا اجلاس	۱۸۵
اسلامی لشکر کی ترتیب اور میدان جنگ کی طرف روانگی	۱۸۷
عبداللہ بن ابی اور اسکے ساتھیوں کی سرکشی	۱۸۸
دفاعی منصوبہ	۱۹۰
لشکر مشرکین کے علم برداروں کا صفایا	۱۹۲
حضرت حمزہؓ کی شہادت	۱۹۳
مشرکین کی شکست	۱۹۴
مسلم تیراندازوں کی خوفناک غلطی	۱۹۵
اسلامی لشکر مشرکین کے نرغے میں	۱۹۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطرناک مگر دلیرانہ اقدام	۱۹۶
مسلمانوں میں انتشار	۱۹۷

فہرست مضامین نمبر صفحات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد خون ریز معرکہ	۱۹۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرکہ آرائی اور حالات پر قابو	۲۰۲
ابی بن خلف (منافق) کا قتل	۲۰۴
بعداز جنگ ابوصفیان اور حضرت عمرؓ کے درمیان گفتگو	۲۰۴
اُحد کے شہداء اور زخمیوں کی خبر گیری	۲۰۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینے کو واپسی	۲۰۸
احد میں شہدأ اور ہلاک ہونے والوں کی تعداد	۲۰۹
مدینہ میں ہنگامی حالت اور غزوۂ حمرالاسد	۲۰۹
احد میں فتح وشکست کا ایک تجزیہ	۲۱۲
غزوۂ میں خدائی مقاصد اور حکمتیں	۲۱۵
غزوۂ بنی نضیر	۲۱۶
غزوۂ نجد	۲۲۰
غزوۂ بدر دوم	۲۲۲
غزوۂ احزاب (خندق)	۲۲۴
صلح حدیبیہ تک کے کچھ واقعات	۲۳۸
واقعۂ اِفک	۲۳۹
بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ	۲۴۴
بیعت رضوان	۲۴۶

فہرست مضامین نمبر صفحات

معاہدۂ حدیبیہ کی شرائط	۲۴۸
مہاجرہ عورتوں کی واپسی سے انکار	۲۵۰
معاہدۂ حدیبیہ کی دفعات کا ماحصل	۲۵۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بادشاہوں اور امرائے ریاست کے نام خطوط	۲۵۷
۱۔ شاہِ حبش نجاشی کے نام خط اور اسکا جواب	۲۵۸
۲۔ مقوقس شاہِ مصر کے نام خط اور اسکا جواب	۲۶۰
۳۔ شاہِ فارس خسرو پرویز کے نام خط اور اسکی جوابی کاروائی	۲۶۲
۴۔ قیصر شاہِ روم کے نام خط	۲۶۴
۵۔ حاکم بحرین منذر بن سادی کے نام خط	۲۶۷
۶۔ ہوزہ بن علی حاکم یمامہ کے نام خط	۲۶۷
۷۔ حاکم دمشق حارث بن ابی شمر کے نام خط	۲۶۸
۸۔ شاہِ عمان کے نام خط اور آپؐ کے ایلچی سے گفتگو	۲۶۹
غزوۂ خیبر	۲۷۴
قلعہ صعب بن معاذ کی فتح	۲۷۹
قلعہ زبیر کی فتح	۲۸۰
قلعہ ابی کی فتح	۲۸۰
قلعہ نزار کی فتح	۲۸۰
خیبر کے نصف ثانی کی فتح	۲۸۱
صلح کی بات چیت	۲۸۲

فہرست مضامین — نمبر صفحات

مال غنیمت کی تقسیم	۲۸۴
حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور موسیٰ اشعریؓ کی آمد	۲۸۴
غزوۂ فتح مکہ	۲۸۵
سبب غزوۂ مکہ	۲۸۵
تجدید صلح کیلئے ابوصفیان کی مدینہ آمد	۲۸۸
غزوے کی خفیہ تیاری	۲۹۰
مرّ االظہران میں اسلامی لشکر کا پڑاؤ	۲۹۲
ابوسفیان خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں	۲۹۳
اسلامی لشکر کا مکہ کی جانب کوچ	۲۹۵
اسلامی لشکر اچانک قریش کے سر پر	۲۹۵
مکہ میں اسلامی لشکر کا داخلہ	۲۹۶
مسجد حرام میں داخلہ اور کعبۃ اللہ کی بتوں سے تطہیر	۲۹۸
کعبۃ اللہ کی کنجی (حق بحقدار رسید)	۳۰۱
فتح مکہ کے بعد انصار کے اندیشے	۳۰۳
دوسرے دن کا خطبہ اور آپکا قیام	۳۰۳
سرایا اور وفودِ صحابہ کی کارکردگی	۳۰۴
غزوۂ حنین	۳۰۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے حنین کی طرف	۳۰۹
اسلامی لشکر پر تیر اندازوں کا اچانک حملہ	۳۱۰
دشمن کی شکست فاش	۳۱۲

فہرست مضامین　　　　نمبر صفحات

دشمن کا تعاقب ۳۱۴

غزوۂ طائف ۳۱۵

عمرہ اور مدینے کو واپسی ۳۱۷

غزوۂ تبوک ۳۱۹

غزوۂ تبوک کا سبب ۳۱۹
روم اور غسّان کی تیاریوں کی عام خبریں ۳۲۰
روم اور قبیلہ غسّان کی خاص خبریں ۳۲۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک قطعی اقدام ۳۲۱
رومیوں سے جنگ کی تیاری کا اعلان ۳۲۲
غزوے کی تیاری کیلئے مسلمانوں کی دوڑ دھوپ ۳۲۳
اسلامی لشکر تبوک کی راہ میں ۳۲۵
اسلامی لشکر تبوک میں ۳۲۷
تبوک سے مدینہ کو واپسی ۳۲۸
اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ ۳۳۱

قبول اسلام کیلئے وفود کی آمد ۳۳۲

حجۃ الوداع ۳۴۷

خطبہ حجۃ الوداع ۳۴۹

آخری فوجی مہم ۳۵۳

رفیق اعلیٰ کی جانب سفر ۳۵۳

فہرست مضامین نمبر صفحات

مرض کا آغاز	۳۵۴
وفات سے پانچ دن پہلے	۳۵۵
وفات سے چار دن پہلے	۳۵۶
وفات سے ایک یا دو دن قبل	۳۵۷
وفات سے ایک دن قبل	۳۵۷
حیاتِ مبارکہ کا آخری دن	۳۵۷
حالت نزع	۳۵۹
غم ھائے بیکراں	۳۵۹
تجہیز و تکفین اور تدفین	۳۶۱
آنحضرتؐ پر منافقین اور غیر مسلموں کے عمومی دو اعتراضات کی وضاحت	۳۶۵
(۱) امہات المومنین اور ان سے غایت نکاح	۳۶۷
(۲) اسلام تلوار سے پھیلا ۔۔؟	۳۷۲
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری دنیا کیلئے منشور	۳۷۳
ثنائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بزبانِ اِلٰہِ مصطفیٰ جل جلالہ	۳۷۴
دل و جان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو تسلیم کرنے کا حکم	۳۷۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحثیت رحمۃ للعالمین	۳۷۶
بارگاہِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں ادب و آداب کی تعلیم	۳۷۶
آداب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوتاہی کا ہیبت ناک خسارہ	۳۷۸

فہرست مضامین　　　　　　　　　　　　نمبر صفحات

تقدیم نبوی صلعم منع ہے	۳۷۸
حضورؐ کی تعظیم بجالانے والوں کو بخشش کی نوید	۳۷۹
مرتبہ افضل الصلوٰۃ	۳۸۰
انبیائے سابقین سے عہد لیا جانا	۳۸۱
قبولیت دعاو مغفرت کا قرآنی طریق	۳۸۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور امت کا استغفار	۳۸۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود عطا فرمانا	۳۸۴
حضورؐ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کیلئے بھیجے گئے	۳۸۵
حضورؐ اور آپکے ساتھیوں کی صفات کا تذکرہ توریت وانجیل میں	۳۸۶
توریت وانجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے ایک اہم بیان	۳۸۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلق کیلئے رسول بنائے گئے	۳۹۰
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایتِ بعثت مبارکہ	۳۹۲
تقلید اسوۂ حسنہ	۳۹۳
بعد از وفات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا وجوب	۳۹۴
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے حوالہ جات بحوالہ کتب احادیث	۳۹۶
سفرِ اسراء ومعراج کے دوران انبیاء علیھم السلام کے خطبات	۳۹۷
حضورؐ کی بلندیٔ شان کا ذکر بحوالہ قرآن	۳۹۸
قبل از اختتامِ کتاب ر ملحدین کو بارِ دیگر دعوتِ غور وفکر	۴۰۰
بارگاہِ کبریاء میں مصنفِ کتاب کی عاجزانہ التجاء اور ایصال ثواب کی درخواست	۴۰۲

کتاب ھٰذا کے چند مطالعہ کرنے والے معتبر حضرات کی کتابِ ھٰذا کے بارے آراء

(۱) جناب سیّد منیر حسین شاہ صاحب

میں نے کتاب ہٰذا کا مطالعہ کیا ہے اوراس سے پیشتر بھی متعدد ایسی کتب (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لکھی گئیں) کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ تمام پھول ہی اپنی اپنی جگہ پر نایاب ہیں۔ مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ کتاب ہٰذا کو میں نے منفرد پایا۔ اسکے مصنف نے جس انداز میں اسے تحریر کیا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ تمام واقعات کے چشم دید گواہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک پیدائش سے وفات مبارکہ تک ہمراہ رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پل پل دیکھتے اور اپنے اندر سموتے رہے ہیں۔

مصنفِ احسن الخالقین صرف ظاہرہ علوم پر ہی دسترس نہیں رکھتے بلکہ دیگر مخفی اور روحانی علوم پر بھی کرم اِلٰہی سے فیض یاب ہیں۔ یہ سب علوم عطائے ربِّ کریم اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت وعقیدت کا نتیجہ ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا یقیناً آپ کی فصاحت و بلاغت کا قائل ہو جائیگا اور جلد اوّل میں مذکور ''آفاق وانفس'' کے بہت سے اسرار سے بھی انشااللہ واقفیت حاصل کر سکے گا۔ یہ کتاب دو جلدوں پر موقوف ہے۔ پہلی جلد میں نظامِ آفاق اور نظامِ انفس پر آپ نے جو منطقی دلائل دیئے ہیں انہیں کوئی ذی شعور حتیٰ کہ کوئی منکرِ خالق تعالیٰ بھی جھٹلا نہیں سکتا۔

کتاب ھٰذا (جلد دوئم) میں حضورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی و عملی زندگی کو بہت حقیقی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آپؐ کے اسوۂ حسنہ، جنگی فہم وفراست، معجزات اور پیش آنے والے مصائب کے واقعات، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور آنحضرتؐ کی تبلیغ دینِ حق کی کاوشوں کی راہ میں دشواریوں کا سامنا کرنے اور کامیابی حاصل کرنے تک نہایت خوبصورت انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

الغرض کتاب ھٰذا کو پڑھ کر ایمان نہ صرف تازہ ہوجاتا ہے بلکہ میں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت، اسکے احسن الخالقین ہونے اور حضورؐ خاتم الانبیاء کے آخری نبی ہونے کا یقین محکم تر ہوجاتا ہے۔ اور جلد دوئم تو بطورِ خاص صرف آنحضرتؐ کیلئے وقف اور انکی محبت سے لبریز ہے۔ گر قبول افتدز ہے عزو شرف

آخر میں دعا گو ہوں کہ ربِّ کریم انکی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے اور امتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی رحمت فرمائے کہ ہم سب کو قیامت کے روز حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔ آمین

دعا گو: سیّد منیر حسین شاہ

(۲) جناب مفتی احمد علی خان صاحب

احسنُ الخالقین نامی کتاب کی دونوں جلدوں کا مطالعہ کا موقع ملا۔ اس کتاب کے مصنّف طاہر بابا قادری نے جس مہارت و ہوشمندی سے اپنے کلام و تحریر کو نہ صرف مسلم اُمّہ کے لئے بلکہ کل بنی نوع انسان کی اصلاح و ہدایت کے لئے نہایت کامیاب و دلکش انداز میں پیش فرمایا ہے لائق تحسین ہے۔

اللہ کریم مصنّف ہٰذا کی اس خوبصورت اور نہایت قیمتی کوشش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے اور انسانوں کی ہدایت و چشم کشائی کا باعث بنائے۔

دُعا گو: مفتی احمد علی خان (جامعہ بنوریہ کراچی)
ساکن: ڈیرہ میراں کھڈیاں ضلع قصور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگار خوش بختوں کو سلام

حقیقتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لامتناہی و بیکراں سمندر ہے جسکی پہنائیوں میں موجود لاتعداد اسرار و رموز کو پالینا سہل نہیں۔ انسان انکی حقیقت کو سمجھنے یا بیان کرنے میں ہمیشہ اپنی کم آگہی کا شاکی رہا۔ ہم اس عظیم ہستی کے تعارفی تذکرہ کیلئے بھی محض عیاں افعالِ زندگی یا کتب احادیث سے کھوج نکالنے اور تواریخ کی ورق گردانی کے محتاج ہیں۔ گرچہ اس ضمن میں خوش بختوں نے بہت کام کیا تاہم محبوبِ کبریاً کی حقیقی صفت بیانی کا حق ادا کرنے میں انسان ہمیشہ قاصر رہا اور آئندہ بھی قاصر و کوتاہ ہے۔

میں بھی انہی دقائق کا سامنا کرتے ہوئے اپنی تمام تر نااہلی کے باوجود محض اور محض محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مجبور انکی سیرت مبارکہ پر کچھ عرض و معروض کی ہمت جتا سکا اور اپنی اوقات کو دیکھتے ہوئے اس پر شرمندہ بھی ہوں۔ البتہ حضورؐ کی تریسٹھ سالہ حیات دنیوی پر ایک نظر ڈالنے کے خواہش مندوں کی تشنگی دور کرنے کیلئے کوشاں ہوں اور چاہتا ہوں کہ بعد از خالق کائنات اس عظیم ترین ہستی نے زندگی گزارنے کے کیا پیمانے مقرر فرمائے اور دنیا کو دارین کی کامیابی کے حصول کیلئے ان کو اپنانے کی کتنی ضرورت ہے یہ فیصلہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔

تاہم میری نظر میں امتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خوش بخت لائقِ صد مبارکباد ہیں جو حبیبِ کبریاً صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا گراں قدر سرمایہ اپنے اندر محفوظ رکھے ہوئے ہیں کہ ان کے قلوب محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جانثاری و جانگدازی کے معتبر جذبات سے بھرپور ہیں۔ بطورِ خاص وہ احباب جنہوں نے حتی المقدور محبوبِ کبریاً صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب پر قلم اٹھانے کی توفیق پائی۔

(اللھم جعلنامنھم)۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت نبی آخرالزماں وقبل الزماں

کرۂ ارض پر تسبیحِ انبیاء کو تکمیل تک پہنچاتی ہوئی وہ عظیم ہستی جلوہ فرما ہوئی جو دراصل اُس وقت بھی موجود تھی جب مبدأ انسان ابھی روح اور جسم کے مابین تھا۔ تخلیق آدمؑ سے کروڑوں سال قبل بھی حضور سرورِ کائنات حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک حیاتِ جاودانی سے معمور رُوبرُوئے احسن الخالقین ایک قندیل میں آویزاں تھا۔ ساری کائنات کو چشم زدن میں تخلیق فرما سکنے والی ہستی کا اسے چھ یوم میں خلق فرمانا بلا مصلحت نہیں، یوں لگتا ہے گویا خالق کائنات اپنے محبوبؐ کی خاطر کارخانۂ دوجہاں کی تزئین و آرائش خود اپنے ہاتھوں فرما رہا تھا۔ یاد رہے قندیل میں موجود یہ نور وہی عکس اللہ ہے جو خالق تعالیٰ کے خود کو مشاہدہ فرمانے کے دوران رُوبروئے حق ظہور پذیر ہوا، اور بشرفِ پسندیدگی احسن الخالقین نے قندیل میں سجا کر اسے اپنے سامنے آویزاں فرمایا۔

آنحضرتؐ کے کرّۂ ارض پر تشریف فرما ہونے سے اپنی تریسٹھ سالہ زندگی مبارکہ بسر فرمانے تک کے مختصر حالات کا تذکرہ کرنے سے قبل آپکے کردار اور آپکی تعلیمات کے عالم دنیا پر اثرات کا جائزہ لینے کیلئے ایک مقالہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ آپکی ذات شریف، آپکی کتاب قرآن، اور آپکے دین توحید یعنی اسلام نے عالم دنیا پر کیا اثرات مرتب فرمائے۔ بطورِ خاص کلمہ گو مسلمانوں پر (جو کہ کفر و شرک میں دھنسے ہوئے اور محروم علم تھے) کلمہ کے کیا اثرات مرتب ہوئے اور کلمہ نے انکی زندگیوں کو کیونکر اور کس سرعت کے ساتھ یوں بدل کر رکھ دیا کہ انہیں عالم دنیا کی ھدایت و راہنمائی کا اعزاز حاصل ہو گیا۔

اقرارِ توحید الٰہی اور محمدؐ کے رسول خدا ہونے کی گواہی دینا ہی کلمہ طیبہ کے وہ دو حصے ہیں جو داخل فی الاسلام ہونے کا دروازہ ہیں۔ کلمہ کے اقرارِ زبانی کو شرفِ قبولیت کی منزل تک پہنچانے میں قرآن ہمارا راہنما ہے۔ قرآن کا نزول عالم دنیا کے ہر فردِ جن و بشر پر اُس احسن الخالقین کا ایک عظیم الشان احسان الگ سے ہے۔ نیز میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنی کم آئیگی کے باوجود احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، انکے کلمہ اور انکی کتاب قرآن کی حقانیت کو واضح کرنے کی کوشش کروں۔

کلمہ طیبہ کے تعارف میں ایک مقالہ

''محبوبیت و عاشقیت کی اس مرقع ہستی پر نازل ہونے والی کتاب ''قرآن حکیم'' بذاتِ خود ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے' جو نہ صرف بلحاظ اپنی فصاحت و بلاغت ہی بلکہ اپنی تمام تر حیثیتوں کے لحاظ سے معجزۂ کامل ہے۔ اس کے معجزۂ کامل ہونے کی مختصر ترین دلیل یہ ہے کہ آج سے قریباً ساڑھے چودہ صدی پہلے ایک اُمّی نے دنیا سے غیر متزلزل تحدی کی اور اعلان فرمایا کہ اگر یہ کلام کسی بشر کا ہے تو کوئی اس جیسی ایک سورۃ بنا کر اس کا جواب پیش کرے۔ تو کیا یہ واقعہ نہیں کہ ایک اُمّی کی طرف سے (جو ایک شعر تک موزوں نہیں کر سکتا تھا) علماؤ فصحائے عرب کے رُوبرو جو مدعیانہ اعلان فرمایا گیا' آج تک اس تحدی کو قبول کرنے کیلئے دنیا بھر سے ایک آواز بھی بلند نہ ہو سکی۔ اگر صرف فصاحت و بلاغت ہی کو معیارِ اعجاز قرار دیا جائے تو اُس وقت بھی عرب کے تمام قبائل میں زبان کے ماہرین' شعرأ اور آتش بیان خطباء موجود تھے۔ مگر اِس صوتِ سرمدی کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئیں۔ کفار و مشرکینِ عرب نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی تکذیب و مخالفت میں کیا کچھ نہ کیا۔ اس راہ میں جان و مال قربان کیا' دین و کیش کو برباد کیا' اپنے عزیزوں اور فرزندوں کو نثار کیا' اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھیں' انکی سپاہ نے میدانِ جنگ میں پرے جمائے اور انکے دولت مندوں نے بلا دریغ اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ ان کے شاعروں اور خطیبوں نے اپنی آتش بیانیوں سے تمام ریگستانِ عرب کو تنور بنا دیا۔ مگر قرآن کی کسی سورۃ کا کوئی جواب نہ لا سکے۔ اسی طرح اپنے ہر ہر حربہ اور مخالفت کے باوجود پیغام محمدؐ کی ترویج دنیا کی رگ و تار میں اتار دینے کو روکنے میں ناکام رہے۔ کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ اور محمد الرسول اللہ کے دو حصوں میں سے پہلا حصہ دنیائے عالم کے ہر مذہب کی بنیاد بن چکا اور اس کا اقرار دبے لفظوں کیا جانے لگا ہے' البتہ اس کے دوسرے حصہ کا اقرار کرنے میں انکی مصلحتیں حائل ہیں وگرنہ حقیقت سے سب شناسا ضرور ہیں کہ یہ وہی آخری نبیؐ ہیں جن کا تعارف سابقہ انبیاء کی کتب میں موجود ہے۔

بعثت اور شخصیت نبویؐ کے اعجازات کا موازنہ کرنے اور انکی مختصر زندگی میں انکی ہمہ گیر اور عالمگیر سچائی کی وہ فتح جو صرف جز وقتی نہیں بلکہ ہمیشہ کیلئے پائیدار حیات جاودانی سے معمور ہے۔ اسے

جاننے کیلئے ہم دوسرے مذاہب اور دیگر فاتحین کے کرداروں کا مطالعہ کریں اور اُن سے پیغمبرؐ اِسلام کا تقابلی جائزہ لیں تو بخوبی اندازہ ہو جائیگا کہ سچائی کی جیت میں آپکی شخصیت و کردار کے کیا اثرات متعین ہوئے اور کس قدر دیرپا اور دُوررس نتائج کے حامل ہوئے۔

ادیان و مذاہب کے تاریخی کردار کے پس منظر اور پیش منظر میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا موازنہ کیا جائے تو آپ کو نہایت حیرت انگیز تفاوت اور حقائق کا سامنا ہوگا۔ قوموں کی زندگی کی میعاد کو معیار مقرر کیا جائے تو یہ زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ صدی میں سمٹ جائیگا۔ افراد کی میعادِ زندگی کو معیار بنایا جائے تو ساڑھے چودہ صدی کا عرصہ خاصا طویل معلوم ہوگا۔ لیکن اگر اس کو دنیا کی ایسی عصر ساز تحریکوں کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے جو عالم انسانی کی فلاح و بہبود کیلئے جاری ہوئیں اور جن کے اثرات نے انسانی تاریخ کے دھارے اس طرح موڑے کہ انسان موجودہ دَور تک ترقی کی منازل طے کرنے میں کامیاب ہوسکا تو یہ طویل اور بعید عرصہ کل کی بات معلوم ہوگا۔ انسان حیرت زدہ ہوکر سوچنے لگتا ہے کہ کسی فردِ واحد کی آواز میں یہ اثر کیسے اور کیونکر پیدا ہوا کہ اس آواز نے نہایت قلیل مدت میں تاریخ کے متوقع راستوں کو یوں بدل کر رکھ دیا اور انسان کو اس راستہ پر ڈال دیا کہ اسکی تاریخ کی کوکھ سے چاند و مشتری شکار دَور جنم لے سکے۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسا ہی ہوا جس سے انکار ممکن نہیں کہ آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل کی دنیا عجیب وغریب تھی۔ یورپ ایک وسیع و عریض خطۂ زمین تھا جسے چند خاندانوں یا چند قبیلوں نے آپس میں بانٹ لیا تھا۔ انکی سماجی و معاشرتی زندگی کا اندازہ اِس سے لگا لیجئے کہ وہ عام دیہاتیوں کی طرح پانی کی باریوں اور مویشیوں کی کمی بیشی پر آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ جانوروں کی کھالیں پہنتے اوران میں کپاس کے بنے کپڑے کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔ انگریزی کا مشہور ڈرامہ نویس ولیم شیکسپیئر ملکہ الزبتھ اوّل کے عہد اور سترھویں صدی کا انسان تھا جس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش رہی کہ وہ کہیں سے ایک تکیہ حاصل کر سکے جس پر سر رکھ کر سونے کی عیاشی اس کے مقدر ہو سکے۔ اب اس سے گیارہ سو سال پہلے کی زندگی کو قیاس کر لیجئے جب تیمور گورگان نے تیرھویں صدی عیسوی میں ماسکو پر حملہ کیا۔ اس وقت ماسکو لکڑی کے بنے ہوئے پانچ سو گھروں پر مشتمل تھا جس کے رہنے والوں کو برفانی طوفانوں سے

بچنے کی بھی کسی ترکیب کا علم نہیں تھا۔

اُس سے تقریباً سات صدی پہلے اور آج کی دنیا کے اس عظیم شہر کی سماجی سیاسی اور اقتصادی حیثیت کا قیاس اس مذکورہ واقعہ سے کرنا کچھ مشکل نہیں اور یہ آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے کی مغربی دنیا کا نقشہ ہے جبکہ مشرق اُس دَور میں اس سے بہت زیادہ آباد' بہت زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ مہذب تھا اور فکری میدان میں بہت سی منزلیں طے کر چکا تھا۔ مثلاً چین میں کنفیوشس پیدا ہو چکا تھا اور اس کی تعلیمات تقریباً ایک ہزار سال تک چینی ذہن کی تربیت کرتی رہی تھیں۔ چین کے جدید مورّخین کے دعوؤں کے مطابق چین میں کاغذ تیار ہو چکا تھا اور باقاعدہ تاریخ نویسی کی ابتدا ُ ہو چکی تھی' شعری ادب ترقی کر چکا تھا' ریشم کا کپڑا تیار ہونے لگا تھا اور چین ترقی کی اس منزل پر پہنچ گیا تھا جہاں سے عالمی تجارتی استعمار کا دَور شروع ہوتا ہے۔ لیکن یہ محض دُنیوی اور فکری ترقی کا مفہوم' اولادِ آدم کے نقطہ نظر سے کیا تھا یہ ایک بالکل مختلف کہانی ہے۔

کنفیوشس کا فلسفہ مزارع کو زمیندار کا' مزدور کو کارخانہ دار کا' رعایا کو درباری امرا ُ اور انکی وساطت سے شہنشاہِ معظم کا غلام بنانے کے کام پر اس طرح جوت دیا گیا تھا جس طرح بے زبان بیل ہل یا رہٹ میں جوت دیا جاتا ہے۔ اس فلسفے نے بڑے کے احترام کے نام پر چھوٹے کو ایسی اخلاقی زنجیروں میں جکڑ دیا کہ وہ بڑے کی ہر بے انصافی اور طاقتور کے ہر استبداد کو خاموشی سے سہہ جائے اور زبان سے اُف تک نہ کرے۔ کنفیوشس نے کہا تھا یا نہیں یہ الگ موضوع ہے' البتہ بالادست نے اسے یہی بنا دیا۔ اس سے جدید اور قدیم چینی مورخ انکار نہیں کر سکتے۔ ملک کی اسّی فیصد اکثریت میں بیس فیصد اقلیت کی اقتصادی غلامی اس طرح سے جکڑ دی گئی کہ ہزاروں انقلابات اس اقتصادی جبر و استحصال کا کوئی علاج نہ کر سکے۔ نہ صرف یہ بیس فیصد افراد بلکہ اسی فیصد اکثریت کے پاس بھی کھانے پینے یا تن ڈھانپنے کیلئے لباس تک مہیّا نہیں تھا۔ یہ لوگ بکیسانہ اور بے رحمانہ غلامی میں زندگی گزارنے پر مجبور تھے یہاں تک کہ ہر چار افرادِ خانہ کو ایک جوڑا لباس مہیا ہوتا جسے پہن کر وہ مزدوری کرنے گھر سے نکل سکتا اور باقی تین نیم برہنہ حالت میں گھر کی چار دیواری میں محصور رہنے پر مجبور ہوتے۔ ایسی صورتِ حال میں ریشمی لباس تیار کرنے کی صنعت' کاغذ کی دریافت' تاریخ نویسی کی ابتدا ُ اور برآمدی تجارت کیلئے نئے نئے راستوں کی

دریافت وغیرہ جیسی اشیاء کس قدر بے معنی اور بے مصرف معلوم ہوتی ہیں اور یوں چین اپنی بظاہر ترقی کے باوجود یورپ سے ایک قدم آگے معلوم نہیں ہوتا۔

اس دنیا کا دوسرا ترقی یافتہ ملک ہندوستان ہے آج کا مورّخ بڑے کرّ وفر سے ہندوستان کی ترقیوں کا ذکر کرتا ہے اور اس کو یقیناً اِن ترقیوں پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ اس ملک کے غیر ملکی حاکموں میں سے ایک حاکم کو مہاتما گوتم بدھ کے نام سے تاریخ کی وسعتوں میں اچھال دیا گیا۔ اُس شخصیت نے ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک انسان دوستی کا غلغلہ بلند کیا اور لاتعداد خداؤں کی اس سرزمین پر ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہا جو اُن خداؤں کے وجود سے حتمی اور قطعی انکار کردے اور انسانی جبلت کے نیک پہلوؤں پر انسانی فلاح و بہبود کا تاج محل تعمیر کرے۔ ہندوستان میں اس نظریاتی قوت کے تحت ایک سیاسی طاقت پیدا ہوئی جس نے اشوک اعظم کے نام سے مختلف سیاسی وحدتوں میں بٹے ہوئے اس خطۂ زمین کو چند دنوں کیلئے ایک سیاسی وحدت میں بدل بھی دیا۔ اس دَور میں اخلاقی لحاظ سے بھی بہت ترقیاں رُو پذیر ہوئیں اور کہا جاتا ہے کہ اس عہد میں سونا اچھالتے گزر جایئے چوری ڈکیتی کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ کوئی بھوکا نہ سوتا تھا یہاں تک کہ برہمنی دَور کی وہ ہولناک صورتِ حال بھی باقی نہ رہی تھی جسے ذات پات کے گھناؤنے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ''انسان'' خواہ وہ مفتوح غلام یعنی ''شودر'' ہو یا فاتح و مالک' کھشتری ہو یا برہمن سب یکساں تھے اور مہاراج سب کی سنتے تھے۔

یہ دَور آریہ نسل کے متعین اور معروف اصولوں کے ہولناک انسان کش مظالم کی داستانوں میں بڑی خوش آئند اور انتہائی خوبصورت کہانی معلوم ہوتی ہے جیسے جلتے صحرا کے درمیان نخلستان۔ لیکن یہ کتنا کم سواد اور مختصر عمر والا دَور تھا۔ اسکے بعد کیا ہوا کہ مہاتما بدھ کو بھی دوسرے خداؤں میں شامل کرکے خدا کا درجہ دیدیا گیا۔ سیاسی زبان میں ایک چھوٹی سلطنت کو بڑی سلطنت نے اپنے اندر ضم کرکے اپنا اٹوٹ انگ بنالیا اور مذہبی زبان میں برہموست کی دیومالا میں ایک اور دیوتا کا اضافہ ہوگیا۔

بدھ مہاراج ان معنوں میں ہندومت کا اٹوٹ انگ بنے کہ یہ بھی ہندوؤں کے لاتعداد فرقوں میں سے ایک فرقہ کے معبود ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ بدھ کی تعلیمات اس سے قطعی مختلف تھیں اور قطع نظر اس بات سے کہ بدھ مذہب بھی مذاہب ہند کا اٹوٹ انگ ٹھہر گیا' تاہم سماجی زبان میں ایسا نہیں ہے'

کیونکہ بدھ مت کے ماننے والے برہمن اور کھشتری کے ساتھ شادی نہیں کر سکتے۔ برہمن اور کھشتری انکے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہیں کھائیں گے۔ انکے کنوؤں کا پانی نہیں پیئیں گے۔ کوئی بدھ انکے چوکے میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اِن حد بندیوں کے باوجود بدھ مت ہندومت کا اٹوٹ انگ ہے۔ تاریخی طور پر بدھ مت تحریک کا مسئلہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا کیونکہ بدھوں پر بے اندازہ ظلم توڑنے، انہیں چن چن کر قتل کر ڈالنے اور ملک بدر کر دینے کے بعد برہمنی سامراج نے بجا طور پر اعلان کر دیا کہ بدھ مت اب کوئی مسئلہ نہیں اور اس نظریہ حیات کو بانجھ کر دیا گیا ہے۔ اس کی کوکھ سے اب کوئی اشوک اعظم جنم نہیں لے گا اور یہی ہوا کہ آج تک کوئی اشوک پیدا نہیں ہو سکا۔ شودر، ذلتوں کی انتہائی پستیوں میں اتار دیئے گئے اور برہمن عزت کے بلند سے بلند تر سنگھاسن پر قابض ہو گئے اور لطف یہ کہ کسی بدھ نے مہاتما بدھ کے افکار و نظریات کے نام پر انسان کشی اور اس عدم مساوات پر آواز نہیں اٹھائی۔

اس دنیا کا تیسرا مہذب اور ترقی یافتہ حصہ وہ تھا جسے ایران کی سلطنت کہا جاتا ہے۔ ایران متعدد جغرافیائی وحدتوں کے مجموعے کا نام تھا جو درفش کاویانی کے سائے میں متحد کر دی گئیں۔ اس کا سب سے شاندار دَور نوشیروان عادل کا دَور ہے جسکی ستائش میں شیخ سعدی شیرازی جیسے معقول اور غیر جانبدار شاعر نے اپنا زورِ بیان صرف کیا اور اس حکایت کو زندہ جاوید بنا دیا کہ نوشیرواں نے ایک بڑھیا کی خاطر اپنے محل کی کجی کو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔ حالانکہ اس حکایت کے پس منظر میں بے انصافی اور جبر و استحصال کی تصویر آسانی سے دیکھی جا سکتی ہے کہ ایسی کتنی ہی بوڑھی عورتیں اسی محل کے ملبے تلے دب گئیں تھیں۔

اس دنیا کا چوتھا مہذب ملک یونان ہے جسے یورپ والے اپنا کہتے ہیں اور ایشیا والے اپنا حق جتاتے ہیں۔ یہ اس کی عظیم مقبولیت کی دلیل ہے جو بے بنیاد بھی نہیں۔ اس میں ارسطو، بقراط اور افلاطون جیسے قائدین مفکر پیدا ہوئے جنہیں آج کی ترقی یافتہ دنیا بھی اپنا استاد مانتی ہے۔ انہوں نے سیاست، تاریخ، سائنس، حکمت، اقتصادیات، نوآبادیات الغرض جدید زندگی کے ہر شعبے کیلئے راہیں مہیا کیں۔ حد تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں درسِ نظامی میں انکے فلسفہ و منطق کے اصولوں اور مبادیات کی تعلیم آج بھی وہی دی جاتی ہے۔ انہوں نے زندگی کے ہر شعبے میں عالم انسانی کی شہرت کا حق ادا کر دیا۔ لیکن یہ دنیا تھی کیا؟ وہ کیسا معاشرہ تھا جس نے کئی تقریباً غیر فانی نام تاریخ میں محفوظ کر دیئے اور دوسری طرف اس میں مفتوح

قومیں اس طرح غلام بنائی اور تباہ کی گئیں کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ جمہوری ریاست کے شہری صرف حکمران قوم کے افراد تھے اور یہی وہ لوگ تھے جو ووٹوں کے ذریعے مفتوح اقوام پر حکومت کرتے تھے ان کے ووٹ قانون بناتے تھے جو مفتوحوں پر ہی نافذ العمل ہوتے تھے مگر فاتحین پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔ گویا مفتوح اقوام کی اکثریت پر فاتح قوم کی متحدہ آمریت کو جمہوریت کے نام سے مسلّط کر دیا گیا تھا۔ یہی یونان کی شہری جمہوریت تھی کہ سر بازار نیلام ہوتی ہوئی ناموس' بھیڑ بکریوں کی طرح بکتی ہوئی جوانیاں' انصاف سے مایوس ہونے والے مفتوحوں کی خود کشیاں' انکا قتل عام اور انکی بیزار زندگی کے پس منظر میں سقراط کے مقالے اور بقراط کی جمہوریت کا مطالعہ جو بڑے بڑوں کے پتے پانی کر دیتا ہے اور بڑے بڑے خیالات یکسر لغو اور بے معنی معلوم ہونے لگتے ہیں اور رومنوں کی عظیم سلطنت اس کا منطقی نتیجہ معلوم ہونے لگتی ہے۔

یہ تھی وہ دنیا جو آج سے سینکڑوں سال پہلے قائم تھی۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر ذرا تصور کیجئے کہ یہ دنیا انسانی تاریخ کیلئے کیا خطوطِ عمل متعین کرتی ہے اور اس سے کیا قیاس ہوتا ہے کہ اگر آنے والی دنیا انہی خطوط پر چلتی رہے تو اس کا رنگ کیا ہوگا۔ آپ غور کریں تو اس کا نقشہ ہم سے بہتر قائم کر سکیں گے جبکہ ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یہ دنیا بالا دستوں کی جنت اور زِیر دستوں کیلئے دوزخ ہونی چاہیئے۔ یہ طاقت کی دنیا ہے' جو طاقتور ہے وہ کمزور کو غلام بنالے گا' فاتح مفتوح کو کچل کر شودر بنا دیگا اور انسان خود انسان کو یوں نگل جائے کہ اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔

اس ہولناک ماحول کے درمیان آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل عرب کے دُور افتادہ اور الگ تھلگ علاقہ میں مکہ کے ایک تاجر کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے یتیمی میں آنکھ کھولی' غریبی میں پل کر جوان ہوا اور جب نبوت کے نورِ عظیم سے سرفراز ہوا تو اسکی آواز نے مذکورہ بالا سارے تصورات کو باطل کر دیا اور دنیا کا متوقع نقشہ بدل گیا۔ اس بدلے ہوئے نقشے میں ہمیں بعض عجیب وغریب چیزیں نظر آتی ہیں۔

ا۔ دنیا میں کوئی ایک قوم باقی نہیں جو وحدانیت کی قائل نہ ہو اور بت پرستی قابل فخر مذہب سمجھتی ہو۔ یہاں تک کہ نہایت سخت جان ''برہمود ہرما'' بھی ہتھیار ڈال رہا ہے۔

۲۔ دنیا میں کوئی ایک قوم باقی نہیں جو کم از کم نظریاتی طور پر انسان پر انسان کی برتری کو بطورِ حق قبول کرے اور اس کا اعلان کر سکے۔ یوں بھی انسانی برادری کا تصور بطور فلسفہ کے پوری دنیا میں راسخ ہو چکا ہے۔

۳۔ دنیا میں کوئی ایسی قوم باقی نہیں جو بلند آواز سے یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ دوسری قوم کے مال کو بغیر حق غصب کر لینے کی حق دار ہے کیونکہ وہ طاقتور ہے۔ گویا طاقت کا قانون غیر مستعمل نہ بھی ہو تو غیر مقبول ضرور ہو چکا ہے اور عمل کے دائرے میں نہیں تو کم از کم زبان کے دائرے میں طاقت کے قانون پر فخر کرنے والا کوئی باقی نہیں۔ آج کی دنیا میں نوشیرواں عادل کی کہانی مقبول نہیں ہو سکتی جس میں تعجب انگیز بننے کا کوئی مواد نہیں رہا۔

۴۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جو آئین کے بغیر حکومت کرے۔ خود اپنے آپ پر آئین کے بغیر حکومت قائم کرنے والی قوم اقوام عالم کی برادری میں حقیر و کمتر سمجھی جائیگی اور برداشت نہ کی جائیگی۔

یہ چند بنیادی تبدیلیاں ہیں اور اس فہرست میں اضافے کی بہت کچھ گنجائش ہے مگر ہم لوگوں کی کمزوری اور بدبختی ہے کہ دنیا کی اکثریت اُس مقدس و مطہر ہستی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کا اعتراف کرنے میں ہچکچا رہی ہے۔ لیکن اس حقیقت سے تاریخ عالم کا کوئی معمولی سے معمولی اور بڑے سے بڑا طالب علم انکار نہیں کر سکتا کہ ہادیٔ برحق کا اقرار و اعتراف کرنے کی سعادت سے محروم ہونیکے باوجود دنیا ''ان ہی ھدایات'' پر عمل پیرا ہے اور آج کی ترقی یافتہ اقوام میں سے کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں جس نے ان ھدایات پر شعوری یا غیر شعوری طور پر عمل کئے بغیر ترقی کی ہو۔ یہ غیر فانی اور بے مثال معجزہ آج کی تاریخ کا بے حد نمایاں پہلو ہے کہ لا الہ الا اللہ پر ہر جگہ عمل ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ روس اور چین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چند سال قبل عوامی جمہوریہ چین کے عظیم رہنما ماؤزے تنگ ایک امریکی اخبار نویس سے یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ ''میں اپنے خدا سے ملنے کی تیاری کر رہا ہوں''۔

یہ کلمہ کے پہلے حصے '' **لا الہ الا اللہ** '' کی کامیابی کی بڑی نمایاں مثال ہے۔ کلمہ کے دوسرے حصہ یعنی '' **محمد الرسول اللہ** '' تک آنے کیلئے دنیا کو ابھی وقت کی ضرورت ہے اور جس طرح آج سے صرف ایک ہزار سال پہلے تک کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کلمہ طیبہ کا پہلا حصہ اس طرح پوری دنیا کا جزوِ

ایمان وعمل بن جائیگا اسی طرح آج یہ دعویٰ کرنے میں سب کو تامل ہے کہ اس دوسرے حصے پر بھی جلد عمل شروع ہوگا۔ لیکن ہم علیٰ وجہ البصیرت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایسا ہوگا۔ تاریخ کے وہ دھارے (جنہیں آج سے ساڑھے چودہ سو برس پہلے اس رُخ پر موڑ دیا گیا تھا) اگر اس کے ایک حصے تک پہنچ سکتے ہیں تو دوسرا حصہ زیادہ دُور نہیں سمجھا جاسکتا"۔ (مسلم شخصیات کا انسائکلو پیڈیا' رسالہ (۳) مقالہ از۔ مولانا کوثر نیازی)

کلمۃ اللہ کا قیام

حدیث قدسی ہے "کنت کنزاً مخفیاً فان احببت ان اعرف فخلق الخلق"

یعنی "میں ایک خفیہ خزانہ تھا پس جب چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے اپنی مخلوق کو خلق فرمایا"۔

جب ذاتِ حق تعالیٰ کی خود کا مشاہدہ فرمانے کی مصلحت ہوئی تو فی الفور نورِ الٰہ بصورت مجسم سامنے موجود ہوا۔ چونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نہایت حسین تھا اس لئے عکس مبارک کو دیکھ کر خوش ہوا اور نگاہِ جمال اس عکس مبارک پر پڑی پھر اپنے علاوہ کسی دوسرے کی موجودگی خلافِ توحید پیش نگاہ ہوئی تو اس عکس پر نگاہِ جلال پڑی اور سوال فرمایا کہ تو کون ہے؟ بسبب رعب وہیبت الٰہی عکس پر لرزہ طاری ہوگیا جو قیامِ احترام سے رکوع کی صورت اور پھر سجدے کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔ تب نورِ مجسم نے نہایت خضوع سے اپنی نفی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا میں تو کیا تیرے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ اس جواب پر پروردگارِ عالم خوش ہوا اور نگاہ میں جلالت کی جگہ پھر سے جمال نے لے لی۔ فرمان ہوا تو نے قابل تعریف جواب دیا تو بھی تعریف کیا جائیگا اور میرا نمائندہ ہوگا۔

یعنی الٰہ العالمین کے سوال کے جواب میں نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "لا الٰہ الا اللہ" صادر ہوا تو خالق کائنات کی طرف سے انعام میں "محمد الرسول اللہ" کا فرمان ارشاد ہوا۔ گویا "کلمۃ اللہ" تخلیق کائنات سے کروڑوں سال قبل ہی قائم ہو چکا تھا۔ یوں آپؐ نہ صرف نبی آخر الزماں بلکہ نبی قبل الزماں بھی ثابت ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت کے بعد خاتم الانبیاء کی حیثیت سے دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حنیف کے اجالوں سے نہ صرف کفرستانِ عرب و ہند ہی کی تاریکیوں کو عدم فرمایا بلکہ آپکا نور کرّہ ارض سمیت پوری کائنات کو منور کرنے کا باعث ہوا۔ یہ بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم وتربیت کا خاصہ ہے کہ

مسلمان اپنے نبیؐ سمیت حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک دنیا میں تشریف فرما ہوئے تمام تر انبیاء میں سے کسی ایک میں بھی تخصیص نہیں کرتے۔ بلکہ اُن نامعلوم انبیاء وپیغمبران پر بھی ایمان کے حامل ہیں جن کا تعارف قرآن یا دیگر الہامی کتب سے میسر نہیں۔ آج بھی دنیا کے گوشے گوشے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار بڑی شدومد سے خدا تعالیٰ کی توحید اور اسکے معزز انبیاء وپیغمبران کی محبت کا پرچم لہرا رہے ہیں۔

حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارکہ سے کفر وشرک کی تاریک اور طویل رات ختم ہوئی اور حق وصداقت کی صبح طلوع ہوئی۔ آن ہی آن میں لات ومنات اور ہبل کی جھوٹی خدائی کا تختہ الٹ گیا اور خفتہ بخت انسان خواب غفلت سے جاگ کر بت پرستی وگمراہی کی دلدل سے باہر نکل آیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بے پناہ خصائل اور انگنت خوبیوں کی موجودگی میں یہ واضح اعلان فرمایا کہ ''میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں خدا نہیں ہوں اور خدائے وحدہٗ لاشریک کا ایک بندہ ہوں'' جو کہ توحید الٰہی پر ایک بے مثال ثبوت اور اَن مٹ کسوٹی ہے کہ جب یہ مرقع حسن وکمال بایں ہمہ زیبائی و دلربائی خدا نہیں تو اور کون ہے جو خدائی کا دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہو۔

یاد رہے وہ عظمتیں جو نام محمدؐ میں پنہاں ہیں پوری آب وتاب سے جگمگا رہی ہیں۔ ہاں دیکھنے کیلئے دلِ بینا شرط ہے۔۔۔ ؎ کہ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں۔

نورِ احمدؐ (قندیل میں)

قبل از تخلیقِ کائنات ''کلمۃ اللہ کا قیام،، کے عنوان تلے عرض کر چکا ہوں کہ نورِ الٰہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دلکش جواب وانداز پر خوش ہو کر اپنے عکس مبارک کو شرفِ پسندیدگی سے نوازتے ہوئے قائم (خلق) فرما دیا اور ایک قندیل میں عرصہ دراز اپنے روبرو آویزاں رکھا جسے دیکھ کر پروردگار خوش ہوتا۔ پھر مصلحت ہوئی تو اسی نورِ مبارک سے یک مقدارِ نور لے کر فرشتوں کو تخلیق فرمایا۔ ایک جماعت کروبیاں سے سوال فرمایا کیا میں اس لائق نہیں کہ میرے سامنے ادب سے کھڑے رہو اور میری حمد وثناء بیان کرو۔ جواب میں اس جماعت نے عرض کیا بلاشبہ تو اس لائق ہے تو فرمان ہوا پھر ایسا ہی کرو۔ چنانچہ

وہ جماعتِ کروبیاں اس پر متعین ہوگئی۔ پھر دوسری جماعت سے سوال فرمایا کہ کیا میں اس لائق نہیں کہ میرے سامنے ادب سے جھک جاؤ اور میری حمد وثناء میں مصروف رہو۔ اس گروہِ کروبیاں نے بھی یہی عرض کیا کہ بلاشبہ تو اس لائق ہے کہ ہم تیرے حضور ادب سے جھک رہیں اور تیری حمد وثناء میں مصروف رہیں۔ جس پر انہیں بھی حکم ہوا کہ ایسا کرو' چنانچہ وہ جماعت حالت رکوع میں مصروف حمد وثناء ہوئی۔ پھر تیسری جماعت کو حکم ہوا کہ وہ حالت سجدہ میں میری حمد وثناء میں مصروف رہیں چنانچہ تیسری جماعت کروبیاں سجدہ میں مصروفِ حمد ہوگئی جو آج تک اور قیامت تک انہی حالتوں میں مصروف عبادت ہیں بلکہ بعداز قیامت بھی انہی حالتوں میں مصروفِ حمد باری تعالیٰ رہیں گے۔

اسکے بعد قندیل میں موجود نور کی حرارت سے اجنہ کی تخلیق فرمائی اور انہیں کرہ ارض میں پھیلا دیا گیا۔ فرشتے تو حکم عدولی کا تصور بھی نہیں رکھتے تھے گویا وہ حسب الحکم ایسا کرنے پر ایک طرح یوں مائل تھے کہ اس میں انکی ذاتی خواہش کو کچھ دخل نہیں تھا۔ جبکہ اجنہ کا رجحان اس سے برعکس تھا۔ چنانچہ ایک ایسی معتدل اور آزاد مخلوق کو پیدا کرنے کی مصلحت ہوئی کہ جو کوئی اپنی مرضی اور رضا ورغبت سے عبادت الٰہیہ کرنا چاہے تو اس پر قدرت رکھے اور اگر نہ چاہے تو اُس پر زبردستی حکمِ کن کا اطلاق نہ ہو۔ چنانچہ پروردگارِ عالم نے ایک ایسی مخلوق کو خلق فرمانے کا ارادہ فرمایا جو اچھائی برائی میں تمیز کرسکے اپنے برے بھلے کا علم رکھتی ہو اپنے نفع ونقصان کو بخوبی قیاس کرسکے اور اپنے خالق کی انگنت صفاتِ شان وقدرت کو شناخت کرکے اسکی محبت میں گرفتار ہونا چاہے اور اپنی خوشی سے اسکی اطاعت کرنا چاہے تو کرسکے اور اگر رُوگردانی کرنا ہی چاہے تو اس پر بھی قدرت رکھے' اور وہ اپنی مرضی سے ہاں یا نہ پر اختیار کا حامل ہو۔ یوں انسان کو اللہ تعالیٰ کی شاہکار مخلوق کے طور پر تخلیق فرمایا گیا۔

پتلہ' آدمؑ جسے اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں سے بنائے جانے کا اعزاز حاصل ہے مختلف خواص ومقامات کی مٹی سے متخلق ہوا جس کے دیگر خواص میں پانی حرارت اور ہوا کی بھی آمیزش تھی۔ یوں یہ چار عناصر پر مشتمل مٹی کا پتلہ کھنکھناتی ٹھیکری کی صورت خشک ہوگیا تو احسن الخالقین نے اس میں اپنے نفخ سے روح ڈال کر اسے جیتا جاگتا انسان کردیا۔ پھر اپنے نورِ عکس کو جسے عرصہ دراز قندیل میں اپنے رُوبرو سجائے رکھا تھا پیشانئ' آدم میں رکھ کر اسے محترم کردیا۔ مزید براں علم لدنی سے نواز کر تمام موجود فرشتوں

اور اجنہ کو حکم صادر فرمایا کہ میری اس باوصف و باکمال صناعی کے احترام میں اسکے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان اپنے غرور و تکبر کے باعث اطاعت حکم سے محروم رہا اور نتیجہ میں راندۂ درگاہ ہو کر مرُدود قرار پا گیا۔

اس پر اس نے بارگاہ الٰہی میں گلہ کیا کہ میری بیشمار عبادات اور خدمات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک معمولی سی بات پر مجھے راندۂ درگاہ کر دیا گیا۔ میں جو معلم ملکوت تھا جنت میں میرا تخت لگتا تھا شاید ہی کوئی کونا کھدرا ایسا ہو جہاں میں نے تمہیں سجدہ نہ کیا ہو تو آخر مجھے میری خدمات کا کیا صلہ ملا۔ اس پر پروردگارِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ آخر تو اس کا کیا عوض چاہتا ہے؟ وہ بدبخت یہاں پھر چوک گیا اور بجائے معافی طلب کرنے کے یہ مطالبہ کر بیٹھا کہ میں اس انسان کو ضرور بہکا کر اپنا بدلہ لینا چاہوں گا' تو مجھے قیامت تک مہلت دے کہ جس کے باعث میں دوزخی ہو گیا اسے بھی گمراہی و تحریص میں مبتلاء کر کے اپنے ہمراہ دوزخ میں لے جاؤں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ چھوٹ عطا فرمائی کہ تو اپنا زور لگا لے مگر تو میرے بندوں کو گمراہ کرنے میں ناکام رہے گا۔

شیطان (عزازیل) نے اسی لمحہ سے اپنی کاروائی کا آغاز کر دیا اور حضرت آدم و حضرت حوا علیہم السلام کو بہکانا اور ورغلانہ شروع کر دیا کہ تمہیں اس مخصوص درخت کا پھل کھانے سے یوں منع فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ ہمیشہ اس جنت میں نہ رہ سکو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر تم لوگ یہ پھل کھا لوگے تو تمہیں کبھی اس جگہ سے بے دخل نہیں کیا جائیگا۔ کسی شریف النفس کیلئے خدا کی قسم کا اعتبار نہ کرنا سہل نہیں ہوتا پھر عورت کی کم عقلی ایک فطری بات بھی تھی' اگرچہ اُن دونوں میں سے کسی نے ارادتاً حکم سے سرتابی کا ارتکاب نہیں کیا' تاہم ایک سہو کا ارتکاب تو بہرحال ان سے سرزد ہو گیا تھا جس کی پاداش میں انہیں جنت سے بے دخل کر کے کرۂ ارض پر اتار دیا گیا۔ حضرت آدمؑ کو زمین کے اس مقام پر جس کا نام سری لنکا ہے اور حضرت حوّاؑ کو سعودی عرب کی وادی جدّہ میں اتارا گیا۔ ''جدہ'' دادی کو کہا جاتا ہے اس جگہ کا نام جدّہ دراصل اسی بناء پر پڑا کہ یہاں حضرت حوّاؑ کو اتارا گیا تھا۔

جب کرّہ ارض پر آدمؑ کو اتار دیا گیا تو شرمندگی و ندامت کے باعث انہوں نے تین سو سال تک آسمان کی جانب سر نہ اٹھایا اور اس دوران پچھتاوے کے باعث گریہ زاری میں مبتلاء رہے یہاں

تک کہ خداوند قدوس کو ان پر رحم آ گیا اور ان پر کچھ دعائیہ کلمات نازل فرمائے۔ جن کی برکت سے انہیں معافی عطا فرما دی گئی اور پھر جزیرۂ عرب کے جبل الرحمۃ پر حضرت حوا سے انکی ملاقات ہوئی اور پھر یہیں سے تولید انسانیہ کی ابتدا ہوئی۔

آدمؑ کے بعد نبوت آپکے بیٹے حضرت شیثؑ کو تفویض ہوئی اور پھر یہ سلسلۂ نبوت مختلف انبیأ اور پیغمبران سے ہوتا ہوا آخر کار نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر اختتام پذیر ہو گیا۔ تمام انبیائے سابقین اپنی اپنی مخصوص اقوام کی طرف مبعوث فرمائے گئے، جن میں کچھ تو صرف اپنے اپنے قبیلوں تک محدود تھے کچھ گاؤں دیہات تک، کچھ شہروں اور بڑے علاقوں پر مبعوث فرمائے گئے جبکہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام عالم انسان واجنہ پر محیط اور قیامت تک کیلئے مختص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام و مذاہبِ عالم کی رُشد و ھدایت کیلئے تشریف لائے۔ احکام خداوندی قبول کر کے راستی کی راہ اختیار کرنے والوں کو خوشخبری دینے اور نافرمان ظالموں کو انکے انجامِ لرزہ خیز سے ڈرانے کیلئے خدا تعالٰی کا پیغام پہنچانے پر متعین ہیں اور ھدایت وفلاح کے متلاشیان کیلئے قیامت تک کیلئے نور کا ایک مینار اور روشن چراغ ہیں کہ انکے بعد کوئی نیا نبی پیغمبر یا رسول مشعل راہنمائی لے کر آنے والا نہیں۔

آنحضرتؐ کا شجرہ نسب

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن سعد بن عدنان۔

ماہرین انساب کے نزدیک آنحضرتؐ کے نسب میں سعد بن عدنان تک کوئی اختلاف نہیں البتہ اِن ماہرین نے عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک کے شجرہ میں کچھ اختلاف کیا ہے تاہم اس پر سب متفق ہیں کہ آنحضرتؐ کا سلسلہ نسب حضرت اسمٰعیلؑ تک پہنچتا ہے۔ امام مالکؒ نے آپکا سلسلہ نسب حضرت آدمؑ تک بیان کرنے کو محض اس وجہ سے ناپسند کیا ہے کہ اس کے تسلسل کا صحیح ثبوت نہیں پایا جاتا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ کا نسب عدنان تک پہنچا تو آپؐ نے فرمایا یہاں سے اوپر اہل نسب نے غلط بیانی کی ہے۔ البتہ اہل نسب کے نزدیک مضر اور ربیعہ دونوں قبائل بالاتفاق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ

نے فرمایا کہ اس میں شک نہیں کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان سب میں افضل بنایا۔ پھر قبائل میں انتخاب کیا تو مجھے سب سے اعلیٰ قبیلہ میں پیدا کیا۔ پس میں شخصی اور گھرانہ ہر دو اعتبار سے انسانوں میں افضل ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباو اجداد کا مختصراً تعارف

آنحضرتؐ عرب کے معزز ترین گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور آپؐ کے بزرگوں میں سب کو قیادت اور سرداری حاصل تھی جو بہت اعلیٰ مقام اور بلند مرتبہ کے حامل تھے اور ان کی فہم و دانش، بہادری، دلیری، اور جُود وسخا شہرۂ آفاق تھی۔ ان کا اختصاراً تعارف درج ذیل ہے۔

معد:۔ معد ''بنی اسرئیل'' کے خلاف میدانی اور چھاپہ مار جنگوں کے ہیرو تھے۔ وہ جس سے بھی نبرد آزما ہوئے کامیاب وکامران واپس ہوئے۔ یہ عربوں کے مورث اعلیٰ تھے۔

نزار:۔ یہ اپنے دَور میں حسن و جمال اور عقل و دانش میں ہمعصروں پر فوقیت رکھتے تھے۔

مضر:۔ مضر بن نزار کا حسن بھی بے مثال تھا۔ جو انہیں دیکھتا ان کا گرویدہ ہو جاتا انکے حکیمانہ اقوال میں سے چند ایک یہ ہیں۔ (۱) سب سے بہتر نیکی وہ ہے جس پر جلدی سے عمل ہو۔ (۲) خود کو مصائب کے مقابلے کیلئے آمادہ رکھو۔ (۳) نفس کو ایسی خواہشات سے باز رکھو جس میں فساد کا اندیشہ ہو کیونکہ اصلاح اور فساد کے درمیان صبر ہی کا تھوڑا سا فاصلہ ہے۔ مضر بن نزار ہی نے سب سے پہلے اونٹوں کیلئے حدی خوانی کا آغاز کیا۔ وہ خود بھی بہت خوش الحان تھے۔

الیاس:۔ یہ اپنی قوم میں حضرت لقمان حکیم کی سی حیثیت کے حامل تھے انکے دانشورانہ اقوال میں سے ایک یہ ہے۔ جو شخص نیکی کا تخم بوئے گا خوشی و شادمانی کا پھل پائیگا اور جو شخص شر کا تخم بوئے گا ندامت کا پھل کاٹے گا۔

فہر:۔ ان پر قریشی نسل کی انتہا ہوتی ہے ان سے اُوپر جو ہے وہ قریشی نہیں بلکہ کنعانی کہلاتا ہے ان کا نام قیش تھا یہ بہت کریم النفس تھے۔ ضرورت مندوں کی خبر گیری اور اپنے مال سے انکی حاجت روائی کیا

کرتے۔وہ چھٹی پشت میں حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کے جد اعلیٰ تھے۔

کعب:۔ یہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے آٹھویں پشت میں جد اعلیٰ تھے۔عرب اپنے قومی دن یعنی جمعہ کے روز ان کے پاس جمع ہوا کرتے ۔ یہ انہیں پند و نصائح کرتے اور نبی کریمؐ کی بعثت مبارکہ کی خوشخبری فخر سے دیتے کہ وہ میری نسل اور اولاد سے ہونگے۔ وہ لوگوں کو آپکا زمانہ پالینے پر آپکی اتباع کی ہدایت کیا کرتے تھے۔

مرّہ:۔ یہ آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے چھٹی پشت میں جد اعلیٰ تھے اُوپر کی پشتوں میں حضرت امام مالک کا سلسلہ نسب بھی آنحضرتؐ کے ساتھ انہی مرّہ پر جا کر مل جاتا ہے۔

کلاب:۔ان کا نام حکیم ہے اور بعض کے نزدیک عروۃ ہے۔انکا لقب کلاب یوں پڑ گیا کہ وہ شکاری کتوں سے شکار بہت کھیلا کرتے تھے۔ وہ آنحضرتؐ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہؓ کے لکڑ دادا تھے اور آنحضرتؐ کے والد محترم اور والدہ محترمہ دونوں کا نسب انہی پر جا کر ملتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ کلاب وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے عربی مہینوں کے موجودہ نام رکھے تھے جو آج تک رائج چلے آرہے ہیں۔

قصی:۔تقریباً ۴۰۰ء میں پیدا ہوئے ان کا نام زید ہے انہیں مجمع بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ قبائل قریش میں باہم اختلافات تھے جنہیں حق تعالیٰ نے انکے ذریعے رفع فرما کر سب کو متحد کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بعض قبائل کو مکہ کی وادیوں میں، بعض کو پہاڑی درّوں اور بعض کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر آباد کیا۔اس طرح قصی نے انکی آبادیوں کو تقسیم کر دیا۔اس کارنامہ کی بناء پر ان کا نام مجمع (جمع کرنیوالا) پڑ گیا۔ درحقیقت یہ ایک بڑا کارنامہ اور بہت فضیلت کی بات تھی جس کی تکمیل کسی بلند حوصلہ محترم اور معزز ہستی کے ہاتھوں ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی تھی۔قصی وہ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے مزدلفہ میں وہ آگ روشن کی تھی جو برابر روشن رہتی تھی حتیٰ کہ عرفات سے واپس آنیوالوں کو دُور سے نظر آتی تھی اور آپ قریش میں پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے بعد کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ انکا لقب قصی اسلئے پڑا کہ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد اپنی والدہ کے ہمراہ اپنے عزیزوں اور اہل وطن سے دُور رہنے

لگے تھے کیونکہ انکی والدہ نے ربیعہ بن حرام سے شادی کرلی تھی جوانہیں لے کر ملک شام چلے گئے تھے۔ ان کے متعلق حذافہ بن عالم نے اشعار میں کہا۔(ترجمہ) ''تمہارے مورث اعلیٰ قصی تھے جنہیں مجمع کہا جاتا ہے۔حق تعالیٰ نے ان ہی کے ذریعہ قبائل فہر کو متحد فرمایا تھا''۔

زمانہ جاہلیت میں بیت اللہ شریف کی کلید برداری' حجاج کیلئے فراہمی آب،ان میں لنگر کی تقسیم اور عام مہمانداری کیلئے اہم فرائض ان کے سپرد تھے۔وہ دارالشوریٰ کے صدر بھی تھے جس کے تمام جلسے ان ہی کے مکان میں منعقد ہوا کرتے تھے۔لوگوں کے نکاح بھی انہی کے مکان میں ہوتے تھے۔الحاصل عرب کیلئے ان کا مکان قلب کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ وہ ان تمام مشکلات میں خواہ قومی نوعیت کی ہوں یا انفرادی' پوری قوم کا ملجا وماویٰ بنے ہوئے تھے۔جب انکی وفات کا وقت قریب ہوا توانہوں نے اپنے بیٹوں کو شراب نوشی سے منع کیا۔قبل از اسلام اگرچہ شراب نوشی عام تھی تاہم اس قبیح شئے سے اپنی اولاد کو باز رکھنے والے نے یقیناً شراب کی مضرتوں کو محسوس کیا ہوگا۔اسّی سال کی عمر میں ۴۸۰ھ ء میں انتقال ہوا۔ اُن کا کلام انکے تجربے اور عقلی برتری پر دلالت کرتا ہے جس میں سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

۱۔جو شخص کسی شقی وبدبخت کا احترام کرتا ہے وہ اسکی شقاوت میں برابر کا حصہ دار بن جاتا ہے۔

۲۔جو شخص استحقاق سے زیادہ کا طالب ہوتا ہے وہ محرومی وناکامی کا منہ دیکھتا ہے۔

۳۔جسے عزت راس نہیں آتی اسے ذلت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔حاسد چھپا ہوا دشمن ہے۔

اگر انسان اپنے کلام سے پرکھا جاتا ہے تو ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں رذائل اور برائیوں سے بہت نفرت تھی۔یہ دلیر وبہادر تھے اور حسد وغرور وغیرہ جیسی برائیوں سے متنفر تھے۔

عبد مناف:۔ان کا نام مغیرہ تھا جنہیں حسن وجمال کی بناء پر بطحا کا چاند بھی کہا جاتا تھا۔وہ سخاوت کی وجہ سے قریش میں فیاض کے نام سے بھی مشہور تھے۔وہ چوتھی پشت میں حضرت عثمانؓ کے جدِّ اعلیٰ اور نویں پشت میں امام شافعیؒ کے جدِّ اعلیٰ تھے۔

ہاشم:۔ان کا نام بھی عبد مناف تھا جنہیں انکے بلند مرتبہ کی وجہ سے عمرو العلا کہا جاتا تھا۔وہ عبدالشمس کے بھائی تھے اور اپنے والد عبد مناف کے بعد اپنی قوم کے سردار بنے۔ایک مرتبہ ملک میں شدید قحط پڑا جس کی وجہ سے قریش شدید فاقوں میں مبتلا ہو گئے۔اس حالت سے متاثر ہو کر ہاشم ملک شام گئے اور وہاں سے آٹے اور کیک کی خریداری کر کے زمانۂ حج تک یہ سامان مکہ میں لے آئے۔آٹے سے روٹیاں تیار کروائیں اور بہت سے اونٹ ذبح کر کے روٹی اور کیک کے ٹکڑے اس میں ملا کر ثرید تیار کروایا اور لوگوں کو پیٹ بھر کھانا کھلایا۔اس مناسبت سے ان کا نام ہاشم پڑ گیا۔انہیں ابوالبطحا اور سید البطحا بھی کہا جاتا تھا۔ بطحا' وادی کے پانی کے بہاؤ کی جگہ کا نام ہے چونکہ وادی کے پانی کے بہاؤ کی طرح انکا دستر خوان بھی تنگی و فراغت ہر حال میں وسیع و جاری رہتا تھا اس لئے انہیں ان ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا۔آپ نہ صرف دولت مند تھے اور لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے بلکہ مصیبت زدہ لوگوں کو پناہ بھی دیتے تھے۔وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قریش کیلئے تجارتی سفر کا طریقہ رائج کیا۔جو سال میں دو سفروں پر مشتمل تھا ایک موسم سرما اور دوسرا موسم گرما میں۔سردی کے موسم میں قریش یمن اور حبشہ کا سفر کرتے اور گرمیوں میں شام کا۔ہاشم تجارت کرتے ہوئے ملک شام میں عزہ کے مقام پر ۵۱۰ء میں وفات پا گئے۔سورۃ''قریش'' انہی کے باہمی اتفاق و صلح اور کشائش رزق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

عبدالمطلب:۔ان کا نام شیبۃ الحمد تھا جو فال نکال کر رکھا گیا تھا تا کہ لوگ آئندہ انکی تعریف کریں۔ آپکے بال پیدائشی طور پر سفید تھے۔مشہور ہے کہ عبدالمطلب وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے سیاہ خضاب کیلئے وسمہ استعمال کیا تھا۔انکی والدہ کا نام سلمٰی بنت عمر بن زید نجاریہ تھا۔ان کو عبدالمطلب اس لئے کہا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ انکے چچا مطلب نے انہیں سفر میں اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا کیونکہ وہ عسرت کی وجہ سے پراگندہ حال تھے۔انکے چچا سے کسی نے سوال کیا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے بوجہ شرم کہہ دیا کہ میرا غلام ہے تب سے انکا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔

عبدالمطلب عوام و خواص میں مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔انکے دستر خوان سے پرندوں اور

پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے درندوں تک کو غذا پہنچائی جاتی تھی۔ انکا یہ عمل بے زبان حیوانات پر رحم اوران سے متعلق انکے نازک اور لطیف احساسات کی غمازی کرتا ہے۔ اس بناء پر قوم کی طرف سے انہیں مطعم الطیر اور فیاض کے لقب سے نوزا گیا۔ وہ مصائب میں قریش کے کام آتے اور مشکلات میں ان کا ملجا و ماویٰ بنے رہتے تھے۔ وہ قریش کے ہاں معزز اور ہیرو مانے جاتے تھے۔ وہ پہلے شخص تھے جو غارِ حرا میں جا کر عبادت کیا کرتے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ رمضان کے مہینے میں حرا پہاڑ پر چڑھتے اور وہاں مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے۔ ان کی عمر ایک سو بیس سال یا اس سے کچھ زائد ہوئی۔ انکے چچا مطلب کے بعد انہیں قوم کی سرداری ملی۔ وہ اولاد کو ظلم و ستم اور فتنہ وفساد سے باز رہنے کا حکم دیتے حسن اخلاق کی ترغیب دیتے اور ذلیل کاموں سے نفرت کرنا سکھاتے تھے۔

عام الفیل کا مشہور واقعہ

عام الفیل (ہاتھی والوں کا سال) وہ سال ہے جو آنحضرؐت کی مبارک پیدائش کا بھی سال ہے۔ یہ واقعہ اسلامی سال کے آغاز یعنی محرم کی سترہ تاریخ کو پیش آیا جبکہ آنحضرؐت کی ولادت اسی سال ۱۲۔ ربیع الاوّل کو باعثِ نور فشاں ہوئی۔ عبدالمطلب اس وقت قریش کے سردار تھے اور قوم کی رہنمائی و حفاظت کی ذمہ داری ان پر تھی اور ہاتھی والوں کے حملہ میں اہل مکہ کو بہت بڑا خطرہ درپیش تھا۔ یمن اور حبشہ کا بادشاہ ''ابرہہ'' جو ایک عیسائی نصرانی بادشاہ تھا' حسد کے باعث کعبۃ اللہ کو تاراج کر ڈالنے کے ناپاک ارادہ سے مکہ پر فوج کشی کا مرتکب ہوا۔ وہ طویل عرصہ تک طوافِ بیت اللہ کیلئے مکہ جانے والوں کو اپنی جانب راغب کرنے اور مکہ کی بجائے صنعا کو مقام حج بنانے کی جدوجہد کرتا رہا۔ اس کیلئے اس نے صنعا میں ایک عظیم الشان کلیسا تیار کروایا جس میں طرح طرح کی سہولتیں مہیّا کی گئیں اور دیگر بہت سے پُر کشش انتظامات کیے گئے۔ مگر اسکے باوجود جب لوگ اس طرف مائل نہ ہوئے تو اس نے بیت اللہ شریف کو تاراج کر ڈالنے کا قصد کیا۔ وہ دس ہزار لشکریوں کے ساتھ ہاتھیوں کا ایک بڑا ریلہ ہمراہ لیکر مکہ مکرمہ کے مضافات میں آ براجمان ہوا۔ اسکے لشکر عظیم نے پہلے تو اپنے کھانے کیلئے اہل مکہ کے جانوروں پر قبضہ جمایا اور انہیں ہانک کر لے گئے جن میں دوسو اونٹ عبدالمطلب کے بھی تھے۔

ابرہہ نے بات چیت کرنے کیلئے عرب سردار یا کسی نمائندہ لیڈر کو طلب کیا کہ بات چیت اور معلومات کا تبادلہ ہو سکے۔ مگر ڈر کر کونوں کھدروں میں چھپی قوم بھلا کیا بات کرتی؟ چاروناچار عبدالمطلب کو ہی ابرہہ سے جا کر بات کرنا پڑی۔ وہ چونکہ نہایت خوبرو خوش رنگ اور باوقار دکھائی دیتے تھے انہیں دیکھتے ہی ابرہہ جو خود بھی بڑا قد آور اور خوش قامت جنگ جُو تھا' احترام سے اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کو اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ دی۔ مختلف انواع کی گفتگو کے بعد ابرہہ نے سوال کیا کہ آپ کی کوئی خواہش ہو تو فرمائیں کہ میں پوری کروں۔ اس پر عبدالمطلب نے کہا آپ میرے کہنے سے واپس تو جانے والے نہیں البتہ یہ کریں کہ میرے دو سو اونٹ جو آپ کے لشکری ہانک لائیں ہیں مجھے واپس کر دیں۔

اتنے بڑے سردار کے منہ سے اتنی چھوٹی بات سن کر ابرہہ سخت مایوس دکھائی دینے لگا اور کہے بغیر نہ رہ سکا کہ میں آپ سے کسی بڑی بات کی توقع کر رہا تھا۔ کعبہ آپ لوگوں کی عبادت کا مرکز ہے جسے میں تباہ و برباد کرنے کی غرض سے آیا ہوں' حیرت ہے کہ آپ نے اسکے بارے بات تک نہیں کی اور محض اپنے اونٹوں کی واپسی کے مطالبہ پر اکتفا کر لیا۔ عبدالمطلب نے کہا میں صرف اپنی ملکیت کی حد تک کا مطالبہ کرنے کا حق دار ہوں اور میں چونکہ اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے صرف انہی کا مطالبہ کرتا ہوں اور باقی رہی کعبہ کی بات تو جس کا گھر ہے اپنے گھر کی وہ خوب حفاظت کرنے والا ہے ہمیں کعبہ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس قوم کی طرف لوٹ آئے اور جو حالات مشاہدہ کر کے آئے تھے اس کے مطابق اپنے لوگوں کو پہاڑیوں اور چوٹیوں پر جا چھپنے اور حفاظتی انتظامات کرنے کی ھدایت دی اور خود کعبہ کے دروازہ پر بارگاہِ خداوندی میں بیت اللہ کی حفاظت کی دعا کی اور پھر واپس قوم میں لوٹ گئے۔

عبدالمطلب کی یہ بات سو فی صد سچ ثابت ہوئی کہ جس کا گھر ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنے پر خوب قادر ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ابرہہ کے لشکر میں موجود ہاتھیوں کے سردار (محمود) نے حملہ کیلئے ایک قدم بھی اٹھانا قبول نہ کیا۔ جب بھی اس کا رُخ بیت اللہ کی طرف پھرایا جاتا وہ وہیں بیٹھ جاتا۔ اسی اثنا میں آسمان پر جھنڈ کی جھنڈ ابابیلوں نے حملہ کرتے ہوئے کنکر پھینک پھینک کر حملہ آور لشکر کا بُھرکس نکال دیا اور تمام کا تمام لشکر ہلاک ہو گیا۔ ابرہہ سمیت جو فوج بچ کر واپس بھاگی وہ بھی شدید

خارش جیسی عجیب وغریب بیماری کا شکار ہوگئی۔ان میں سے بھی کچھ فوج تو چند گھنٹوں ہی میں ہلاک ہوگئی اور باقی بچے خارش زدہ لشکری بھی چند دنوں کے اندر اندر ہلاک ہوگئے۔تاریخ اس پر گواہ ہے کہ بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں میں ابرہہ سمیت ایک شخص بھی زندہ نہ بچا۔(عام الفیل)

کہا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے آخری عمر میں بت پرستی ترک کردی تھی اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرلیا تھا۔عبدالمطلب سفید رنگ خوبرو اور دراز قامت انسان تھے ان کی پیشانی سے نورِ نبوت اور ملکی عزت و وقار جھلکتا تھا جو انکے چھوٹے بیٹے عبداللہ کی پیدائش تک انکے چہرہ پر موجود رہا۔ان کے دس فرزند تھے جو انہیں اس طرح گھیرے رہتے تھے گویا وہ جنگل کے شیر ہوں۔آپکے بڑے بیٹے کا نام حارث ہونے کی بناء پر آپ کی کنیت ابو حارث ہے۔عبدالمطلب ہی نے زمزم کے پوشیدہ کنویں کا سراغ لگا کر حجاج کیلئے آب زمزم کی بہم رسانی کا اہتمام کیا تھا۔ایسے اوصاف جمیلہ کی بناء پر انہیں قریش اور پورے عرب میں انتہائی فخر اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

عبدالمطلب آنحضرتؐ کے دادا ہونے کے باوجود آنحضرتؐ کی بہت عزت کیا کرتے اور انکی قدر و منزلت بڑھاتے رہتے۔اکثر فرمایا کرتے کہ میرا یہ فرزند بڑی شان و مرتبہ والا ہوگا۔حالانکہ حضورؐ ابھی کمسن تھے۔وہ آنحضرتؐ کی قبل از ولادت اور بعد از ولادت کی پیشگوئیوں اور یہودی و عیسائی راہبوں کی اُن اطلاعات کی بناء پر ایسا کہتے جو انہیں جا بجا اور وقتاً فوقتاً دریافت ہوتی رہتی تھیں۔

اولادِ عبدالمطلب (دس بیٹے چھ بیٹیاں)

جن میں سے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔(۱) حارثؓ انکی والدہ کا نام صفیہ تھا جن کا تعلق بنو عامر بن صعصہ سے تھا۔(۲) عباسؓ، جو خلفائے عباسین کے مورث اعلیٰ تھے۔(۳) ضرار ان دونوں کی والدہ نتیلہ خزرجیہ تھیں۔(۴) حضرت حمزہ (۵) مقومؓ ان دونوں کی والدہ ہالہ بنت اہیب تھیں۔ (۶) ابولہب (عبدالعزیٰ) اسکی والدہ کا نام لبنیٰ خزاعیہ تھا۔ (۷) غیداقؓ انکی والدہ کا نام ممنعہ بنت عمرو تھا۔(۸) ابو طالب (۹) زبیر اور (۱۰) عبداللہ۔ان تینوں کی والدہ فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ تھیں۔عبدالمطلب کی چھ بیٹیوں کے نام ہیں۔(۱) صفیہ۔(۲) اُم الحکیم بیضا۔(۳) عاتکہ۔(۴) امیمہ۔ (۵) اروی اور (۶) ابرہ۔

''عبداللہ'' آپ آنحضرؐت کے والد محترم تھے جنکی کنیت ابوقثم تھی اور ابومحمد اور ابواحمد بھی کہلاتے تھے۔ یہ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ آپ نہایت خوبرو اور سجیلے جوان تھے اور عرب کی حسین خواتین تتلیوں کی طرح آپ کے گرد منڈلاتی رہتی تھیں' تاوقتیکہ عبداللہ کی شادی کے بعد نورِ نبوت حضرت آمنہؓ کے رحم میں منتقل نہ ہوگیا' جنس مخالف کا یہ سلسلۂ کشش بدستور جاری رہا۔

ظہورِ قدسی

محبوب الٰہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں ظہور فرمانے سے قبل آپکی تشریف آوری کی وہ متعدد بشارات جو انبیائے سابقین اور سابقہ کتب سماویہ کے ذریعہ ہم تک پہنچیں ان کا اختصاراً ذکر کرتا چلوں تاکہ وہ اہل کتاب حضرات جو آج تک آنحضرؐت پر ایمان لانے سے گریزاں ہیں جان لیں کہ وہ نہ صرف اپنے انبیاء کی تعلیمات سے گریزاں ہیں بلکہ سیدھے سیدھے اپنی کتابوں اور اپنے انبیاء کے فرامین کے انکاری ہیں۔ حیرت ہے وہ آخر کس منہ سے ان معزز انبیاء کے امتی ہونے کے دعویدار ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان ملاحظہ فرمائیں:۔

''خداوند خدا سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا' اور فاران (مکہ) کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا' دس ہزار قدسیوں کے ساتھ۔'' (استثناء ۳۳:۲)

حبقوق نبی کے صحیفہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک فرمان یہ بھی ہے:۔

''خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے فاران سے آیا اسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی''۔(استثناء ۳۔۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان الفاظ میں اپنی قوم کو نوید سنائی:۔

''اور وہ (فارقلیط) آکر دنیا کو گناہ سے' راستی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا۔اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے میری اور بھی باتیں ہیں کہ تم سے کہوں پر اب تم انکو برداشت نہیں کرسکتے۔ لیکن جب وہ سچائی کی روح بن کر آئیگا تو تم کو ساری سچائی کی راہ دکھائے گا۔اس لئے کہ وہ اپنے سے نہیں کہے گا جو کچھ سنے گا کہے گا اور میری بزرگی کرے گا۔'' (یوحنا ۱۶۔۸)

زرتشت نے اس خوشخبری کو یوں بیان کیا:۔

''جب ایرانی ایسا کریں گے تو عربوں میں سے ایک مرد پیدا ہوگا جس کے پیروکار ایرانیوں کے تخت وتاج وسلطنت کو اور ایرانیوں کے مذہب کو تباہ کردیں گے اور زبردست زیردست بن جائیں گے۔ آتش کدوں کی بجائے ابراہیمؑ کی عبادت گاہ دیکھیں گے۔ وہ جہانوں کیلئے رحمت ہوں گے اور پھر وہ آتش کدوں، مدائن اور گردونواح کے مقامات طوس، بلخ اور دوسرے مقدس مقامات پر قبضہ کرلیں گے اور ان کا ''دینی رہبر'' شیریں بیان ہوگا۔'' (دبستان مذاہب)

ہنود کی قدیم کتاب ''پرتی سوگ'' میں اُس عظیم اور بعد از خدا مقدس ترین ذات بابرکات کی آمد کی خبریوں ملتی ہے (جس کی دعا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مانگی تھی)۔ اس کا ایک شبد یوں ہے:۔

اے تا سی من نترے ملیچھا جاری بن سمانی بت   مہامدای تی حیات شش بے شما سمانی بت

''ایک غیر ملک کا رہنے والا اور غیر ملکی زبان بولنے والا روحانی استاد اپنے دوستوں (صحابہ) کے ساتھ ظاہر ہوگا جس کا نام مہامند (محمدؐ) ہوگا''۔

کلکی اوتار

ہندوؤں کی مذہبی مقدس کتابوں میں کلکی اوتار کے بارے واضح بیان ہے کہ

''وہ اس دنیا میں خدا کا آخری پیغام رساں ہوگا اور پوری دنیا کی راہنمائی کا فریضہ انجام دے گا۔ صدیوں سے ہندو جس اوتار کے منتظر ہیں''۔

پنڈت وید پرکاش اپادھیائے نے نبی آخرالزماں کو ہندوؤں کا آخری اوتار قرار دیکر ہندوؤں میں ایک ہیجان وطوفان برپا کردیا ہے۔ انہوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ ہم جس اوتار کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں وہ تو دنیا میں تشریف لاکر واپس بھی جاچکا۔ وید پرکاش کا کہنا ہے کہ ہنود کی مذہبی کتابوں، ویدوں اور اپنشدوں میں اس اوتار کی جو نشانیاں مندرج ہیں محمدؐ ان پر پورے اترتے ہیں۔ لہٰذا تمام ہندوؤں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے اس موعودہ اوتار کا انتظار چھوڑ کر مسلمانوں کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری اوتار تسلیم کرلیں کیونکہ حقیقت یہی ہے۔

ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے مطابق اس اوتار کی پیدائش ایک جزیرے پر ہوگی، جسے ہندو جزیرہ نمائے عرب تسلیم کرتے آئے ہیں۔ ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے مطابق کلکی اوتار کے والدین کے ناموں کے سلسلہ میں والد کا نام ''وشنو بھگت'' اور والدہ کا نام ''سومتی'' بتایا گیا ہے۔ یوں اردو زبان میں وشنو بھگت کا ترجمہ ''خدا کا غلام'' ہے جسے عربی زبان میں ''عبداللہ'' کہتے ہیں۔ والدہ کے نام سومتی کا ترجمہ سکون، امن ہے اور اس اوتار کی والدہ کا نام ''آمنہ'' تھا جو سومتی ہی کا عربی ترجمہ ہے۔ ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں واضح طور پر کلکی اوتار کی خوراک کھجور اور زیتون پر مشتمل بیان کی گئی ہے اور انکے بارے وثوق سے کہا گیا ہے کہ وہ انتہائی دیانت دار اور سچے انسان کی حیثیت سے شہرت حاصل کریگا۔ کلکی اوتار کے بارے ہندو اپنشدوں میں یہ حیرت انگیز انکشاف بھی موجود ہے کہ اس کی پیدائش مہینے کی بارہ تاریخ کو ہوگی۔ سب جانتے ہیں کہ آپکی ولادت مبارکہ سن ہجری کے ربیع اوّل کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔ مقدس کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اوتار زبردست شاہ سوار اور ماہر شمشیر زن ہوگا۔ کتاب کے مصنف نے ہندوؤں کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ آج جبکہ گھوڑوں اور تلواروں کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور ان کی جگہ گولہ بارود اور میزائلوں نے لے لی ہے۔ آخر وہ اپنے گھڑ سوار شمشیر زن اوتار کا انتظار کیسے کر رہے ہیں۔ پنڈت وید پرکاش نے موجودہ ہندوؤں کو مشورہ دیا ہے کہ انہیں اپنی مقدس کتابوں کی اطلاع کے مطابق حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے پیغمبرؐ اسلام کو اپنے آخری اوتار کے طور پر تسلیم کر لینا چاہیے۔

تاہم یہ تو ہر کسی کے مقدر پر موقوف ہے کہ وہ حقائق کو تسلیم کرتا ہے یا اس سے نظریں چرا کر ہٹ دھرمی اختیار کرتا ہے۔ بہر حال پھر وہ وقت آ ہی گیا جب ''برتی سوگ'' کا کہنا سچ ہو کر حقیقت کا میٹھا بول بن گیا۔ زرتشت کی پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ کی نوید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری لوگوں نے پالی اور حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کی دعا مستجاب ہوئی جب فاران کی چوٹیوں سے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہاں میں جلوہ فرما ہونے کا اعلان ہوا۔

آنحضرتؐ کی ولادتِ باسعادت

۱۲۔ ربیع الاوّل بمطابق ۲۰۔ اگست ۵۷۰ء بروز سوموار (پیر) صبح کے وقت حضور اکرمؐ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ اسی سال اصحاب الفیل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ جس سال حضرت آمنہؓ امید سے

ہوئیں وہ سال کامرانی وخوشحالی کا سال تھا جبکہ اس سے پہلے قریش قحط سالی اور بڑی عسرت میں مبتلا تھے۔ اس سال زمین عرب سرسبز وشاداب ہوگئی' وہاں کے درخت پھلوں سے لد گئے اور قریش خوشحال و فارغ البال ہوگئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ مکہ مکرمہ میں سوق الیل کے اس مکان میں ہوئی جو حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی کا مکان کہلاتا ہے۔ آپکی ولادت والا حجرہ پہلے اس گھر ہی کا ایک جزو تھا تاہم مدت بعد خلیفہ ہادی اور رشید کی والدہ خیزران نے اس حجرہ کو مکان سے علیحدہ کر کے وقفِ مسجد کر دیا جس میں نماز پڑھی جانے لگی۔ اس سے قبل یہ مکان عقیل بن ابی طالب کی ملکیت تھا۔

ولادتِ مبارکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی والدہ ''شفا'' کے ہاتھوں انجام پائی کہ وہی آپکی دایہ تھیں۔ آپکی پیدائش مبارکہ کی خبر آپکی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ نے آپکے دادا کو بھیجی' جو اس وقت کعبۃ اللہ کے طواف میں مشغول تھے۔ وہ یہ خوشخبری سنتے ہی آپکی والدہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے عبدالمطلب سے عرض کیا کہ اے ابوالحارث آپ کے گھر ایک عجیب بچہ پیدا ہوا ہے۔ یہ سن کر عبدالمطلب گھبرا گئے اور بولے کیا وہ صحیح وسالم پیدا نہیں ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اعضاء تو صحیح وسالم ہیں مگر اس بچے کی حرکات عجیب سی ہیں۔ پیدا ہوتے ہی پہلے اس نے واضح طور پر سجدے کی شکل اختیار کی پھر ہم یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ اس نے اپنا سر اور اپنے ہاتھ کی دو انگلیاں آسمان کی جانب اٹھائیں۔ یہ کہتے ہوئے آنحضرتؐ کو آپکے دادا کے ہاتھ میں دیدیا۔ جنہوں نے پہلے آپکو خوب جی بھر کے دیکھا پھر خانہ کعبہ میں لے گئے جہاں آپکے لئے فتنہ وفساد سے خدا کی پناہ مانگی آپکے لئے دعائے خیر کی' پھر آپکو واپس لا کر آپکی والدہ کے سپرد کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے آپکا نام ''محمد'' رکھا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ نام آپکے آباؤ اجداد میں سے کسی کا نہیں تو آخر یہ نام رکھنے کی وجہ؟ عبدالمطلب نے کہا مجھے اس بچے کو دیکھ کر یوں لگا جیسے تمام اہل زمین اسکی مدح وثنا کریں گے چنانچہ میں نے یہی نام رکھ دیا اور پھر عرب کے دستور کے مطابق ساتویں روز ختنہ کیا۔ بعض کے نزدیک آپؐ پیدائشی مختون تھے۔

ولادت مبارکہ پر پیش آنے والے واقعات

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت جو عجیب وغریب واقعات پیش آئے اختصاراً عرض کرتا چلوں کہ آپکی پیدائش سے قبل شہنشاہِ فارس کسریٰ' نوشیرواں' خسرو بن قیقباد بن فیروز کی حکومت قائم ہوئے چالیس برس گزر چکے تھے۔ جن کے محلات میں زلزلہ آگیا اور کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گر پڑے۔ جو اس امر کی جانب اشارہ تھا کہ اس خاندان میں ظلم واستبداد کرنے والے چودہ بادشاہ بچے ہیں جن کے جلد ختم ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔ چنانچہ دس بادشاہ یکے بعد دیگرے صرف چار سالوں میں ختم ہو گئے اور باقی چار حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ہلاک ہو گئے۔ ایک واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ فلسطین میں بحیرہ طبریہ یکا یک خشک ہو گیا جو اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ وہاں کے باشندوں پر مصائب وشدائد نازل ہونگے۔ ایک واقعہ یہ ہوا کہ ہزار سال سے مسلسل جلتا ہوا فارس کا آتش کدہ (جو اِس مدت کے دَوران ایک لمحہ کیلئے بھی کبھی نہ بجھا تھا) اچانک بجھ گیا۔ ایک واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ لوگوں کے گھروں میں اور کعبہ میں موجود بت منہ کے بل گر پڑے۔ ایک اہم واقعہ یہ کہ شہاب ثاقب کے ذریعے شیاطین سے آسمان کی حفاظت مقرر فرما دی گئی اور شیطانوں کی گھاتوں پر یوں پابندی عائد کر دی گئی کہ انہیں چوری چھپے آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا۔ جیسا کہ شقرا طلیسی نے بیان کیا:۔

(ترجمہ) ''آپکی ولادت باسعادت کے نور سے سب عالم جگمگا اٹھے اور ہاتفِ غیبی کی طرف
سے مشرق ومغرب میں آپکی ولادت کی خوشخبری پھیل گئی اور بت اوندھے منہ زمین پر گر پڑے
اور شہاب ثاقب کے ذریعہ شیاطین کو مارا جانے لگا''۔

آنحضرتؐ کو دودھ پلانے والی خواتین

حضورؐ کی دایہ کے طور پر ایک خوشبخت خاتون حلیمہ سعدیہ کا نام مشہور ہے جو دراصل آنحضرتؐ کو ابتدائی دودھ پلانے والی ہیں نہ کہ جنم دلانے والی۔ آنحضرتؐ کی ولادت جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی والدہ ''شفا'' کے ہاتھوں ہوئی۔ البتہ حلیمہ سعدیہ سمیت نو (۹) عورتوں کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

سب سے پہلے آپکی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ ہیں پھر آپکے چچا ابولہب کی لونڈی ثوبیہ اسلمہ ہیں جنہیں ابولہب نے آنحضرتؐ کی پیدائش کی خوشخبری سنانے پر آزاد کردیا تھا۔ دودھ پلانے والیوں میں خولہ بنت منذر اور اُم ایمن بھی شامل ہیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کے علاوہ سعدیہ نامی ایک اور خاتون اور قبیلہ عواتک کی تین خواتین بھی ان میں شامل ہیں۔ البتہ سب سے زیادہ دودھ پلانے اور دوران پرورش بے بہا خیر و برکات سمیٹنے والی خاتون حضرت حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ ہیں جنکی کنیت اُم کبشہ ہے۔

دودھ پلوانے کی وجہ

اُن دنوں عربوں میں یہ عام رواج اور شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کیلئے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کو سونپ دیا کرتے تاکہ انکے بچے جسمانی اور اعصابی طور پر مضبوط و توانا ہو جائیں اور گہوارہ ہی سے خالص اور ٹھوس عربی زبان سے آشنا ہو جائیں۔ چنانچہ جب انکے ہاں بچہ پیدا ہوتا وہ اپنے قبیلے کے علاوہ کسی دوسرے قبیلہ کی انّا کو تلاش کرتے تاکہ بچہ کی نشوونما' بہتر عادات و اطوار اور لسانی فصاحت و شستگی پر ہو سکے اور یہی صورت حال دوسرے قبائل کی ضرورت مند عورتوں کی بھی تھی کہ وہ جب دودھ پلانے والی ہو جاتیں تو بڑے شہروں میں متمول خاندانوں کے بچوں کو معاوضہ کے عوض دودھ پلانے میں دلچسپی رکھتی تھیں۔

اس سال بھی ایسا ہوا کہ بنو سعد کی کچھ عورتیں انّا کی خدمت کیلئے نوزائدہ بچوں کی تلاش میں مکہ معظّمہ آئیں جن میں مذکورہ حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ وہ اپنے وطن سے اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ کے ہمراہ مکہ کی طرف نکلیں۔ بہت سی عورتوں کو جو جو گھر پسند آیا وہاں وہاں سے انہوں نے بچوں کو حاصل کرلیا مگر حلیمہ سعدیہ کی سواری ایک کمزور و لاغر سفید گدھی تھی جو دوسرے شتر سواروں سے پیچھے رہ گئی تھی۔ حارث اور حلیمہ اپنی قسمت کو کوستے گلی گلی پھر کر اپنے لئے کوئی بچہ حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہوئے بالآخر ایک ایسے مکان پر پہنچ گئے جس گھر کے بارے بہت سی انّائیں یہ جان کر کہ یہ بچہ یتیم ہے' یہاں سے معاوضہ ہی کیا ملے گا' بغیر دیکھے پوچھے دوسری جگہوں پر چلی گئیں تھیں۔

یہاں عبدالمطلب نے رضاعیت کیلئے اپنے پوتے کو حلیمہ سعدیہ بنت ابی ذویب کے سپرد کیا جسکے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزا تھا اور کنیت ابوکبشہ تھی۔ رضاعت کے تعلق سے حارث کے بچے

آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی بہن عبداللہ، انیسہ، حذافہ یا جذامہ میں سے حذافہ جس کا لقب شیما تھا (یہ اپنے لقب سے زیادہ مشہور ہیں) یہ وہ خوشبخت بچی ہے جو آنحضرتؐ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔ دوران رضاعت حضرت حلیمہؓ نے اس دودھ پیتے بچے کی برکات کے ایسے ایسے مناظر دیکھے کہ سراپا حیرت بن گئیں۔

حلیمہ سعدؓیہ کے چند بیانات (بحوالہ ابن اسحاق)

''اس سال شدید قحط سالی کی وجہ سے ہمارے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ اپنی ہمراہ خواتین کے ساتھ میں اور حارث ایک سفید گدھی پر سوار ہو کر نکلے جبکہ انکے پاس دیگر سواریاں اور اونٹنیاں بھی تھیں۔ بھوک کی شدت سے مجھے دودھ کا ایک قطرہ تک نہ ٹپکتا تھا اور میرا بچہ بھی بھوک سے بے حال ہو کر روتا رہتا تھا جس وجہ سے ہمیں رات بھر نیند بھی نہ آتی تھی۔ لیکن ہم باران رحمت اور کشائش رزق کے متوقع ضرور تھے اور اسی امید سے سفر پر نکلے۔ کچھ خواتین تو جلد اپنی منزل تک پہنچ گئیں اور کچھ ہماری وجہ سے تکلیف و تاخیر کا شکار ہوئیں۔ آخر کار ہم لوگ مکہ پہنچے اور شیر خوار بچوں کو تلاش کرنے لگے۔ ہم میں سے اکثر پر محمدؐ نامی بچے کو پیش کیا گیا مگر جونہی کسی خاتون کو بتایا جاتا کہ یہ بچہ یتیم ہے تو وہ آپکو لینے سے انکار کر دیتی اور کسی دوسرے گھر کی جانب روانہ ہو جاتی۔ کیونکہ ہم بچے کے والد سے داد و دہش کی امید رکھتی تھیں اور جب یہ معلوم ہوتا کہ اس کا والد اس دنیا میں موجود نہیں تو خیال کرتیں کہ اس کی بیوہ ماں یا کوئی عزیز ہمیں کیا دیگا۔

ادھر جتنی عورتیں میرے ساتھ آئی تھیں سب ہی کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا صرف مجھے ہی کوئی بچہ نہ مل سکا۔ جب قافلہ واپس روانہ ہونے لگا تو میں نے اپنے شوہر کو کہا خدا کی قسم مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ میری تمام سہیلیاں تو بچے لے کر واپس لوٹیں اور میں خالی ہاتھ جاؤں سو میں جا کر اسی یتیم بچے کو لے لیتی ہوں۔ میرے شوہر نے کہا کوئی حرج نہیں اس کے دادا سے بات کرتے ہیں ہوسکتا ہے خدا ہمیں برکت سے نوازے۔ چنانچہ میں نے اس بچے کو قبول کر لیا اور لے کر چلی آئی۔

حلیمہ سعدؓیہ کہتی ہیں قافلے کی واپس روانگی کے موقع پر بچے کو لے کر جب میں اپنی اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئی تو خدا کی قسم میں حیران رہ گئی کہ وہی کمزور سی گدھی اس تیز رفتاری سے بھاگ

بھاگ کر چلنے لگی کہ سارے قافلے کو کاٹ کر آگے نکل گئی۔ میری سہیلیاں حیران ہو کر سوال کرتیں کہ اے بنت ذویب کیا تیری یہ گدھی وہی ہے جس پر سوار ہو کر آئی تھی۔ میں کہتی بخدا یہ وہی ہے مگر اس بچے کی وجہ سے اسکا کوئی خاص معاملہ ہے جو میری فہم سے بالا ہے۔ پھر ہم بنو سعد اپنے گھروں میں واپس پہنچ گئے۔

جب ہم ڈیرے پر واپس پہنچے اور میں نے اس بچے کو چھاتیوں سے لگایا تو میری چھاتیوں میں اس قدر دودھ بھر آیا کہ نہ صرف اس بچے نے شکم سیر ہو کر پیا بلکہ ساتھ ہی اس کے رضاعی بھائی یعنی میرے بچے نے بھی سیر ہو کر پیا اور پھر دونوں سو گئے۔ حالانکہ اس سے قبل ہم اپنے بچے کے رونے اور بھوک سے بلبلانے کے باعث سو بھی نہیں سکتے تھے۔ دوسری صبح میرے شوہر اپنی لاغر و نحیف اونٹنی کے پاس گئے تو اس کے تھن بھی دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ ہم نے اسے دوھیا اور خوب سیر ہو کر پیا۔ میرے شوہر نے کہا حلیمہ خدا کی قسم تم نے ایک بابرکت روح حاصل کی ہے۔ میں نے کہا بخدا مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔

مجھے اندازہ نہیں کہ روئے زمین میں ہمارے علاقے جیسا قحط زدہ علاقہ کوئی اور ہوگا لیکن ہماری واپسی کے بعد یہ صورت حال ہوگئی کہ ہماری بکریاں چرنے جاتیں تو آسودہ حال اور دودھ سے بھرے تھنوں کے ساتھ واپس آتیں۔ ہم دوھتے اور سیر ہو کر پیتے جبکہ دوسرے لوگوں کی صورت حال وہی تھی کہ انہیں دودھ کی کمی کی شکایت بدستور تھی۔ قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ کم بختو تم بھی اپنے جانور وہیں لے جایا کرو جہاں ابوذویب کی بیٹی کا چرواہا لیجاتا ہے۔ لیکن تب بھی انکی بکریاں بھوکی ہی واپس لوٹتیں۔

اس طرح ہم مسلسل خیر و برکات میں اضافے کا مشاہدہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس بچے کی رضاعت کے دو سال پورے ہوگئے اور میں نے دودھ چھڑوا دیا۔ یہ بچہ یوں بھی دوسرے بچوں کے مقابلہ میں تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا اور دو سال میں کڑا اور کٹھیلا ہو چلا تھا۔ مدت رضاعت ختم ہونے پر ہم اس بچے کو لے کر اسکی ماں کو واپس لوٹانے لے تو گئے لیکن ہم اسکی جو برکتیں دیکھتے آئے تھے اس وجہ سے بچے کو خود سے جدا کرنا دشوار لگ رہا تھا اسلئے ہماری خواہش تھی کہ وہ ہمارے پاس رہے۔ چنانچہ ہم نے اسکی ماں سے گفتگو کی کہ اگر کچھ عرصہ اپنے بیٹے کو میرے پاس ہی رہنے دیں تاکہ یہ اور توانا و صحت مند

آپ ﷺ کی دائی حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے اس گھر کے آثار جہاں آپ ﷺ نے اپنا بچپن گزارا

ہو جائے اور پھر یہاں مکہ میں وباء کا بھی اندیشہ ہے۔ ہمارے مسلسل اصرار اور شوق کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ بچہ ہمیں واپس دیدیا جو اپنی رضاعت کے بعد بھی ہمارے ساتھ بنو سعد ہی میں رہنے لگا۔ مگر تھوڑے عرصہ میں ہی عجیب عجیب باتیں ظہور میں آنے لگیں جس سے ہمیں اس بچے کی اہمیت اور اسے درپیش خطرات کا اندازہ ہونے لگا اور اس کی زندگی کے بارے سخت تشویش لاحق ہوگئی۔

حضورؐ کو کمسنی میں قتل کر ڈالنے کا عزم

حلیمہ سعدؓیہ کا کہنا ہے کہ جب میرا گزر کسی یہودی جماعت پر ہوتا اور میں اس بچے کے حالات بیان کرتی تو حیرانی سے انکی آنکھیں پھٹ جاتیں۔ جب کبھی میں اسے کاہنوں کے پاس لیجاتی تو وہ لوگ مجھے اس بچے کو مار ڈالنے کی ترغیب دیتے اور اس بات سے ڈراتے کہ یہ بچہ بڑا ہو کر تمہارے ہم مذہبوں کو قتل کریگا اور تمہارے دین و مذہب کو باطل قرار دیکر تمہارے دیوتاؤں کے بتوں کو توڑ ڈالے گا اور تم پر حکومت قائم کرلے گا۔

ایک مرتبہ کچھ یہودی ہمارے گھر آئے اور اس بچے کے بارے پوچھنے لگے کہ کیا یہ وہی بچہ ہے جس کی پیدائش سے قبل کچھ نشانیاں منظر عام پر آئیں تھیں؟ میں نے کہا مجھے علم نہیں۔ پھر کہنے لگے کہ کیا تمہارا نام آمنہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں میرا نام حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ ہے اور میری کنیت اُمّ کبشہ ہے۔ پھر پوچھنے لگے کہ کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ میں نے کہا نہیں اس کا باپ زندہ ہے اور میں اس کی ماں ہوں۔ اس پر وہ اٹھ کر آپس میں چہ میگوئیاں کرتے ہوئے چل دیئے کہ اگر یہ بچہ یتیم ہوتا تو باقی نشانیوں سمیت یقیناً یہ بچہ وہی ہوتا۔ ایک نے کہا: ہاں ہماری کتابوں میں اُس بچے کی نشانیوں میں ایک اہم نشانی اُسکے یتیم ہونے کی بھی درج ہے۔

حضرت حلیمہ سعدؓیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ آپکو لے کر عکاظ کے میلے میں گئی (جو طائف اور نخلہ کے درمیان ایک مشہور مقام ہے جہاں حج سے قبل شوال میں مشہور میلہ لگتا تھا) میں جب بازار میں گھوم رہی تھی تو ایک کاہن کی نظر اس بچے پر پڑی اور وہ چلانے لگا کہ اے عکاظ والو: اس بچے کو قتل کر ڈالو ورنہ یہ تم پر حکمرانی کریگا اور تمہارا مسلک برباد کر ڈالے گا۔ یہ سنتے ہی میں آپکو چھپا کر فوراً اس جگہ سے نکل گئی یوں کہ میری گھبراہٹ کو کوئی محسوس بھی نہ کر سکے۔

جنت البقیع میں موجود دائی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک

اس پاک خاتون کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے عوض بے اندازہ خیر و برکت حاصل ہوئی۔ انہیں انکے شوہر اور اولاد سمیت دولت اسلام نصیب ہوئی۔ ذاتِ کبریاء اس پاک خاتون کو اپنے مقامِ قرب میں مزید درجات و برکات سے نوازے۔

شقِّ صدر کا واقعہ

حضرت حلیمہؓ سعدیہ کا بیان ہے کہ اس بچے کو دوبارہ اپنے گھر لانے کے بعد جب یہ بچہ چار سال کا ہو کر چلنے پھرنے لگا اور گھر کے عقبی حصہ میں اپنے رضاعی بہن بھائیوں سے کھیل رہا تھا کہ یکا یک اس کا بھائی دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا اور گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہنے لگا کہ دو آدمیوں نے جو کہ سفید کپڑوں میں ملبوس تھے' قریشی بھائی کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور اس کا پیٹ چیر کر اس میں کوئی چیز ڈال دی اور پھر اچانک کہیں چلے گئے۔ مجھے علم نہیں کہ بھائی مر گیا یا زندہ ہے۔ ہم گھبرا کر باہر دوڑے اور دیکھا کہ بچہ زندہ تھا مگر اسکا رنگ متغیر اور چہرہ اترا ہوا تھا۔

حضرت آمنہؓ کا انتقال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو چاک کرنے کا یہ پہلا واقعہ تھا جو ممکنہ الائیشات و اثراتِ شیطانیہ کے دفع کرنے کیلئے تھا۔ لیکن اس واقعہ سے حلیمہ سعدؓیہ شدید گھبرا گئی تھیں اور بچے کو اسکی والدہ کو جلد از جلد سونپ دینے ہی میں عافیت سمجھ رہی تھیں چنانچہ آپ نے بچے کو لیجا کر انکی والدہ کے حوالے کر دیا۔ آنحضرتؐ کے والد کا انتقال تو آپکی ولادت سے قبل ہی ہو چکا تھا البتہ ۵۷۵ء میں چار سال کی عمر میں دایہ حلیمہ سعدیہ سے واپس آ کر چھ سال کی عمر تک اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش محبت میں رہے۔

پھر حضرت آمنہؓ نے سفر مدینہ کا ارادہ کیا کہ وہ اپنے متوفی شوہر کی یادِ وفا میں مدینہ جا کر انکی قبر کی زیارت کریں اور اپنے بچے کو اسکے ماموں سے بھی ملوا دیں جو قبیلہ بنونجار سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے یتیم بچے محمدؐ اپنی خادمہ امّ ایمن اور اپنے سرپرست عبدالمطلب کی معیت میں لگ بھگ پانچ سو کلو میٹر فاصلہ طے کر کے مدینہ تشریف لے گئیں۔ وہاں ایک ماہ قیام کر کے واپس ہوئیں مگر ابھی ابتدائے راہ ہی میں تھیں کہ بیمار ہو گئیں۔ بیماری شدت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ابواُ کے

ابواء کے قریب حضور ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کا مزار مبارک۔

مقام پر انکا انتقال ہوگیا اور وہیں دفن کردی گئیں۔ والدہ کے انتقال کے وقت حضورؐ کی عمر چھ سال اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی عمر تیس سال تھی۔

ضمناً بیان کرتا چلوں جیسا کہ احادیث میں ہے: عروج اسلام کے وقت آنحضرتؐ ایک ہزار مسلح مجاہدین کے ہمراہ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کیلئے ابوأ تشریف لے گئے جہاں آپؐ پر رقت طاری ہوگئی۔ اس ماحول کی کیفیت اور فرطِ تأثر ایسا تھا کہ دیگر بہت سے صحابہ بھی گریہ زار ہوگئے۔

دادا کے سایۂ شفقت میں

بوڑھے عبدالمطلب اپنے پوتے کو لیکر مکہ پہنچے۔ انکا دل اپنے یتیم پوتے کی محبت و شفقت میں تپ رہا تھا کیونکہ اسکی والدہ کی وفات سے انہیں ایک نیا چرکہ لگا تھا جس نے کئی پرانے زخموں کو پھر سے تازہ کردیا تھا۔ آپکی والدہ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ حضرت اُم ایمن برکہ حبشیہ نے آپکی پرورش کی پھر وہ آنحضرتؐ کو آپکے دادا عبدالمطلب کی خدمت میں لے گئیں جو آپ سے نہ صرف بہت محبت کرتے بلکہ آپکا از حد احترام بھی کیا کرتے۔ عبدالمطلب نے آپکو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ قسمت نے آپکو جس تنہائی میں لاکھڑا کیا تھا عبدالمطلب اس میں آپکو تنہا چھوڑنے کو ہرگز تیار نہیں تھے۔ انکے جذبات میں اپنے پوتے کیلئے ایسی رقت تھی کہ اپنی سگی اولاد کیلئے بھی نہیں تھی۔ مگر کیا کیجئے کہ ابھی آنحضرتؐ کی عمر مبارک آٹھ سال دو ماہ ہی تھی کہ عبدالمطلب کا سایۂ شفقت بھی سر سے اٹھ گیا۔

اپنے شفیق چچا ابوطالب کی کفالت میں

واقعہ اصحاب فیل کے آٹھ سال بعد ۵۷۸ء میں عبدالمطلب کا مکہ میں انتقال ہوگیا البتہ اس دنیائے فانی سے کوچ کرتے وقت عبدالمطلب نے اپنی وصیت میں جہاں ابوطالب کو آبِ زمزم پلانے اور اپنے دوسرے فرزند زبیر کو حکومت اور خانہ کعبہ سے متعلقہ امور کا انتظام و اہتمام سپرد کردیا تھا وہیں اپنے پوتے کی پرورش کی ذمہ داری بھی ابوطالب کے سپرد کردی تھی اور بطورِ خاص آپکی کفالت کی وصیت کرگئے تھے۔ برسبیل تذکرہ یہ وہی سال ہے جس میں آپؐ پیدا ہوئے اور حاتم طائی کا اور کسریٰ نوشیرواں (شاہِ فارس) کا انتقال ہوا۔

ابو طالب کا نام عبد مناف اور عبد کعبہ تھا وہ بہت کریم النفس اور فراخدل انسان تھے مگر وہ کثیر العیال اور مالی لحاظ سے مفلوک الحال تھے۔البتہ آنحضرتؐ کی پرورش کی ذمہ داری لینے کے بعد بہت خیر و برکت محسوس کرتے تھے۔ابو طالب نے بھی اپنے بھتیجے کی کفالت کا حق بڑی خوبی و محبت سے ادا کیا' آپکو اپنی سگی اولاد سے جدا نہیں جانا بلکہ ان سے بڑھ کر آپکو شفقت و محبت سے رکھا۔چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک آپکی نصرت روا رکھی اور مختلف مخالفین و دشمنوں کے مقابل آپکو قوت پہنچانے میں اپنی حمایت کا سایہ عاطفت دراز رکھا۔

حق تعالیٰ نے حضورؐ کے یتیم ہونے پر حفاظت و پرورش کیلیئے ٹھکانہ مہیا فرمانے کا ذکر سورۃ الضحیٰ کی آیت ٦ میں " اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ﴿٦﴾ " کہہ کر فرمایا' یعنی کیا خدا نے آپکو یتیم پا کر ٹھکانہ عطا نہیں فرمایا۔اس دوران بارہ سال کی عمر مبارک تک کا عرصہ وہ ہے جس میں آپ یتیمی و ناداری کے باوجود کسی پر بوجھ نہ بنے۔آپنے کچھ تو بنی سعد کی کچھ اپنے عزیزوں کی اور پھر مکہ میں معمولی اجرت یعنی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائیں اور یوں خودداری سے اپنی گزر بسر کرتے رہے۔

آنحضرتؐ کا پہلا سفر شام اور بحیرہ راہب سے ملاقات

جب آپکی عمر مبارک ابھی بارہ سال تھی تو ۵۸۲ء میں ایک تجارتی قافلے میں شامل ہو کر اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ اپنے پہلے سفر پر شام روانہ ہوئے۔قافلہ نے چلتے ہوئے شام کے ایک قصبہ بصریٰ میں پڑاؤ کیا جو ضلع حوران کا ایک مرکزی شہر تھا اور اُس وقت جزیرۃ العرب کے رومی مقبوضات کا دارالحکومت تھا جو رُومانیہ کی حکومت کے تحت تھا۔اُس وقت بصریٰ کے گرجا گھر میں بحیرُا نامی ایک عیسائی راہب جو اپنے مذہب کا ایک بڑا عالم اور عرصہ سے اس گرجا میں پادری متعین تھا۔نسل در نسل منتقل ہونے والی مذہبی کتابِ مقدس کا یہی ایک عالم باقی رہ گیا تھا۔عرب کے تجارتی قافلے راہ میں پڑنے والے ایک سایہ دار درخت کے باعث اکثر ادھر سے گزرتے اور گرجا گھر کے سامنے موجود درخت کے سایہ میں آرام کیا کرتے تھے۔بحیرُا نے کبھی ان میں دلچسپی نہیں لی تھی مگر جب یہ قافلہ گرجا گھر کے قریب فروکش ہوا تو اس نے دیکھا کہ قافلہ کے ایک لڑکے پر بادل کا ٹکڑہ اپنا سایہ کیئے ہوئے ہے اور جب قافلہ درختوں کے سایہ میں جا بیٹھا تو وہ ششدر رہ گیا جب اس نے دیکھا کہ درخت کی ٹہنیاں احتراماً جھک گئیں۔

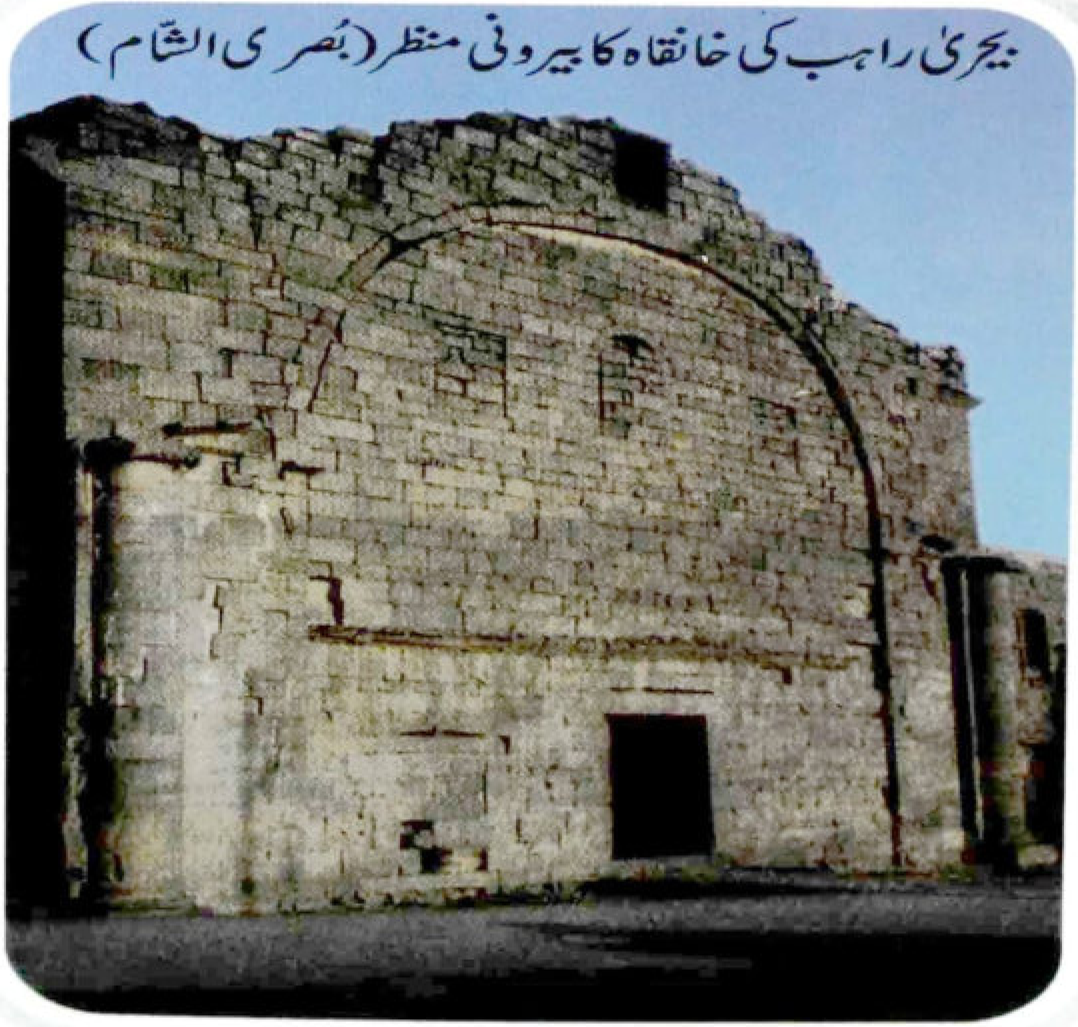

بحیریٰ راہب کی خانقاہ کا بیرونی منظر (بُصریٰ الشام)

بحیری راہب کی خانقاہ کا بیرونی منظر اس جگہ آپ ﷺ نے سفر شام میں پڑاؤ ڈالا تھا اور بادل نے آپ ﷺ کو سایہ میں لیا ہوا تھا راہب نے جب یہ منظر دیکھا تو اس نے آپ ﷺ کی دعوت کی اور آپ ﷺ کے نبوت کی پیشنگوئی بھی کی

بحیرا راہب نے کچھ تو لڑکے کے چہرے مہرے سے اندازہ لگالیا تھا اور مزید براں کئی ایسی نشانیاں بھی دیکھ لیں جو انبیائے سابقین نے تورات کے حوالہ سے اور حضرت عیسیٰؑ نے انجیل کے حوالہ سے نبیٔ آخرالزماںؐ کے بارے بیان فرمائی تھیں۔ اس نے قافلہ والوں کیلئے بہت سا کھانا تیار کر کے انہیں کھانے پر مدعو کیا۔ جب اہل قافلہ کھانے کیلئے آئے تو اس نے دیکھا کہ اس لڑکے پر بادل کا ٹکڑا بدستور اپنا سایہ کیے ہوئے ہے۔ بحیرا نے پہلے ابوطالب سے بچے کا یتیم ہونا دریافت کیا اور بعدازاں اس لڑکے کے قریب آ کر دو مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت کی موجودگی کا اطمینان کرنے کیلئے بچے سے نہایت مؤدب انداز میں مونڈھوں کے درمیان کپڑوں کا حجاب ہٹانے کی درخواست کی۔ آپؐ نے بحیرا کی فرمائش قبول فرماتے ہوئے جونہی اسے مہر نبوت کی زیارت کروائی' بحیرا نے بے اختیار اسے چوم لیا اور آپکی نبوت کا اقرار کرتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر قافلہ کی روانگی کے موقع پر بہت سے تحائف دیکر آپکو رخصت کیا اور ابوطالب کو اپنے بھتیجے پر یہودیوں کے ممکنہ حملہ سے چوکنہ رہنے اور اس دُرِ یتیم کی پوری پوری نگرانی رکھنے کی نصیحت کی۔ آخر میں رائے دیتے ہوئے کہا کہ بہتر ہوگا اگر اس بچے کو ملک شام ساتھ نہ لے جائیں اور یہاں ہی سے واپس بھجوادیں۔ ابوطالب نے اس رائے کو قبول کرتے ہوئے بعض غلاموں کی معیت میں آپکو مکہ واپس روانہ کردیا۔ بعض کا خیال ہے کہ آپکو سخت حفاظت سے سفرِ شام میں ہمراہ رکھا اور ہمراہ واپس لائے۔ بہر حال یوں بحیرا راہب آنحضرتؐ پر پہلے پہل ایمان لانے والے خوش بختوں میں شامل ہوگیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہ بھی ایسی صورتِ حال میں کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت بھی نہ فرمایا تھا۔

بکریاں چَرانا

بارہ سال کی عمر میں ہی آپکو اپنے چچا کی مالی حالت کی دگرگونی کا احساس شدت سے ہونے لگا کہ مجھے اُن پر بوجھ نہ بننا چاہیئے اور میں اپنے اخراجات خود اٹھانے کیلئے کوشش کروں۔ چنانچہ چچا کی اجازت سے مختلف قبائل عرب کی بکریاں اجرت پر چرانے لگے۔ بیس سال کی عمر مبارک تک آپؐ نے

روزی کمانے کے دیگر قابل ذکر ذرائع اختیار نہ فرمائے۔ بغرض تجارت کچھ سفر بھی کیئے البتہ بھیڑ بکریاں چرانے میں زیادہ مصروف رہے جس کا تجربہ بچپن میں ہی دائی حلیمہ کے ہاں پرورش کے دوران ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپؐ یہ کام بخوشی انجام دیتے رہے۔

عرب میں جاہلانہ رسوم ورواج

بعثت نبویؐ سے قبل خطہ عرب میں جاہلانہ زیاں کاریاں اور انسانیت کیلئے ہیبت ناک و تکلیف دہ رسوم ورواج معاشرہ میں یوں چھائے ہوئے تھے کہ ان کے اثرات سے بچ نکلنا کسی کیلئے سہل نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسی لغویات سے آنحضرتؐ کو بچپن ہی سے محفوظ و مامون رکھا۔ حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ''میں نے بچپن میں دو مرتبہ ایسے کام کرنے کا ارادہ کیا جو دورِ جاہلیت میں مروج تھے لیکن دونوں مرتبہ میرے رب کریم نے مجھے اپنی حفظ و پناہ میں رکھا۔ جب میں اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا تو اکثر دوسرے چرواہوں کے ساتھ مکہ کے باہر صحراء میں ہی رات گزار لیا کرتا تھا۔ ایک شب میں نے اپنے ساتھی چرواہے سے کہا آج تم میری بکریوں کی دیکھ بھال کرنا کیونکہ میں مکہ کے قریب جہاں قصے کہانیوں کی محفلیں جمتی ہیں ان میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ اُس نے ہامی بھر لی تو میں وہاں سے مکہ کی طرف چلا آیا جب مکہ کے قریب پہنچا تو گانے بجانے اور مزامیر کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو گا رہے اور دف بجا رہے ہیں تو اس نے کہا کہ فلاں شخص کی شادی ہے اس لئے یہاں راگ و رنگ کا سماں ہے۔ میں وہاں سننے کیلئے بیٹھا ہی تھا کہ مجھے نیند آ گئی اور میں سو گیا اور پھر اس وقت بیدار ہوا جب صبح ہو چکی تھی۔ چنانچہ میں واپس اپنے ریوڑ کے پاس پہنچ گیا''۔

پھر فرمایا: ''زمانۂ جاہلیت میں ''بوانہ'' کے مقام پر ایک میلہ لگا کرتا تھا جہاں قریش اپنے ایک بت کی پوجا میں بڑے ذوق وشوق سے حصہ لیا کرتے۔ پوجا پاٹ کی رسمیں ادا کی جاتیں اور جانور بھینٹ چڑھائے جاتے۔ مجھے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ایک مرتبہ اس میلے میں شرکت کا موقع ملا مگر میری طبیعت اس قدر بیزار ہو گئی کہ جلد واپس لوٹ آیا۔ آئندہ ہر سال وہ مجھے اس عید میلے میں شامل ہونے

کیلئے اصرار کرتے مگر میں ہمیشہ انکار کر دیتا‘‘۔

حربِ فجار

یاد رہے روشنی کی قدر و قیمت اس وقت تک عیاں نہیں ہوتی جب تک تاریکی کی تکالیف سے سابقہ نہ ہو۔عہد جاہلیت میں عرب باشندے شریعت ابراہیمی کی دعویداری کے باوجود اصل عقائد اور علم سے محرومی کے باعث قبائلی عصبیت، نسلی تفاخر، ذاتی انانیت اور شخصی رعونت کی بیماریوں میں مبتلا تھے۔ذرا ذرا سی بات پر غضب ناک ہوجاتے مغلّظات کے ساتھ آپس میں الجھ پڑتے اور جلد تلواریں نیام سے باہر نکل آتیں۔پھر اپنے بھائی بندوں کو اس بے دردی سے قتل کرتے چلے جاتے کہ خون کی ندیاں بہنے لگتیں۔طرّہ یہ کہ اس بے مقصد قتل عام پر انہیں ذرا بھی ندامت نہ ہوتی نہ جانوں کے زیاں کا کچھ احساس۔بلکہ وہ اپنی بہادری و دلیری پر فخر کیا کرتے۔بیمار معاشرہ کا حال یہ کہ شعراء اُن بہادروں کی شان میں قصیدے لکھتے جنہوں نے اپنے عزیزوں کو زیادہ بیدردی سے اور زیادہ تعداد میں قتل کیا ہوتا۔زمانہ جاہلیت میں ایسی متعدد جنگیں ہوئیں جنہیں ’’حرب فجار‘‘ کہا جاتا ہے اور یہ قسط وار کئی سالوں تک چلتی رہتیں۔میں ایک ایسی جنگ کا ذکر کرتا چلوں جس میں حضورؐ نے بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ حصہ لیا تھا۔یہ جنگ جو زمانۂ بعثت سے بیس پچیس سال قبل اس وقت لڑی گئی جبکہ آنحضرتؐ کی عمر مبارک ابھی پندرہ سے بیس سال کے درمیان تھی۔(العقد الفرید جلد ۵)۔

اس جنگ میں ایک فریق قریش اور بنی کنانہ اور دوسرا فریق قبیلہ بنو ہوازن تھا۔تجارت کرنے والے مختلف تاجر جب اپنا مال کسی دوسری جگہ روانہ کرتے تو راستہ میں پڑنے والے بہت سے صحرانشین قبائل اُن تجارتی قافلوں کو لوٹ لیا کرتے۔اسلئے تاجروں کو کسی طاقت ور قبیلہ کے رئیس کی حفاظت و ذمہ داری میں دیگر اپنا مال روانہ کرنا پڑتا۔یوں کوئی فرد یا قبیلہ اس پر تعدی کرنے کی جسارت نہ کرتا۔

حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر ہر سال عکاظ کے سالانہ میلے میں اپنا تجارتی قافلہ عکاظ کی منڈی میں بھیجا کرتا، جس میں مشک وعنبر اور قیمتی خوشبویات سرفہرست تھیں۔اس مرتبہ جب قافلہ تیار ہوا تو

بادشاہ نے درباریوں سے پوچھا کہ اس دفعہ ہمارے قافلے کو کون اپنی پناہ میں لے گا۔تو براض بن قیس العمری نے کہا کہ میں بنی کنانہ سے ہوں اور اسے اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔اس پر نعمان نے کہا مجھے ایسا شخص درکار ہے جو نجد اور تہامہ کے تمام قبائل سے پناہ دے۔وہاں ہوازن کا ایک رئیس عروۃ الرحال موجود تھا۔اس نے کہا اے بادشاہ یہ مردود کتا (براض) تیرے قافلے کو کیا پناہ دے گا۔براض نے برامناتے ہوئے عروۃ سے پوچھا کیا تم بنی کنانہ سے بھی اس قافلے کو پناہ دے سکو گے۔اس پر عروۃ نے کہامیں سب لوگوں سے اسے پناہ دیتا ہوں۔چنانچہ بادشاہ نے اپنے قافلے کی زمام کار عروۃ کے سپرد کردی اور وہ یہ قافلہ لے کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔براض بھی اس کے تعاقب میں نکلا۔عروۃ کو کسی سے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ وہ اپنی قوم کے علاقہ سے گزر رہا تھااور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس قافلے کو میلی آنکھ سے دیکھ سکے۔

جب وہ بنی تمیم کی ایک بستی ”آوارہ“ میں داخل ہوا تو رات اس نے شراب پی ایک لونڈی اپنی اداؤں اور رقص وسرود سے اس کا دل بہلاتی رہی۔پھر وہ اٹھا اور سونے کیلئے اپنے بستر پر دراز ہوگیا۔براض نے جب اسے تنہا دیکھا تو تلوار لے کر اندر چلا گیا۔عروۃ نے جب اس کے تیور دیکھے تو خطرہ کو بھانپ کر اس کی منت سماجت کرنے اور معافیاں مانگنے لگا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی مگر براض نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کردیا۔یہ قافلہ جو عروۃ کی کمان میں تھا جب عروۃ ہی نہ رہا تو براض نے اس بے یارومددگار قافلے کو ہانک لیا اور اسے خیبر لے گیا۔

جب قافلہ کی کھوج وتلاش شروع ہوئی تو دو ماہر کھوجی مساور بن مالک الغطفانی اور اسد بن حشیم غنمی براض کے تعاقب میں نکلے اور خیبر تک پہنچ گئے۔انہیں جو پہلا شخص ملا وہ خود براض تھا: پوچھنے لگا آپ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے اپنا تعارف کروایا تو کہنے لگا غطفانی اور غنمی کا یہاں کیا کام؟ انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ تو کہنے لگا میں خیبر کا باشندہ ہوں۔

اس پر انہوں نے کہا کیا تم براض کو جانتے ہو اور آج کل میں اسے کہیں دیکھا ہے؟ براض نے جواب دیا وہ ہمارے پاس آیا تھا عجیب شکستہ حال جیسے کسی نے اسے دھکے مار کر رُسوا کر کے نکال دیا ہو۔

خیبر میں کسی نے اسکو اپنے ہاں پناہ نہیں دی تو وہ خیبر سے باہر کھنڈر میں ایک اجاڑ مکان کی طرف چلا گیا۔ انہوں نے ایک امید بھرے لہجے میں پوچھا کیا تم ہمیں اس تک پہنچا سکتے ہو؟ براض کہنے لگا اگر میں تمہیں اس تک پہنچا دوں تو تمہیں اس کے مقابلہ کی طاقت ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں ۔تو کہنے لگا اپنے اونٹوں سے اترو اور اپنے اونٹوں کو عقالوں سے باندھ دو۔ پھر پوچھنے لگا تم میں سے زیادہ بہادر اور جرأت سے پیش قدمی کرنے والا کون ہے۔ غطفانی نے کہا میں۔ براض نے کہا کہ تم میرے ساتھ چلو اور تمہارا ساتھی یہیں اونٹوں کی حفاظت کریگا۔ براض اس کے آگے آگے چلتا ہوا خیبر کی آبادی سے دور ایک کھنڈر میں ایک بے آباد گھر تک لے گیا۔ پھر کہنے لگا تم یہیں انتظار کرو میں جا کر دیکھتا ہوں کہ یہاں موجود ہے یا نہیں۔ وہ گھر میں داخل ہوا اور کچھ ہی لمحوں بعد باہر نکل آیا اور اسے بتایا کہ اس دیوار کے پیچھے جو کمرہ ہے وہ اس میں سو رہا ہے۔ کیا تمہاری تلوار کی دھار تیز ہے لاؤ میں دیکھ لوں اس نے تلوار براض کو تھما دی اور اسی لمحہ براض نے تلوار ہوا میں لہرائی ایک ہی وار میں اس کی گردن اڑا دی۔ پھر تلوار دروازہ کے پیچھے چھپا دی اور واپس غنمی کے پاس آ گیا۔ کہنے لگا کہ تمہارا غطفانی ساتھی تو نہایت بزدل نکلا میں نے اس کو کمرہ کے دروازہ کے پاس چھوڑا تھا جہاں براض سو رہا تھا مگر وہ حملہ کرنے کی بجائے ایک بے جان مورتی کی طرح کھڑا رہا۔ غنمی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کاش کوئی ہمارے اونٹوں کی حفاظت کرتا تو میں اس سے نمٹتا۔ براض نے کہا کہ اونٹوں کی ذمہ داری میں لیتا ہوں اگر انہیں کوئی لے گیا تو میں انکا تاوان ادا کروں گا۔ چلو میں تمہیں اس کھنڈر تک لے چلتا ہوں۔ جب وہ اس مکان تک پہنچے تو دروازہ کے پیچھے چھپائی ہوئی تلوار سے اچانک غنمی پر حملہ کر کے اسے بھی مار ڈالا اور پھر دونوں کے ہتھیار اور اونٹوں کو لے کر وہاں سے چلتا بنا۔

قریش کو براض کی اس قتل و غارت کی خبر اس وقت ملی جب وہ عکاظ کی منڈی میں اپنے اپنے خیموں میں امن و سکون سے اپنے کاروبار میں مصروف تھے۔ ''عکاظ'' طائف سے تیرہ یا چودہ کلومیٹر دور واقع ایک جگہ کا نام ہے جہاں ہر سال یکم ذیقعد کو ایک میلہ لگتا تھا۔ لوگ دُور دُور سے اپنی مصنوعات یہاں لا کر فروخت کرتے اور اپنی ضرورت کی چیزیں خرید کر اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ جاتے ۔ یہ

صرف ایک منڈی ہی نہ تھی بلکہ کاروباری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ یہاں ثقافتی اور ادبی سرگرمیاں بھی عروج پر ہوتیں۔ شعراء قصیدے لکھ کر لاتے اور یہاں کے لوگوں سے داد پاتے ۔ مختلف سرداروں اور بادشاہوں کی شان بیانی بھی عروج پر ہوتی ۔ لوگ اپنے باپ داداؤں کے کارنامے فخریہ طور پر بیان کرتے اور زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ۔ جو کلام یا قصیدہ بہترین قرار پاتا اسے لکھ کر کعبۃ اللہ کی دیوار پر لٹکا دیا جاتا ۔ زائرین کعبہ سال بھر اس کو پڑھتے' محظوظ ہوتے اور لکھنے والے شاعر کو داد و تحسین سے نوازتے۔

قریش نے یہ خبر ملنے پر مجلس مشاورت کا اہتمام کیا۔ بنو قیس نے جب یہ سنا کہ براض نے ان کے سردار عروۃ الرحال کو قتل کر دیا ہے تو وہ ابو براٗ بن مالک کی قیادت میں جنگ کیلئے تیار ہو کر نکلے۔ اس اثناء میں قریش حرم میں داخل ہو چکے تھے تاہم بنو قیس نے بلند آواز میں اعلان کیا کہ اے گروہِ قریش ہم اللہ کے ساتھ وعدہ کرتے ہیں کہ عروۃ کا خون رائیگاں نہیں جانے دیں گے اور تم میں سے ایک بڑے سردار کو اسکے بدلے میں قتل کر کے رہیں گے۔ چنانچہ آیندہ سال انہی دنوں میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ قریش کے سالار حرب بن امیّہ نے اپنے بیٹے ابو سفیان کو کہا تم ان سے کہو کہ ہمارا تمہارا مقابلہ اگلے سال اسی دن اور اسی مقام پر ہوگا۔

آئندہ سال قریش اپنے تمام حلیفوں' بنو کنانہ' احابیش' اور بنو اسد کے ساتھ پوری تیاری کے ساتھ بنو ہوازن کا مقابلہ کرنے کیلئے مقررہ تاریخ پر میدان میں نکلے اور بنو ہوازن بھی اپنے حلفاء کے لشکروں سمیت میدان میں آکر ڈٹ گئے ۔ بنو ہوازن کا سالار مسعود بن معتب السقفی تھا۔ دونوں لشکر اٹھے اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے ۔ دن کے پہلے حصہ میں بنو کنانہ کا پلڑا بھاری رہا لیکن دن کے آخری حصہ میں ہوازن نے جان کی بازی لگا دی۔ تیروں کی بارش اور نیزوں کی بوچھاڑ میں صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے ڈٹے رہے یہاں تک کہ کنانہ کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ ان کے سو کے قریب بہادر موت کے گھاٹ اترے جبکہ قریش سے کوئی قابل ذکر شخص جنگ میں کام نہیں آیا۔ یہ لڑائی شمطہ نامی گاؤں میں لڑی گئی جو عکاظ کے قریب ہے اور اسی نسبت سے اس دن کو یوم شمطہ کہا جانے لگا۔ ہوازن کو

کنانہ پر فتح حاصل ہوئی اور آئندہ سال پھر دونوں قبیلے عکاظ کے نزدیک عبلاء نامی سفید پہاڑی کے قریب آمنے سامنے ہوئے ۔ دونوں لشکروں کے سالار بھی وہی تھے جنہوں نے گزشتہ سال اپنی اپنی فوجوں کی قیادت کی تھی۔ اس دن بھی ہوازن کا پلڑا بھاری رہا اور پھر یہ لڑائی آئندہ سال تک ملتوی ہوگئی۔ تیسرے سال پھر انہی ایام میں دونوں لشکروں کا ''شرب'' نامی گاؤں کے پاس (جو مکہ کے قریب ہے) مقابلہ ہوا۔ اس سال بھی دونوں لشکروں کے سالار وہی تھے۔ عبداللہ بن جدعان نے اس مرتبہ سو اونٹ سوار لڑا کے اس جنگ کیلئے پیش کئے ۔ قریش اور کنانہ نے صبر و استقامت اور جرأت و شجاعت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ ہوازن کو عبرت ناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ وہ جنگ ہے جس میں حضورؐ نے بھی شرکت فرمائی۔ اس وقت آپکی عمر مبارک پندرہ سے بیس سال کے درمیان تھی اور شرکت صرف اس حد تک تھی کہ حضورؐ اپنے چچاؤں کو تیر نکال نکال کر دیتے رہے۔

چوتھے سال نخلہ کے قریب حریرہ کے مقام پر مڈ بھیڑ ہوئی مگر آئندہ سال عکاظ کے میدان میں پھر جمع ہونے کے وعدہ تک محدود رہی چنانچہ دونوں قبیلے اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ آئے۔ پانچویں سال حسب وعدہ جب عکاظ کے میدان میں فریقین کا اجتماع ہوا' شمشیر زنوں نے تلواریں میانوں سے نکال لیں' تیر انداز تیر چلوں پر چڑھانے لگے گویا قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جائے اور حسب سابق دونوں طرف سے بہادر نوجوان بلا مقصد کی لڑائی میں لقمۂ اجل بنتے چلے جائیں کہ اچانک عتبہ بن ربیعہ اپنے اونٹ پر سوار وسطِ میدان میں نکلا اور بلند آواز سے فریقین کو مخاطب کر کے کہنے لگا!

اے مضر کے فرزندو یہ تو بتاؤ تم کیوں ایک دوسرے کا خون بہانے اور اپنی ہی نسلوں کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہو؟

ہوازن کی طرف سے آواز آئی: اے عتبہ تم ہمیں کس چیز کی طرف بلاتے ہو؟

عتبہ نے کہا: صلح کی طرف۔

انہوں نے پوچھا: اس کی عملی صورت کیا ہے؟

عتبہ نے کہا: تمہارے جتنے مقتول ہیں ہم انکی دیت ادا کریں گے اور اپنے مقتولوں کا خون تمہیں معاف

کرتے ہیں۔ جب تک دیت ادا نہیں ہوجاتی ہمارے چالیس لوگ بطورِ رہن تمہارے پاس رہیں گے۔
پھر وہ پوچھنے لگے: ان شرائط کا ضامن کون ہوگا۔
اس پر عتبہ نے کہا: میں ربیعہ کا بیٹا عتبہ خود ضامن ہوں۔
چنانچہ اُن میں صلح ہوگئی۔ قریش اور بنی کنانہ نے چالیس آدمی بطور یرغمال انکی طرف بھیج دیئے ان چالیس میں حکیم بن حزام جیسی شخصیت بھی تھی۔ جب بنی عامر بن صعصاع نے چالیس آدمیوں کو اپنے قبضہ میں پایا تو انہوں نے بھی اپنے مقتولوں کی دیتوں کو معاف کردیا۔ یوں پانچ سالوں سے بے مقصد خون ریزی کا جو سلسلہ جاری تھا اس کا اختتام ہوگیا۔

حرب فجار کی وجہ تسمیہ

اس جنگ کو فجار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جنگ کے فریقین نے اُن مہینوں میں جنگ کی جن میں جنگ کرنا عہد جاہلیت میں بھی حرام سمجھا جاتا تھا۔ یعنی ذی قعد، ذی الحجہ، اور محرم۔ کیونکہ یہ شریعت ابراہیمی کا ایک حکم تھا جس پر عرب معاشرہ تا حال عمل کرتا چلا آرہا تھا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ جزیرہ عرب کے اطراف واکناف سے حج کیلئے آنے والے زائرین بلاخوف وخطر امن کی فضاء میں سفر کریں اور اپنی عبادات وفرائض حج ادا کرتے وقت انہیں کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو۔ چوتھا مہینہ رجب کا تھا جو عمرہ کے لئے مخصوص تھا۔ اسلام نے بھی ان مہینوں کی حرمت برقرار رکھی اور سوائے اس صورت کہ کوئی مسلمانوں پر اِن محترم مہینوں یا محترم مقامات پر کوئی دشمن حملہ آور ہونے میں پہل کرے۔

حلف الفضول

قبل از اسلام سارا عرب معاشرہ اپنے اپنے قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا۔ جزیرہ عرب میں کوئی منظّم حکومت نہیں تھی نہ باقاعدہ عدالتی نظام تھا کہ مظلوم اپنی دادرسی کیلئے اس کا دروازہ کھٹکھٹا سکے۔ کسی قبیلے کا فرد اگر کسی قبیلے کے فرد کو قتل کردیتا تو مقتول کے قبیلے والے صرف قاتل کو ہی نہیں بلکہ قاتل کے سارے قبیلے پر حملہ کرکے انہیں تہہ تیغ کرڈالتے۔ البتہ کسی نادار اور کمزور قبیلے کیلئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ

طاقت ور قبیلہ سے اپنے مقتول کا بدلہ لے سکے۔نہ صرف یہی بلکہ یہاں سے گزرنے والے کسی مسافر یا زائر پر اس شہر کا کوئی باشندہ ظلم و زیادتی کرتا تو اسکی فریاد سننے یا مدد کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔

مکہ میں قریش کے دس قبائل آباد تھے جو دیگر عربی قبائل کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے حلیف تھے۔اگر کوئی غیر قبیلہ کسی قریشی قبیلہ پر حملہ آور ہوتا تو تمام قریشی قبائل ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو جاتے اور حملہ آور قبیلے کا مقابلہ کرتے۔ یہ معلوم کرنے کی کوئی زحمت ہی نہ کرتا کہ غلطی کس کی ہے اور ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟

اس صورتِ حال میں مکہ کے چند باشندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دردمند دل عطا فرمائے تھے ایسی صورت حال سے سخت نالاں تھے مگر بے بس تھے۔انہیں ہرگز یہ پسند نہیں تھا کہ کسی بے سہارا بے گناہ شخص یا مسافر کے ساتھ کوئی رئیس زیادتی کرے اور وہ بے بس تماشائی کی طرح یہ سب دیکھتے رہیں۔اسی اثناء میں ایک واقعہ پیش آیا کہ یمن کا ایک تاجر اپنے سامان کے ساتھ مکہ آیا۔عاص بن وائل جو یہاں کا ایک رئیس تھا اس نے تاجر سے مال خرید امگر اسکی قیمت ادا کرنے سے انکاری ہو گیا۔بے چارہ مسافر سخت پریشان ہوا یہاں نہ تو اسکی کوئی جان پہچان تھی نہ کوئی واقف کار یا حمایتی۔ چنانچہ اس نے عاص بن وائل کے حمایتی قبائل عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی بن کعب سے اس کی شکایت کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں اسکی مدد کریں۔انہوں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور حق کی بات کرنے کی بجائے الٹا اس کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔اس یمنی تاجر نے ایک اور حیلہ کیا۔طلوع آفتاب کے بعد جب قریش حرم کعبہ میں حسب معمول اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے تو وہ جبل ابی قبیس پر چڑھ گیا اور بلند آواز میں فریاد کرنے لگا۔

”اے فہر کی اولاد: مجھ مظلوم کی فریاد سنو جس کا مال و متاع مکہ شہر میں ظلماً چھین لیا گیا ہے۔وہ غریب الدیار ہے اپنے وطن سے اور اپنے مددگاروں سے دور، وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا۔اے مکہ کے رئیسو میری فریاد سنو، مجھ پر حطیم اور حجرِ اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔عزت و حرمت تو اسکی ہے جس کی شرافت کامل ہو۔کسی فاجر اور

دھوکہ باز کے لباس کی تو کوئی حرمت نہیں“۔

حرم میں موجود سارے قریشیوں نے یہ فریاد سنی مگر کوئی نہ بولا۔ البتہ زبیر بن عبدالمطلب کو یارائے ضبط نہ رہا۔ اس نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ ایسی فریاد کو نظر انداز کر دینا ہمارے بس کا روگ نہیں۔ ہمیں اس قسم کی زیادتیوں کے مداوے کیلئے کوئی راستہ نکالنا چاہئے۔ چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے گھر ایک پر تکلف دعوت کا انتظام کیا گیا جس میں بنی ہاشم، بنی زہرہ، بنی تمیم بن مرہ قبائل نے شرکت کی اور ایسے ظالمانہ واقعات کے سدباب کیلئے مشاورت کی اور پھر کھڑے ہو کر اللہ کے ساتھ یہ عہد کیا۔

”کہ وہ سب متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے یہاں تک کہ ظالم مظلوم کو اس کا حق ادا کر دے اور ہم سب اس عہد پر پابند رہیں گے جب تک سمندر صوف کو تر کرتا رہے گا اور جب تک حراء اور ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور ہم سب معاش میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے“۔

اس معاہدہ کو حلف الفضول کا نام دیا گیا۔ کیونکہ عہد قدیم میں بھی ایسا ایک عہد کیا گیا تھا اس وقت جن تین آدمیوں نے یہ تحریک چلائی اور پروان چڑھائی تھی اُن تینوں کا نام فضل سے شروع ہوتا تھا۔

(۱) فضل بن فضالہ (۲) فضل بن وداعہ (۳) فضیل بن حارث۔

چونکہ اس موجودہ معاہدہ کے بھی وہی مقاصد تھے اسلئے اس کو بھی حلف الفضول کے نام سے شہرت ملی۔ جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو سب مل کر عاص بن وائل کے گھر گئے اور اسے تاجر کا معاوضہ یا مال واپس کرنے کا کہا۔ اب اسے انکار کی مجال نہ تھی چنانچہ مجبوراً اس نے تمام مال واپس کر دیا۔ اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے اپنی مسرت کا اظہار اشعار میں کیا جس کا ترجمہ یوں ہے۔

”یہ معاہدہ کرنے والوں نے قسم اٹھائی ہے کہ مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔ یہ ایسی بات ہے جس پر ان سب نے متفقہ معاہدہ کیا ہے کہ پردیسی یا فقیر جو انکے ہاں ہو گا ہر قسم کے جور و ستم سے محفوظ رہے گا“۔ حضورؐ نے بھی اس معاہدہ میں شرکت فرمائی تھی اُس وقت آپکی عمر مبارک بیس سال تھی۔ بعثت کے بعد بھی آنحضرتؐ اس معاہدہ میں اپنی شرکت پر اظہارِ مسرت فرمایا کرتے۔ اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''میں اس معاہدہ کے وقت عبداللہ بن جدعان کے گھر میں موجود تھا جب حلف الفضول طے پایا۔اس کے بدلے میں اگر کوئی مجھے سرخ اونٹ بھی دے تو قبول نہ کروں ۔اسلام میں اگر کوئی اس قسم کے معاہدہ کی دعوت دے تو میں اسے قبول کرونگا''۔(خاتم النبیین جلداوّل صفحہ ۱۵۴)

یہ معاہدہ مدتوں نافظ العمل رہالیکن اس میں جان اس وقت پیدا ہوئی جب خود آنحضرتؐ نے سرگرمی سے اس میں حصہ لیا اور اسلحہ بردار بہت سے قریشی نوجوان رضا کاروں کو اکٹھا کر کے یہ ترغیب دی کہ وہ مظلوموں کی مدد کرنے میں کسی ظالم کا اثر قبول نہ کریں خواہ وہ اپنا قرابت دار ہو یا کوئی رئیس یا سردار ہی کیوں نہ ہو۔

الحمس

جیسا عرض کر چکا ہوں کہ قریشِ مکہ کو کعبۃ اللہ کے خادم ہونے کے شرف کی بناء پر تمام عرب میں بڑی عزت واہمیت سے دیکھا جاتا تھا۔لیکن اس شرفِ خداداد نے ان میں نخوت وغرور اس حد تک پیدا کر دی تھی کہ وہ عرب کے باشندگان سے اپنے آپ کو کوئی بلند اور اعلیٰ مخلوق سمجھنے لگ گئے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کے فرزند ہیں اسلئے ہم عزت وحرمت والے ہیں۔جو ہمارے حقوق ہیں وہ جزیرۃ العرب کے کسی دوسرے فرد کے نہیں ہو سکتے۔جو مرتبہ ومقام ہمیں حاصل ہے کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔وہ خود آپس میں بھی یہ سبق ایک دوسرے کو یاد دلاتے رہتے کہ بیرون حرم کی کسی شئے کی ایسی تعظیم مت کرو جس طرح حرم کی کرتے ہو وگرنہ تمہارا مرتبہ اہل عرب کی نظروں سے گر جائیگا۔

یوں تو شریعتِ ابراہیمی میں بے بہا بدعات شامل ہو چکی تھیں تاہم جو احکام تحریفات وبدعات سے بچ رہے تھے ان میں ایک فریضہ حج بھی تھا۔۹۔ذی الحجہ کو سارے لوگ عرفات میں جمع ہوتے اور وہاں سے طوافِ افاضہ کے لئے مکہ مکرمہ آتے۔عرفات کا میدان چونکہ حرم سے باہر تھا اس لئے طے شدہ اصول کے مطابق اسکی تعظیم بجالانے میں یہ اپنی ہتک محسوس کرتے۔اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ قریش اور انکے حلیف قبائل کنانہ اور خزاعہ میدان عرفات میں وقوف کیلئے نہیں جائیں گے بلکہ حدودِ حرم

ہی میں حج کا یہ اہم رکن ادا کریں گے اور طوافِ افاضہ بھی یہاں سے ہی کریں گے۔ حالانکہ وہ بخوبی جانتے تھے اور اس میں انہیں کوئی شبہ نہیں تھا کہ عرفات کا وقوف تو حضرت ابراہیمؑ کے حکم سے سب پر عائد ہے اور عرب کے تمام قبائل پر لازم ہے کہ وقوف کیلئے عرفات کے میدان میں جائیں اور وہاں سے طواف کعبہ کیلئے مکہ مکرمہ آئیں۔ مگر ازراہِ غرور انہوں نے اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ قرار دے رکھا تھا۔ انہوں نے بیرونِ مکہ سے آنے والے حاجیوں پر بھی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں کہ کوئی حاجی حالت احرام میں اپنے ساتھ لائے ہوئے سامانِ رسد سے کھانا پکا کر نہ کھائے بلکہ وہ صرف قریش کا پکا ہوا کھانا کھائے۔ نیز طواف کے وقت وہ اپنا لباس استعمال کرنے کی بجائے قریشیوں سے مانگ کر کپڑے پہنے اور انہی کپڑوں میں طواف کرے۔ اگر قریشیوں سے لباس میسر نہ ہوتا تو اسے برہنہ ہو کر طواف کرنا پڑتا۔ یہ پابندی مرد و عورت دونوں پر یکساں عائد تھی۔ اگر کوئی حاجی اپنے کپڑوں میں ملبوس ہو کر طواف کر بھی لیتا تو طواف کے بعد اس پر لازم تھا کہ اپنے لباس کو اتار کر پھینک دے۔ پھر وہ اس لباس کو نہ خود پہن سکتا تھا نہ کسی دوسرے کو پہننے کیلئے دے سکتا تھا۔ ایسے پھینکے ہوئے لباس کو ''لقی'' کہا جاتا۔ ان پر یہ پابندی بھی عائد تھی کہ نہ تو وہ دودھ بلو کر مکھن بنا سکتے تھے نہ پنیر۔ اپنے کھانے میں بھی نہ تو چربی استعمال کر سکتے تھے نہ گھی۔ اس قسم کی دیگر بیہودہ پابندیاں انہوں نے خود سے عائد کر رکھی تھیں جنہیں ''الحمس'' کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عہد جاہلیت کی دیگر آلودگیوں سے محفوظ رکھا ''الحمس'' کی ان بدعات سیئہ سے بھی آنحضرتؐ کا دامنِ عصمت پاک و منزہ رہا اور ان تمام بدعات اور خرافات کو اسلام نے آ کر یک قلم منسوخ کر دیا۔

حضرت خدیجہؓ کیلئے تجارت

ابوطالب جب محسوس کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سن بلوغت کو چھو رہے ہیں تو اپنی مفلوک الحالی کے باعث آپکی شادی کا اہتمام انہیں ایک وزن محسوس ہوتا جس کا بار نہ اٹھا سکنے کے باعث اپنی بیچارگی پر انکا دل مسوس کر رہ جاتا۔ چار و نا چار جب آپکی عمر مبارک پچیس سال ہوگئی تو ایک روز آنحضرتؐ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے' اے بھتیجے: میں کچھ دنوں سے ایک بات تمہیں کہنا چاہ رہا ہوں مگر بوجہ شرم کہہ

نہیں پا رہا۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: اے چچا جان میں آپکی اولاد جیسا ہوں آپکے دل میں جو بھی ہے بلا جھجک بیان فرمائیں میں برا ماننے والا نہیں۔ ابو طالب کہنے لگے کہ تمہارا باپ اور ماں دونوں ہی وفات پا چکے ہیں اور اموال میں سے کوئی چیز بھی چھوڑ کر نہ گئے' سردست میرے پاس بھی اتنا زرومال موجود نہیں کہ تمہیں کہیں بیاہ دوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم خدیجہ بنت خویلد کے ہاں ملازمت کرلو۔ وہ ملازمین کو اچھی تنخواہ دیتی ہے' تجارت بھی کرتی ہے اور خوب بھیڑ بکریاں رکھتی ہے۔ تم چاہو تو میں کہہ کر تمہیں اس سے ملازمت دلواسکتا ہوں۔ بس یہی کہنا چاہتا تھا اب اگر تم راضی ہو تو میں اس سے بات کروں تا کہ تم کچھ مال کما لو اور پھر میں تم کو بیاہ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرسکوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں آپ کی بات کا انکار کیونکر کرسکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے آپ جو فیصلہ کریں گے وہ میرے حق میں بہتر ہی ہوگا۔ ایسے برخوردارانہ جواب پر ابو طالب خوش ہوگئے اور آپکو ہمراہ لیکر خدیجہ کے گھر گئے۔

انکے غلام سے کہا کہ اندر جا کر میرا پیغام پہنچادو کہ ابو طالب اس سے ملنا چاہتا ہے۔ خدیجہ نے فوراً انہیں اندر بلوالیا اور انکے آنے کی وجہ پوچھی۔ جس پر ابو طالب نے اپنے بھتیجے کا تعارف کرواتے ہوئے انہیں ملازمت دینے کی سفارش کی۔ خدیجہ ایک بیوہ خاتون تھیں مگر خوب دولت مند اور تجارت پیشہ تھیں اسلیئے بہت سے ملازم اور غلاموں کی موجودگی کے باوجود انہیں کسی دیانت دار شخص کی ضرورت بہر حال رہتی تھی اور آنحضرتؐ کے بارے اس نے سن رکھا تھا کہ آپؐ امین کے خطاب سے پکارے جاتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرتؐ کو فوراً اپنے ہاں کام پر رکھنے کی حامی بھرلی۔

شروع میں آنحضرتؐ کو بکریوں کی دیکھ بھال پر مقرر کیا تو چند ہی ماہ میں بکریوں کے دودھ اور انکی تعداد میں غیر یقینی اضافہ ہوگیا۔ اس دوران ایک روز اتفاقاً خدیجہ نے بالاخانہ سے مشاہدہ کیا کہ محمدؐ جدھر جدھر سے بکریوں کو لے کر گزرتے اُدھر اُدھر بادل کا ایک ٹکڑہ آپؐ پر سایہ فگن ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ پس خدیجہ کی نگاہ ہمہ وقت آپؐ پر رہنے لگی۔ وہ ہر روز دیکھتیں کہ نہ صرف ابر ہی اُنکے سر مبارک پر سایہ کیئے ہوتا ہے بلکہ یہ بات بھی ملاحظہ کی کہ محمدؐ جہاں جہاں سے گزرتے ہیں راہ میں آنے والے تمام پیڑ پودے وغیرہ احترام میں جھک جاتے ہیں اور پھر اکثر جمادات کو انہیں اسلام علیکَ یا رسول اللہ کہتے سنا۔ اس پر خدیجہ نے آپکے بارے توریت میں موجود نبی آخرالزماںؐ کی دوسری نشانیوں کو بھی محسوس کیا۔

تجارت کیلئے خدیجہ اس سے پیشتر اپنا مال واسباب اپنے آزاد کردہ غلام میسرہ کی سرکردگی میں شام وبصرہ کی جانب بھیجتی تھیں۔ امسال تجارت کیلئے قافلہ روانہ کرنے کا وقت آیا تو میسرہ کی بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سالارِ قافلہ بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا اور پوچھا کہ آپؐ پہلے بھی اپنے چچا کے ہمراہ شام کا تجارتی سفر کر چکے ہیں کیا اس مرتبہ بھی تجارتی قافلے کے ہمراہ جانے پر آمادہ ہیں۔ آنحضرتؐ نے اثبات میں جواب دیا تو خدیجہ نے کچھ اجرت مقرر کر کے یہ قافلہ آپکی سرکردگی میں روانہ کیا اور تمام لوگوں کو انکے حکم کی پاسداری کی ھدایت کی۔ میسرہ کو حکم دیا کہ تم بھی انکے احکام کے خلاف نہ کرنا البتہ تمام احوال پر نظر رکھنا اور دورانِ سفر جو حالات وواقعات رُونما ہوں واپس آکر اسکی پوری تفصیل سے مطلع کرنا۔

دوسرا سفر شام

چنانچہ ۵۹۵ء میں آنحضرتؐ اپنے چچا ابوطالب کی اجازت لے کر بغرض تجارت سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد کا مال لے کر دوبارہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ تمام سوداگر نوکر چاکر بھی آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ یہ قافلہ مکہ سے باہر نکلا تو ابوسفیان کے قافلہ کے ساتھ مل گیا۔ ابوسفیان آپکے کم عمر اور ناتجربہ کار ہونے کا گمان کر کے ہنستے ہوئے کہنے لگا کہ خدیجہ کیسی نادان ہے جس نے ایک ناتجربہ کار کو تجارت جیسا اہم منصب سونپ دیا۔ دوران سفر آنحضرتؐ کا قافلہ ابوسفیان کے قافلے سے آگے نکل گیا۔ راستے میں مختلف کرامات کا ظہور بھی ہوتا رہا۔ خدیجہؓ کا آزاد کردہ غلام میسرہ یہ کیفیات اپنی آنکھوں سے دیکھتا کہ جب آفتاب کی تمازت بڑھتی تو ابر کا ایک ٹکڑا آنجنابؐ کے سر پر سایہ فگن ہوجاتا' جب وہ نباتات وغیرہ کے قریب سے گزرتے تو وہ آپکی تعظیم میں جھک جھک جاتے۔ جبکہ آپؐ اِن باتوں کو خاطر میں لائے بغیر اپنے سفر کو برابر طے کرتے چلے جارہے تھے۔

دورانِ سفر ایک مقام پر ایک دوراہے سے سابقہ ہوا۔ ان دو راستوں میں سے ایک راستہ طویل تھا مگر محفوظ گمان کیا جاتا تھا جبکہ دوسرا راستہ مختصر مگر خطرناک مشہور تھا۔ آپؐ نے قریب والے راستہ کو اختیار فرمایا اور اپنے قافلہ کو اُدھر چلنے کا حکم دیا۔ ابوسفیان بھی اب تک قریب پہنچ چکا تھا وہ طویل راستہ پر ہولیا اور ہنستے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا یہ شخص خدیجہ کا مال برباد کردیگا۔ آنحضرتؐ نے ابھی ایک

منزل ہی طے فرمائی تھی کہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں پانی کا دُور دُور تک نشان نہ تھا۔

میسرہ نے عرض کی! اے حضرت ہمارا قافلہ پیاس سے بے حال ہو چکا ہے اور پانی کے بغیر ہم سب کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے۔ آنحضرتؐ یہ سن کر اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور چند قدم ایک جانب چلنے کے بعد فرمایا یہاں کنواں کھودو۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس جگہ سے میٹھا اور شفاف پانی دستیاب ہو گیا جسے تمام اہل قافلہ نے پیا اور سفر کیلئے ذخیرہ کیا۔ کم طوالت والے راستے سے سفر کا یہ فائدہ ہوا کہ آپکے قافلے والوں نے پہلے پہنچ کر نہایت اچھے داموں اپنا مال فروخت کر لیا اور واپسی کیلئے جو مال خریدنا تھا چونکہ خریدار قافلے ابھی تک یہاں نہیں پہنچ پائے تھے اس لئے وہ بھی نہایت کم داموں میں میسر آ گیا۔ اسکے بعد آپؐ نے مکے کی طرف مراجعت فرمائی۔

ملکِ شام سے لوٹنے والا پہلا قافلہ آپؐ ہی کا تھا اور شام سے خرید کردہ مال کی بڑی مانگ تھی اس لئے تمام کا تمام مال بہت اچھے داموں فروخت ہو گیا۔ جسکے باعث معمول سے کہیں بڑھ کر منافع حاصل ہوا۔ میسرہ نے برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم کئی برسوں سے خدیجہؓ کے مال سے تجارت کرتے آ رہے ہیں مگر اس مرتبہ جتنا منافع ہوا اِس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ میسرہ نے گزارش کی کہ آپؐ جائیں اور خدیجہؓ کو یہ خوش خبری اپنی زبانی سنائیں۔

ادھر خدیجہؓ بھی شدت سے آپکا انتظار کر رہی تھیں اور آپکے آنے والے راستہ کو دیکھتی رہتی تھیں، آپؐ نے تمام منافع حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ آپکی قابلیت اور دیانتداری پر بہت خوش ہوئیں۔ اسکے بعد آپؐ نے بغرض تجارت کئی اور سفر بھی کئے۔ اس دوران خدیجہؓ آپؐ سے بہت متاثر ہوتی جا رہی تھیں اور سچ پوچھیں تو آپکو پسند کرنے لگی تھیں۔

آخر ایک دن خدیجہؓ نے موقع پا کر آنحضرتؐ سے پوچھ ہی لیا کہ کیا ابھی تک آپنے شادی کی ہے یا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ پھر کہنے لگیں اگر مجھ عاجزہ سے نکاح کر لیں اور اپنی خدمت کا موقع دیں تو اپنی باقی زندگی آپکے لئے وقف کر دوں اور آپکی زوجہ ہونے کی سعادت حاصل کروں۔ اس وقت حضورؐ کی عمر مبارک ۲۵ سال تھی جبکہ حضرت خدیجہؓ قریباً چالیس سال کی تھیں۔

حضرت خدؓیجہ سے آنحضرؐت کا عقد مبارک

خدیجہؓ کی یہ بات سن کر آنحضرؐت نے فرمایا کہ میں اپنے چچا کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اگر آپ یہی چاہتی ہیں تو یہ پیغام میرے چچا ابو طالب کو بھجواؤ پھر وہ جو فیصلہ کریں مجھے منظور ہوگا۔ یہ بات سن کر خدؓیجہ نے کچھ پوشاکوں اور تحائف کے ساتھ یہ پیغام ابو طالب کے پاس بھیجا۔ انہوں نے پہلے پہل تو عمر کے تفاوت کی وجہ سے حامی نہ بھری مگر خدؓیجہ کے اصرار و اشتیاق کو دیکھتے ہوئے آنحضرؐت سے مشورہ کیا اور خدیجہ سے شادی کر لینے کی رائے دی۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے مگر پہلے مجھے خدؓیجہ سے کچھ مسائل پر گفتگو کی اجازت دیں۔

آنحضرؐت نے خدؓیجہ کے سامنے چند شرائط رکھیں کہ تمہیں اپنی تمام دولت خدا کی خوشنودی کیلئے غرباء میں بانٹ دینی ہوگی اور اپنے تمام لونڈی و غلاموں کو آزاد کرنا ہوگا۔ یوں میرے ساتھ محنت و مشقت کی زندگی گزارنا ہوگی اور موجودہ آسائشوں سے ہاتھ اٹھانا ہوگا۔ حضرت خدؓیجہ نے یہ شرائط بخوشی قبول کر لیں اور تمام مال راہِ خدا میں تقسیم کر دیا جس میں سے کچھ مال ابو طالب کو بھی دیا۔ بعض روایات کے مطابق جو کچھ مال و اسباب اور ظروف و نقدی کی صورت موجود تھا سب آنحضرؐت کو دیدیا اور انہیں اپنا مالک و مختار بنانے کا اعلان کیا جس پر بطورِ خاص قریش کے دو معتبر افراد کو گواہ کیا۔

اس کے بعد ابو طالب حضرت خدؓیجہ کے کہنے پر آنحضرؐت کو لیکر ورقہ بن نوفل (جو خدؓیجہ کا چچازاد بھائی تھا) کے پاس گئے۔ وہ اس وقت چند آدمیوں کے ساتھ عیش و نشاط کی محفل میں مست تھا۔ تاہم ابو طالب کو دیکھ کر احتراماً اُٹھ کھڑا ہوا۔ آنحضرؐت کو ساتھ دیکھ کر بولا: اے محمد امین میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہیں دوست رکھتا ہوں۔ تمہیں کبھی کسی چیز کی ضرورت پڑے تو مجھ سے کہنا۔ اس اچھے موقع پر ابو طالب نے کہا میں اسی لئے تمہارے پاس آیا ہوں کہ بہن خدؓیجہ کو میرے بھتیجے محمدؐ سے بیاہ دو۔ اس نے نشے اور مدہوشی کی اسی ترنگ میں حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے قریشیو! تم گواہ رہنا کہ میں نے خدیجہ کو محمدؐ کے ساتھ بیاہ دیا۔ اسی لمحہ آنحضرؐت نے بھی فرمایا گواہ رہنا کہ میں نے اس کو قبول کیا۔

کہا جاتا ہے کہ اگلے روز خواب مستی سے اٹھتے ہی ورقہ بن نوفل کو گزشتہ شب نشے میں کیا ہوا وعدہ یاد آیا تو خدؓیجہ کو گالیاں دینے لگا۔ خدؓیجہ نے کہا بھائی تم نے محمدؐ میں کیا کمی یا عیب پایا جو میرے فیصلے کو

حضرت خدیجہؓ کا گھر جس میں حضور ﷺ نے 10 سال سے زیادہ کا عرصہ گزارا (اب یہ جگہ مسمار کر دی گئی ہے)

حضرت خدیجہؓ کے گھر کی مسمار کیے جانے سے قبل لی گئی تصویر

حضرت خدیجہؓ کے گھر میں موجود حضور ﷺ کے کمرہ میں بنا ہوا
پانی کا حوض جس میں آپ ﷺ وضو فرمایا کرتے تھے

آپ ﷺ کے گھر میں موجود مہمان خانہ جس میں
آپ ﷺ وفود سے ملاقات فرمایا کرتے تھے

کو ستے ہو۔ تم خود اُسے امین کہتے ہو اور میں نے گذشتہ سالوں میں اس جیسا نیک نیت، صالح، لائقِ توصیف شخص نہیں دیکھا۔ ورقہ بن نوفل کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا کیا محمدؐ اس رشتہ سے خوش ہیں؟ خدیجہؓ نے کہا ہاں۔ پھر پوچھنے لگا کیا تم بھی اس رشتہ سے خوش ہو؟ خدیجہؓ نے کہا ہاں۔ تو کہنے لگا کہ پھر میں بھی خوش ہوں۔ چنانچہ آنحضرتؐ حضرت خدیجہؓ کو چار مثقال زرِ مہر کے عوض اور بعض روایات کے مطابق بیس اونٹ زرِ مہر کے عوض اپنے نکاح میں لائے۔ نکاح میں بنی ہاشم اور رؤسائے مضر شریک ہوئے۔ بارِ دیگر عرض کرتا چلوں کہ اُس وقت آپکی عمر شریف پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ نسب و دولت اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے اپنی قوم کی سب سے معزز اور افضل خاتون تھیں۔ یہ پہلی خاتون تھیں جن سے آنحضرتؐ نے شادی کی اور انکی وفات تک کسی دوسری خاتون سے شادی نہ فرمائی۔ ابراہیم کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد انہی کے بطن سے تھی۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے اور انہی کے نام پر آپکی کنیت ابوالقاسم پڑی۔ پھر زینب، رقیہ، اُمّ کلثوم، فاطمہ اور عبداللہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین) پیدا ہوئے۔ عبداللہ کا لقب طیب و طاہر تھا۔ آپکی نرینہ اولاد تو بچپن ہی میں انتقال کر گئی البتہ تمام بچیوں نے اسلام کا زمانہ پایا مسلمان ہوئیں اور ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ تاہم حضرت فاطمہؓ کے علاوہ تمام بیٹیاں بھی آپکی زندگی ہی میں انتقال فرما گئیں صرف حضرت فاطمہؓ نے آپکی وفات کا غم سہا اور آپؐ کے رحلت فرما جانے کے چھ ماہ بعد آپ بھی اپنے بابا سے جا ملیں۔

کعبہ کی تعمیرِ نو اور حجرِ اسود کے تنازعہ کا فیصلہ

اس وقت کعبہ صرف قدِ آدم سے کچھ اونچی چار دیواری کی شکل میں تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کے زمانہ میں اس کی بلندی نو ہاتھ تھی اور اس پر چھت نہیں تھی۔ اس کیفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قبل از اسلام کچھ چوروں نے اس کے اندر رکھا ہوا خزانہ چرا لیا تھا۔ یوں بھی اسکی تعمیر کو ایک طویل زمانہ گزر چکا تھا عمارت خستہ ہو چکی تھی اور دیواریں پھٹ گئی تھیں۔ ادھر اسی سال ایک زوردار سیلاب آیا جس کا بہاؤ کعبہ کی طرف تھا۔ جس کے نتیجہ میں خانہ کعبہ کسی بھی وقت ڈھیر ہو سکتا تھا۔ اسلئے قریش مجبور ہو گئے کہ اس کا مرتبہ و مقام برقرار رکھنے کیلئے اسے از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔

اس مرحلے پر قریش نے فیصلہ کیا کہ اسکی تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کی جائے۔ رنڈی

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان

کی کمائی، سود کی کمائی اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال ہرگز استعمال نہ کیا جائیگا۔ نئی تعمیر کے لئے پرانی عمارت کو ڈھانے کی ضرورت تھی مگر کسی کو ڈھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ بالآخر ولید بن مغیرہ مخزومی نے ابتداً کی اور جب لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی آفت نہیں ٹوٹی تو باقی لوگوں نے بھی اسے ڈھانا شروع کر دیا۔ جب قواعد ابراہیم تک ڈھا چکے تو اسکی تعمیر نو کا آغاز کر دیا۔

تعمیر کیلئے الگ الگ قبیلوں کا اپنا اپنا حصہ تھا جنہوں نے اپنے اپنے حصے کے پتھروں کا ڈھیر بھی الگ الگ لگا رکھا تھا۔ باقوم نامی ایک رومی معمار اس تعمیر کا نگران تھا۔ جب عمارت حجر اسود کی سطح تک بلند ہوگئی تو مختلف قبائل میں اختلاف ہو گیا کہ حجر اسود کو اسکی جگہ پر رکھنے کا شرف و امتیاز کسے حاصل ہو۔ یہ جھگڑا پانچ روز تک جاری رہا اور خدشہ پیدا ہو گیا کہ حرم میں سخت خون خرابہ ہو جائیگا۔ اس صورت حال میں ابوامیہّ مخزومی نے یہ رائے دی کہ اللہ کی مشیت جاننے کیلئے کل صبح جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو اسکو اپنے جھگڑے کا حکم مان کر اسکے فیصلے کو تسلیم کر لیں۔ اس کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ سب سے پہلے محمدؐ بن عبداللہ حرم میں داخل ہوئے تو وہ خوشی سے چیخنے لگے کہ یہ تو محمدؐ ہیں یہ تو امین ہیں اور ہم سب ان کے فیصلے پر ضرور راضی ہونگے۔

آپؐ نے انکے تنازعہ کے بارے سنا تو ایک چادر طلب فرمائی اسے بچھا کر حجر اسود کو اٹھا کر اس پر رکھ دیا اور تمام قبیلے کے سرداروں کو فرمایا کہ سب مل کر چادر کے کناروں سے اسے اٹھائیں اور مقام اسود تک پہنچائیں۔ سب اس پر مطمئن ہو گئے اور چادر پکڑ کر مقام نصب تک لے آئے پھر آپؐ نے اسے اٹھا کر اسکی مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔ یہ ایک ایسا معقول فیصلہ تھا کہ تمام قوم اس پر راضی ہوگئی اور پوری قوم میں آپکی دانائی پر چہ مے گوئیاں ہونے لگیں۔

ادھر قریش کے پاس مالِ حلال کی کمی پڑ گئی اسلئے انہوں نے شمال کی طرف سے کعبہ کی لمبائی قریباً چھ ہاتھ کم کر دی، یہی حصہ حطیم کہلاتا ہے۔ کعبہ کے دروازہ کو قریش نے زمین سے خاصہ بلند کر دیا تاکہ اس میں وہی شخص داخل ہو جسے وہ اجازت دیں۔ جب دیواریں پندرہ ہاتھ اونچی ہوگئیں تو اندر چھ ستون کھڑے کر کے اس پر چھت ڈال دی گئی۔

کعبہ اپنی تکمیل کے بعد قریب قریب چوکور شکل کا ہو گیا۔ اب خانہ کعبہ کی بلندی پندرہ میٹر ہے،

حجر اسود والی دیوار اور اسکے سامنے والی دیوار یعنی شمالی اور جنوبی دیواریں دس دس میٹر ہیں‘ حجر اسود مطاف کی زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر ہے۔ دروازے والی دیوار اور اسکے سامنے والی دیوار یعنی شرقی وغربی دیواریں بارہ بارہ میٹر ہیں۔ دروازہ زمین سے دو میٹر اونچا ہے۔ دیواروں کے گرد نیچے ہر چہار جانب سے ایک بڑھے ہوئے کرسی نما ضلع کا گھیرا ہے جس کی اوسط اونچائی پچیس سینٹی میٹر اور اوسط چوڑائی بیس سینٹی میٹر ہے جسے شاذ روان کہتے ہیں جو دراصل بیت اللہ ہی کا جزو ہے اسے بھی قریش نے چھوڑ دیا تھا۔

قبل از وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجمالی سیرت

آنحضرتؐ کا وجود مبارک ان تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق لوگوں کے مختلف طبقات میں عموماً پائے جاتے ہیں۔ قبل از نزولِ وحی بھی آپؐ اصابت فکر‘ دور بینی اور حق پسندی کا بلند معیار تھے۔ آپکو حسنِ فراست‘ فکری پختگی اور وسیلہ ومقصد کی درستگی سے وافر حظ عطا ہوا تھا۔ اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور وخوض‘ دائمی تفکر اور حق کی کرید میں دھیان لگائے رہتے تھے۔ جس سے آپؐ نے لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا بغور مطالعہ کیا۔ یوں بھی جن خرافات میں یہ لوگ لت پت تھے ان سے سخت بیزاری محسوس کرتے۔ چنانچہ ان سب سے کنارہ کش رہتے ہوئے پوری بصیرت سے ان لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے فرماتے رہے۔ لوگوں کا جو کام اچھا ہوتا اس میں شرکت فرما لیتے ورنہ اپنی تنہائی میں مگن رہتے۔ قبل از وحی بھی کبھی شراب کو منہ نہ لگایا‘ آستانوں کا ذبیحہ نہ کھایا اور بتوں کیلئے منائے جانے والے تہواروں اور میلوں ٹھیلوں میں شرکت نہ کی۔

آپکو شروع ہی سے باطل معبودوں سے اتنی نفرت تھی کہ ان سے بڑھ کر کوئی چیز آپکی نظر میں مبغوض نہ تھی یہاں تک کہ لات منات وعزا وغیرہ کی قسم سننا بھی آپکو گوارا نہ تھا۔ اُن مشرکین کے نزدیک غیر مذہب ہونے کے باوجود آپؐ اپنی قوم میں اپنی شیریں بیانی‘ عمدہ کردار فاضلانہ اخلاق دُور اندیشی امانت داری راست گوئی نرم خوئی اور عہد کی پابندی کے سبب مقبول ومعزز تھے۔ یہاں تک کہ ان کے ہاں امین کے نام سے پہچانے جاتے۔ گویا آپؐ اخلاقِ حمیدہ اور احوال صالح کے پیکر تھے۔ قبل از وحی بھی آپکی عادات میں درماندوں کا بوجھ اٹھانا‘ تہی دستوں کی مدد فرمانا‘ مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا‘ کسی کو جسمانی یا زبانی تکلیف نہ پہنچانا اور حتی المقدور ہر کسی کی اعانت کرنا آپکی طبیعت مبارکہ کا خاصہ تھا۔

وحی کی ابتداء

جوں جوں نزولِ وحی کا زمانہ قریب آتا گیا آنحضرتؐ تنہائی پسند ہوتے گئے اور اسکے لئے ستّو اور پانی ہمراہ لے جا کر غارِ حرا (مکہ سے کوئی دو میل دور کوہِ حرأ کے ایک غار) میں جا کر کئی کئی روز عبادت میں مشغول رہتے۔ یہ عبادت کیا تھی یا کیسی تھی؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ غور و فکر کی یہ کیفیت انہی اطوار کی حامل تھی جو کیفیت اکثر انبیاء پر قبل از وحی کچھ عرصہ تک طاری رہتی رہی۔ مثلاً ایک ایسی بےچینی جو کسی کی تلاش و جستجو میں ہوتی ہے' ایک انتظار کی کیفیت' ایک ایسی سراسیمگی کا عالم کہ آخر وہ کیا دیکھنا یا پانا چاہتے ہیں اور آخر کس کے منتظر ہیں اور کسے ڈھونڈ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اسی کیفیت کو قرآن حکیم نے سورۃ الضحیٰ کی آیت ۷ میں یوں بیان فرمایا:۔

" وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ "

ترجمہ:۔اور جب آپکو (اپنی محبت میں) خود رفتہ پایا تو (اپنی طرف رسائی کی) راہ دکھائی (الضحیٰ:۷)

آپؐ اس دوران کائنات کے مشاہد اور اسکے پیچھے کارفرما قدرتِ نادرہ پر غور فرماتے تو قوم کے لچر پوچ شرکیہ عقائد اور واہیات تصورات پر تو آپکو بالکل اطمینان نہیں تھا۔ لیکن آپکے سامنے کوئی واضح راستہ' معین طریقہ اور افراط و تفریط سے ہٹی ہوئی کوئی راہ بھی نہ تھی جس پر آپؐ اطمینان اور انشراح قلب کے ساتھ رواں دواں ہو سکتے۔ دنیا کے چھوٹے موٹے ہمّ و غم سے کٹ کر کچھ عرصہ کیلئے الگ تھلگ ہو جانا بھی مشیّت و تدبیر الٰہی کا حصہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو امانت کا بوجھ اٹھا سکنے اور رُوئے زمین کے خط تاریخ کو بدل ڈالنے کیلئے تیار کرنے اور رسالت کی ذمہ داری عائد کرنے کیلئے تین سال قبل ہی یہ خلوت نشینی آپکے مقدر فرما دی تھی۔ آنحضرتؐ پر یہ کیفیت یوں تو بچپن ہی سے وقتاً فوقتاً وارد ہوتی رہتی تھی تاہم نزولِ وحی کے قریبی زمانہ میں مزید شدت اختیار کر گئی۔ اس دَوران آپؐ جو خواب دیکھتے واضح اور سچا ہوتا۔ آپکے یہی خواب وحیٔ الٰہی کا پیش خیمہ تھے۔ یہ سلسلۂ خواب قریباً چھ ماہ جاری رہا اور جب آپکی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو جبریلؑ امین نبوت کی بشارت لے کر آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت آپؐ غارِ حرأ میں تشریف فرما تھے اور یہ مبارک واقعہ ۶۔ اگست ۶۱۰ء کو قمری

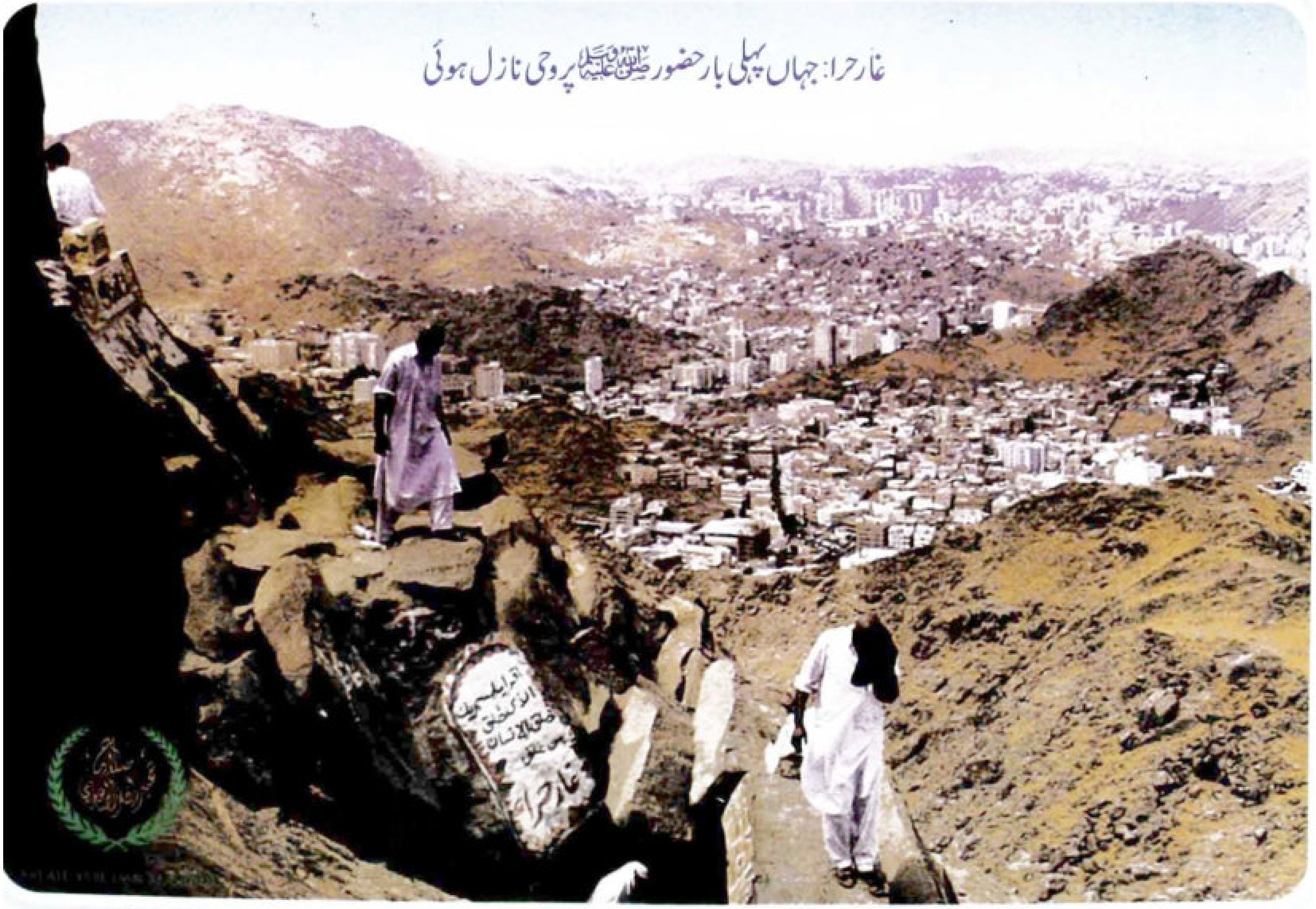

مسجد حرام سے کھینچی گئی غار حرا کی تصویر

حساب سے ۶۱۰ ۔ سن میلادیہ بروز ۲ شنبہ (پیروار) کوظہور پذیر ہوا۔قمری حساب سے اس وقت آپکی عمر مبارک چالیس سال چھ ماہ آٹھ یوم تھی۔

حضرت عائشہ صدؓیقہ سے مروی ہے کہ آنحضرؐت پر سب سے پہلی وحی سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں اوراس بات پر سب کا اتفاق ہےاور یہ ماہِ رمضان میں نازل ہوئیں۔دوسری روایت صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری کی وہ حدیث ہے جس میں آنحضرؐت نے فرمایا میں حرأ سے نکل کرطہارت وغیرہ کیلئے میدان کی طرف جاتا تو ایک آواز سنتا تھا کہ کوئی میرا نام (یا محمدؐ) لے کر مجھے پکارتا۔ایک مرتبہ یہ آواز سن کر آسمان کی جانب نظر کی تو مجھے وہ فرشتہ جو غارِ حرأ میں آیا تھا زمین و آسمان کے بیچ کرسی پر بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔اسے دیکھ کر مجھ پر ایک عجیب سی دہشت طاری ہوگئی۔پھر وہ مثل آفتاب و ماہتاب چہرے والا میرے قریب آیا اور سبز حریر کا ایک ٹکڑا جس پر سنہرے الفاظ میں کچھ تحریر تھا' میرے رُوبرو کرتے ہوئے کہنے لگا پڑھیئے۔ میں نے کہا میں حروف نہیں پہچانتا اور پڑھنے والوں میں نہیں۔اس فرشتے نے مجھے پکڑ کر اس زور سے بھینچا کہ مجھے شدید تکلیف ہوئی اور میرا تمام بدن پسینے میں نہا گیا۔یہ عمل تین مرتبہ دھرایا گیا اور پھر کہا:۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ج (۱) (علق:۱)

ترجمہ:۔اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے خلق فرمایا (علق:۱)

جب میں زبان سے ان کلمات کو پڑھنے لگا تو پھر اِس سورۃ کی ابتدائی پانچ آیات کو مجھے خوب یاد کروایا۔پھر مجھے وضو استنجا اور طہارت وغیرہ کا طریقہ سکھایا اور دو رکعت نماز پڑھنے کو کہا جس کی ترتیب اور قیام میں پڑھنے کیلئے سورۃ فاتحہ سکھائی جو مجھے جلد یاد ہوگئی اور پھر کہا کہ آپؐ اسے ہر رکعت میں پڑھا کریں۔

اس واقعہ کے بعد آنحضرؐت کو سخت تھکاوٹ اور کپکپی محسوس ہو رہی تھی چنانچہ آپؐ جلد گھر لوٹے اور حضرت خدؓیجہ سے فرمایا ''مجھے کمبل اُوڑھا دو' مجھے کمبل اُوڑھا دو'' کہ میرے بدن سے لرزہ جا سکے۔ حضرت خدؓیجہ نے آپکی یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو آپنے تمام ماجرا بیان کیا اور فرمایا کہ اس وقت سے مجھے ایک خوف سا محسوس ہو رہا ہے۔حضرتؓ خدیجہ نے آپکو تسلی دی اور کہا کہ آپنے کبھی کسی

سے زیادتی نہیں کی، ہمیشہ مسافروں اور ضرورت مندوں کی مدد فرمائی ہے آپؐ راست باز اور لوگوں کے اموال کے امین ہیں۔ جس خدا نے آپ پر وحی فرمائی اور آپکو اپنا پیغامبر مقرر فرمایا ہے وہ آپکو اپنی نگہبانی میں رکھے گا۔ جو اسکی مخلوق پر صلہ رحمی کرتا ہے وہ اسکی رحمت کا مستحق ہوتا ہے نا کہ عذاب کا۔ یہ فرماتے ہوئے حضرت خدیجہؑ نے آنحضرتؐ کو کمبل اوڑھا کر کچھ دیر آرام فرمانے کا مشورہ دیا۔

ورقہ بن نوفل

پھر حضرت خدیجہؑ نے اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل سے یہ واقعہ بیان فرمایا جو کہ عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ توریت و انجیل کا نہ صرف عالم تھا بلکہ عبرانی زبان سے انکا ترجمہ بھی کرتا تھا۔ اس نے کہا جبرائیلؑ نام کا ایک بڑا فرشتہ خدا کی طرف سے پیغمبروں پر وحی لانے پر مقرر ہے۔ وہ حضرت موسیٰؑ پر اور حضرت عیسیٰؑ پر بھی وحی لاتا رہا ہے۔ اگر تم نے یہ سب سچ کہا ہے تو یقیناً وہ خدا کے نبی ہیں اور پھر آنحضرتؐ سے کہا کہ آپؐ اپنے دل میں کسی قسم کا خوف و اندیشہ نہ لائیں۔ میں نے نبی آخری کے ضمن میں توریت و انجیل میں موجود بہت سی نشانیاں آپؐ میں دیکھی بھی ہیں۔ دکھ کی بات ہے کہ آپکی قوم آپکے مرتبہ اور دین اسلام جیسی نعمت کو پہچان نہیں پائیں گے اور آپکی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر آپکو اس شہر سے نکال باہر کریں گے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو ضرور آپکی مدد کروں گا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد ہی ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ سفید لباس پہنے ہوئے ہے اور حضورؐ نے اس کی تعبیر بیان فرماتے ہوئے کہا کہ یہ جنتیوں کی نشانی ہے۔

ابتدائی وحی کے بعد گھر آ کر آنحضرتؐ کمبل اُوڑھے لیٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ سورۃ مدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں:۔

يَآيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۱) قُمْ فَاَنذِرْ (۲) وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ (۳) وَ ثِيَابَکَ فَطَهِّرْ (۴)

ترجمہ:۔ اے کمبل اوڑھے ہوئے اٹھ اور قوم کو عذابِ الٰہی سے ڈرا، اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک صاف رکھ (مدثر/۱تا۴)

وحیِ الٰہی کا سلسلہ تا عمر جاری رہا البتہ اس دوران بناء بر مصلحتِ الٰہی کچھ عرصہ وحی کا نزول منقطع

بھی رہا جس کا دورانیہ بعض کے نزدیک اڑھائی یا تین سال ہے جو کہ غیر درست ہے۔ البتہ کچھ ماہ تک وحی کا نزول ضرور منقطع رہا۔ روایت ہے کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہونے میں تاخیر ہوئی تو مشرکین نے ازراہِ طنز و تمسخر کہا کہ لگتا ہے کہ محمد کے شیطان نے اسے چھوڑ دیا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اور منافقین بھی کہنے لگے کہ محمدؐ کے خدا نے اسے چھوڑ دیا ہے اور اب اس سے بغض رکھنے لگا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ پر نزولِ قرآن کی ابتدا ماہِ رمضان المبارک میں ہوئی تھی اور انقطاعِ وحی کا دورانیہ چند ماہ رہا۔ مشرکین و منافقین کی ایسی دلخراش باتوں کی تردید اور آنحضرتؐ کی دل جوئی کیلئے نزولِ وحی کا سلسلہ سورۃ والضحیٰ سے پھر شروع ہوا جو آنحضرتؐ کی مبارک زندگی کے آخری ایام تک بفضل اللہ جاری رہا۔ یہاں بطور تبرک سورۃ والضحیٰ درج بھی کی جا رہی ہے۔

وَالضُّحٰی (۱) وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی (۲) مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی (۳) وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی (۴) وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی (۵) اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی (۶) وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی (۷) وَ وَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی (۸) فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ (۹) وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ (۱۰) وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ (والضّحیٰ: ۱تا۱۱)

ترجمہ:۔ ”دن (بوقت چاشت جب سورج بخوبی طلوع ہو چکے) کی قسم (۱) اور رات کی قسم جب وہ (خوب) چھا جائے (۲) کہ خدا نے آپ کو نہ چھوڑا اور نہ آپ سے اسے کوئی بغض و کراہت ہوئی (۳) اور آخرت آپ کیلئے دنیا سے بہتر ہے (۴) اور ضرور عنقریب آپکو بیشمار نعمتیں عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے (۵) کیا اللہ نے یتیم پا کر آپ کو ٹھکانہ نہیں دیا (۶) اور آپ کو اپنی تلاش میں سرگرداں پا کر اپنی طرف راہنمائی فرمائی (۷) اور آپکو مفلس پا کر غنی فرمایا (۸) پس کسی یتیم پر سختی مت کیجئے (۹) اور کسی سوالی کو مت جھڑکئے (۱۰) اور آپکے رب کی نعمتوں کو (جو آپکو عطا ہوئیں) بیان فرمایئے (۱۱)

پہلے پہل ایمان لانے والے افرادِ مسلم

(حضرت خدیجہؓ: حضرت علیؓ ابن ابی طالب: حضرت ابوبکرؓ صدیق: حضرت بلالؓ حبشی)

حضرت خدیجہؓ

وحی الٰہی (اے کمبل اوڑھے ہوئے اُٹھ اور قوم کو خدا خوفی کی نصیحت کر) نازل ہوتے ہی آنحضرتؐ اوڑھنی کو ہٹا کر بستر سے اٹھ گئے اور کہا کہ خدیجہؓ اب میرا سونا مناسب نہیں ہوگا۔ مجھے جبرائیلؑ نے کہا ہے کہ اٹھیں اور مخلوقِ خدا کو اسلام کی دعوت دیں کہ وہ شرک و کفر کی قباحت سے خبردار ہو جائیں اور بت پرستی چھوڑ کر صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کریں۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ کس کو جا کر یہ پیغام دوں کون میری بات سنے گا اور کون یقین کریگا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے فرمایا آپؐ مجھے تلقین فرمائیں اور اسلام کی راہ بتائیں۔ میں آپ میں بہت سی ایسی نشانیاں ملاحظہ کر چکی ہوں جو سابقہ کتب میں نبی آخرالزماں کے بارے بیان ہوئی ہیں چنانچہ مجھے یقین ہے کہ آپؐ خدا کے نبیؐ ہیں۔ اس طرح وہ خواتین میں سب سے پہلے ایمان لا کر مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

حضرت علی ابن ابی طالبؓ

اس وقت حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی عمر سات سال تھی جو آپؐ کے پاس ہی رہتے تھے۔ ایک روز آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ کو نماز پڑھتے دیکھ کر پوچھنے لگے کہ آپ لوگ یہ کیا کر رہے تھے۔ اس پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم خدائے عزوجل کی عبادت کر رہے تھے۔ تو حضرت علیؓ پوچھنے لگے کہ آپکے سامنے تو کوئی خدا موجود نہیں تھا آخر آپ کس کی عبادت کر رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میرا خدا وہ ہے جس کے دست قدرت میں تمام کائنات ہے تمام زمین و آسمان کا نظام اسی قادرِ مطلق کے ہاتھ ہے اور اسی نے مجھے جملہ مخلوقات عالم پر پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تا کہ میں لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی طرف مدعو کروں، انہیں نیک کاموں کے انجام دینے اور برائیوں سے رک جانے کی ترغیب دوں۔ میں تمہیں بھی کہتا ہوں کہ تم بھی اس سیدھے راستے پر آؤ اور اپنے باپ دادا کی رسم بت پرستی کو چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کرو۔ یہ سن کر علیؓ نے عرض کیا کہ میں کوئی کام اپنے والد کی اجازت کے بغیر انجام نہیں دیتا اس

لئے مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے باپ سے پوچھ آؤں۔

ابھی چونکہ اسلام اپنی بالکل ابتدائی حالت میں تھا اور کوئی اس سے مانوس تو کجاء شناسا بھی نہیں تھا اس لئے آنحضرتؐ نے علیؓ المرتضٰی کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا' یاد رکھنا یہ اجازت اپنے والد سے تخلیہ میں لینا کہ تم دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہ ہو۔ جس پر علیؓ پختہ ارادے اور اس عہد کے ساتھ گھر سے باہر نکلے کہ وہ تنہائی میں اپنے والد سے اجازت لیکر واپس آئیں گے اور آپکے فرمانے کے مطابق اسلام قبول کرلیں گے۔

باہر نکلتے ہی انہیں خیال آیا کہ جب ایمان لانے کا ارادہ کر ہی لیا ہے اور والد کے انکار کی صورت میں بھی بدلنے والا نہیں تو ایسی صورت میں والد کی نافرمانی کا بھی خدشہ ہے۔ پس میں ایسی صلاح ہی کیوں لوں' یہ سوچ کر وہیں سے واپس آنحضرتؐ کی خدمت میں لوٹ آئے اور آتے ہی آپکے پیغمبر خدا ہونے کی گواہی دی۔ پھر نماز ادا کرنے کا طریق یاد کیا اور نماز ادا بھی فرمائی۔

حضرت ابوبکر صدّیقؓ

اُدھر حضورؐ کی حالت و کیفیت یہ تھی کہ رات رات بھر آرام نہ فرماتے۔ دل کو یہ خیال پریشان کرتا رہتا کہ کہیں کسی پر ظاہر نہ ہو جائے کہ میں ایک پیغمبر ہوں اور انکے شرکیہ عقائد کے برعکس توحیدی عقیدہ کا علم بردار ہوں۔ کیونکہ اس میں قوم کی برہمی اور سخت مخالفت کا اندیشہ تھا۔

ایک دن خیال مبارک ہوا کہ کیوں نہ ابوبکرؓ سے چل کر راز کی بات کروں جو ایک دانا بزرگ مرد ہیں' مجھ سے کافی دوستی بھی رکھتے ہیں' دیکھتے ہیں کہ وہ اس ضمن میں کیا رائے رکھتے اور کیا صلاح دیتے ہیں۔ چنانچہ اگلے روز صبح عبادت کے بعد آپؐ حضرت ابوؓبکر سے ملنے گھر سے نکل پڑے۔ اُدھر حسن اتفاق یا رضائے الٰہی سے گزشتہ شب حضرت ابوؓبکر بھی اسی ادھیڑ بن میں الجھے رہے کہ اگر یہ بت ہمیں کوئی فائدہ کی بات بتاتے یا کسی کام کی طرف ہماری راہنمائی کرتے تو کوئی بات بھی تھی۔ ہم لوگ اور ہمارے باپ دادا عرصہ سے جو بت پرستی کرتے چلے آرہے ہیں آخر اس کا فائدہ کیا ہے۔ کاش کوئی ایسا ہوتا جو اس ضمن میں ہماری رہنمائی کرتا۔ یہ خیال بھی آیا کہ محمدؐ امانت دار بھی ہیں برادر زادہٗ ابوطالب ہیں مرد عاقل و دانا بھی ہیں انہیں کبھی بت پرستوں جیسی عبادت کرتے نہیں دیکھا۔ ان سے ہماری دوستی

اور تعلق محبت بھی ہے چنانچہ کل صبح ان سے مل کر اس ضمن میں بات کر کے دیکھی جائے۔ ممکن ہے وہ اس سلسلہ میں کوئی راہنمائی کریں۔

دوسرے روز یہ گھر سے نکلے ہی تھے کہ راستہ میں دونوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوؓبکر کو مخاطب کر کے پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں آپؐ ہی کی طرف آنے کیلئے گھر سے نکلا تھا کہ آپؐ سے یہیں ملاقات ہوگئی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں بھی آپؓ سے ملاقات کے ارادہ سے گھر سے نکلا تھا تو فرمائیں کیسے تکلیف فرمائی۔ ابوؓبکر کہنے لگے آپؐ ہی فرمائیں کہ مجھ ناچیز کے ہاں تشریف لانے کی کیا غایت تھی کہ میں آپکے کسی کام آسکوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں آپ سے کچھ مشورہ کرنا اور آپکی رائے لینا چاہتا تھا۔ پھر کھل کر جبرائیلؑ کے نزول فرمانے اور خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور اپنے خوابوں کا ذکر فرمایا۔ یہ سنتے ہی ابوبکرؓ نے برملا کہا کہ خدائے ابراہیمؑ نے ہم پر کرم فرمایا ہے کہ آپکو ہمارے درمیان پیغمبر بنا کر ارسال فرمایا ہے' اے پیغمبر خدا مجھے راہِ ھدایت اور احکام خداوندی سے روشناس کریں۔ آنحضرتؐ نے انہیں ایمان قبول کرنے اور توحید پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی تو اسی لمحہ حضرت ابوبکرؓ نے کلمہ پڑھا اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ پھر وضو اور نماز کا طریق یاد کیا اور نماز پڑھی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے جب بھی کسی پر اسلام پیش کیا تو اس نے فوراً انکار کر دیا اور میری مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا مگر ابوبکرؓ نے انکار نہیں کیا اور فوراً ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سب سے پہلے عورتوں میں حضرت خدؓیجہ ایمان لائیں لڑکوں میں حضرت علیؓ بن ابو طالب نے ایمان قبول کیا مردوں میں حضرت ابوبکرؓ نے اور غلاموں میں بلال حبشیؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آزاد کردہ غلاموں میں ایک نام زیدؓ بن حارث کا بھی ہے یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے بلا تامل پہلی ہی دعوت میں اسلام قبول کر لیا۔ یہ سعادت مندی کا وہ مرتبہ ہے کہ کسی اور صحابی یا صحابیہ کو میسر نہ ہوا۔ اس کے بعد انہی اسلام لائے لوگوں کی کوششوں سے کچھ مزید لوگ ایمان لائے جو اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے اور خفیہ طور پر نمازیں ادا کرتے۔ جو ابھی تعداد میں اور اوقات مین دو تھیں یعنی صبح و شام اور دو دو فرضوں پر مشتمل تھیں۔ اسکے ساتھ ساتھ خفیہ اور انفرادی طور پر تبلیغ اسلام بھی جاری تھی۔

حضرت بلالؓ بن رباح حبشی

حضرت بلالؓ ان خوش نصیب اصحاب میں سے ایک ہیں جنہوں نے بلا تامل پہلی ہی دعوت میں اسلام قبول کرلیا۔ انکے والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامۃ تھا جو کہ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ کتب احادیث میں حضرت بلالؓ کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ محدث حاکم اور حافظ ابونعیم نے ان کو اصحاب صفہ میں شمار کیا ہے۔ اسلام میں سب سے پہلی اذان انہوں نے ہی دی اور آنحضرتؐ کے وصال تک ہمیشہ آپؐ کے ساتھ بھی رہے اور مسجد نبوی کے مؤذن بھی۔ قبل از اسلام مکہ میں امیّہ بن خلف نامی ایک شخص کے غلام تھے۔ جو حضرت بلالؓ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد ان کا شدید دشمن ہو گیا اور انکے ساتھ سخت ظالمانہ سلوک کرنے لگا۔

حضرت ابوبکرؓ نے بلالؓ کو جب دعوت اسلام دی اور بتایا کہ میں نے آنحضرتؐ کے دست مبارک پر بیعت کر کے اسلام قبول کرلیا ہے تو انہوں نے فی الفور اپنا عندیہ ظاہر کر دیا کہ میں تو خود محمدؐ سے بے حد عقیدت رکھتا ہوں مگر میں غلام ہوں، کیا میں بھی اسلام قبول کر کے آپکا ساتھی بن سکتا ہوں۔ پھر بے اختیار اپنے ہاتھ بڑھا کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پکڑ لئے کہ مجھے بھی مسلمان بننے کا طریقہ سکھائیں۔ انکی یہ بے ساختگی آنحضرتؐ سے عقیدت کی بناء پر تھی وگرنہ ایک غلام میں اتنی جرأت عموماً نہیں ہوتی اور یوں وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

پھر کیا تھا جونہی یہ خبر امیّہ بن خلف کو ملی وہ آپکی جان کا دشمن ہو گیا۔ انہیں جھلستی ہوئی ریت پر لٹا کر او پر وزنی پتھر رکھ دیتا اور کہتا تو اسی طرح پتھر کے نیچے دبا پڑا رہیگا جب تک تجھے موت نہ آجائے یا پھر تو لات وعزیٰ کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو۔ اسکے جواب میں آپکی زبان سے صرف احد احد کے الفاظ نکلتے اور تکلیف سے کراہتے ہوئے کئی مرتبہ بے ہوش ہو جاتے۔ ایک روز اسی کیفیت میں تھے کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کا ادھر سے گزر ہوا تو آپؓ نے انکا معاوضہ ادا کر کے انہیں آزاد کروایا۔

اوّلین راہروانِ اسلام اور مصلحتِ اخفائے تبلیغ

ان دنوں مکہ دین عرب کا مرکز تھا اور کعبہ کے پاسبان بھی یہی لوگ تھے۔ یہی لوگ اُن بتوں کے نگہبان بھی تھے جنہیں پورا عرب تقدیس کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اسلئے مسلمانوں کیلیئے کسی دورافتادہ مقام کی نسبت مکہ میں مقصد اصلاح تک رسائی بہت دشوار تھی۔ یہاں ایسی عزیمت درکار تھی جسے مصائب و آلام کے دھچکے اپنی جگہ سے نہ ہلاسکیں۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر حکمت کا تقاضا تھا کہ شروع میں دعوت وتبلیغ کا کام پس پردہ انجام دیا جائے تاکہ مشرکین مکہ کے سامنے اچانک ایک ہیجان انگیز صورت حال نہ آ کھڑی ہو۔

رسولؐ اللہ نے فطری طور پر ان لوگوں پر پہلے اسلام پیش کیا جن سے آپکا گہرا رابطہ وتعلق تھا یعنی اپنے گھر کے لوگوں اور دوستوں پر۔ وہ بھی ان لوگوں پر جن کے چہروں پر آپؐ نے بھلائی کے آثار پائے۔ جن کے بارے آپکو بخوبی اندازہ تھا کہ وہ حق اور خیر کو پسند کرتے ہیں اور آپکے صدق وصلاح سے واقف ہیں۔ متذکرہ بالا اصحاب تو پہلے دن ہی اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اسکے بعد اِن لوگوں نے بھی دعوتِ تبلیغ میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ خاص کر ابوبکرؓ صدیق اسلام کی تبلیغ میں سرگرمی سے حصہ لینے لگے۔ وہ یوں بھی بڑے ہر دل عزیز نرم خو اور پسندیدہ اخلاق وخصائل کے حامل تھے اور انکا حلقۂ یاراں تجارت اور انکی دریادلی کے باعث کافی وسیع تھا اور لوگوں کی آمدورفت لگی رہتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پاس آنے جانے اور اٹھنے بیٹھنے والوں میں سے جس جس کو قابل اعتماد پایا اُس کو دعوتِ اسلام دینا شروع کر دی۔ ان ہی کی کوششوں سے حضرت عثمانؓ حضرتؓ زبیر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حضرت بلالؓ اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ مسلمان ہوئے۔ یہ حضرات اسلام کا ہراول دستہ تھے۔ ان کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ، عامرؓ بن جراح، ابوسلمہؓ بن عبدالاسد، ارقمؓ بن ابی الارقم، عثمانؓ بن مظعون اور انکے دونوں بھائی قدامہؓ اور عبدؓ اللہ، پھر عبیدہؓ بن حارث بن مطلب بن عبدمناف، سعیدؓ بن زید اور انکی بیوی فاطمہؓ بنت خطاب (حضرت عمرؓ کی بہن) خبابؓ بن ارت، عبدؓ اللہ بن مسعود اور کئی دیگر افراد مسلمان ہوئے جن کی تعداد تینتالیس کے قریب تھی۔ ابواسحاق کا بیان ہے کہ اس کے بعد مرد اور عورتیں

کافی کافی تعداد میں اسلام میں شامل ہونے لگے جس سے مکہ میں اسلام کا ذکر پھیل گیا اور لوگوں میں اسکا چرچہ ہونے لگا۔عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد پہلے ایمان لانے والی خواتین میں فاطمہؓ بنت خطاب امّ ایمنؓ امّ الفضلؓ اسماءؓ بنت ابی بکر اور امّ جمیلؓ کے نام مبارک شامل ہیں۔ یہ لوگ چھپ چھپا کر مسلمان ہوئے تھے۔رسولؐ اللہ بھی چھپ چھپا کر ہی انکی راہنمائی اور تبلیغ دین کیلئے ان کے ساتھ جمع ہوتے رہے اور یہ سلسلہ یونہی قریباً تین سال تک چلتا رہا۔

ادھر سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات کے بعد وحی کی آمد پورے تسلسل اور تیز رفتاری کے ساتھ جاری تھی اور چھوٹی چھوٹی آیات نازل ہو رہی تھیں۔ان آیات کا اختتام بڑے پر کشش الفاظ پر ہوتا تھا جن میں بڑی سکون بخش اور جاذب قلب نغمگی تھی، ان آیتوں میں تزکیہ نفس کی خوبیاں اور آلائشِ دنیا میں لت پت ہونے کی برائیاں بیان ہوتی تھیں۔ جنت وجہنم کا نقشہ یوں کھینچا جاتا تھا کہ گویا وہ سب آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ آیات اہل ایمان کو اس وقت کے انسانی معاشرے سے بالکل الگ ایک دوسری ہی فضا کی سیر کراتی تھیں۔مسلمانوں کو ''صبح وشام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح کرو،، کے حکم کے ساتھ دو نمازیں فرض ہو چکی تھیں اور مسلمان طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے قبل یہ نمازیں ادا کیا کرتے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ نبیؐ اور صحابہ کرامؓ نماز کے وقت گھاٹیوں میں چلے جاتے اور اپنی قوم سے چھپ کر نماز پڑھا کرتے۔ایک مرتبہ ابو طالب نے آنحضرتؐ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ پھر جب حقیقت معلوم ہوئی تو کہا کہ اس پر برقرار رہیں۔اس قسم کے دیگر واقعات سے خفیہ رکھنے کے باوجود قریش کو ان باتوں کی سن گن لگ چکی تھی تاہم انہوں نے اسے لائق توجہ نہ سمجھا، پھر بھی اس قسم کی باتیں اور محمدؐ کے خیالات نے ان میں کسی حد تک تشویش ضرور پیدا کردی تھی۔

امام محمد غزالیؒ کہتے ہیں کہ یہ خبریں قریش کو پہنچنے لگی تھیں مگر انہوں نے آنحضرتؐ کو بھی اسی طرح کا کوئی دینی آدمی سمجھا جو الوہیت اور حقوق الوہیت کے موضوع پر گفتگو کیا کرتے ہیں جیسا کہ امیہ بن ابی الصلت، قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ کیا کرتے تھے۔تاہم آنحضرتؐ کی خبروں اور انکے اثرات کے پھیلاؤ کو بھانپتے ہوئے قریش نے کچھ اندیشے ضرور محسوس کئے اور انکی نگاہیں آپکی تبلیغ اور مسلمانوں کی حرکات وسکنات پر رہنے لگیں۔

کھلی تبلیغ کی ابتداء

تین سال تک خفیہ تبلیغ کے بعد جب مسلمانوں کی کچھ تعداد آپؐ کے گرد جمع ہوگئی تو سورۃ شعرأ کے نزول میں صاف صاف آپکو کھلی دعوتِ اظہار کا حکم فرمایا گیا کہ " آپؐ اپنے نزدیکی قرابت داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے"۔ اس حکم کے نزول کے بعد آنحضرتؐ حکمِ خداوندی کے رُوبرو سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے کوہِ صفا کی طرف تشریف لے گئے اور مکہ کے باشندگان کو پکارا۔ مکہ کے لوگ آپکے حسن سلوک، دیانت وصداقت اور حسنِ اخلاق کے معترف تھے لہٰذا آپکے پکارنے پر اپنا کام کاج چھوڑ کر کوہِ صفا کے دامن میں جمع ہوگئے۔ یوں آپنے بنی ہاشم کو جمع کیا ان کے ساتھ بنی مطلب بن عبد مناف کی ایک قریشی جماعت تھی اور یہ کل پینتالیس لوگ تھے جن کو مخاطب فرماتے ہوئے آپؐ نے استفسار فرمایا۔

"اے قریش: اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کے عقب میں ایک بڑی فوج چھپی ہوئی تم پر حملہ کرنے کو تیار کھڑی ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کروگے؟" تو سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ کیوں نہیں اے محمدؐ: ہم آپکی بات کو صحیح تسلیم کریں گے کیونکہ آپؐ صادق وامین ہیں۔ تب آپنے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو: میں تمہیں عذاب نازل ہونے سے پیشتر اس سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ اے بنو عبدالمطلب' اے خاندانِ عبد مناف' اے ابنائے زہرہ' اے اولادِ تمیم' اے قبیلہ مخزوم والو' اے فرزندانِ اسد سب غور سے سن لو کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں قرابت داروں کو عذابِ آخرت سے آگاہ کر دوں اور اگر تم نے لا الہ الااللہ نہ کہا تو میں دنیا وآخرت میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔

ابھی آپؐ بات کر ہی رہے تھے کہ آپکے حقیقی چچا ابولہب نے بات لپک لی اور بولا: تم یہ کیا کہہ رہے ہو اے محمدؐ: تم سدا برباد رہو (نعوذباللہ) کیا تم نے ہمیں اس کام کیلئے یہاں بلایا ہے۔ دیکھو یہ تمہارے چچا اور چچازاد بھائی ہیں ان سے بات کرو لیکن نادانی چھوڑ دو اور یہ سمجھ لو کہ تمہارا خاندان سارے عرب سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا۔ اگر تم یونہی اپنی بات پر قائم رہے تو یہ بہت آسان ہوگا کہ قریش کے سارے قبائل تم پر ٹوٹ پڑیں اور بقیہ عرب بھی انکی مدد کریں' پھر میں نہیں جانتا کہ تم سے بڑھ کر کوئی شخص اپنے خانوادے کی تباہی وبربادی کا باعث ہوگا۔ اس پر حضورؐ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اس مجلس میں مزید

کوئی گفتگو نہ فرمائی۔

اس کے بعد آپؐ نے انہیں دوبارہ جمع کیا اور فرمایا ''ساری حمد اللہ کیلئے ہے اور میں اس کی حمد کرتا اور اس پر ایمان رکھتا اور اسی سے مدد چاہتا اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں''۔ پھر حضورؐ نے فرمایا'' رہنما اپنے گھر کے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اس خدائے واحد کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام لوگوں کی طرف عموماً اللہ کا رسول ہوں۔ بخدا تم لوگ اسی طرح موت سے دوچار ہو گے جس طرح سو جاتے ہو اور اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے نیند سے جاگتے ہو۔ پھر جو کچھ تم کرتے ہو اس کا تم سے حساب لیا جائیگا۔ پھر یا تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جنت ہے یا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم''۔

اس پر آپکے چچا ابو طالب نے کہا: اے بھتیجے نہ پوچھو ہم تمہاری معاونت کس قدر پسند کرتے ہیں۔ یہ تمہارے والد کا خانوادہ ہے اور میں بھی اس خانوادے کا ایک فرد ہوں۔ میری طبیعت عبدالمطلب کا دین چھوڑنے پر مائل نہیں اور میں تمہارے خیالات کی تائید کرنے والوں میں شامل نہیں تاہم تم کو جو حکم ہوا ہے تم اسے ضرور انجام دو۔ میں تمہارے مخالفوں سے مسلسل تمہاری حفاظت و اعانت کرتا رہوں گا۔

ابولہب بول اٹھا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا: خدا کی قسم یہ برائی ہے اس کے ہاتھ دوسروں سے پہلے خود ہی پکڑ لو۔ اس پر آپؐ کے چچا ابو طالب نے کہا: خدا کی قسم جب تک میری جان میں جان ہے میں اسکی حفاظت کرتا رہوں گا۔

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب آیت '' وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴿۲۱۴﴾ '' (سورۃ: شعراء) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عام پکار لگائی کہ اے جماعت قریش اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے بنی کعب اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے میری بیٹی فاطمہؓ اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ کہ میں (بصورت شرک) تمہیں بچانے کیلئے تمہاری کچھ مدد نہ کرسکوں گا۔ البتہ تم لوگوں سے جو تعلقات، نسب و قرابت کی بنا پر ہیں انہیں میں تروتازہ رکھنے کی کوشش کرونگا۔

یہ بانگ دراء غایت تبلیغ کیلئے تھی اور آپؐ نے اپنے قریب ترین لوگوں پر واضح فرما دیا تھا کہ

اب یہ تعلقات رسالت کی گواہی پر ہی موقوف ہیں اور جس نسلی اور قبائلی عصبیت پر عرب قائم ہیں وہ اس خدائی اِنذر کی حرارت سے پگھل کر ختم ہو چکی ہے۔ اس آواز کی گونج ابھی مکہ کے گرد و نواح میں سنائی دے ہی رہی تھی کہ اللہ جل جلالہ' کی طرف سے ایک اور حکم نازل ہوا۔

" فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ (۹۴) " (حجر:۹۴)

ترجمہ: آپکو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجئے اور مشرکین سے رخ پھیر لیجئے۔(حجر:۹۴)

مشرکین مکہ کی مخالفت اور اسلام دشمنی

اپنے رب کی فرمانبرداری پر اسکی نعمتوں اور اسکی نافرمانی کے انجامِ زیاں کو لوگوں تک پہنچانے کا سلسلہ کیا شروع ہوا' قوم کی مخالفت اور دشمنی کا سلسلۂ جانکاہ بھی شروع ہو گیا۔ تاہم رسول اللہ ؐ نے شرک کے خرافات واباطیل کا پردہ چاک کرنا اور بتوں کی حقیقت اور قدر و قیمت کو واشگاف الفاظ میں بیان کرنا شروع کر دیا۔ آپ ؐ مثالیں دیکر انہیں سمجھاتے اور دلائل سے واضح فرماتے کہ یہ بت کس قدر عاجز اور ناکارہ ہیں اور جو شخص انہیں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناتا ہے وہ کس قدر گمراہی کا شکار ہے۔

تمام مکہ ایک ایسی آواز سن کر (جس میں انہیں مشرک و گمراہ کہا گیا اور انکے بتوں کی بیکاری و معذوری بیان کی گئی تھی) احساس غضب سے پھٹ پڑا' اور شدید غم وغصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ یہ آواز کیا تھی گویا بجلی کی کڑک تھی جس نے پرسکون فضا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسلئے قریش اچانک پھوٹ پڑنے والے اس انقلاب کی جڑ کاٹنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ اس سے انکے پشتینی رسم و رواج کا صفایا ہوا چاہتا ہے۔

یوں بھی وہ جانتے تھے کہ غیر اللہ کی الوہیت کے انکار اور محمد ؐ کے رسول ہونے کی گواہی دینے اور آخرت پر ایمان لانے کا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہے کہ خود کو مکمل طور پر رسالت کے حوالہ کر دیا جائے اور اسکی بے چون و چرا اطاعت کی جائے۔ یوں دوسرے تو درکنار خود اپنی جان اور اپنے مال تک کے بارے بھی کوئی اختیار نہ رہے گا۔ مکہ کے دینی رنگ میں جو بڑائی اور سرداری انہیں میسر ہے اُس کا صفایا ہو جائے گا اور اللہ اور اس کے رسول ؐ کے احکام کے مقابل انہیں اپنی مرضی پر کوئی اختیار نہ رہے گا۔ یوں

اپنے نچلے طبقہ کے لوگوں پر ہم جن ظلم و زیادتیوں کا ارتکاب کرتے اور صبح و شام جن برائیوں میں لت پت رہتے ہیں ان سے بھی دست کش ہونا پڑے گا۔ اس لئے قریش اس رسوا کن صورت حال کو کسی طرح قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔

لیکن ان کیلئے مشکل یہ آن پڑی تھی کہ انکے مقابل ایک ایسا شخص کھڑا تھا جو صادق و امین تھا' انسانی اقدار اور مکارمِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ ایسا کہ طویل عرصے سے انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ میں بھی اسکی نظیر دیکھی نہ سنی تھی۔ اس لئے قریش متفکر و حیران تھے کہ آخر اسکے مقابلہ میں کریں تو کیا کریں۔ کافی غور و خوض کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ انکے چچا ابو طالب کے پاس جائیں اور مطالبہ کریں کہ اپنے بھتیجے کو اسکے کام سے روکیں۔ اس مطالبہ کو حقیقت اور واقعیت کا جامہ پہنانے کیلئے یہ دلیل تیار کی کہ ہمارے معبودوں کو چھوڑ دینے کی دعوت دینا اور یہ کہ ہمارے معبود نفع یا نقصان پہنچانے پر کچھ قدرت نہیں رکھتے اور کسی کام کے نہیں یہ ہمارے معبودوں کی سخت توہین اور بہت بڑی گالی ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو احمق و گمراہ قرار دینے کے بھی ہم معنی ہے' جو اسی دین پر گزر چکے ہیں۔

چنانچہ اشرافِ قریش سے چند آدمی ابو طالب کے پاس گئے اور بولے "اے ابو طالب: ہم آپکے بھتیجے کی شکایت لے کر آئے ہیں۔ اس نے ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا ہے' ہمارے دین کی عیب جوئی کی ہے' ہماری عقلوں کو حماقت زدہ قرار دیا اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ ٹھہرایا ہے۔ جبکہ آپ خود بھی ہمارے ہم مذہب ہیں' لٰہذا آپ جائیں اور انہیں ایسی باتوں سے روکیں یا پھر ہمارے درمیان سے ہٹ جائیں ہم انکے معاملہ میں کافی رہیں گے"۔

ان کے جواب میں ابو طالب نے نرم لہجہ میں بات کی اور رازدارانہ و دوستانہ انداز اختیار کیا' جس سے وہ واپس چلے گئے اور ادھر آنحضرتؐ اپنے راستہ پر رواں دواں اللہ کا دین پھیلانے اور اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہے۔

جب ابو جہل کو اسلام کے پھلنے پھولنے کی خبر پہنچی تو وہ بدبخت کہنے لگا کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ لوگ محمدؐ بن عبداللہ پر ایمان لائیں گے اور اپنے دین کو ترک کر ڈالیں گے تو میں پہلے ہی اس کا سر پتھر سے کچل ڈالتا۔ اب بھی اگر محمدؐ سوائے ہبل کے کسی اور کو سجدہ کریگا تو میں اس کا سر پتھر سے ایسا کچل ڈالونگا کہ

اسکا مغز باہر نکل آئے گا۔ اسی نوعیت کے خیالات دوسرے مشرکین کے بھی تھے۔ جوں جوں انہیں دین اسلام پھیلنے کی خبریں ملتیں زیادہ برہم ہوتے گئے۔ گویا اسلام قبول کرنے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتیں' انکا مذاق اڑایا جاتا' انہیں زدوکوب کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے اور عام معاشرے میں ان سے نہایت تحقیرانہ انداز سے پیش آتے۔

ایک روز آنحضرتؐ کا گزر خانہ کعبہ کے قریب سے ہوا تو آپؐ نے دیکھا کہ کفار کا ایک گروہ آپؐ ہی کے متعلق گفتگو کر رہا ہے۔ آپؐ اس گروہ کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ: اے سردارانِ قریش خدا کیلئے باز آ جاؤ۔ ان بیکار بتوں کی پرستش سے منہ موڑ کر خدائے قادر و توانا کی عبادت کرو جس سے تمھیں کوئی فائدہ حاصل ہو۔ پھر آپؐ نے بتوں کی تضحیک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تعریف شروع کر دی' جس سے عُقبہ بن ابی معیط کو طیش آ گیا اور اس بدبخت نے آپکی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس زور سے بھینچا کہ آپکی سانس رکنے لگی۔ جسے آ کر حضرت ابوبکرؓ نے چھڑوایا اور عُقبہ کو اس جارحانہ اقدام پر پُر زور الفاظ میں تنبیہ کی۔ یہ دیکھ کر باقی سب بھی حضرت ابوبکرؓ پر پل پڑے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ زخمی ہو گئے۔ جونہی ابوبکرؓ کے قبیلے والوں کو خبر ہوئی وہ بھی جمع ہو گئے اور قریب تھا کہ بات کشت و خون تک پہنچ جاتی کہ کچھ معاملہ فہموں نے بات رفع دفع کرا دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ ان کیلئے بددعا کریں تو حضورؐ نے بددعا کی بجائے ہاتھ اٹھا کر کہا اے پروردگار انکے تاریک دلوں کو روشن فرما کہ یہ تیرے دین اور تیرے رسول کو پہچان جائیں۔

قریش کی مجلس شوریٰ

اسلام کی اعلانیہ تبلیغ کو چند مہینے ہی گزرے تھے کہ حج کا موسم قریب آ گیا۔ قریش کو معلوم تھا کہ عرب کے وفود کی آمد آمد ہے' وہ یہاں آئیں گے اور اسلام کے بارے سن کر محمدؐ سے ملنا چاہیں گے اور وہ بھی انکو اپنے دین میں شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اسلئے انہوں نے ضروری سمجھا کہ محمدؐ کے خلاف کچھ ایسا پراپیگنڈا کریں جس سے اہل عرب کے دلوں پر انکی تبلیغ کا کچھ اثر نہ ہو۔ چنانچہ اس بات پر گفت و شنید کیلئے کچھ سرکردہ لوگ ولید بن مغیرہ کے پاس اکٹھے ہوئے۔ ولید نے کہا: اس بارے تم سب یک

رائے ہو جاؤ تا کہ آپس میں ایک دوسرے کی تکذیب یا اختلاف نہ ہو۔ چند لوگوں نے کہا ہم اُس پر کاہن کی تہمت لگا کر لوگوں کو بدظن کریں گے۔ ولید نے جواب دیا کوئی ایسی بات کرو جس کو عرب کے لوگ تسلیم بھی کر لیں۔ بخدا وہ کاہن نہیں ہے' میں نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ اسکے اندر کاہنوں والی گنگناہٹ ہے نہ انکے جیسی قافیہ گوئی اور تک بندی۔

پھر کچھ لوگوں نے رائے دی کہ ہم عربوں کو یہ تاثر دیں گے کہ وہ پاگل ہو چکا ہے۔ اس رائے کو بھی ولید نے پسند نہ کیا اور کہا: اس شخص کے اندر پاگلوں جیسی دم گھٹنے کی کیفیت ہے نہ الٹی سیدھی حرکتیں اور نہ ہی دیوانوں جیسی بہکی بہکی باتیں' پھر عرب اسے مجنون کیوں تسلیم کر لیں گے۔ لوگوں نے پوچھا اگر اسے شاعر قرار دیا جائے تو کیسا رہے گا۔ ولید نے کہا نہیں ہمیں رجز و ہجز' قریض' مقبوض' مبسوط وغیرہ سارے ہی اصنافِ سخن معلوم ہیں۔ اس کی باتیں بہر حال شعر تو ہرگز نہیں۔

لوگوں نے کہا: تب ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے جس سے وہ لوگوں کو اپنے سحر میں گرفتار کر کے اپنا ہمنوا بنا لیتا ہے۔ ولید نے کہا: ہم نے بہت سے جادوگر اور انکا جادو دیکھا ہے۔ یہ شخص نہ تو انکی طرح جھاڑ پھونک کرتا ہے نہ دھاگوں میں گرہیں لگاتا ہے کوئی اسے جادوگر نہیں مانے گا۔ پھر کہنے لگا مجھے سوچنے دو اور کچھ دیر سوچ بچار کے بعد کہنے لگا۔ سب باتوں میں سے یہ بات پائیدار معلوم ہوتی ہے کہ اسے جادوگر کہہ کر متعارف کروایا جائے۔ کیونکہ جادوگر لوگ باپ بیٹے' میاں بیوی' بھائی بھائی اور قبیلوں میں پھوٹ ڈلوا کر جدائی پیدا کر دیتے ہیں جیسا کہ محمدؐ کے ماننے والوں میں ہوا بھی ہے۔

اسی ضمن میں سورۃ مدثر کی آیات (۱۱ تا ۲۶) نازل ہوئیں جن میں سے کچھ آیات میں ولید کے سوچنے کی کیفیت کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔

(ترجمہ) ''اس نے سوچا اور اندازہ لگایا۔ وہ غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا۔ پھر غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا۔ پھر نظر دوڑائی۔ پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بسورا۔ پھر پلٹا اور تکبر کیا۔ آخر کہا یہ نرا جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آ رہا ہے۔ یہ محض انسان کا کلام ہے''

بہر حال اس شوریٰ میں یہ قرار داد طے پا گئی اور پھر اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔ یہ لوگ عازمین حج کے مختلف راستوں میں بیٹھ گئے اور وہاں سے گزرنے والوں کو آپؐ کے متعلق خطرات سے

آ گاہ کرنے میں جُت گئے۔اس کام میں ابولہب سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا جو لوگوں کے ڈیروں پر اور عکاظ' ذوالمجاز اور مجنہ کے بازاروں میں آپکے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔آپؐ اسلام کی تبلیغ کرتے اور ابولہب پیچھے سے آوازیں لگاتا کہ یہ جھوٹا اور بددین ہے اسکی باتوں میں مت آنا۔

قریش کی اس دوڑ دھوپ کا نتیجہ کچھ اور ہی نکلا کہ جب لوگ حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو انکے علم میں کم از کم یہ بات ضرور آچکی تھی کہ محمدؐ نامی کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔یوں اپنے تئیں انکی مخالفانہ کوششوں سے الٹا پورے دیارِ عرب میں آنحضرتؐ کی نبوت کا چرچا ہو گیا۔

قریش کی محاذ آرائی کے انداز

جب قریش نے دیکھا کہ ہماری حکمت عملی کچھ کام نہیں آئی کہ اس سے محمدؐ کے کام میں رکاوٹ تو کیا کچھ کمی تک واقع نہیں ہوئی۔تو انہوں نے ٹھٹھا مذاق اور تکذیب کا رویہ اختیار کیا۔آپؐ پر تہمتیں لگاتے کہ یہ شخص جھوٹا ہے صرف جادو جانتا ہے اور لوگوں کو اپنے جادو کے زیر اثر بیوقوف بنا کر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے۔آپؐ اور مسلمانوں پر بیہودہ گالیوں کی بوچھاڑ کرتے اور لوگوں میں آپکے پاگل ہونے کا پرچار بڑی شدومد سے کیا کرتے۔آپکی تعلیمات اور آیاتِ قرانی کو مسخ کرنا' ان میں شکوک وشبہات پیدا کرنا' تعلیمات سے لیکر شخصیات تک کو واہیات اعتراضات کا نشانہ بنانا اور یہ سب اس شدت اور کثرت سے کرنا کہ لوگوں کو آپکی تبلیغ پر غور کرنے کا موقع ہی نہ ملے اور اگر لوگ کچھ سن بھی لیں تو مشرکین کی باتوں میں آکر شکوک وشبہات کا شکار ہو جائیں۔

نضر بن حارث اس کام میں پیش پیش تھا وہ فارس کے بادشاہوں اور رستم واسفندیار کے قصے سنا کر لوگوں سے پوچھتا کہ آخر کس بناٗ پر محمدؐ کے قصے مجھ سے بہتر ہیں۔اس نے چند لونڈیاں خرید رکھی تھیں جس کسی کے بارے اسے خبر ملتی کہ نبیؐ سے متأثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے تو وہ کسی نہ کسی لونڈی کو اسکے پیچھے لگا دیتا جو اسے عشوہ جوئی سے اپنی طرف مائل کرتی' اسے کھلاتی پلاتی اور گانے سناتی۔یہاں تک کہ اس شخص کا جھکاؤ اسلام کی طرف سے ہٹ جاتا۔

تاہم انکی محاذ آرائیوں کے نتائج جب حسب منشا نہ نکل پائے تو وہ کچھ لو اور کچھ دو کا رویّہ

اپنانے پر آ گئے۔ مشرکین نے کوشش کی کہ اپنی کچھ باتیں وہ چھوڑ دیں اور کچھ باتیں محمد چھوڑ دیں۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو تجویز پیش کی کہ ایک سال آپؐ ہمارے معبودوں کی پوجا کیا کریں اور ایک سال ہم آپکے خدا کی عبادت کیا کریں۔ عبد بن حُمید کی ایک روایت کے مطابق مشرکین نے کہا اگر آپؐ ہمارے معبودوں کو قبول کر لیں تو ہم بھی آپکے خدا کی عبادت کرنا قبول کر لیں گے۔

اسی ضمن میں ابن اسحاق کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ، ولید بن مغیرہ، اُمیہ بن خلف اور عاص بن وائل سہمی آنحضرتؐ کے سامنے آ گئے۔ یہ سب اپنی قوم کے اکابرین میں شمار ہوتے تھے، کہنے لگے اے محمدؐ یہ کیسا رہے گا کہ جسے تم پوجتے ہو ہم بھی اسے پوجنے لگیں اور جنہیں ہم پوجتے ہیں تم بھی ان کو پوجو۔ اس طرح ہم اور تم اس فعل میں مشترک ہو جائیں گے اور اگر تمہارا معبود ہمارے معبودوں سے بہتر ہے تو ہم تو اپنے معبودوں سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہونگے اور اگر ہمارے معبود تمہارے معبود سے بہتر ہیں تو تم ان سے اپنا حصہ حاصل کر سکو گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ کافرون نازل فرمائی جس میں مشرکین کی بات کا جواب موجود تھا۔ چنانچہ آپؐ نے صاف صاف جواب دیا کہ میں معبود برحق کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کر سکتا اور یوں آپؐ نے مشرکین کی مضحکہ خیز گفت وشنید کی جڑ کاٹ دی۔

ابتدائے اسلام میں جور و ستم

۴ھ نبوی میں جب اسلام کی دعوت منظر عام پر آئی تو مشرکین نے اسے دبانے کی جو کوششیں کیں ان کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ جب دیکھا کہ انکی یہ کاروائیاں اسلامی سیلاب روکنے میں مؤثر نہیں ہو سکیں تو اس کا کوئی حل تلاش کرنے کیلئے سرداران قریش پھر اکٹھے ہوئے اور انہوں نے پچیس افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا سربراہ آنحضرتؐ کا چچا ابولہب تھا۔ اس کمیٹی نے ایک قرارداد طے کر کے قریش کو مشورہ دیا کہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے محمدؐ اور انکے ماننے والوں کو نابود کرنا ضروری ہو چکا ہے۔ سو اس کیلئے ٹھوس منصوبہ بندی اور قبیلوں کے آپسی الحاق کی سخت ضرورت ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں ہر ہر حربہ اختیار کرنے کا تہیہ کر لیا۔ جس سے آپکی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی اور

بقیہ تمام زندگی دشمنوں سے اپنا دفاع کرتے ہوئے جہاد و جدال کا شکار رہی۔

تبلیغ اسلام کی ابتدا ہی سے حضور اکرمؐ کو طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ آپؐ نے جب ابولہب کو مخاطب کر کے ایمان لانے کی دعوت دی تو اس بدبخت نے بگڑ کر کہا" تبـــا لک "یعنی ہلاکت ہو تجھ پر۔ ابولہب کا موقف آنحضرتؐ کے بارے روز اوّل ہی سے جارحانہ اور ظالمانہ تھا۔ اسکی بیوی اُم جمیل جسکا نام اروٰی تھا اور جو حرب بن امیہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن تھی۔ وہ بھی نبی کریمؐ کی عداوت میں اپنے شوہر سے کسی طرح پیچھے نہ تھی۔ خاصی بدزبان اور مفسدہ پرداز عورت تھی۔ فتنوں کی آگ بھڑکانا اور جنگ بپا رکھنا اس کا شیوہ تھا۔ نبی کریمؐ کے خلاف بدزبانی کرنا اور افترأو بہتان تراشی کرنا گویا اسکا فرض منصبی ٹھہر چکا تھا۔ آئے دن آنحضرتؐ کے راستے اور دروازے پر کانٹے بچھا دیتی جس سے کئی مرتبہ آپکے پاؤں مبارک زخمی ہوئے۔ مگر حضورؐ نے کبھی انہیں برا بھلا نہ کہا۔

قبل از اسلام آپکی دو بیٹیاں رقیہ اور اُم کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں۔ جنہیں ابولہب نے بڑی سختی اور درشتی سے طلاق دلوادی۔ جب آنحضرتؐ کے دوسرے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو ابولہب کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ بے اختیار دوڑتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور انہیں "خوشخبری" سنائی کہ آج محمدؐ ابتر (نسل بریدہ) ہو گیا۔

ابولہب بن عبدالمطلب کے علاوہ ابوجہل بن ہشام، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، ابوقیس ونصیر بن الحارث، اسود بن عبد یغوث، عاص بن ہشام، دعاص بن سعید، اقیتہ بن حلف اور عدی بن حمرا وغیرہ نے بھی ڈٹ کر آپکی مخالفت کی اور جو بھی تکلیف آنحضرتؐ کو پہنچا سکتے تھے اس سے دریغ نہ کیا۔

ایک دن آنحضرتؐ تشریف فرما تھے کہ ابوجہل بدبخت نے مٹی کی ایک پوری ٹوکری آپؐ پر انڈیل دی۔ ایک روایت کے مطابق دورانِ سجدہ عُقبہ بن ابی معیط نے اونٹ کی اوجھڑی آپکی پشت پر رکھدی۔ اس پر عقبہ اور اسکے ساتھی ہنستے ہنستے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ آپؐ اسی حالت میں پڑے رہے اور سر تک نہ اٹھا سکے یہاں تک کہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ آئیں اور انہوں نے اس بوجھ کو ہٹایا۔ تب آپؐ نے سر اٹھایا اور تین مرتبہ فرمایا۔" اللهم عليك بقريش "۔ یعنی اے اللہ قریش کو پکڑ لے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ان لوگوں کے نام لے لے کر بددعا فرمائی۔ جب آپؐ نے بددعا کی تو ان پر بڑی گراں گزری کیونکہ انکا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جسکے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے جس جس کا نام حضورؐ نے لیا تھا میں نے ان سب کو غزوۂ بدر کے روز قتل ہوئے پڑے دیکھا۔

امیہ بن خلف کا وطیرہ تھا کہ وہ جب آنحضرتؐ کو دیکھتا تو لعن طعن کرتا۔ امیہ کا بھائی اُبی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط کا گہرا دوست تھا۔ ایک بار عقبہ نے حضورؐ کے پاس بیٹھ کر کچھ سنا۔ جب اُبی کو خبر ملی تو اس نے عقبہ کو سخت سست کہا عتاب کیا اور مطالبہ کیا کہ جا کر حضورؐ کے منہ پر تھوک آئے اور عقبہ مردود نے ایسا ہی کیا اگرچہ تھوک آپؐ پر نہ گرا۔ (نعوذ باللہ)

اہل طائف کی ستم رسانی

ایک مرتبہ آپؐ نے طائف کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے کا ارادہ فرمایا۔ طائف نسبتاً ایک سرد علاقہ تھا جہاں اُس وقت ایک معبد خانہ تھا جس میں لات اور منات کے مجسموں کی پرستش ہوتی تھی۔ آپؐ حضرت زیدؓ کے ہمراہ مکہ سے طائف کی طرف اہلیانِ طائف کو دعوتِ توحید دینے کیلئے تشریف لے گئے۔ دو ماہ تک مختلف لوگوں کو جا جا کر دعوتِ حق دیتے رہے مگر انکے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ آخر کار طائف کے سب سے ذی اثر قبیلے کے سرداروں سے ملنا چاہا جو تین بھائی تھے۔ آپؐ نے انکو دعوتِ اسلام دی، مگر وہ بدبخت اپنی امارت کے نشے میں چوُر تھے۔ ایک کہنے لگا: اگر تم اللہ کے پیغمبر ہو تو پیدل کیوں چلتے ہو۔ اگر اللہ نے تمہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تو گویا میں نے غلاف کعبہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ دوسرا کہنے لگا: خدا کو تمہارے علاوہ کوئی نہ ملا کہ اسے پیغمبر بناتا۔ تیسرے نے کہا: اگر تم واقعی خدا کے فرستادہ ہو تو تم سے بات کرنا خطرہ سے خالی نہیں اور مجھ میں طاقت نہیں کہ آپکے کلام کا جواب دوں اور اگر آپ نہیں ہو (اور معاذ اللہ جھوٹے ہو) تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ آپ سے بات کروں۔ اس لئے اے محمدؐ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ تم ہمارے نوجوانوں کو اپنی باتوں سے بگاڑ دو گے۔

انکی یہ باتیں سن کر حضورؐ اپنی منزل کی جانب بڑھ گئے تو ان تینوں نے آپکا تمسخر اڑانے کیلیئے اوباش لڑکوں کو آپکے پیچھے لگا دیا۔لمحوں میں ایک ہجوم آپکے پیچھے ہولیا جو آوازے کستے' وشنام ترازی کرتے اپنے بتوں کے نعرے لگاتے اور ٹھٹھا مذاق کرتے ہوئے آپکا پیچھا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سنگ باری شروع کر دی اور یہ سلسلہ قریباً تین میل تک چلتا رہا۔حضرت زیدؓ اگرچہ ڈھال بنے ساتھ ساتھ تھے' اور حتی الوسع آپکو بچانے کی کوشش کر رہے تھے مگر اس کے باوجود جسم مبارک جگہ جگہ سے اس قدر زخمی ہو گیا کہ خون بہتے ہوئے پاؤں مبارک تک پہنچ گیا اور خون سے جوتے چپکنے لگے۔حضرت جبرائیلؑ پہاڑوں کے فرشتہ سمیت حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا فرمانِ خدا ہے کہ اگر محمدؐ چاہے تو ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل ڈالوں۔ان کٹھن حالات اور روح فرسا واقعات کے باوجود آنحضرتؐ نے ایسے لوگوں سے بھی بدلہ لینے یا انہیں بد دعا دینے کی بجائے انکے لئے ھدایت کی دعا مانگی اور اپنے رب سے امید رکھی کہ یہ نہیں تو شاید انکی اولادوں میں سے کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس بات پر ایمان لائیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمدؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور یوں انکا انجام اپنے (عاقبت برباد) بڑوں جیسا نہ ہو۔

یہ حوصلہ اور ایسی برداشت سننے میں آسان لگتی ہے وگرنہ صبر و برداشت کا یہ معیار کسی پیغمبر ذیشان کے علاوہ قریباً ناممکنات میں سے ہے۔تاہم آپؐ طائف شہر سے باہر پہنچے تو اہل طائف کے سلوک سے دل نہایت مغموم وافسردہ اور جسم مبارک زخموں اور تھکن سے چُور چُور تھا۔قریب ہی ایک باغیچہ تھا۔کچھ دیر سستانے کیلیئے حضورؐ اس میں داخل ہو گئے اور انگور کی ایک بیل کے نیچے بیٹھ گئے۔اتفاق سے یہ باغ ربیعہ کا تھا جو آپؐ کے بدترین دشمنوں میں سے تھا۔اس کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ وہیں موجود تھے اور حضورؐ کے ساتھ جو سلوک طائف کے اوباشوں نے کیا تھا اس کے چشم دید گواہ تھے۔اگرچہ وہ بھی آپکے بدخواہوں میں تھے مگر ایسا ظالمانہ سلوک دیکھ کر انکے دل بھی پسیج گئے اور قریبی عزیز داری کا خون جوش مارنے لگا۔انہوں نے عداس نامی اپنے ایک غلام کو انگوروں کا ایک خوشہ دیکر حضورؐ کی طرف بھیجا کہ وہ اس نو وارد کو پیش کرے۔عداس نے یہ انگور ایک تشتری میں ڈال کر آنحضرتؐ کو پیش کیئے اور عرض کیا کہ تناول فرمالیں۔آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر انگور کے دانے نوش فرمانے شروع کیئے۔

عداس نے چہرہ انور کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا ہماری بستیوں کے لوگ تو ایسا کلام نہیں کرتے یہاں اللہ کا نام لے کر کوئی کام شروع کرنے کا رواج ہی نہیں۔آپؐ نے عداس سے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو اور کس دین سے ہو۔تو اس نے کہا میں عیسائی المذہب ہوں اور نینوا کا باشندہ ہوں۔حضورؐ نے فرمایا: وہ نینوا جو مردِ صالح یونس بن متی کا شہر ہے۔عداس حیرانی سے بولا: آپؐ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا: ''وہ میرے بھائی ہیں' وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں''۔

یہ سنتے ہی عداس یک دم کھڑا ہو گیا پھر بے اختیار سر مبارک پر جھک گیا اور بوسہ لیا پھر ہاتھوں کو چوما اور پھر بھی تسلی نہ ہوئی تو قدموں پر گر پڑا اور پاؤں مبارک چومنے لگا۔عتبہ اور شیبہ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔عداس جب واپس آیا تو کہنے لگے تیرا ستیاناس ہو تو یہ کیا کر رہا تھا؟ اس نے جواب دیا: میرے مالکو! ساری روئے زمین پر اس جیسی ہستی موجود نہیں۔اس نے مجھے وہ بات بتائی جو سوائے کسی نبی کے دوسرا کوئی نہیں جانتا۔وہ کہنے لگے عداس اسکے فریب میں مت آ جانا۔تیرا دین اسکے دین سے بہتر ہے۔عداس اگرچہ اس وقت مسلمان نہ ہوا تھا مگر حضورؐ کی من موہنی صورت اس کے آئینہ قلب میں اتر گئی تھی جسے وہ کبھی فراموش نہ کر سکا۔

جب معرکہ بدر کیلئے اہل عرب کا لشکر روانہ ہونے لگا جس میں اسکے مالک شیبہ اور عتبہ بھی شریک تھے اور انہوں نے عداس کو بھی ساتھ چلنے کیلئے کہا تو عداس کہنے لگا: کیا تم لوگ اس باغ والے شخص سے جنگ کرنے جا رہے ہو جسکی زیارت میں نے وہاں کی تھی؟ بخدا' اس کے سامنے تو پہاڑ بھی کھڑے نہیں رہ سکتے۔تو وہ بدبخت غور و فکر سے عاری کہنے لگے کہ اس نے اپنی گفتگو سے تم پر جادو کر دیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورؐ سے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اُحد کے دن سے بھی زیادہ تکلیف دہ دن حضور پر گزرا ہے؟ فرمایا: ''تیری قوم کے ہاتھوں جو تکلیفیں مجھے یوم العقبہ کو پہنچیں وہ بہت سخت تھیں۔جس روز میں نے بنی ثقیف کے سرداروں عبد یالیل وغیرہ کو دعوتِ حق دی اور انہوں نے جو سلوک میرے ساتھ کیا وہ بہت دل خراش اور روح فرسا تھا''۔(سبل الہدیٰ والرشاد جلد۲/۵۷۹)

حضورؐ فرماتے ہیں: ان میں سے کسی نے میری دعوت قبول نہ کی۔میں سخت غمگین' و پریشان اپنے افکار و اندیشوں میں کھویا ہوا چلتا جا رہا تھا۔جب قرن الشعالب کے مقام پر پہنچا تو مجھے احساس ہوا

کہ میں یہاں تک پہنچ چکا ہوں۔اس کے بعد آپؐ حضرت زیدؓ کے ہمراہ نخلہ کی طرف روانہ ہوئے۔

طائف سے واپسی اور جنات کا قبول اسلام

واپسی پر نخلہ کے مقام پر شب بسر ہوئی صبح اللہ کا محبوبؐ عجز و نیاز میں ڈوبا زبانِ مبارک سے تلاوت کلام کر رہا تھا' ساری فضاء پر ایک کیف و سرور طاری تھا کہ اسی اثناء میں نصیبین کے جنات کا ایک طائفہ وہاں سے گزرا۔ جب انکے کانوں میں یہ دلنشین آواز و کلام پہنچا تو وہ وہیں رک گئے اور سراپا گوش بن کر سننے لگے۔کلام الٰہی بزبانِ محبوب خدا سن کر ان کے دلوں کی دنیا ہی بدل گئی۔انہوں نے واپسی پر اپنی قوم میں جا کر یہ مژدہ جاں فزا سنایا کہ ہم نے آج ایسا کلام سنا جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔اے ہماری قوم اس موقع کو غنیمت جانو اور اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول کرلو۔ وہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور ہم کو عذاب الیم سے محفوظ فرما دیگا۔اس پر جنات کی ایک کثیر تعداد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُن خوش بختوں نے اسلام قبول کرلیا۔(اس واقعہ کا ذکر قرآن حکیم کی سورۃ احقاف ایت ۲۹ تا ۳۱ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)۔

بہرحال جور و ستم کی یہ کاروائیاں جو آنحضرتؐ کے ساتھ ہو رہی تھیں (عوام و خواص کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منفرد شخصیت کے وقار و احترام کے باوجود اور آپکو مکہ کے سب سے محترم اور عظیم انسان ابو طالب کی حمایت و حفاظت کے باوجود ہو رہی تھیں) باقی رہیں وہ کاروائیاں جو مسلمانوں اور خصوصاً ان میں سے کمزور افراد کی ایذا رسانی کیلئے کی جارہی تھیں تو وہ کچھ زیادہ ہی سنگین اور تلخ تھیں۔ ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سزائیں دینے لگا۔جس کا کوئی قبیلہ نہ تھا ان پر اوباشوں اور سرداروں نے ایسے ایسے ستم روا رکھے ہوئے تھے کہ جنہیں سن کر مضبوط انسان کا دل بھی بےچینی سے تڑپ اٹھتا ہے۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کے قُبول اسلام پر ان کا چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا۔حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ایمان قبول کرنے کا علم جب انکی والدہ کو ہوا تو والدہ نے انکا دانہ پانی بند کردیا اور وہ پھر بھی نہ مانے تو گھر سے نکال دیا۔ یہ بڑے ناز و نعم میں پلے تھے حالات کی شدت سے دوچار ہوئے تو جسم کی کھال ایسے ادھڑ گئی جیسے سانپ کی کینچلی چھوٹ جاتی ہے۔

حضرت عمارؓ بن یاسر بنو مخزوم کے غلام تھے جب انہوں نے اور انکے والدین نے اسلام قبول کیا تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ مشرکین کی ایک جماعت جن میں ابو جہل پیش پیش تھا۔ ان کو سخت جھلسا دینے والی دھوپ میں تپتی پتھریلی زمین پر لٹا کر سزا دیتے اور اسلام کو چھوڑ دینے کی ضد کرتے۔ جب وہ ہر سزا کے باوجود انکا مطالبہ ماننے سے انکار کرتے تو وہ طیش میں آ کر تشدد کرتے۔ یہاں تک کہ حضرت سمیہؓ (حضرت عمارؓ بن یاسر کی والدہ) کو ابو جہل نے انکی شرمگاہ میں نیزہ مارا کہ وہ دم توڑ گئیں۔ اسلام میں شہید ہونے والی یہ پہلی خاتون ہیں۔

حضرت خبابؓ بن ارت بھی قبیلہ بنو خزاعہ کی ایک عورت اُم انمار کے غلام تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد مشرکین انکے سر کے بال نوچتے اور سختی سے گردن مروڑتے اور جب وہ پھر بھی انکی بات نہ مانتے تو انہیں دہکتے انگاروں پر لٹا کر اوپر وزنی پتھر رکھ دیتے کہ وہ اٹھ نہ سکیں۔

زنیرہؓ اور نہدیہؓ اور انکی صاحبزادی اُم عبیسؓ یہ سب لونڈیاں تھیں۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو مشرکین کے ہاتھوں اسی نوعیت کے ظالمانہ سلوک اور سنگین سزاؤں سے دوچار ہوئیں۔ آخرکار حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ اور عامرؓ بن فہیرہ کی طرح ان لونڈیوں کو بھی دام ادا کر کے آزاد کروایا۔ مشرکین کے مظالم کا شکار ہونے والے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ظلم برداشت کرنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے اور بڑی تکلیف دہ بھی۔ حالت یہ تھی کہ جونہی کسی کے مسلمان ہونے کی خبر مشرکین کو ملتی وہ اس کے درپئے آزار ہو جاتے اور حتی الوسع اسکے ارتداد کی کوشش کرتے۔

دارِ ارقم

اب ایسی ستم رانیوں کے مقابل مصلحت وحکمت کا تقاضا تھا کہ آنحضرتؐ کچھ عرصہ مسلمانوں کو قولاً اور عملاً اظہارِ اسلام سے روک دیں اور انکے ساتھ پرانے خفیہ طریقے پر اکٹھے ہوں۔ کیونکہ اگر آپؐ ان کے ساتھ کھلم کھلا اکٹھا ہوتے تو مشرکین آپؐ کے تزکیۂ نفس اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور کتاب و حکمت کے کام میں یقیناً رکاوٹ ڈالتے اور اس کے نتیجے میں فریقین میں تصادم ہوتا۔ بلکہ عملاً ۴ھ سن نبوی میں ہو بھی چکا تھا۔ جب صحابہ کرام گھاٹیوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور ایک بار قریش کے چند

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا مرکزی مقام: دارارقم

لوگوں نے دیکھ لیا تو گالم گلوچ کرنے اور لڑنے مرنے پر اتر آئے۔ جواباً حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک بدتمیز شخص کو ایسی ضرب لگائی کہ اس کا خون بہنے لگا۔ اگر چہ وہ ہلاک نہیں ہوا تاہم یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔

واضح ہے کہ اگر اس طرح کا ٹکراؤ بار بار ہوتا اور فساد طول پکڑ جاتا تو کمزور و نادار اور غلاموں پر مشتمل مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کے خاتمے تک کی نوبت آسکتی تھی۔ لہٰذا حکمت کے تقاضے کے مطابق عام صحابہ اپنی عبادت اور اپنے باہمی اجتماعات پس پردہ کرنے لگے۔ جبکہ آنحضرتؐ تبلیغ اسلام اور اپنی عبادت کھلے عام مشرکین کے رُوبرُو کیا کرتے تھے۔ البتہ مصلحت کے پیش نظر خود بھی مسلمانوں کے خفیہ اجتماعات میں رازداری کے ساتھ جمع ہوتے۔ ارقم بن ابی الارقم مخزومی کا مکان جو کوہِ صفا پر سرکشوں کی نگاہوں اور انکی مجالس سے دور الگ تھلگ واقع تھا اسے آپؐ نے پانچویں سن نبوی میں اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے اجتماعات کا مرکز بنالیا جو بعد ازاں دارِ ارقم کے نام سے مشہور ہوا۔

پہلی ہجرتِ حبشہ

اسلام کی مخالفت میں مذکورہ جور وستم کا یہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے وسط میں شروع ہوا تھا جو شروع میں تو معمولی تھا مگر دن بدن اور ماہ بہ ماہ شدت اختیار کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ پانچویں سن نبوت کے وسط تک پہنچتے پہنچتے اپنے شباب کو پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا دوبھر ہو گیا اور انہیں اِن پیہم ستم رانیوں سے نجات کی کوئی تدبیر سوچنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ان ہی سنگین و تاریک حالات میں سورۃ کہف نازل ہوئی جو اصلاً تو مشرکین کے پیش کردہ سوالات کے جواب میں تھی لیکن اس میں جو تین واقعات بیان فرمائے گئے ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کیلئے انکے مستقبل کے بارے نہایت بلیغ اشارات بھی موجود تھے۔ اصحاب کہف کے واقعہ میں یہ درس موجود ہے کہ دین وایمان خطرے میں ہو تو کفر اور ظلم کے مراکز سے ہجرت کے لئے تن بہ تقدیر نکل پڑنا چاہئے۔

اس واقعہ میں اس بات کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ پنہاں ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اِس وقت جو ظلم وتشدد برپا ہے اسکے نتائج اس کے برعکس نکلیں گے اور یہ سرکش مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو

آئندہ انہی مقہور و مجبور مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنی قسمت کے فیصلے کیلئے پیش ہونگے۔

ادھر نبی کریمؐ کو معلوم تھا کہ اصحمہ نجاشی (شاہِ حبشہ) ایک عادل بادشاہ ہے وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا' اس لئے آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ فتنوں سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کیلئے حبشہ ہجرت کر جائیں۔ اسکے بعد طے شدہ پروگرام کے تحت صحابہ کرام کے پہلے گروہ نے پانچ سن نبوی میں حبشہ کی جانب ہجرت کی جس میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمانؓ بن عفان اس قافلہ کے امیر تھے اور انکے ہمراہ آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی تھیں۔ اس موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

یہ لوگ رات کی تاریکی میں خاموشی سے نکل کر اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ رازداری کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ قافلے کا رُخ بحر احمر کی بندرگاہ شعیبہ کی طرف تھا۔ خوش قسمتی سے وہاں دو تجارتی کشتیاں روانگی کیلئے تیار تھیں جو انہیں لے کر سمندر پار حبشہ چلی گئیں۔ قریش کو کسی قدر بعد میں انکی روانگی کا علم ہوا۔ انہوں نے پیچھا کیا اور ساحل تک پہنچے لیکن صحابہ کرام وہاں سے نکل چکے تھے اور یوں وہ نامراد واپس لوٹ آئے۔

اسی سال ماہِ رمضان میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ آنحضرتؐ حرم شریف تشریف لے گئے وہاں قریش کا ایک مجمع موجود تھا ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ وہاں جمع تھے کہ آپؐ نے اچانک کھڑے ہو کر سورۃ نجم کی تلاوت شروع کر دی۔ ان لوگوں نے اس سے پہلے قرآن سنا تک نہ تھا کیونکہ ان کا وطیرہ تھا اور لوگوں کو خبردار کرتے تھے کہ "اس قرآن کو مت سنو اور اس میں خلل ڈالو اور ادھم مچاؤ تا کہ تم غالب رہو" لیکن جب اچانک حضورؐ نے تلاوت شروع فرما دی اور انکے کانوں میں ایک ناقابل بیان رعنائی و دلکشی اور عظمت لئے ہوئے کلام الٰہی کی آواز پڑی تو انہیں کچھ ہوش نہ رہا۔ سب کے سب گوش برآواز ہو گئے کسی کو کسی بات کا خیال ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ جب آپؐ نے اس سورۃ کے اواخر میں دل دہلا دینے والی آیات تلاوت فرما کر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا۔

" فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۩ (٦٢)" (سورۃ: نجم)

ترجمہ "پس اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اسکی عبادت کرو" (نجم: ٦٢)

اور اسکے ساتھ ہی سجدہ فرمایا تو کسی کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور سب کے سب بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ بعد میں جب انہیں احساس ہوا کہ کلام الٰہیہ کے جلال نے انکی لگام موڑ دی اور وہ ٹھیک وہی کام کر بیٹھے جسے مٹانے اور ختم کرنے کیلئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا تو سخت حیرت واستعجاب کا شکار ہوئے۔ اس بات کی خبر بھی جنگل کی آگ کی طرح ہر سُو پھیل گئی۔ اس موقع پر غیر موجود مشرکین نے ان پر ہر طرف سے عتاب اور ملامت کی بوچھاڑ شروع کر دی تو انکے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اپنی جان چھڑانے کیلئے انہوں نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے آنحضرتؐ پر یہ افترا پردازی کی کہ آپؐ نے انکے بتوں کا ذکر عزت واحترام سے کرتے ہوئے سجدہ کرنے کا کہا تھا۔ ظاہر ہے جو لوگ آپؐ پر شروع سے بہتان تراشی کرتے چلے آرہے تھے اپنا دامن بچانے کیلئے اس طرح کا جھوٹ کیوں نہ گھڑ لیتے۔

بہر حال مشرکین کے سجدہ کرنے کے اس واقعہ کی خبر حبشہ کے مہاجرین کو بھی ملی لیکن اپنی اصلی صورت سے ہٹ کر۔ انہیں یہ لگا کہ قریش مسلمان ہو گئے اور انہوں نے حضورؐ کے ساتھ سجدہ میں شرکت بھی کی۔ چنانچہ انہوں نے ماہِ شوال میں مکہ واپسی کی راہ لی۔ جب مکہ کے اتنے قریب آگئے کہ مکہ ایک دن سے بھی کم مسافت پر رہ گیا، تو اصل حقیقت حال آشکار ہوئی۔ اسکے بعد کچھ لوگ تو سیدھے حبشہ واپس پلٹ گئے اور کچھ لوگ چھپ چھپا کر یا قریش کے کسی آدمی کی پناہ لے کر مکے میں داخل ہو گئے۔

دوسری ہجرتِ حبشہ

اسکے بعد ان مہاجرین پر خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً قریش کا ظلم وتشدد مزید بڑھ گیا۔ کیونکہ قریش کو ان مہاجرین کے ساتھ نجاشی کے حسن سلوک کی خبروں نے بہت آزردہ اور فکر مند کر دیا تھا اور وہ جھلا کر مسلمانوں پر قہر بن کر ٹوٹ رہے تھے۔ ناچار آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو پھر سے حبشہ ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ اس مرتبہ بیاسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں نے ہجرت کی۔ دوسری ہجرت پہلی ہجرت کے مقابل زیادہ دشوار گزار تھی کیونکہ قریش اس مرتبہ پہلے ہی سے چوکنا تھے اور کسی طور مسلمانوں کو بچ نکلنے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ تاہم مسلمان اُن سے کہیں زیادہ مستعد ثابت ہوئے اور قریش کی گرفت

میں آنے سے پہلے ہی وہاں سے نکل کر شاہ حبشہ کے پاس پہنچ گئے۔

حبشہ کے مہاجرین کے خلاف قریش کی سازش

مشرکین کو اس کا بڑا قلق تھا کہ مسلمان اپنی جانیں بچا کر پھر سے انکے پنجوں سے نکل گئے اور ایک پُر امن جگہ پہنچ گئے۔ چنانچہ انہوں نے عمروؓ بن العاص اور عبداللہ بنؓ ربیعہ کو جو گہری سوجھ بوجھ کے مالک تھے اور ابھی اسلام نہیں لائے تھے ایک اہم سفارتی مہم کیلئے منتخب کیا اور انہیں نجاشی اور بطریقوں کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے بیش قیمت تحفے اور ہدیے دیکر روانہ کیا۔ ان دونوں نے حبشہ پہنچ کر پہلے بطریقوں کو تحائف پیش کئے اور پھر انہیں اپنے دلائل دیتے ہوئے اس بات پر بھی قائل کر لیا کہ وہ کیوں مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانا چاہتے ہیں۔ بطریقوں نے جب اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہ نجاشی کو مسلمانوں کے حبشہ سے نکال دینے کا مشورہ دیں گے تو یہ دونوں نجاشی کے حضور حاضر ہوئے اور تحفے تحائف پیش کر کے اپنا مدعا کچھ یوں بیان کیا۔

> ”اے بادشاہ! ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان یہاں بھاگ آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور آپکے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ انہوں نے کوئی نیا ہی دین اختیار کر لیا ہے جسے نہ تو ہم جانتے ہیں نہ آپ۔ ہمیں اُن ہی کے والدین اور کنبے قبیلے کے عمائدین نے آپکی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ انہیں انکے پاس واپس بھیج دیں۔ کیونکہ وہ لوگ ان پر کڑی نگاہ رکھتے اور انکی خامی اور عتاب کے اسباب کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں“۔

اس پر بطریقوں نے بھی اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ بادشاہ سلامت! یہ دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ اِن لوگوں کو انکے حوالے کر دیں تاکہ یہ دونوں انہیں اپنی قوم اور ملک میں واپس لیجائیں۔ لیکن نجاشی نے کہا اس قضیئے پر غور و خوض اور طرفین کی بات سننے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرنا مناسب ہوگا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلوا بھیجا کہ انکا مدعا بھی سن لیا جائے۔ مسلمانوں کو جب بادشاہ کی جانب سے سندیسہ ملا تو انہوں نے وہیں قصد کر لیا کہ بادشاہ کے سامنے صرف سچ بات ہی بیان کریں گے خواہ اس کا

نتیجہ کچھ بھی نکلے۔ یوں جب وہ بادشاہ کے رُو برو ہوئے اور نجاشی نے پوچھا کہ تمہارا دین کون سا ہے جس کی بنیاد پر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور سنا ہے تم لوگ میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے اس پر مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے کہا۔

''اے بادشاہ ہم ایسی قوم تھے جو جہالت کا شکار تھے۔ ہم بت پوجتے مُردار کھاتے بدکاریاں کرتے اور قرابت داروں سے تعلقاتِ مہر و محبت قطع کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بدسلوکی معمول کی بات تھی اور ہم میں سے ہر طاقت ور کمزور کو کھا رہا تھا۔ ہم اسی بدحالت میں تھے کہ اللہ نے ہم پر کرم فرمائی کرتے ہوئے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ جسکی عالی نسبی سچائی دیانتداری و پارسائی امانتداری اور پاکدامنی ہمیں پہلے سے معلوم تھی۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور جن پتھروں اور بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں انہیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے امانت ادا کرنے قرابت جوڑنے پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری و ناجائز خون ریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ فواحشات میں ملوث ہونے جھوٹ بولنے یتیموں کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ اس نے ہمیں سختی سے حکم فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ ہمیں اللہ کی عبادت کرنے روزہ رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے اس پیغمبر کو سچ مانا اس پر ایمان لائے اور اسکی پیروی اختیار کی۔ ہم اسکے حکم کے مطابق صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ جن باتوں کو اس نے حرام قرار دیا ہے ان سے اعراض کرتے اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل پیرائی کی کوشش کرتے ہیں۔

اے بادشاہ: اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی اور ہم پر ظلم و ستم کو شعار بنالیا اور ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کیلئے فتنوں اور سزاؤں سے دوچار کیا۔ انہوں نے ہم پر قہر ڈھائے اور ہمارے لئے ہماری ہی زمین ہم پر تنگ کر دی گئی۔ چنانچہ ہم نے آپکے ملک کی راہ لی اور دوسری کئی ریاستوں کی نسبت آپ کو ترجیح دیتے ہوئے آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا۔ اے بادشاہ! ہمیں امید ہے کہ آپکے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائیگا''۔

نجاشی نے کہا:۔ وہ پیغمبر جو کچھ لائے ہیں اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟ تو حضرت

جعفرؓ نے کہا کہ ہاں ہے۔تو نجاشی نے کہا ذرا مجھے بھی سناؤ۔اس پر حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ جسے سنتے ہی نجاشی گریہ زار ہوگیا اور اس قدر رویا کہ اسکی داڑھی تر ہوگئی۔پھر کہنے لگا: یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے ایک ہی شمع دان کے نور ہیں اور پھر نجاشی نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو مخاطب کر کے کہا۔تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالہ نہیں کرسکتا اور نہ یہاں انکے خلاف کوئی چال چلی جاسکتی ہے۔(رحیق المختوم۔۱۳۷)

قریش کا نمائندہ حضورؐ کی خدمت میں

جب آنحضرتؐ ان تمام تر تکالیف کے بعد بھی اپنے فرض منصبی سے سر مو پیچھے نہ ہٹے اور مسلمانوں کی تعداد بھی تیزی سے بڑھنے لگی، خاص کر جب بطل جلیل حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ فاروق بھی ایمان لا چکے تو مشرکین قریش کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے، تب انہوں نے لالچ دینے کا حربہ آزمایا اور ابوالولید عتبہ بن ربیعہ کو اختیار سونپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا۔

عتبہ نے وہاں پہنچتے ہی اپنے تئیں بڑے پیار سے کہا: اے بھتیجے تم ابن عبداللہ ہونے کے سبب نسب میں سب سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہو۔ پھر بھی تم نے ایسا کام اختیار کیا جس سے تمہارے اپنے باپ داداؤں کی تکفیر ہوتی اور آباؤ اجداد پر طعنہ آتا ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ قریش میں ایک کاہن ظاہر ہوا ہے، یوں وہ نہ صرف تمہارے آباؤ اجداد کو بلکہ تمام قومِ قریش کو طعن کرتے ہیں اور ہم کو تمہاری ان حرکتوں سے باز رکھنے میں ناکام قرار دیتے ہیں۔ دیکھو اگر تم مال و دولت کیلئے یہ سب کر رہے ہو تو ہم تمہیں اتنا مال و دولت پیش کرسکتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی مال و زر میں آپ سے بڑھا ہوا نہ رہے گا۔اگر کسی خوبرو عورت سے شادی کرنا چاہیں تو قریش کی جس عورت کی طرف اشارہ کریں اسے آپکی زوجیت میں دیدیں۔اگر حاکم بننا چاہتے ہیں تو تمہیں اپنا والی اور ملک کا حکمران بنانے پر بھی تیار ہیں۔اگر کوئی جن بھوت تمہارے پاس آتا ہے جسے تم دیکھتے ہو اور خود سے دُور نہیں کرسکتے تو ہم اسکا علاج کروا دیتے ہیں۔کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنات انسان پر غلبہ پالیتے ہیں اور پھر اسکا علاج کروانا پڑتا ہے۔یا پھر تمہارا جو بھی مطالبہ ہو ہمیں کہو تو ہم پورا کردیں مگر تم اس قسم کی باتیں کرنا چھوڑ دو۔

آپؐ نے فرمایا ابولوید کیا آپ اپنی بات پوری کر چکے؟۔ عتبہ نے کہا ہاں، تو پھر آپؐ نے فرمایا اچھا اب میری سنو اور سورۃ حٰمٓ السجدہ سے قرآن حکیم کی یہ آیات پڑھیں۔

حٰمٓ (۱) تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (۲) کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ (۳) بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ (۴) وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ وَ فِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ (۵) (سورۃ: حٰمٓ السجدہ)

ترجمہ: یہ کتاب اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے ہے جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کردی گئی ہیں عربی قرآن اُن کیلئے ہے جو صاحب علم ہیں۔ (یہ کلام) بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے لیکن اکثر لوگوں نے اعراض کیا وہ سنتے نہیں اور کہتے ہیں جس طرف تم ہمیں بلاتے ہو اُس کیلئے ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ (حٰمٓ السجدہ: ۱ تا ۵)

عتبہ حیرت سے آپکو بیٹھا دیکھتا رہا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَۃً مِّثۡلَ صٰعِقَۃِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ (۱۳) (سورۃ: حٰمٓ السجدہ)

ترجمہ: پس اگر وہ پھر بھی انکار کریں تو آپ انہیں فرمادیں کہ میں نے تمہیں خبر دیدی اس آسمانی عذاب کی جو قوم عاد و ثمود کے کڑک دار عذاب کی مانند ہے۔ (حٰمٓ السجدہ: ۱۳)

اس پر عتبہ تھرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے گھبرا کر آپکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے اس ملاقات کی تفصیل بیان کی۔ ساتھ ہی یہ رائے دی اور کہا کہ میں نے محمدؐ ابن عبداللہ سے وہ کلام سنا جو اس سے پیشتر کبھی سننے میں نہیں آیا۔ میں تو کہتا ہوں کہ اسے اسکے حال پر چھوڑ دو۔ اسے ایذا پہنچانے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اسکی اصلاح کسی طرح ممکن دکھائی نہیں دیتی۔

دیکھو اگر تم اس سے لڑو گے تو بصورتِ فتح تم کو کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ اسکے پاس ہتھیار یا زرومال کی مد سے کچھ بھی نہیں۔ اگر تم اسے قتل بھی کرڈالو تو اس کے ساتھی اسکے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے اور قتل کا بدلہ بھی ضرور لیں گے۔ یوں بصورتِ شکست تمہارا شدید نقصان ہوگا کہ وہ تمہیں قتل کریں گے اور تمہارے ملک تک کو تم سے چھین لیں گے۔

یہ سن کر اشرافِ قوم کہنے لگے" اے عتبہ: لگتا ہے اس نے تم پر بھی وہی جادو کر دیا ہے جو وہ دوسرے لوگوں پر کر کے انہیں اپنا ہم خیال بنالیتا ہے"۔اس پر عتبہ نے یہ کہہ کران سے پیچھا چھڑوالیا کہ اپنی عقل کے مطابق میں جو سمجھا ہوں تم سے کہہ چکا'اب تم مختار ہو جو چاہو فیصلہ کرو۔(رحیق المختوم۔۱۵۵)

ابوطالب کے خدشات

اگر چہ موجودہ حالات میں بہتری آرہی تھی اور گردوپیش میں امن کے ماحول کو محسوس کیا جارہا تھا۔لیکن ابوطالب کے اندیشے ابھی بھی برقرار تھے۔انہیں مشرکین کی طرف سے اپنے بھتیجے کے بارے طرح طرح کے وساوس نے سخت اذیت میں مبتلا کررکھا تھا۔وہ ان واقعات پرغور کررہے تھے کہ مشرکین نے برملا انہیں مقابلہ آرائی کی دھمکی دی تھی۔عمارہ بن ولید کے عوض انکے بھتیجے کو حاصل کر کے قتل کرڈالنے کیلئے سودے بازی کی کوشش کی تھی۔عقبہ بن ابی معیط نے آپکی گردن میں چادر لپیٹ کرآپکو جان سے مارڈالنے کی کوشش کی تھی۔ابوجہل بھی ایک بھاری پتھراٹھاکرانکے بھتیجے کا سرکچل ڈالنے کی کوشش کرچکا تھا' ابوطالب ان حالات پرغور کرتے توانہیں کسی سنگین خطرے کا خدشہ لرزہ براندام کردیتا۔

کسی خفیہ اطلاع کی بناء پران کا گمان غالب تھا کہ مشرکین انکا عہد توڑ دینے اور انکے بھتیجے کو قتل کرڈالنے کا تہیہ کرچکے ہیں۔ان حالات میں خدانخواستہ اگر کوئی دشمن اچانک آپؐ پرٹوٹ پڑے تو حمزہؓ عمریا کوئی ساتھی کیا بچاؤ کرسکتا ہے۔بات درست بھی تھی کیونکہ خفیہ تو کجاء مشرکین اعلانیہ آپکے قتل کا فیصلہ کرچکے تھے اور قریش ہرجانب سے انکے بھتیجے کی مخالفت پرتل پڑے تھے۔

ان حالات میں ابوطالب نے اپنے جدّ اعلیٰ عبدمناف کے دوبیٹوں ہاشم اور مطلب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ اب تک اپنے بھتیجے کی حفاظت وحمایت کا جو کام وہ تنہا انجام دیتے آئے ہیں اب ہم سب مل کر اسے انجام دیں۔ابوطالب کی یہ بات عربی حمیت کے پیش نظر دونون خاندانوں کے مسلم وغیرمسلم تمام افراد نے (سوائے ابولہب) قبول کرلی۔ابوطالب کا بھائی ابولہب ایک ایسا بدبخت فرد تھا جس نے یہ بات قبول نہ کی اور خاندان سے الگ ہوکر مشرکین قریش سے جاملا۔(ابن ہشام)

حالات جو صورت اختیار کرتے جا رہے تھے مسلمانوں کیلئے کسی طرح بھی خوش کن نہیں تھے۔ ہر آتے دن اُن کی سراسیمگی بڑھتی جا رہی تھی۔ جاہلوں کو ہمیشہ کی ہلاکت و بربادی سے بچانے کی تگ ودَو میں جتے مسلمانوں کو الٹا اپنی جانوں کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ دریں اثناء مسلمانوں کی ضعیف‘ عمر رسیدہ‘ ہر لحاظ سے کمزور اور کچھ غلاموں پر مشتمل جماعت میں قوم کے دو بڑے سرداروں کے اضافہ سے ان کی ہمت میں بھی اتنا تو اضافہ ضرور ہوا کہ وہ کھل کر سانس لینے کی حالت میں آ سکے۔

حضرت حمزہؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ

ظلم وستم کے سیاہ گہرے بادلوں سے اٹی فضاء میں بجلی کی ایک چمک ہی راستہ دیکھنے کو بہت تھی جب حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ واقعہ ۶ نبوی کے آخر کا ہے۔ مورخین کے مطابق انہیں یہ سعادت ماہِ ذی الحجہ میں میسر آئی۔ وہ یوں کہ ایک دن ابوجہل کوہِ صفا کے نزدیک حضور اکرمؐ کے پاس سے گزرا تو آپکو دیکھ کر دل آزار جملے کسنے اور غلیظ گالیاں بکنے لگا۔ آپؐ اسے کوئی جواب دیے بغیر خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔ لیکن اس نے پیچھے سے پتھر اٹھا کر آپکے سر پر اس زور سے مارا کہ آپکے سر مبارک سے خون بہنے لگا۔ پھر وہ خانہ کعبہ کے پاس قریش کی مجلس میں جا بیٹھا۔ عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی کوہِ صفا پر واقع اپنے مکان سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

اتفاقاً حضرت امیر حمزہ کمان حمائل کئے شکار سے واپس آتے ہوئے ادھر سے گزرے تو لونڈی نے اس زیادتی کے بارے ابوجہل کی ساری حرکت انہیں بتائی۔ امیر حمزہؓ قریش کے سب سے مضبوط اور طاقت ور جوان تھے۔ وہ یہ ماجراء سن کر ایک لحہ رکے بغیر ابوجہل کو سبق سکھانے کے ارادے سے دوڑ پڑے اور مسجد حرام میں داخل ہوتے ہی اسکے سر پر جا کھڑے ہوئے اور کہا او سیرین پر خوشبو لگانے والے تو نے میرے بھتیجے کو گالیاں دیں اور جب اس نے پلٹ کر جواب تک نہ دیا تو‘ تو نے اسکے سر پر پتھر مار کر اسے زخمی کر دیا۔ میں بھی اب اسکے دین پر ہوں اس کے ساتھ ہی اس زور سے کمان کی ضرب لگائی کہ اس کے سر پر بدترین زخم آ گیا۔

اس پر ابوجہل کے قبیلے بنو مخزوم اور امیر حمزہؓ کے قبیلے بنو ہاشم کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھے۔ حالات مشتعل ہوتے دیکھ کر ابوجہل نے اپنی غلطی تسلیم کرلی اور اپنے لوگوں کو یہ کہہ کر خاموش کرادیا کہ ابوعمارہ کو جانے دو؛ واقعی میں نے گالیاں بکی تھیں اور پتھر پھینک مارا تھا۔

ابتدائی طور پر حضرت حمزہؓ کا اظہارِ اسلام محض حمیت کے طور پر تھا کہ انکے عزیز کی توہین کیوں کی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس واقعہ کے بعد انکا سینہ کھل گیا اور انہوں نے صمیم قلب سے اسلام قبول کرلیا۔ مسلمانوں کی مختصر اور ستم زدہ جماعت کو اس سے بڑی عزت و قوت محسوس ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ

چھپ چھپا کر عبادت کرنے والے مسلمانوں کو ابھی تک کھلم کھلا عبادت کرنے کی ہمت میسر نہ تھی کہ بربریت کی اسی گھمبیر فضا میں ایک اور برق تاباں کا جلوہ نمودار ہوا کہ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے تین روز بعد ہی حضرت عمرؓ نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ حضور نبیؐ نے بطورِ خاص انکے اسلام لانے کی دعا فرمائی تھی۔

حضرت عمرؓ کے تند مزاج اور سخت خو ہونے کی پورے علاقہ میں دھاک تھی۔ طویل عرصہ تک خود مسلمانوں نے انکے ہاتھوں بہت صعوبتیں اٹھائیں اور سختیاں جھیلی تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کرتے کرتے بہت وقت لیا۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ نفسیاتی طور پر دو متضاد قسم کے جذبات سے نبرد آزما تھے؛ ایک طرف تو اپنے آباؤ اجداد کی ایجاد کردہ رسموں کا بڑا احترام کرتے' اور خود بلا نوشی اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی ایسی کسمپرسی کی حالت میں بھی ان کی ثابت قدمی انکے ایمان و عقیدے کی پختگی اور کڑے مصائب میں انکی قوتِ برداشت کو بڑی خوشگوار حیرت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ کسی عقلمند شخص کی طرح سوچتے کہ اسلام جو دعوت دیتا ہے وہ کسی طرح بھی بری قرار نہیں دی جاسکتی۔ بلکہ وہ زیادہ برتر اور پاکیزہ دکھائی دیتی ہے۔ یہ کیفیت اکثر ان پر غالب آجاتی اور وہ بمشکل اسے خود سے الگ کرتے۔

ایک دفعہ انہیں گھر سے باہر رات گزارنی پڑی تو حرم شریف چلے آئے اور کعبہ شریف کے پردے میں گھس گئے۔ اتفاقاً آنحضرتؐ بھی وہاں نماز میں مشغول سورۃ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ قرآن سننے لگے اور اسکی تالیف پر مبہوط رہ گئے۔ انکا اپنا بیان ہے کہ میں نے دل میں کہا خدا کی قسم یہ تو شاعری ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔ لیکن اتنے میں آپؐ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

اِنَّـهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ (۴۰) وَّ مَـا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ (۴۱)

(سورۃ: الحاقہ)

ترجمہ: ”یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے (۴۰) کسی شاعر کا قول نہیں مگر تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو“۔ (۴۱) (سورۃ: الحاقہ)

میں نے اپنے جی میں گمان کیا کہ (اوہو) یہ تو کوئی کاہن ہے جو دل کی باتیں بوجھ لیتا ہے۔ اتنے میں آپؐ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

وَ لَا بِـقَوۡلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ (۴۲) تَـنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (۴۳)

(سورۃ: الحاقہ:۴۳)

ترجمہ: ”یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو (۴۲) یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے (۴۳)“۔ (سورۃ: الحاقہ)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ”اس وقت میرے دل میں اسلام نے جگہ بنالی تھی“۔

گویا اسلام انکے اندر سرایت کر چکا تھا اور وہ محض کسی موقع کے محتاج تھے۔ لیکن دورِ جاہلیت کے اثرات' تقلیدی عصبیت' آباؤ اجداد کے دین کی عظمت جیسے بہت سے معاملات ایسے تھے جو انکے اندر پیدا ہونے والی مثبت کیفیت کو پنپنے نہ دیتے۔ یوں وہ چھپے ہوئے شعور کی پروا کئے بغیر اسلام دشمن اعمال میں سرگرم رہے۔

انکی طبیعت کی سختی اور نبیؐ سے دشمنی کا یہ حال تھا کہ ایک دن انکا کام تمام کرنے کی نیت سے تلوار لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ ابھی راستے میں تھے کہ نعیم بن عبداللہ سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے تیور

دیکھ کر پوچھا کہ عمر کدھر کا ارادہ ہے۔ جواب میں کہا کہ محمدؐ کے قتل کے ارادہ سے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا محمدؐ کے قتل کے بعد بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچو گے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا معلوم ہوتا ہے تم بھی اپنا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہو۔ اس نے ہاں یا نہ کی بجائے کہا کہ: عمر (رضی اللہ) تمہیں ایک عجیب بات نہ بتاؤں کہ تمہاری بہن اور بہنوئی بھی تمہارا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی عمرؓ غصے میں بے قابو ہو گئے اور سیدھا بہن اور بہنوئی کے گھر کا رخ کیا۔

وہاں حضرت خبّابؓ بن ارت سورۃ طٰہٰ پر مشتمل کچھ آیات کا صحیفہ پڑھا رہے تھے اور قرآن پڑھانا انکا روزانہ کا معمول تھا۔ جونہی انہوں نے حضرت عمرؓ کے پاؤں کی چاپ سنی تو وہ گھر کے اندر چھپ گئے اور عمرؓ کی بہن فاطمہؓ نے وہ صحیفہ جلدی سے چھپا لیا۔ لیکن اس دوران حضرت عمرؓ نے قرآنی آیات کی قرأت حضرت خبابؓ کے منہ سے سن لی تھی۔ جس کے بارے بہن اور بہنوئی سے پوچھا کہ تم لوگ دھیمی آواز سے کیا پڑھ رہے تھے تو انہوں نے ٹال مٹول سے کام لیتے ہوئے کہا ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا غالباً تم لوگوں نے اپنا دین بدل لیا ہے اور بے دین ہو چکے ہو۔ آپکے بہنوئی نے کہا عمرؓ اگر دین حق آپکے دین سے بہتر ہو تو؟ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ غصے سے بے قابو ہو گئے اور بہنوئی پر چڑھ دوڑے اور انہیں بری طرح رگید کر زخمی کر ڈالا۔ بہن اپنے شوہر کو بچانے آئی تو عمرؓ نے بہن کو اس زور کا تھپڑ مارا کہ وہ دیوار سے ٹکرا کر گر پڑیں۔ جس سے انکا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ مگر جوش غضب میں اٹھ کر فاطمہ نے بھائی کو مخاطب کر کے کہا کہ عمرؓ اگر حق تیرے دین کی بجائے کسی اور دین میں ہو تو مجھے باک نہیں کہ میں وہ دین قبول کر لوں۔ اسلئے میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں اور یہ گواہی بھی دیتی ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اب تم جو کرنا چاہو کر لو، ہم اسی دین پر مرنا پسند کریں گے۔

اتنی بیبا کی و جرأت دیکھ کر حضرت عمر ششدر رہ گئے اور بہن کا خون آلود چہرہ دیکھ کر شرمندگی اور ندامت بھی ہوئی۔ نرم لہجہ میں کہنے لگے اچھا: تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔ آپکی بہن نے صورتِ حال میں تبدیلی کو محسوس کر لیا تھا۔ کہنے لگیں اگر واقعی تم وہ صحیفہ پڑھنا چاہتے ہو تو پہلے تمہیں خود کو پاک صاف کرنا ہو گا۔ اس کلام کو ناپاکی کی حالت میں کوئی چھو نہیں سکتا۔ اسلئے پہلے غسل کرو۔ چنانچہ

حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور پھر وہ صحیفہ لے کر پڑھا جو سورۃ طٰہٰ کی درجِ ذیل آیت تھی۔

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ (۱۴) (سورۃ:طٰہٰ)

ترجمہ:۔ بیشک میں اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی عبادت کا حق دار نہیں تو تم میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کیلئے نماز قائم رکھو (طٰہٰ: آیت ۱۴)

کہنے لگے یہ تو بڑا محترم اور پاکیزہ کلام لگتا ہے مجھے محمدؐ سے بات کرنی ہوگی مجھے انکا پتہ بتاؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت خبابؓ اندر سے نکل کر سامنے آ گئے اور کہنے لگے: اے عمرؓ خوش ہو جاؤ کہ جمعرات کے روز آنحضرتؐ نے یہ دعا فرمائی تھی (اے اللہ عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام میں سے ایک عمر کو جو بھی تیری بارگاہ میں پسندیدہ ہو اُسے اسلام کو تقویت پہنچانے کا باعث بنا) لگتا ہے وہ دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی ہے۔ جاؤ اس وقت آنحضرتؐ کوہِ صفاء کے نزدیک والے مکان میں تشریف فرما ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنی تلوار گلے میں حمائل کی اور صفاء کے ساتھ والے مکان کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ ایک شخص نے دروازے کی درز سے جھانکا تو دیکھا کہ عمرؓ باہر تلوار حمائل کئے کھڑے ہیں۔ وہ جلدی سے اندر آئے اور عمرؓ کے آنے کی اطلاع دی تو تمام لوگ گھبرا کر یکجا ہو گئے۔ حضرت حمزہؓ نے پوچھا کہ کیا ہوا دروازے پر کون ہے۔ تو انہیں بتایا گیا کہ عمرؓ گلے میں تلوار حمائل کئے باہر موجود ہے۔ حضرت حمزہؓ نے کہا اسے اندر آنے دو۔ اگر خیر کے ارادہ سے آیا ہے تو ہماری طرف سے بھی اسے خیر ملے گی اور اگر بدی کے ارادہ سے آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اسکے ٹکڑے کر دوں گا۔ چنانچہ انہیں اندر بلوا کر بیٹھک میں بٹھا دیا گیا۔ ادھر آنحضرتؐ پر وحی نازل ہو رہی تھی جب آپؐ اس کیفیت سے نکل آئے تو بیٹھک میں تشریف لائے اور عمرؓ سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے عمرؓ کے کپڑوں کو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک اللہ تم پر بھی ویسی ہی ذلت بھری عبرت ناک سزا نازل نہ فرمائے جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہوئی۔ پھر دعا فرمائی ''اے اللہ یہ عمرؓ بن خطاب ہے اسے اسلام کیلئے قوت وعزت کا باعث بنا'' یہی وہ لمحہ تھا جب عمرؓ نے بلند آواز میں کلمہ شہادت پڑھا۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں'' اور یوں

حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ یہاں موجود مسلمانوں نے یہ سنتے ہی اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مسجد حرام میں لوگوں کو یہ آواز سنائی دی۔ حضرت عمرؓ کی زور آوری کا یہ حال تھا کہ کسی کو ان سے مقابلے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ انکے اسلام لانے کی خبر سے مشرکین میں کہرام مچ گیا اور انہیں بڑی ذلت ورسوائی کا سامنا ہوتا دکھائی دینے لگا۔ جبکہ انکے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کے اندر ایک ولولہ انگیز قوت‘ عزت اور شادمانی کا احساس پیدا ہوا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا: جب میں مسلمان ہوا تو مجھے مسلمانوں کی دبی دبی اور ڈری ڈری سی حالت دیکھ کر دکھ ہوتا تھا۔ میں نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ جئیں یا مریں؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دوچار ہو جاؤ۔ تب میں نے کہا کہ پھر یہ چھپنا کیسا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپکو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم ضرور باہر نکلیں گے اور سینہ تان کر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم اسی وقت دو صفوں میں آپکو ہمراہ لے کر باہر آئے ایک صف میں حضرت امیر حمزہؓ تھے اور ایک صف میں میں تھا۔ ہمارے چلنے سے ہلکا ہلکا غبار اٹھ رہا تھا یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ حضرت عمرؓ ہی کا کہنا ہے کہ حمزہؓ اور مجھے مسلمانوں کے ساتھ دیکھ کر قریش کے دلوں کو وہ چوٹ پہنچی کہ اب تک نہ پہنچی تھی۔

دونوں سرداروں کے مسلمان ہو جانے کے بعد ظلم وستم کے بادل چھٹنا شروع ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو جور و جبر کا تختہ مشق بنانے کی جو بدمستی قریش پر چھائی ہوئی تھی اسکی جگہ سوجھ بوجھ نے لینی شروع کر دی تھی۔ مسلمانوں کی تعداد بھی آئے دن بڑھنے لگی تھی بے بسی ان پر اپنا شکنجہ کستی جا رہی تھی۔ یہ سب دیکھتے ہوئے قریش نے وقتی طور پر تیر و تلوار ایک طرف ڈال دینے اور لین دین کے ذریعہ محمدؐ کے کام کو بند کرانے کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے آپسی صلاح ومشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ اس دعوت وتبلیغ سے محمدؐ جو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے‘ ہم سب مل کر اسے اتنی وافر مقدار میں فراہم کر دیں کہ وہ مطمئن ہو جائے اور آئندہ اپنی دلآزار باتوں اور وعظ وتبلیغ سے باز آ جائے۔ چنانچہ قریش نے ابو ولید ”عتبہ“ کو اپنا نمائندہ

مقرر کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ جس میں بڑے بڑے لالچ دیے گئے تھے مگر آپؐ نے یکسر انکار کر دیا۔ جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔

بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف مشرکین کا قطع تعلق

صرف تین یا چار ہفتوں کے اندر مشرکین کو چار بڑے دھچکے لگ چکے تھے۔ حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ قریش کے سودے بازی کی پیشکش آنحضرتؐ مسترد کر چکے تھے۔ پھر قبیلہ بنی ہاشم اور قبیلہ بنی مطلب کے سارے مسلم و غیر مسلم افراد نے ایک ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا عہد و پیمان کر لیا تھا۔ اس پر مشرکین قریش چکرا گئے اور انہیں چکرانا ہی چاہئیے تھا کیونکہ انکو سمجھ آ گیا تھا کہ اگر انہوں نے محمدؐ کے قتل کی کوشش کی تو مکہ کی وادی انکے خون سے لالہ زار ہو جائیگی۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارا مکمل صفایا ہی ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے فی الحال قتل کا ارادہ ترک کر کے ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی جو انکی اب تک کی ظالمانہ کاروائیوں سے زیادہ سنگین تھی۔

اس تجویز کی منصوبہ بندی کیلئے مشرکین وادیٔ محصّب میں خیف بنی کنانہ کے اندر جمع ہوئے اور آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ نہ تو شادی بیاہ کریں گے نہ کسی قسم کی خرید و فروخت کریں گے۔ اُن سے میل ملاپ، بول چال اور گھروں میں آنا جانا اس وقت تک منقطع رکھیں گے جب تک یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کیلئے ہمیں سونپ نہ دیں۔ مشرکین نے اس بائیکاٹ کی دستاویز کیلئے ایک صحیفہ لکھا اور اس میں یہ شرط بھی لکھی کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کی طرف سے کسی صلح کی پیشکش قبول نہ کریں گے، تاوقتیکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے نہ کر دیں۔

اس صحیفہ کو تحریر کر کے کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں ابولہب کے علاوہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے تمام مسلم و غیر مسلم افراد سمٹ سمٹا کر شعبِ ابی طالب میں محبوس ہو کر رہ گئے۔ یہ بعثتِ نبوی کے ساتویں سال محرم کی چاندرات کا واقعہ ہے۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ صحیفہ لکھنے والا منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم تھا۔ بعض کے مطابق یہ نضر بن حارث نے لکھا تھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ صحیفہ لکھنے والا شخص بغیض

بن عامر بن ہاشم تھا۔ کیونکہ یہ صحیفہ لکھنے والے کو آنحضرتؐ نے اس کا ہاتھ ٹوٹ جانے کی بددعا کی تھی اور سب نے دیکھا کہ بغیض کا ہاتھ شل ہو گیا۔

شعب ابی طالب میں تین سال محصوری اور اس کا اختتام

اس بائیکاٹ کے نتیجہ میں حالات نہایت سنگین ہو گئے۔ غلے اور سامان خورد و نوش کی آمد بند ہو گئی تھی، کیونکہ جو غلہ یا فروختنی سامان مکہ میں آتا مشرکین اسے لپک کر خرید لیتے۔ محصورین کی حالت نہایت پتلی ہو گئی اور انہیں پتے اور چمڑے کھانے پڑے۔ فاقہ کشی کا یہ حال تھا کہ بھوک سے بلکتے بچوں اور عورتوں کے رونے چلانے کی آوازیں گھاٹی سے باہر تک سنائی پڑتیں۔

ادھر ابو طالب کو دن رات یہی دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں دشمنوں کی چال کامیاب نہ ہو جائے۔ اسلئے رات سوتے وقت آنحضرتؐ کو نمایاں کر کے انکے بستر پر سلاتے کہ دشمن دیکھ لیں کہ وہ کہاں سوئے ہوئے ہیں اور جب سب لوگ سو جاتے تو خاموشی سے حضورؐ کے بستر کو اپنے کسی بیٹے بھائی یا بھتیجے کے بستر سے بدل دیتے۔

اس قدر پریشان کن حالات کے باوجود حج کے موسم میں مسلمان باہر نکل آتے اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مگن ہو جاتے۔ اسی دوران کچھ ضرورت کی اشیاء اور خورد و نوش کا سامان بھی اکٹھا کر لیا جاتا۔ انہی مصائب و مشکلات میں وقت گزرتا رہا کہ ایک روز آنحضرتؐ نے ابو طالب کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس صحیفہ کے بارے فرمایا ہے کہ اسے کیڑوں نے یوں چٹ کر لیا ہے کہ ظلم و ستم اور قرابت شکنی کی تمام باتیں نابود ہو گئی ہیں۔ ابو طالب نے حرم پاک جا کر یہی بات قریش سے بیان کی تو انہوں نے سختی سے اس کا انکار کیا۔ اس پر ابو طالب نے کہا اگر یہ بات غلط نکلی تو ہم تمہارے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور اگر وہ سچا نکلا تو تمہیں ہمارے بائیکاٹ اور ظلم سے باز آنا ہوگا۔ اس پر قریش کے کچھ سرکردہ لوگوں نے کہا: ابو طالب آپنے انصاف کی بات کی ہے۔ ابو جہل اور دیگر لوگوں کی نوک جھونک ختم ہوئی تو مطعم بن عدی صحیفہ چاک کرنے کی نیت سے اٹھا: کیا دیکھتا ہے کہ واقعی اللہ کے نام کے علاوہ صحیفہ کی تمام عبارت

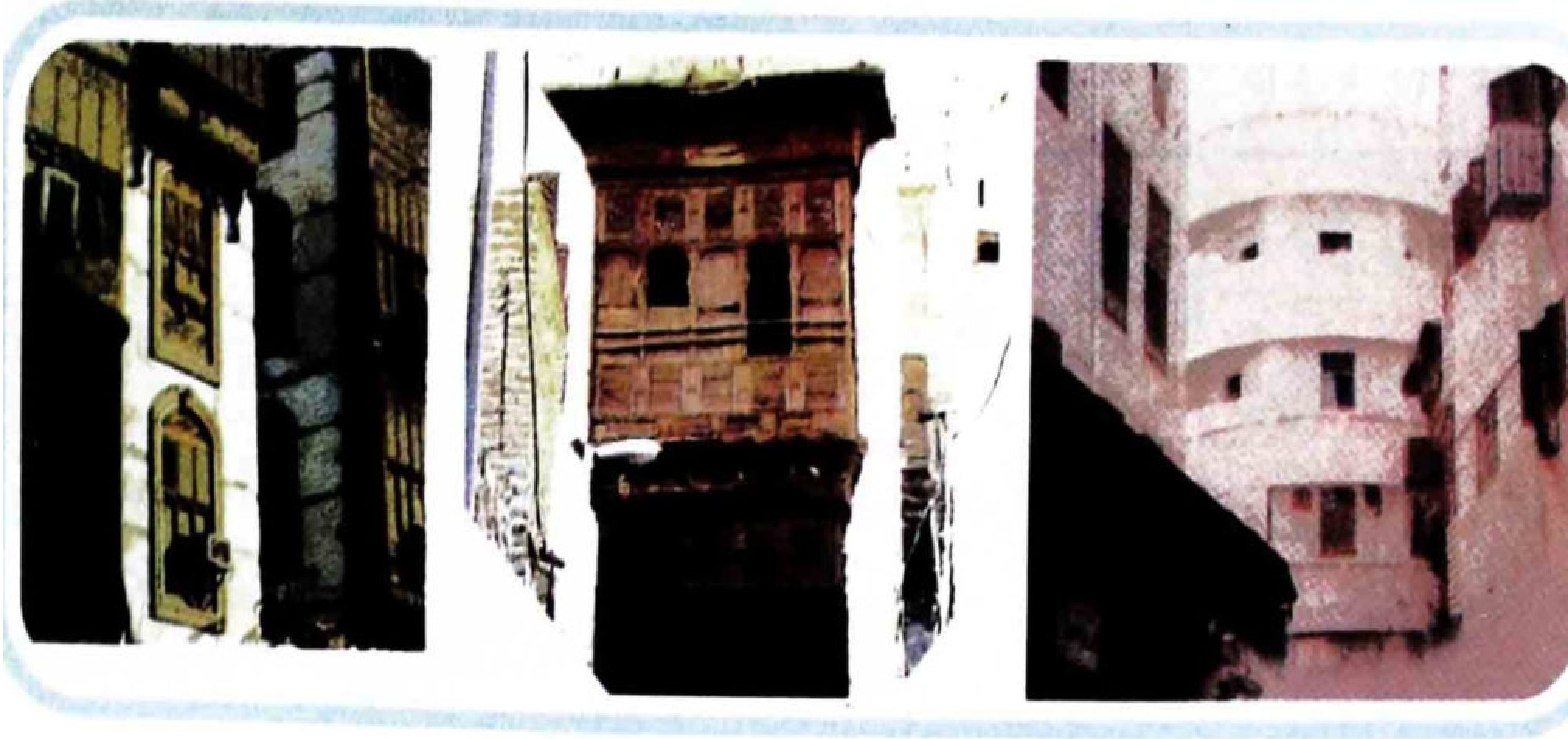

بنی ہاشم کے محلے میں پرانے طرز کے مکانات یہ وہی ہاشمی خاندان ہے جس کا کفار نے
۳ سال تک بائیکاٹ کیا تھا۔ یہ جگہ شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔

حزف ہوچکی تھی جہاں ''با سمک اللہ'' لکھا گیا تھا کیڑوں نے اسے نہیں کھایا تھا۔اسکے بعد صحیفہ چاک کردیا گیااور آنحضرؐت سمیت تمام حضرات شعب ابی طالب سے باہر نکل آئے۔

ابوطالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد

قریش اپنے اس حربہ کی ناکامی کے بعد سٹپٹا گئے اوران پر مایوسی کے بادل گھرے ہونا شروع ہوگئے۔وہ سخت جھلاہٹ کا شکار ہوتے جارہے تھے کہ مسلمانوں کے خلاف بائیکاٹ کرکے بھی دیکھ لیا جس کا کوئی خاطرخواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔انہوں نے نبوّت کی عظیم الشان نشانی بھی دیکھی کہ صحیفہ کیڑے برد ہوگیالیکن انکارویہ نہ بدلا۔وہ مسلمانوں پر دباؤ ڈالنےاورانکو تبلیغی کاموں سے روکنے میں کسی نوع کی کمی کرنے پر آمادہ نہیں تھے،لیکن حالات انہیں کچھ اور ہی نقشہ دکھارہے تھےانہیں اپنے دین کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی سرداریوں اور بادشاہت بھی خطرے میں دکھائی دینے لگی تھی۔چنانچہ میدان چھوڑ کر بھاگنے کی نسبت آپس میں عزت دارانہ طریقے سے کسی معاہدہ کے خواہشمند تھے۔

اُدھر جہاں تک ابوطالب کا تعلق ہے وہ پوری جاں سپاری سے اپنے بھتیجے کی حمایت وحفاظت پر قائم تھے۔لیکن اب وہ کمزوراور بیمار رہنے لگے تھےانکی عمر اسّی سال سے تجاوز کر چکی تھی۔حضرت حمزؓہ اور حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمان گھاٹی سے نکل کر کھلے عام تبلیغ میں مصروف تھے۔ان میں سے کچھ مبلغینِ اسلام عرب کے کئی قبائل تک اور کچھ مدینہ تک پہنچ کر احکامِ اسلام کی ترویج اور آنحضرؐت کا تعارف کروانے میں مصروف تھے۔گویا اسلام عرب کے بہت سے قبائل اور مدینہ میں پھیلنا شروع ہو چکا تھا۔اس صورتِ حال میں مشرکین قریش نے ابوطالب کی زندگی کو غنیمت جانتے ہوئے آخری کوشش کی کہ ابوطالب سے کہہ کر یہ عہدو پیمان کروالیا جائے کہ نہ محمدؐ ہماری مخالفت کرے اور نہ ہم اسکے خلاف کسی قسم کی کاروائی کریں۔چنانچہ قریش کا ایک وفداس ارادے سے ابوطالب کے پاس پہنچااور صاف گوئی سے کہنے لگا کہ ابوطالب آپکی عمر میں خدا اضافہ کرےلیکن زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔آپ بھی اپنے بھتیجے کے لئے ہماری طرف سے متفکر رہتے ہیں اور ہم بھی مسلمانوں کی طرف سے پریشان رہتے ہیں،تو

کیوں نہ آپ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان ایسا معاہدہ کروادیں کہ ہم ایک دوسرے کے کام میں مداخلت سے رک رہیں۔ ابوطالب نے اس بات کو غنیمت جانتے ہوئے آنحضرتؐ کو بلوا بھیجا۔ مشرکین نے اپنی بات رکھی تو حضورؐ نے فرمایا میں صرف ایک شرط پر انہیں عرب کی بادشاہی تک سونپنے پر تیار ہوں اور عجم بھی انکو جزیہ دینے پر آمادہ ہوگا۔ کہ یہ لوگ صرف اللہ کی عبادت کریں جسے یہ مانتے بھی ہیں اس کے علاوہ ہر کسی کی پرستش سے باز آجائیں۔

یہ سن کر وہ مایوس ہوگئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ خدا کی قسم یہ شخص تمہاری کوئی بات ماننے کو تیار نہ ہوگا۔ تو چلو واپس چلیں اور اپنے آباؤ اجداد کے دین پر ڈٹ جائیں اور اسکی حفاظت میں جو بن پڑے وہ کریں۔ اس واقعہ کے بعد قرآن مجید کی سورۃ ص میں یہ آیات نازل ہوئیں:۔

''صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ؕ (۱) بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ (۲) کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ (۳) وَ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۫ وَ قَالَ الْکٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ (۴) اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (۵) وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِکُمْ ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ (۶) مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚۖ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (صٓ: ۱تا۷)

ترجمہ:۔ '' صٓ: قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی بلکہ جنہوں نے کفر کیا ہیکڑی اور ضد میں ہیں ہم نے کتنی ہی قومیں ان سے پہلے ہلاک کردیں، اور وہ چیخ چلائے جبکہ بچنے کا وقت نہیں تھا، انہیں تعجب تھا کہ انکے پاس خود انہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا۔ کافر کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے کہ اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بناڈالا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے، اور انکے بڑے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹے رہو یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ ہم نے کسی ملت میں یہ بات نہیں سنی یہ محض ایک گھڑنت ہے''

معجزۂ شق القمر

دعوت کا یہ سلسلہ سال ہا سال چلتا رہا۔ ہر سال حج پر آنے والے قبائل عرب کے سرداران اور قبیلہ کے بڑوں سے حضورؐ گفتگو فرماتے کہ میں تمہیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا میری بات سن لو پھر جسے میری دعوت پسند آئے تو بیشک اسے قبول کرلے اور جسے پسند نہ آئے تو اسلام میں زبردستی نہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ یہاں کے مشرکین جو میرے قتل کے منصوبے بنا رہے ہیں ان سے میرا دفاع کرو' تاکہ میں آزادانہ اپنے رب کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچادوں۔ مگر ان قبائل میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ ان میں اگر کوئی کہتا کہ اس کی بات سن کر تو دیکھیں کہ یہ کہتا کیا ہے؟ تو انکے سردار کہتے کہ اس شخص کی قوم اس کو ہم سے بہتر جانتی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ ہمارے حق میں بہتر اور ہماری اصلاح کرسکتا ہے جس نے اپنی قوم کو فتنہ وفساد میں مبتلا کررکھا ہے اور وہ اسکے قتل پر آمادہ ہیں۔

سال ہا سال کی ان ظاہری پیہم ناکامیوں اور مشرکین کی ایذارسانیوں اور دشمنوں کی گری ہوئی حرکتوں کے باوجود آنحضرتؐ اپنے فریضۂ رسالت کی ادئیگی میں کوتاہی کے ذرہ برابر روادار نہ ہوئے۔ صبر آزما جدوجہد' مصائب وآلام کے طوفانوں میں ثابت قدمی کا محیر العقول پے درپے مظاہرہ کرنے کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات اور کامیابیوں کا سنہری دور شروع ہوا۔ ایسے ایسے معجزات رونما ہونے لگے کہ جنہیں ہر کوئی دیکھ سکتا تھا اور حق کا رُوئے زیبا اس پر آشکار ہوسکتا تھا۔ لیکن کفارِ عرب نے تو اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی اس قدر کس کر باندھ رکھی تھی کہ آفتاب رشد وھدایت کی جلوہ سامانیوں میں بھی انہیں کچھ دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔ ان عظیم معجزات میں سے ایک معجزہ شق القمر کا ہے۔ اس کا تذکرہ کرکے پھر اپنے تسلسلِ مضمون کی طرف لوٹوں گا۔

علامہ قرطبی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین اکٹھا ہوکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اگر تم واقعی نبی ہو اور اپنے دعوے میں سچے ہو تو چاند کو دو ٹکڑے کرکے دکھاؤ۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر میں ایسا کر دکھاؤں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ وہ کہنے لگے ضرور۔

اللہ کے محبوبؐ نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کی کہ کفار نے جو مطالبہ کیا ہے اپنے کرم سے اسے پورا کرنے کی قوت عطا فرما۔ چنانچہ چاند دوٹکڑے ہوگیا۔ آنحضرتؐ نے مشرکین کے نام لے لے کر انہیں مخاطب کر کر کے فرمایا ''**یا فلان یا فلان اشھدو** ''یعنی اے فلاں' اے فلاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اوراس بات پر گواہ رہنا کہ تمہاری فرمائش پوری ہوگئی۔

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں: کفار نے جب یہ معجزہ دیکھا تو ایمان لانے کی بجائے کہنے لگے یہ ابی کبشہ کے بیٹے کی نظر بندی کا اثر ہے جو ہمیں ایسا دکھائی پڑا۔ چند دنوں تک باہر سے کچھ قافلے آنے والے ہیں ہم ان سے پوچھیں گے تو اس جادو کی قلعی کھل جائیگی۔ پھر جب وہ قافلے مکہ پہنچے اور ان سے پوچھا گیا کہ فلاں شب چاند دوٹکڑوں میں بٹ گیا تھا کیا آپ میں سے کسی نے یہ منظر دیکھا؟ تو بہت سے لوگوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ ہاں ہم نے یہ حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور بہت پریشان ہوئے۔ اس کے باوجود کفارِ مکہ کو ایمان کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

علامہ سلیمان ندوی نے ''خطبات مدارس'' میں لکھا ہے کہ سنسکرت کی ایک پرانی کتاب ملی ہے جس میں یہ حوالہ تحریر ہے کہ مالا بار کے ایک راجہ نے چاند کو دوٹکڑوں میں الگ ہونے اور پھر مل جانے کے اس حیرت انگیز منظر کو بچشم خود دیکھا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ اس واقعہ کی حقانیت نص قرانی سے ثابت ہے اور قرآن میں سورۃ قمر کی موجودگی اس معجزہ سے انکار کی گنجائش ہی کہاں چھوڑتی ہے۔

غم کا سال

ادھر جب ابوطالب بیمار ہوئے تو صحت یاب ہونے کی بجائے ان کا مرض بڑھتا چلا گیا اور بالآخر شعب ابوطالب کی محصوری کے چھ ماہ بعد ۱۰ نبوی میں انکا انتقال ہوگیا۔ ابوطالب کی حالت غیر ہوتے دیکھ کر آنحضرتؐ نے کہا'' چچا جان اس آخری وقت میں ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور آپکی بخشش کی سفارش کرسکوں۔ مگر قریب بیٹھے ابوجہل اور ابن امیہ نے کہا' ابوطالب کیا عبدالمطلب کی ملت سے منہ پھیر لوگے۔ دونوں کچھ دیر ابوطالب سے باتیں کرتے رہے اور ابوطالب

نے جو آخری الفاظ ادا کئے وہ ''عبدالمطلب کی ملت پر'' تھے۔اسکے بعد انکا انتقال ہو گیا تو آنحضرتؐ نے انکی محبت و خدمات کے جذبات کے تحت فرمایا ''جب تک روک نہ دیا جاؤں آپ کیلئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا''۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

''مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَ لَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ '' (توبہ:۱۱۳)

ترجمہ:۔''نبی اور اہل ایمان کے لئے درست نہیں کہ مشرکین کیلئے دعائے مغفرت کریں اگر چہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ لوگ جہنمی ہیں''۔(توبہ:۱۱۳)

ابھی اس رنج سے خلاصی تو کیا کمی بھی نہ ہوئی تھی کہ تین روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی اس دنیائے فانی سے منہ موڑ لیا۔

حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ جوارِ رحمت میں

حضرت خدیجہؓ وفات کے وقت ۶۵ برس کی تھیں جبکہ آنحضرتؐ اپنی عمر مبارک کی پچاسویں منزل میں تھے۔انکی وفات ماہِ رمضان ۱۰۔سن نبوی میں ہوئی۔آنحضرتؐ کے ساتھ آپکی رفاقت پچیس سال رہی اور ہر دکھ سکھ میں آپنے جی جان سے حضورؐ کا ساتھ نبھایا۔دیکھا جائے تو وہ آنحضرتؐ کیلئے اللہ تعالیٰ کی ایک گراں قدر نعمت تھیں۔جب بھی آنحضرتؐ پر رنج و تکلیف آتی آپ خود بھی تڑپ اٹھتیں۔ مشکل ترین اور سنگین حالات میں آپکو حوصلہ دیتیں اور ہمت بڑھاتیں۔تبلیغ رسالت اور جہاد کی تلخ ترین سختیوں میں آنحضرتؐ کی مدد کرتی رہیں۔خوش بختی کا یہ عالم کہ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا سہرا بھی آپکے سر رہا۔آپکی اولاد بھی انہی کے بطن مبارک سے تولد ہوئی۔حضرت جبریلؑ کے ذریعہ آپکو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا گیا اور جنت میں موتیوں کے ایک محل کی بشارت دی گئی جس میں شور و شغب ہو گا نہ درماندگی و تکان۔(بخاری شریف) ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے ساتھ ہی مشرکین قریش کو کھل کھیلنے کے مواقع میسر آنے لگے کیونکہ اب انہیں ظلم و استبداد سے روکنے والا کوئی باقی نہ تھا۔انہوں نے آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو ایسی ایسی اذیت پہنچائی کہ ابو طالب کی زندگی میں اسکا تصور

بھی محال تھا۔ ان حالات اور پے در پے آلام و مصائب کی بناء پر آپؐ نے اس سال کو "عام الحزن"، یعنی غم کا سال قرار دیا اور (سن ۱۰۔ نبوی) تاریخ میں اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

آنحضرتؐ کی عائلی زندگی

کسی بھی شخص کی گھریلو زندگی اپنی زوجہ یا ازواج کے ساتھ معاملات و حالات بالخصوص اسکا رویّہ اسکے سیرت و کردار کا آئینہ ہوتا ہے۔ یہ کبھی ممکن نہیں ہوا کہ باہر کی زندگی میں بظاہر خوش و خرم نظر آنے والا گھریلو زندگی میں بھی ایسا ہی خوش باش ہو۔ یا ظاہر داری کی چادر اوڑھ کر باہر نکلنے والا جو کچھ وہ اصل میں ہے، اس سے مختلف شکل و صورت میں اپنے آپ کو پیش کرتا رہے۔ گھر سے باہر تو کسی حد تک یہ سب چل بھی سکتا ہے لیکن گھریلو زندگی میں اپنے اوپر اس قسم کا پردہ ڈالے رکھنے میں کوئی بھی زیادہ دنوں تک کامیاب نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کسی شخص کو جانچنے کیلئے بہترین کسوٹی اسکی گھریلو زندگی کا مشاہدہ ہے۔ وہاں اسے دیکھا جائے کہ اسکی سیرت کیا ہے۔ جس خدا ترسی، تقویٰ اور صلہ رحمی کا درس وہ باہر دے رہا ہے، گھر کے اندر وہ اس کا کتنا عامل ہے، اور جس اتباعِ کتاب و سنت کا وعظ باہر کیا کرتا ہے اس پر اپنے بیوی بچوں سے کتنا عمل کرواتا ہے۔ نہ صرف دوسروں سے عمل کروانا بلکہ جس سادگی، ایثار، قناعت، جس صبر و اخلاق، دیانتداری اور جس برداشت و درگزر کا دوسروں سے مطالبہ کر رہا ہے اس کا جمال خود اسکی گھریلو زندگی میں کتنا روشن اور چمکدار ہے۔ اگر فی الواقع کوئی شخص اس کسوٹی پر کھرا ہے تو بلاشبہ اس کی اخلاقی عظمت اور سچائی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے شخص کے اصولوں اور نظریات سے کسی کو اختلاف تو ہو سکتا ہے، لیکن ایسے شخص کو محض مصنوعی یا بے کردار قطعی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ذاتِ عورت کے حقوق

آنحضرتؐ نے نہ صرف ازواجِ مطہرات کو بلکہ جہان بھر کی عورتوں کو انکے حقوق و فرائض سے رُوشناس کروایا اور تمام دنیا کو "بحیثیت ذاتِ عورت" عورت کی عظمت و رفعت سے متعارف کروایا۔

بحیثیت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی، جو اصول و ضوابط مرتب فرمائے وہ ہمیشہ کیلئے عورت کی خوشحال زندگی کی

ضمانت ٹھہر گئے۔ اسلام نے ماں کی عزت وخدمت کی وہ تعلیم دی کہ ماں کے مقامِ بلند کو چھونا دشوار لگنے لگا۔ اپنی نوزائدہ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے والوں کی قباحت پر اسلام نے ان کے ضمیر کو ایسا جھنجھوڑا کہ انکی بقیہ تمام زندگی ایسے قبیح فعل پر روتے اور پچھتاتے گزری۔ بہنوں کے حقوق میراث غصب کر لینے والوں اور انکی ناتوانی کے سبب ان سے دیگر قسم کی زیادتیاں اور حق تلفیاں کرنے والوں کو اسکا مداوا نہ کرنے پر عذاب خداوندی کا ڈر بھی سنایا۔

کچھ مسلم اور بہت سی غیر مسلم خواتین اپنی کم علمی کے باعث مرد کو طلاق کا حق دیئے جانے پر اسلام سے شاکی ہیں‘ جبکہ انکی یہ سوچ درست نہیں۔ طلاق دینے کا یہ فیصلہ دراصل عورتوں ہی کے حق میں تھا۔ کیونکہ اکھڑ مزاج جہلائے عرب کے قریباً تمام مردوں کے نزدیک یہ بات ناقابل فہم اور ناقابلِ برداشت تھی کہ انکے ساتھ شب گزار چکی کوئی عورت انکے علاوہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ ہم بستر ہو۔ چنانچہ بیوی کی بیماری ولاچاری کے باعث‘ اسکی بدزبانی کے باعث‘ اسکا اپنے شوہر سے دل بھر جانے کے باعث یا خود مرد کا اپنی بیوی سے دل بھر جانے کے باعث یا کسی بھی دیگر وجہ سے جب اُن میں علیحدگی کی نوبت آجاتی‘ تو مرد اپنی بیویوں سے الگ ہو کر کسی دوسری خاتون سے نکاح تو کر لیتے مگر جدا ہوئی عورت کو اسکے مرتے دم تک آزاد نہ کرتے اور اس بات کو اپنی مردانگی کے خلاف جانتے کہ انکی بیوی آزاد ہو کر کسی اور مرد سے نکاح کر لے۔ یوں وہ بیچاری عورت نہ تو شادی شدہ رہتی نہ طلاق شدہ۔ بلکہ ان دونوں صورتوں کے درمیان لٹکی رہتی اور معلقہ کہلاتی‘ یوں جب تک زندہ رہتی ایک بے بس اور قید میں محصور کسی غلام کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی۔ انکو محض دو وقت کا کھانا اور سال بھر بعد ایک جوڑا کپڑے دینے پر اکتفا کر لیا جاتا۔ اسکے بیمار پڑنے کی صورت میں کچھ دوا دارو کرنا بھی ایسی عورتوں پر احسان کرنے جیسا فعل گردانا جاتا۔

جب اسلام نے عورت پر ایسے سنگدلانہ اور ناانصافی پر مبنی رواج کو ظلم قرار دیتے ہوئے ایسی عورتوں کو طلاق دے کر آزاد کر دینے کا حکم فرمایا تو اپنی فطری حیلہ جوئی سے کام لیتے ہوئے مرد حضرات یہ کرنے لگے کہ عورتوں کو طلاق تو دے دیتے مگر جونہی اس کی مدت عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی اس

سے ایک شب رجوع کر لیتے اور صبح اٹھتے ہی پھر طلاق دیکر اسی کوٹھڑی میں مقفل کر دیتے جہاں وہ اس سے پہلے بھی قید رہتی رہی۔

لوگوں کی اس مکاری کے بارے جب آنحضرتؐ مطلع ہوئے تو آپؐ نے انہیں سمجھایا کہ بنی اسرائیل سبت کے روز مچھلی کے شکار پر پابندی عائد ہونے پر اسی قسم کی مکاری کے باعث، عذاب خداوندی کے شکار ہوئے اور بندروں کی شکل میں گرفتار ہو کر ذلیل موت مرے تھے۔اس لئے خدا سے ڈرو اور ایسے حربوں سے عورتوں پر ظلم وستم سے باز آؤ۔ چنانچہ اب تمہیں صرف تین بار طلاق دینے کی گنجائش ہے وہ بھی ان شرائط کے ساتھ کہ پہلی طلاق کے بعد اگر صلح وصفائی ہو جائے تو آپس میں رجوع کے بعد اکٹھے زندگی گزار سکتے ہو، پھر اگر کبھی تم نے دوسری دفعہ طلاق دی تو پھر راضی نامہ یا صلح کر لینا کافی نہیں ہوگا بلکہ پھر سے نکاح پڑھنا ضروری ہوگا، وگرنہ آپس میں رجوع یا ہم بستر ہونا حرام کاری اور زنا کے زمرہ میں شامل ہوگا۔ پھر اگر تم نے زندگی میں کبھی تیسری مرتبہ طلاق دیدی تو یہ طلاق بائن ہوگی اس کے بعد وہ عورت بالکل آزاد ہو جائیگی اور اس سے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکے گا۔ ہاں اگر دونوں پچھتائیں اور دوبارہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہیں تو مطلقہ عورت کیلئے یہ شرط ہے کہ جب تک کسی غیر مرد سے نکاح نہ کرے اور اس کے ساتھ ہم بستر نہ ہو اور اپنے نئے شوہر کی طرف سے اسے طلاق نہ ہو، تب تک وہ اپنے پرانے شوہر سے کسی صورت نکاح نہیں کر سکتی۔

اس شرط کو ''حلالہ'' کہا جاتا ہے اور یہ ایسے مردوں کی اکڑ توڑنے ہی کیلئے ہے جو عورتوں کو طلاق دیدینے کے باوجود آزاد نہیں کرتے اور محض اسلئے قیدی بنائے رکھتے ہیں کہ مبادا وہ ہمارے علاوہ کسی اور سے ہم بستر ہوں۔ اب جو عورتیں اسلام میں حقِ طلاق کو مشکوک نظروں سے دیکھتی ہیں یا غیر مسلم مرد وخواتین جو دین اسلام میں محض کیڑے نکالنے کے شوق میں مبتلاء رہتے ہیں انہیں انصاف کا ترازو ہاتھ میں لے کر بات کرنے کی ضرورت ہے کہ شریعت میں قانونِ طلاق عورتوں پر ظلم وزیادتی کا باعث ہے یا یہ انکی عظمت وآزادی کے حق کا قانون ہے۔

اللہ کے باغی بندوں کو اللہ کی چوکھٹ پر جھکا دینے کے علاوہ آنحضرتؐ کی بعثت کا ایک مقصد

اولیٰ یہ بھی تھا کہ مظلوموں کو ظالموں کے ظلم و استبداد سے نجات دلائی جائے اور ایک ایسا پاکیزہ انسانی معاشرہ قائم کیا جائے جس میں ظلم و تعدی کا معمولی سا واقعہ بھی رونما نہ ہو سکے۔

طبقہ نسواں چونکہ اس وقت نہایت مظلوم و مجبور تھا اس لئے آنحضرتؐ نے اس طبقے کی عظمت و رفعت کی طرف بطورِ خاص توجہ فرمائی۔ تاریخ شاہد ہے کہ بعثت نبویؐ سے قبل نہ صرف جزیرہ نمائے عرب بلکہ پوری دنیا میں عورت ذات کا کوئی مقام یا درجہ نہیں تھا۔ یورپ میں عورت کا اپنا نام تک قابل التفات نہ تھا۔ بھارت کے ہندو معاشرہ میں عورت کا وجود ہی گالی کے مترادف تھا۔ ہندو راجپوت عربوں کی طرح اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ جو عورت بچ رہتی وہ بھی تمام زندگی مردوں کے ستم کا شکار رہتی۔ شادی شدہ عورت کی زندگی بھی بس اس وقت تک ہی تھی جب تک اسکا شوہر زندہ ہے۔ کیونکہ شوہر کی جلتی چتا کے ساتھ ہی اس کو بھی ستی ہونا پڑتا' اور جو کوئی ایسا نہ کرتی اسے تمام زندگی پورے معاشرہ کی نفرت اور لعن طعن کا سامنا کرنا پڑتا۔ مصر میں بھی عورتوں کی حالت دنیا کے دوسرے علاقوں کی عورتوں سے مختلف نہ تھی۔ یہی حال عراق و شام کی عورت کا تھا۔ دیوی دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھانے کیلئے عورت سے بہتر عطیہ کہیں ڈھونڈے سے نہ ملتا۔ ایران میں مزدک کی تعلیم کے مطابق عورت زمین' جائیداد' اور زر و مال کی طرح مشترکہ ملکیت قرار دی جا چکی تھی اور اسکی انسانی حیثیت تک ان لوگوں کے نزدیک بے معنی تھی۔ گویا ''عورت ذات'' مدتوں سے ذلت و پستی کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی کہ فاران کی چوٹیوں سے آفتابِ رسالت طلوع ہوا۔ ایک طرف جہاں تمام دنیا جہالت کے اندھیروں سے نکل سکی وہیں ذات عورت جیسی مظلوم ہستی بھی اپنے حقوق و فرائض سے آشنا ہو کر اپنی عزت پر ڈٹ جانا سیکھ گئی۔ آخر کار مردوں کی دنیا بھی اسے عزت و رفعت کے لائق تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی۔

اسلام نے بحیثیت ماں' بحیثیت بہن اور بیٹی' بحیثیت بیوی' یہاں تک کہ کنیز' لونڈی یا ملازمہ تک کے حقوق معاشرہ پر یوں عائد فرمائے کہ عورت ذات متمدن زندگی کی برکتوں سے مالا مال ہو سکی۔ آنحضرتؐ کے دین حنیف نے عورت کو جو حقوق عطا فرمائے انسانی نقطہ نظر سے ان سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ازواجِ مطہراتؓ ایک نظر میں

حضرت خدیجہؓ

یوں تو حضرت خدیجہؓ کے بارے گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے تاہم ازواجِ مطہرات کے باب میں امّہات المومنین کے ترتیب وار خاکے میں آپکا تذکرہ ضروری محسوس ہوا سو پیش کرتا ہوں کہ آپؓ خویلد قرشیہ کی دختر تھیں آپکی پیدائش ۱۵ قبل از عام الفیل ہوئی۔ لقب طاہرہ اور کنیت امّ ہند تھی۔ پہلی شادی ابو ہالہ بن بناش تمیمی سے ہوئی، انکی وفات کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے عقد میں آئیں اور عتیق بن عائذ مخزومی کے رحلت کر جانے کے بعد آنحضرتؐ کے عقد میں آئیں۔ پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا۔

نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی ہجرت نبوی سے تین سال قبل انتقال فرمایا۔ چونکہ اس وقت تک نمازِ جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی اس لئے آپکی نعش مبارکہ کو اسی طرح سپرد خاک کر دیا گیا۔

حضرت سَودہؓ

اسی سال شوال ۱۰ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیوہ خاتون سَودہؓ بنت زمعہ سے شادی کر لی جو اس وقت تیس برس کی تھیں۔ یہ ابتدائی دور ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں اور انکے شوہر بھی انکے ساتھ ہی یا غالباً ان سے بھی پہلے مسلمان ہو چکے تھے کیونکہ حضرت سَودہؓ نے دوسری ہجرتِ حبشہ میں شرکت فرمائی تھی اور اس وقت وہ اپنے شوہر سکرانؓ بن عمرو کی رفاقت میں تھیں۔ انکے شوہر حبشہ ہی میں اور بعض کے کہنے کے مطابق مکہ واپس آ کر انتقال فرما گئے۔ حضرت سَودہ کی عدت ختم ہونے پر، آنحضرتؐ نے اپنے چند رفیقوں کی رائے پر انہیں شادی کا پیغام بھیجا اور پھر شادی ہو گئی۔ چار سو درہم مہر مقرر رہا۔ یہ آپکی دوسری شادی تھی۔ حضرت سَودہؓ نے ۲۲ھ کو انتقال فرمایا۔ البتہ نکاح کے چند سال بعد انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ صدیقہ کو ہبہ کر دی تھی۔ آپکی والدہ ''زمعہ'' مدینہ کے بنو نجار خاندان سے تعلق

ازواجِ مطہرات نمبر ۷، ۸، ۹، ۱۰ جنت البقیع میں دفن ہیں

جنت البقیع میں جو ازواجِ مطہرات مدفون ہیں انکے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

۷۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۸۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۹۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۱۰۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دفن ہیں۔

رکھتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ

یہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی صاحبزادی تھیں اور تیم قریش قبیلہ کی رکن تھیں والدہ کا نام زینب تھا' آپؓ چھ برس کی تھیں جب آنحضرتؐ کے حلقہ زوجیت میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا' اگرچہ رخصتی کئی سال بعد عمل میں آئی۔ پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔ آپؓ نے رمضان ۵۸ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حضرت حفصہؓ

آپ حضرت عمرؓ بن خطاب کی بیٹی تھیں جو عدی قریش قبیلے سے تھیں' اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں اور ۶۲۵ء میں آنحضرتؐ کے عقد میں آئیں' آپکا پہلا نکاح خنیس بن حذیفہ سے ہوا تھا جو خاندان بنوسہم سے تھے اور غزوہ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ حضرت حفصہؓ کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا حضرت حفصہؓ نے شعبان ۴۵ھ میں رحلت فرمائی۔

حضرت ام سلمہؓ

آپؓ نے انتیس برس کی عمر میں بحالت بیوگی ۶۲۶ء میں آنحضرتؐ سے نکاح کیا مخزوم قریش قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں والد کا نام حذیفہ المغیرہ تھا۔ آپکا پہلا نکاح عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا جو ابوسلمہ کے نام سے مشہور تھے جنہوں نے غزوہ بدر میں اور غزوہ احد میں حصہ لیا تھا البتہ غزوہ احد میں زخمی ہوئے اور جانبر نہ ہوسکے' یوں جمادی الثانی ۴ھ کو شہید ہوگئے تھے۔ اسی سال ام سلمہؓ نے آنحضرتؐ سے بیاہ کیا' اور ۸۴ برس کی عمر میں (یعنی ۶۳ھ میں) رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حضرت زینبؓ

آپکا لقب اُم المساکین تھا' جو خزیمہ بن حارث ہلالیہ کی بیٹی تھیں۔ انکا پہلا نکاح حضرت عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا تھا جو غزوہ احد میں شہید ہوگئے تھے۔ اس وقت آپکی عمر تیس سال تھی کہ آپؓ بیوہ

ہوگئیں ۶۲۶ء میں آپکا نکاح آنحضرتؐ سے ہوا' بارہ اوقیہ مہر پایا۔ لیکن اسی سال ۳ھ ربیع الاوّل میں بمطابق ۶۲۶ء انتقال فرمایا۔

حضرت زینبؓ بنت جحش

آپ جحش بن رباب بن معمر الاسودی اور امّ امیمہ کی بیٹی تھیں اس طرح آپ آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد بھی تھیں۔ آپکا پہلا نکاح آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ زید بن حارث سے ہوا تھا۔ آپکا قبیلہ اسد قریش تھا۔ ذیقعد ۵ھ میں طلاق پائی۔ اس وقت آپکی عمر ۳۸ برس تھی ۶۲۶ء میں آنحضرتؐ سے نکاح ہوا۔ آیت حجاب آپکے ولیمہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ ۵۳ برس کی عمر میں ۲۰ھ میں رحلت فرمائی۔

حضرت جویریؓہ

آپؓ بنو مصطلق خزیمہ کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں اور غزوہ مریسیع میں اسیر ہوکر آئی تھیں۔ پہلا نکاح اپنے قبیلہ کے مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا تھا۔ اسیر ہونے پر حضرت ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں تھیں لیکن حضورؐ سرورِ کونین نے انکی خاندانی نجابت کا احساس فرماتے ہوئے انکا فدیہ خود ادا کر کے انہیں آزاد کروایا۔ بعد ازاں ان سے نکاح کرلیا۔ حضرت جویریؓہ کا اصلی نام برّہ تھا اور بوقت نکاح آپ بیس برس کی تھیں' اسی روز آنحضرتؐ نے آپکا نام جویریؓہ رکھا۔ آپکے حرم نبویؐ میں آنے پر صحابہ کرامؓ نے بنو مصطلق خذائع کے تمام قیدیوں کو رہا کردیا' جن کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ حضرت جویریؓہ نے ۶۵ برس کی عمر میں ربیع الاوّل ۵۰ھ میں انتقال کیا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حضرت ریحانہؓ

حضرت ریحانہؓ اور حضرت جویریؓہ کا زمانہ نکاح اور عمر ایک سی ہے۔ آپؓ بنی نضیر النا ظر یہودیہ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ بیس سال کی عمر میں آنحضرتؐ کے عقد میں آئیں۔ ریحانہ بنت شمعون بن زید کا پہلا نکاح بنی قریظہ کے کسی شخص کے ساتھ ہوا تھا' جب مسلمان قریظہ پر غالب آئے تو یہ قیدیوں میں

شامل تھیں آنحضرتؐ نے انہیں آزاد کیا اور ۱۲۔ اوقیہ مہر پر نکاح فرمایا۔ لیکن مورخین کی اکثریت یہ نکاح ہونیکے حق میں نہیں سوائے دو مورخین (ابن سعد اور حافظ ابن حجر) کے۔ دیگر تمام ارباب سیر بالاتفاق حضرت ریحانہ سے حضورؐ کے نکاح کے قائل نہیں۔ انکے خیال میں آنحضرتؐ نے انہیں محض ملک حرم میں رکھا تھا۔ نکاح ہوتا تو ازدواجی تعلقات کی بھنک کہیں نہ کہیں ضرور سنائی پڑتی۔

حضرت ماریہؓ

حضرت ماریہؓ سے حضورؐ کا نکاح انکی بیس سال کی عمر میں ہوا جو مصری قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپکے بطن مبارک سے ایک بیٹا "ابراہیم" پیدا ہوا جو صغر سنی ہی میں فوت ہو گیا۔

حضرت رملہ ام حبیبہؓ

آپؓ ابوسفیان کی بیٹی تھیں اور شمس قریش قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ۳۵ برس کی عمر میں بیوہ ہو گئیں۔ ۶۲۸ء میں حضورؐ سے عقد ہوا۔ آپکی والدہ صفیہ بنت ابی العاص حضرت عثمانؓ کی سگی پھوپھی تھیں۔ پہلا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا تھا جس کے ہمراہ رملہ اُم حبیبہ نے حبشہ کو ہجرت فرمائی تھی۔ حبشہ پہنچ کر عبداللہ عیسائی ہو گیا اور حضرت رملہؓ اپنی کمسن معصوم بچی حبیبہ کے ساتھ غریب الدیار اور بے یار و مددگار ہو کر رہ گئیں۔ صورت حال کی اطلاع پر آنحضرتؐ نے رملہؓ کو حبشہ ہی میں نکاح کا پیغام بھیجا۔ نجاشی نے خود آنحضرتؐ کے وکیل کے ذریعہ نکاح کا بندوبست کیا اور چار سو دینار مہر ادا کیا۔ پھر ام حبیبہ رضی اللہ عنھا کو آپؐ کے پاس بھجوایا۔ آپؓ کی بیٹی حبیبہ بھی آنحضرتؐ کی سرپرستی میں پروان چڑھیں۔ حضرت رملہؓ نے ۷۳ برس کی عمر میں ۴۴ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت صفیہؓ

آپکا اصل نام زینب تھا حیّی بن اخطب کی دختر اور بنو نضیر یہودی قبیلہ کی فرد تھیں۔ پہلی شادی سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی۔ سلام نے طلاق دیدی تو کنانہ بن ابی الحقیق سے نکاح کیا جو جنگ خیبر میں یہودیوں کی طرف سے لڑتا ہوا قتل ہو گیا۔ حضرت صفیہؓ جنگ میں قید ہونے والوں کے ہمراہ لائی

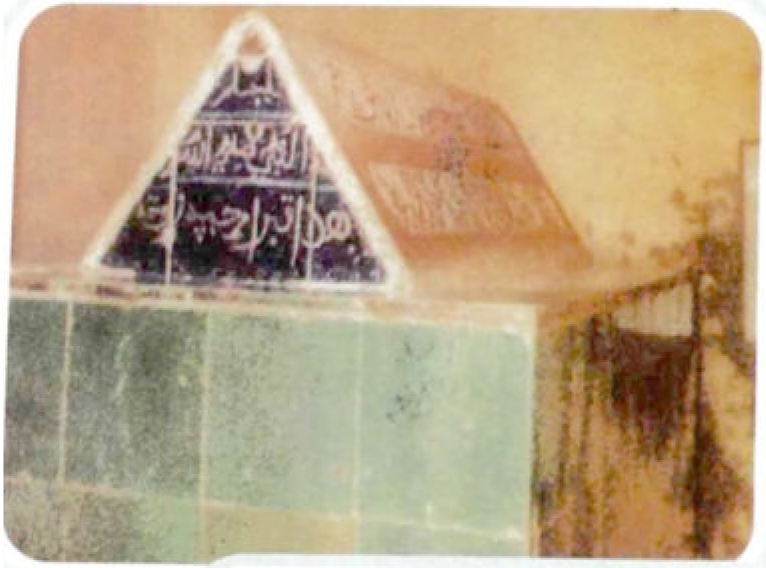

دمشق کے قبرستان باب الصغیر میں موجود حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک
بعض روایات کے مطابق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت البقیع میں مدفون ہیں (واللہ اعلم)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کی قبر مبارک کے کمرہ کا منظر

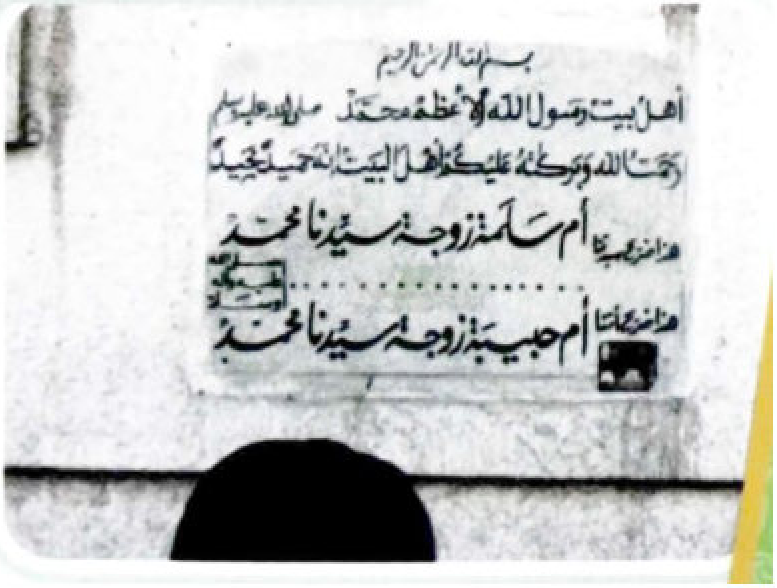

گئیں، حضورؐ نے انکا فدیہ ادا کرکے آزاد کیا تو انہوں نے آنحضرتؐ سے عقد کرلیا۔ آپؓ نے ۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اُس وقت آپکی عمر ۶۰ سال تھی۔

حضرت میمونہؓ

آپکا پہلا نکاح مسعود بن عمر بن عمیر ثقفی سے ہوا' طلاق کے بعد ابورہم بن عبدالعزیٰ سے نکاح کیا جس نے ۷ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپکی عمر ۲۷ برس تھی جب آپ آنحضرتؐ کی رفیقہ حیات بنیں۔ حضرت میمونہؓ حارث ہلال بن حزن کی بیٹی تھیں' آپکا قبیلہ عامر صصعہ ہلالی قریش تھا۔ آپؓ سرکار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری منکوحہ تھیں ۵۱ھ میں فوت ہوئیں۔

اَسراء اور معراج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوبیت کے ایک اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمایا گیا۔ قرآن نے اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے دو حصوں میں بانٹ دیا۔ یعنی ایک حصہ اسراء اور دوسرا حصہ معراج' بلحاظ معنی اسراء کہتے ہیں پوشیدگی یا رات کی تاریکی میں کسی کو چلانے یا لے جانے کے اور معراج عروج سے مأخذ ہے جس کے معنی اوپر چڑھانے یا کسی بلند مقام پر لیجانے کے ہیں۔ اسے سمجھنے کیلئے محض ذہنی قیاس آرائی کافی نہیں صمیم قلب کی اعانت بھی ضروری ہے وگرنہ ذہن انسانی کی پرواز کسی بلند پہاڑی یا اس سے کم و بیش کسی بلندی تک آکر رک رہے گی اور مقامِ معراج کا اندازہ بھی لگا سکنا ہمارے لئے کارِ دارد ہوگا۔

اسراء کے بارے قرآن کا فرمان ہے:۔

"سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا....." (بنی اسرائیل: ۱)

یعنی: "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد الاقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا"۔۔۔۔ (سورۃ: بنی اسرائیل: ۱)

اب معراج کو تھوڑی وضاحت سے جان لیا جائے تا کہ معراج کو اس کی قیاسی ہیئت کے ساتھ

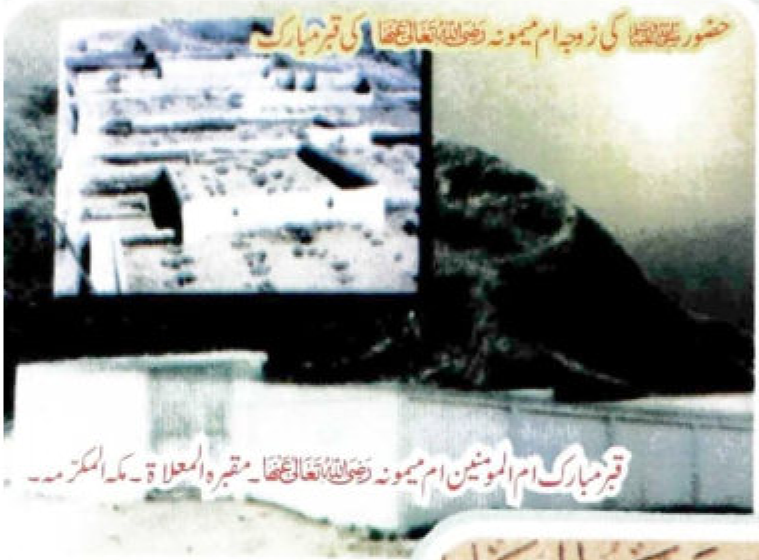

حضور ﷺ کی زوجہ ام میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک

قبر مبارک ام المومنین ام میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ مقبرہ المعلاۃ۔ مکہ المکرمہ۔

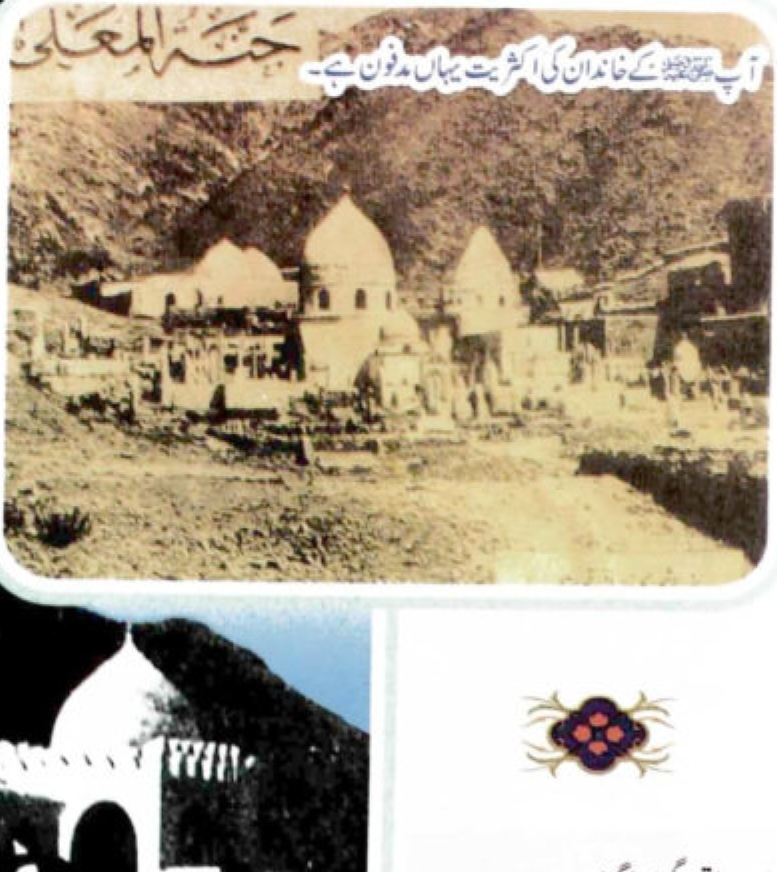

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاندان کی اکثریت یہاں مدفون ہے۔

مقام سرف

سرف وہ مقام ہے جہاں رسول اکرم ﷺ نے سنہ ۷ ھ میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور کچھ دیر قیام فرمایا۔ پھر یہیں سنہ ۵۱ ھ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی، آپ رضی اللہ عنہا کی قبر طریق ہجرۃ پر مکہ مکرمہ سے ۲۰ کلومیٹر پہلے داہنی جانب ہے۔ ابن ہشام۔

اب یہ مقبرہ گرادیا گیا ہے۔
مقام سرف (النواریہ) میں ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار مبارک جواب مسمار کردیا گیا ہے

ساتھ اسکے مرتبہ اور شانِ علو یہ سے بھی شناسائی میسر آسکے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے روحانی حالات وواقعات سے بارہا ثابت ہے کہ اولوالعظم پیغمبران کو آغاز نبوت یا کسی دیگر مخصوص ساعت میں یہ منصبِ رفیع نصیب ہوتا آیا ہے۔ معراج کو میں نے ''منصب رفیع'' کہا ہے جس کی وجوہ درجِ ذیل ہیں۔

۱۔ شرائط رؤیت کے تمام مادی پردے انکی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دئے جاتے ہیں۔

۲۔ اسبابِ سماعت کے دنیاوی قانون انکے لئے منسوخ کردئے جاتے ہیں۔

۳۔ قیودِ زمانی ومکانی کی تمام بیڑیاں انکے پاؤں سے اتار دی جاتی ہیں۔

۴۔ آسمانی اور زمینی مخفی مناظر انکے سامنے عیاں کردئے جاتے ہیں۔

۵۔ انہیں نور کا حلۂ بہشتی پہنا کر مخصوص فرشتوں کے جلو میں بارگاہِ قدس میں پیش کیا جاتا ہے۔

پھر وہ اپنے اپنے مرتبہ ودرجہ کی مناسبت سے اپنے اپنے مقام پر مؤدب کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور ہوتے ہیں۔ ان معزز ہستیوں میں سے بعض مقربان خاص کو اس سے بھی بڑے مرتبہ سے نوازا گیا کہ وہ حریم خلوت گاہِ قدس جل جلالہ میں دو کمانوں کے درمیانی فاصلہ سے بھی نزدیک تر ہو کر اس متحیر کن اعزاز سے فیض یاب ہوئے۔ پھر وہاں سے شرفِ ہمکلامی اور اپنے منصب کا فرمانِ خاص لے کر اپنے اسی کاشانۂ آب وخاک پر اپنی بشری حیثیت میں واپس آگئے۔ (خدا کی ایسی مقبول ومحبوب ہستی پر انگنت درُود اور بے بہا سلام)

علمِ کائنات میں ہے کہ یہ اعلیٰ ترین مرتبہ نبی آخر الزماں کو نصیب ہوا۔ (الحمدللہ) اس کا تفصیلی تذکرہ انشاءاللہ آئندہ کیا جائیگا۔ اس سے قبل دیگر معزز پیغمبران اور اولیائے کرام کو جس جس حیثیت اور صورتوں میں معراج ہوا ''حقیقتِ معراج'' کو سمجھنے کے لئے ان پر نظر ڈال لی جائے۔

حضرت ابراہیمؑ کو جب نبوّت عطا ہوئی تو ارشاد ہوا:۔

'' وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ... '' (انعام : ۷۵)

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان وزمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں''۔

اپنے خلیل کو یہ سیر ملکوت یعنی زمین وآسمان کی بادشاہت کا مشاہدہ کروانا کیا ہے؟ یہی خلیل اللہ علیہ السلام کی

اسرأو معراج ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے متعلق توراۃ شریف میں مذکور ہے:

> ''یعقوب بیرسبع سے نکلا اور حاران کی طرف روانہ ہوا، اور وہاں ایک مقام پر جا کر لیٹا، کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا، اور اسی مقام سے کچھ پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لیے، اور وہیں سو رہا، وہاں خواب دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے، جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھ اتر رہے ہیں، اور خدا اس پر کھڑا ہے، اور اس نے کہا میں ہوں خداوند، تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا، جس زمین پر تو سویا ہے وہ تجھ کو اور تیری نسل کو دونگا''۔ (تکوین۔۲۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر جلوۂ حق کا جو پرتو دکھائی دیا اور شرف ہمکلامی نصیب ہوا، وہی انکی معراج ہے۔

دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے مشاہداتِ ربانی اور سیاحتِ روحانی کی تفاصیل سے توراۃ شریف کے صفحات معمور ہیں۔ عیسائیوں کے مجموعہ اناجیل میں یوحنا، رسول کا مکاشفہ تفصیل سے مذکور ہے، جس میں انکو خواب کے ذریعہ بہت سے روحانی منظر دکھائے گئے اور قیامت کے واقعات تمثیلی رنگ میں انکے سامنے پیش کیے گئے۔ یہ پورا مکاشفہ جس کو سفر نامہ ملکوت کہہ سکتے ہیں بائیس بابوں میں ختم ہوا ہے اور اُن میں آثارِ قیامت، جزاوسزا، اور جنت و دوزخ کے بارے بہت سی ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں۔ جبکہ قرآن تو کہیں بعد میں نازل ہوا۔ تو کوئی شک نہیں کہ یہ یوحنا کی معراج ہے۔

اسی طرح مجوسی اپنے پیغمبر زردشت کے بارے بھی معراج کا ایک طویل افسانہ بیان کرتے آئے ہیں جس میں زیادہ تر آنحضرتؐ کے واقعاتِ معراج کے نقل کرنے کی کوشش بھی دکھائی دیتی ہے۔

نہ صرف یہی بلکہ لوگوں نے تو خدائی کلام میں بھی تحریفات کرنے سے گریز نہیں کیا۔ بہرحال مجوسی اور آتش پرست بھی چونکہ قبل از اسلام کا قصہ ہیں اس لئے حتمی طور پر اس افسانے کو یکسر رد کردینا بھی درست نہیں ہوگا۔ سو کہا جاسکتا ہے کہ یہ زردشت کا معراج ہو۔ اور جیسے پیروانِ بدھ نخلِ حکمت کے سایہ میں بدھ سے منسوب انکے مشاہدۂ ربانی کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ کیونکر انہیں ذات کبریاء جل جلالہ کی جانب سے زیارات وھدایات ترسیل فرمائی گئیں، جس کی پیروی کرتے ہوئے انہوں نے بت پرستی کے خلاف تبلیغ و جہاد اختیار کیا اور کامیابی سے ہمکنار بھی ہوئے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ انکا معراج ہے۔

بہرحال ان تماثیل سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ سے سیر ملکوت انبیاء کرام، مقربان الٰہی، دوستان و مدعیانِ تقربِ خداوندی کے سوانح کا جزو رہی ہے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے منصب و رُتبہ کے موافق اس روحانی عالم کے مشاہدہ سے فیض حاصل کیا ہے۔ اسلام نے تو اس خزانہ کو یہاں تک عام کردیا ہے کہ اہل ایمان کیلئے دن میں پانچ مرتبہ دربارِ حق تعالیٰ کے کسی نہ کسی گوشہ تک رسائی ممکن کردی ہے۔ اور ''الصلاۃ المعراج المومنین ''اس پر گواہ ہے۔ حیران کن ہے کہ آنحضرتؐ کے معراج پر شک کیا جائے۔ جبکہ حضورؐ سردارِ انبیاء اور سید اولادِ آدمؑ ہیں اس لئے خطیرۂ قدس اور بارگاہِ لامکاں میں انہیں اس مقام تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدمؑ کے قدم اس سے قبل نہیں پہنچے تھے، آنحضرتؐ نے وہ کچھ مشاہدہ فرمایا جو دوسرے مقربانِ بارگاہ کی حد نظر سے ماوریٰ رہا۔

اسراء و معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ طے ہے کہ مناصبِ مخصوصہ اور مقامات و مراتب علویہ کے جملہ خوش بخت حاملین میں سے کسی کو ایسی حضوری اور قربت نصیب نہ ہوئی جو شب معراج آنحضرتؐ کے مقدر رہوئی۔ کیونکہ عالم مثال میں کسی کو رؤیت حق تعالیٰ نصیب ہونا سوائے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور سے ثابت نہیں۔ معراج النبی میں اپنے رب تعالیٰ کے حضور اس اعلیٰ تر و برتر ترین اعزاز کے حصول میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز عاجزانہ ہی رہا، جو کہ بارگاہِ عزوجل میں بھی شرفِ قدر و منزلت سے نوازا گیا۔

شب معراج جبریلؑ نے براق پیش فرماتے ہوئے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ

عشاق کی سواری ہے' اس پر سوار ہو کر چلیئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' میرا شوق میری سواری ہے۔ میری آرزو میرا زادِراہ اور میری رات میری دلیل ہے۔ میں اسکے ذریعہ ذات کریم تک پہنچونگا۔ یہ سواری میرا وزن کیونکر اٹھائے گی' جس نے اسکی معرفت کا پہاڑ اٹھار کھا ہو۔ اُس راز کو اٹھار کھا ہو جس کو اٹھانے سے زمین وآسمان اور پہاڑوں نے معذوری کا اظہار کیا۔ بھلا ایسے کا بوجھ یہ ناتواں جانور کیونکر اٹھائے گا۔ یوں بھی میرا معبود حوادث وجہات سے منزہ و پاک ہے۔ حرکات سے چل کر کوئی بھی اسکی طرف نہیں جاسکتا۔ اسکے راستے کی راہنمائی اشارات سے ممکن نہیں''۔

اس پر روح الامینؑ عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالمِ مثال میں' دنیاوی دستور کے مطابق بادشاہ جب کسی کو مہمان کیا کرتے ہیں' تو اسکی تکریم کیلئے خدام اور سواریاں بھیجتے ہیں' یہ اسی دستور کے مطابق ہے' وگرنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ جو یہ گمان کرے کہ وہ اس تک ذاتی جہد سے پہنچ سکتا ہے غلطی پر ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے اس مبارک سفر پر آمادگی ظاہر فرمائی اور اپنے سفر اسرائ کیلئے مرکب اوّل (براق) پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے۔ براق کو اُس قلابہ میں باندھ کر جہاں انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے آپؐ نے مسجد اقصیٰ میں قدم رکھا اور یہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہاں آپکو جبریلؑ نے شراب اور دودھ کے دو پیالے پیش کئے تو آنحضرتؐ نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ جبریل نے کہا آپؐ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ اگر آپؐ دودھ کی بجائے شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپکی امت گمراہ ہو جاتی۔

بعدازیں مرکب ثانی (ملائکہ) کے ذریعہ آسمانِ دنیا تک پہنچے۔ یہاں داخلہ کے طریق کار کے مطابق جبریلؑ نے دربان کو آواز دی' پوچھا گیا کون ہے تو جبریلؑ نے اپنا نام بتایا۔ پھر سوال کیا گیا کہ آپکے ہمراہ کون شخصیت ہے تو جواب میں جبریلؑ نے حضورؐ کا تعارف کروایا۔ پھر سوال کیا گیا کہ کیا انہیں طلب فرمایا گیا ہے' تو جواب میں جبریلؑ نے فرمایا کہ ہاں انہیں بارگاہِ ایزدی میں طلب فرمایا گیا ہے' تو دروازہ کھول دیا گیا اور دربان فرشتے نے استقبال کرتے ہوئے'' مرحبا اے مہمانِ گرامی خوش آمدید'' کہا۔ پھر کہا کہ آسمان والے اس خبر کو سن کر خوش ہونگے' خداتعالیٰ زمین والوں سے جو کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک آسمان والوں کو اسکا علم نہ بخشے وہ کچھ نہیں جان سکتے۔

آپؐ جونہی آسمان میں داخل ہوئے ایک برگزیدہ شخص کو دیکھا' اس شخص نے بھی آپکو دیکھا اور دیکھتے ہی کہا۔ ''مرحبا اے نبی صالح مرحبا اے فرزند صالح'' آپؐ نے جبریلؑ سے پوچھا یہ شخص کون ہیں' جبریلؑ نے بتایا کہ یہ آپکے جدِامجد حضرت آدمؑ ہیں تو آپؐ نے سلام کیا اور اور انہوں نے بھی نہایت شفقت سے جواب دیا۔ اسی آسمان میں آپکو دو نہریں بہتی نظر آئیں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ نیل اور فرات کے سَوتے ہیں۔ پھر چلتے پھرتے ایک اور نہر نظر آئی جس پر موتیوں اور زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا' اور اس کی زمین مشکِ ازفر کی تھی۔ آپکا تجسس دیکھ کر جبریلؑ نے کہا یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے آپکے لئے مخصوص فرما رکھا ہے۔

پھر مرکبِ ثلاثہ (ملائکہ) کے ذریعے دوسرے تا ساتویں آسمان تک پہنچے (ہر آسمان میں داخلہ کیلئے دربان اور جبریلؑ میں اسی قسم کی گفتگو ہوئی) دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام (دونوں خالہ زاد بھائیوں) سے ملاقات ہوئی انہوں نے آپؐ جناب کو دیکھتے ہی ''مرحبا اے پیغمبر صالح مرحبا اے برادر صالح'' کہتے ہوئے استقبال کیا۔ آپؐ نے انہیں بھی سلام کیا اور جواب بھی پایا۔ تیسرے آسمان میں حضرت یوسفؑ ملے' جنہیں حسن سے ایک حصہ ملا تھا۔ انہوں نے بھی ''مرحبا اے پیغمبر صالح مرحبا اے برادر صالح'' کہہ کر استقبال کیا۔ سلام کرنے پر جواب پایا۔ چوتھے میں حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی انہی پاکیزہ استقبالی نعروں ''مرحبا اے پیغمبر صالح مرحبا اے برادر صالح'' سے خیر مقدم کیا اور اسی طرح سلام و جواب ہوا۔ پانچویں میں حضرت ہارونؑ سے ملے تو انہوں نے بھی ''مرحبا اے پیغمبر صالح مرحبا اے برادر صالح'' کہا۔ آپؐ نے سلام کیا اور جواب پایا۔ چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تو بھی ''مرحبا اے پیغمبر صالح مرحبا اے برادر صالح'' کے الفاظ سے خوش آمدید کہا گیا اور حسب سابق سلام و وعلیکم السلام ہوا۔ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے آپؐ کا خیر مقدم فرماتے ہوئے ''مرحبا اے پیغمبر صالح مرحبا اے برادر صالح'' کہا۔ آپؐ نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا۔ جبریلؑ نے بتایا کہ یہ آپکے باپ ابراہیمؑ ہیں جو اس وقت بیت معمور (آباد گھر) سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے' جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ پھر آپؐ اس مقام تک پہنچے جہاں قلمِ قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

پھر مرکب رابعہ (روح الامینؑ) کے ذریعہ سدرۃ المنتہیٰ (انتہا کی بیری کا درخت) تک پہنچے۔اس درخت پر شانِ ربانی یعنی امراللہ کا پرتو تھا۔ یہاں جبریلؑ اپنی اصلی کمالی ہیئت میں ظاہر ہو گئے۔اس سے اوپر جانے میں پروں کے جل جانے کا اندیشہ تھا۔اس لئے ستر ہزار نوری پردوں کو چیرتے ہوئے رفرف حاضر خدمت ہوا۔اس کے ذریعہ عرش معلیٰ تک پہنچے۔

پانچویں مرکب (رفرف) کی انتہا یہیں تک تھی۔آپؐ اپنے رب کی جستجو میں بے قرار عرش عظیم کے اطراف کسی کی تلاش میں تھے کہ عرش عظیم نے عرض کیا۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ آپؐ جانتے ہیں کہ وہ اپنی ذات میں لامحدود ہے۔اسے میری کیا حاجت ہوسکتی ہے یا میں اسے کیسے اٹھا سکتا ہوں۔ رحمان اسکا نامِ مبارک اور استویٰ اسکی نعت وصفت مبارکہ ہے۔وہ خالق اور میں مخلوق ہوں۔ مجھے اس کی عزت کی قسم میں اسکی جامعیت کو پراگندگی سے پاک دیکھتا ہوں۔نہ وہ فصلاً مجھ سے بعید ہے نہ وصلاً مجھ سے قریب ہے۔ میں کسی کو اسکی مثل نہیں پاتا۔اس نے اپنے فضل ورحمت سے مجھے ایجاد فرمایا اور اگر وہ مجھے نابود کرنا چاہے تو یہ بھی اسکا فضل وعدل ہی ہوگا۔

اسکے بعد چھٹے مرکب (تائید الٰہی) پر قدم رنجہ فرمایا' تو اوپر سے آوازِ مبارک کو سنا۔'' کیا آپؐ نے نہیں دیکھا کہ آپکا محافظ آپکے سامنے موجود ہے۔اس وقت آپؐ اور آپکا رب ہی یہاں موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔ میں حیرت میں منہمک ہوں' جو کہہ رہا ہوں جانتا نہیں' جو کر رہا ہوں پہچانتا نہیں۔عین اس وقت ایک قطرہ میرے لب پر آ کر گرا جو شہد سے زیادہ میٹھا' برف سے زیادہ ٹھنڈا' جھاگ سے زیادہ نرم اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔اسکی بدولت میں تمام انبیاء سے بڑھ کر علم والا ہو گیا اور میری زبان پر ''اَلتَحیَّاتُ الْمُبَارِکٰتُ لِلّٰہِ وَصَّلٰوۃُ وَطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ '' جاری ہو گیا۔ پھر مجھے جواب عطا فرمایا گیا۔''اَسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ ''۔تب میں نے سوچا مجھے جو خصوصیت اور شرف حاصل ہوا ہے کیوں نہ میں اپنی امت اور اپنے انبیاء وصالح بھائیوں کو اس میں شامل کرلوں۔ پس میں نے کہا۔''اَسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ ''۔پھر مجھے آوازِ مبارک آئی'' قریب ہوجا'' اور میں مقامِ قاب قوسین تک پہنچا اور یہ دنیٰ فتدلیٰ کے سبب سے تھا۔اس جگہ مقام' فاصلہ' زمانہ وغیرہ کی کوئی قید نہ تھی۔دنیٰ شفاعت کیلئے اور تقرب برضائے الیٰ اللہ کیلئے تھا۔دنیٰ لطافت اور فتدلیٰ اس پر مزید شفقت

ورحمت۔ تاہم میں نے رعب وہیبت شاہی کے پیش نظر کہا ''اعوذ بعفوک عن عقوبتک ''یعنی میں تیری صفت بخشش کے واسطہ سے تیرے عذاب سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تو ذات حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ حقیقت میری توحید کے مدعی کی نہیں' بلکہ یہ دعا آپکی امت کیلئے سہارا ہے''۔

یہ وہ مقام ہے جہاں اینَ کی حالت ختم ہوگئی یعنی بین وجستجوئے کیف سے فارغ ہوگیا۔ ندا آئی'' اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جہاں سے آپ کے قدموں کی ابتدا ہے وہیں تک کائنات کے اوہام کا انقطاع ہے۔ جب تک آپ سیرِ اینَ (یعنی زمان ومکان کی سیر) میں تھے' جبریل اور براق آپکا مرکب تھے۔ اب جبکہ آپ مکان سے نکل آئے اکوان سے غائب ہوئے اور جہات سے فارغ ہوئے' اب میں ہی آپکا رہبر ہوں۔ اب میں آپکے لئے دروازہ کھولتا ہوں یعنی حجاب اٹھا رہا ہوں اور شیریں خطاب سے نواز رہا ہوں۔ آپ نے غیب میں مجھے ایمان اور تحقیق سے تنہا دیکھا اور میری صفت بیان کی' اب یہ مہربانی کر رہا ہوں کہ عالم شہود میں دیکھ کر بھی ہماری حمد وثناء بیان کریں''۔ میری ہمت فنا ہوگئی اور میں نے عرض کیا۔ ''اَحصِی ثَنَاعَلَیکَ کَمَا اَثنَیتَ اَنتَ عَلٰی نَفسِکَ ''یعنی جس طرح تو اپنے نفس کی تعریف کے لائق ہے مجھ میں استعداد نہیں کہ اس طرح بیان کرسکوں۔ پروردگار نے فرمایا۔ آپکی زبان نے جس عجز وسکوت کا اظہار فرمایا' میں اسے ضرور صدق کا لباس پہناؤں گا اور اپنے شرفِ دیدار کے نازک وقت ایسا نور عطا کروں گا' جس سے آپ میرا نظارہٗ جمال کرسکیں گے اور زبان حال سے آپکو اپنی طرف عروج کے معانی سے روشناس کراؤنگا۔ تبھی میری نظریں جہات واشارات سے بے گانہ ہوگئیں اور میں ہرگمان وہر شئے سے فنا ہوکر دیدارِ حق میں منہمک ہوگیا۔ شاہد مستورِ ازل نے جو ظاہر فرمایا' میں نے دیکھا کہ ''لَیسَ کَمِثلِہٖ شَئی ''وہ ذات صمد ہے جو نہ کسی چیز پر ہے نہ کسی چیز میں ہے۔ نہ ہیکل نہ مثل۔ نہ کسی کیساتھ قائم نہ کسی کی محتاج۔ اس طرح ذات حق تعالیٰ نے بالمشافہ عالم شہود میں اپنے دیدار سے مشرف فرما کر مرتبہ شہادت عطا فرمایا' اور شاہد کا مطلب ہی دیکھ کر گواہی دینے والا ہے۔ پھر ذات حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اسرار سے آشنا فرمایا اور انہیں مستور ہی رکھنے کی تلقین فرمائی۔ یوں بھی خلوت گاہِ راز میں نازونیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت ونزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل ہی کہاں ہوسکتی''۔ ''فَاَوحٰی اِلٰی عَبدِہٖ مَآ اَوحٰی '' اب وحی فرمائی اپنے بندہ کو جو وحی فرمائی۔ (نجم: ۱۰)

یوں جو کچھ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے جاننے کو مل سکا' علمِ کائنات میں ہے اور اسرارِ حقیقت کے سر بستہ راز تو راز سے بھی راز میں ہیں۔ سو کون ایسا دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ حقیقت کیا تھی یا کیا ہے۔ یہ مراتب' وہ عطائے احسانِ عظیمہ ہیں کہ کائنات بھر میں کسی جن و بشر' کسی ولی' کسی نبی و مرسل' کسی مقرب فرشتہ' الغرض کل کائنات میں سوائے محمد عربی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور کو عطا نہ ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپسی پر بارگاہِ الٰہ سے تین عطیے مرحمت ہوئے۔

(۱) سورۃ البقر کی آخری تین آیات' جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تکمیل اور اس دورِ مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے۔ (۲) رحمت خاص نے مژدہ سنایا کہ امت محمدیؐ سے ہر کوئی جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو' کرمِ مغفرت سے سرفراز ہوگا۔ (۳) بذریعہ نداء آپکی امت پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔

آپؐ ان عطیات کو لے کر واپس لوٹے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچے اور انہوں نے پوچھا کہ بارگاہِ خاص سے کیا عطا ہوا۔ تو نمازوں کی تعداد میں تخفیف کروانے کی رائے دی۔ آپؐ بار بار مراجعت کرتے اور نمازیں کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا مزید تخفیف کی درخواست کیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ تبھی ندائے غیبی آئی کہ ''اے محمدؐ میرے حکم میں تبدیلی نہیں نمازیں پانچ ہونگی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دس گنا عطا کرونگا یہ پانچ بھی پچاس ہونگی میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور اپنا فیصلہ نافذ کر دیا''۔

واپسی پر آپؐ بیت المقدس پر اترے اور مسجد میں داخل ہوئے تو انبیائے کرام کا مجمع دیکھا۔ کچھ پیغمبران عبادت میں مشغول تھے کہ صبح کی نماز کا وقت ہوگیا۔ سب کے اصرار پر آپؐ جماعتِ انبیاء کی امامت سے سرفراز ہوئے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو پھر نداء آئی' محمدؐ: دوزخ کا داروغہ حاضر ہے' سلام کرو' آپؐ نے مڑ کر دیکھا تو داروغہ دوزخ (مالک) نے آپکو سلام کرنے میں سبقت کی۔

یہ واقعہ دلپذیر کس حتمی تاریخ کو پیش آیا اگرچہ اس میں اختلاف ظاہر ہوا ہے لیکن مستند روایات کے مطابق یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت نبویؐ سے ایک سال قبل ۱۷۔ ربیع الاوّل کو پیش آیا۔ بارگاہِ قدس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک بار بار آنے جانے' زمین پر بیت المقدس تک نزول فرمانے اور مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام تک آپکی واپسی کن مراکب یا کن ذرائع سے ہوئی اسکے بارے

معلومات میسر نہیں۔ البتہ تمام منازل طے کرنے کے بعد صبح آپؐ وہیں سے اٹھے جہاں گذشتہ شب آرام فرمانے کی غرض سے لیٹے تھے۔ اس بناء پر کئی احباب اسراءٔ و معراج کے روحانی یا جسمانی ہونے کے مباحثہ میں الجھ گئے۔ حالانکہ قرآن کے انداز سے صاف واضح ہے کہ معراج بالوجود تھا' نا کہ محض عالم رؤیا کی سیر تک محدود رہا۔

اگرچہ انبیاء کے خواب بھی وحی اور مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں' تاہم اندازِ کلام خود اس پر شاہد ہے اور ''سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ ... ''(بنی اسرائیل: ۱) میں اپنے ''بندہ کو'' کے الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ یہ اسراء اور معراج بالوجود تھا۔ کیونکہ بندہ کا اطلاق محض روحِ انسانی تک محدود نہیں بلکہ جسم و روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ تنہا روح کو بندہ یا عبد نہیں کہا جاتا۔

دوسرے براق پر سوار ہونا' دودھ کا پیالہ پینا' وغیرہ بھی جسمانی افعال ہیں۔ روح نہ تو سواری کی محتاج ہے نہ کبھی یہ سننے دیکھنے میں آیا ہے کہ روح کہیں دودھ پیتی پھر رہی ہو۔ تیسرے یہ کہ اگر یہ محض خواب ہوتا تو کفار و مشرکین کو اس واقعہ کی تکذیب کرنے کی چنداں ضرورت ہی درپیش نہ ہوتی۔ عام طور پر انسان خواب میں بہت سی انہونی اور محال سے محال چیزیں بھی واقعات کی شکل میں دیکھتا رہتا ہے۔ پھر کفار کے پیٹ میں درد اٹھنے کی تک ہی کیا تھی۔

چوتھی بات یہ کہ ''وَ مَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ'' (بنی اسرائیل: ۶۰) میں ہم نے اس مشاہدہ معراج کو لوگوں کیلئے معیارِ آزمائش بنایا ہے''۔ اگر یہ عام خواب ہوتا تو اس میں آزمائش ایمان کا باعث کیا چیز تھی اور خواب پر یقین کر لینا کسی کیلئے کیا دشوار تھا۔ پھر خواب میں یہ ارشادِ گرامی کیا معنی رکھے گا کہ جہاں اس وقت تمہارے قدموں کی ابتداء ہے یہیں تک کائنات کے اوہام کا انقطاع ہے۔ یعنی زیادہ سے زیادہ لائق و حاملِ علومِ متفرقہ کیلئے بھی اس سے آگے سوچ سکنا یا قیاس و گمان کرنا ممکن نہیں۔

پانچویں اور آخری بات یہ سوال ہے کیا حرم کے اس حصہ سے آگے جہاں آنحضرتؐ شب گزاری کیلئے آرام فرما رہے تھے کائنات بھر کی سوچ صرف یہاں تک محدود ہے؟ قطعی نہیں' سو ثابت ہے کہ آنحضرتؐ بحالتِ بیداری میں اپنے جسمانی معراج سے سرفراز فرمائے گئے اور جہاں آپکے قدم

مبارک بارگاہِ قدس میں اُس وقت موجود تھے وہ جگہ نہ صرف کرّہ ارض کے سوا ہے بلکہ خیال و گمان سے بھی ماورئی ہے۔

تاکیدی نوٹ:۔

معراج مصطفیٰ کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار و حقائق نہ کھولنے کے باوجود کچھ حضراتِ صوفیاء نے محض قیافہ و اندازہ سے جو گمان کر لیا' وہ قربت و وصل حق یعنی فنائیت کی ماہیت و حقیقت کی اصلیت سے متفرق و مختلف تھا۔اس میں شک نہیں کہ وحدۃ الوجود تو نام ہی محبوب حقیقی میں فنائیت کا ہے۔ بنگاہِ وحدۃ الوجود' منزلِ محبت کی معراج یہ ہے کہ ذات حق میں محبوب کو دیکھے یا محبوب میں ذات حق کا مشاہدہ کرے۔جیسا کہ فنافی الرسول ہستیوں کی معراج ہے۔جس کے بعد فنا فی اللہ کی منزل ہے جس کے حاملین کی معراج آسان اور کھلے الفاظ میں یہ کہ ''حق تعالیٰ کو خود میں دیکھے یا حق تعالیٰ میں خود کو دیکھے''۔ یہ مقام جہاں نہایت بلند و اعلیٰ ہے وہیں بہت احتیاط کا متقاضی بھی ہے' یہاں توحید الٰہی پر پختگی سے ایمان برقرار رکھنا ضروری ہے۔کسی مغالطہ کے احتمال کے پیش نظر اس حقیقت پر توجہ رکھنے کی اشد ضرورت ہے کہ خالق و مخلوق کبھی ایک نہیں ہو سکتے' ذاتِ قدیم اور ذاتِ حادث کا ایک ہو سکنا ناممکناتِ قطعی میں سے ہے۔سیدنا غوث الاعظمؓ کے فرمان کے مطابق خالق صرف ذات قدیم ہے اور جو کچھ اس نے خلق فرمایا وہ سب ذاتِ مخلوق ہے اور دو مختلف ذوات کبھی یک ذات نہیں ہو سکتیں۔

اسکی عطائے عظیمہ سے جب کسی کو قرب و وصل نصیب ہو تو صفات الٰہیہ کا ظہور فطری عمل کے تحت ہوتا ہے مگر یاد رہے کہ یہ سراسر ودیعی ہوتا ہے۔سو کسی کا مُردہ کو زندہ کر دینا' کسی کا چاند کو شق کر دینا' کسی کا تقدیرات کو پھیر دینا' انکو خدا نہیں کر دیتا۔وحدۃ الوجود کا کبھی یہ دعویٰ نہیں رہا کہ جسے تصرفِ کن عطا فرمایا جائے وہ صاحب کن قرار پا جائے۔حامل بالعطا اور حامل بالذّات کے فرق کو کبھی معدوم نہ ہونے دینا چاہئے۔پس کسی صورت خلافِ شرعِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نظریہ یا عقیدہ ہرگز قائم نہ کرے۔ وگرنہ اس بلند مرتبی کو (معاذ اللہ) اسفل سافلین تک گرتے دیر نہیں لگتی۔

ہجرت مدینہ کی تیاری

معراج النبیؐ چونکہ ہجرتِ مدینہ سے محض ایک سال قبل وقوع پذیر ہوا تھا اس لئے ہم حضورؐ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے انکی ہجرت کے ماحول کو بنتے اور تکمیل پاتے دیکھیں گے۔ معراج شریف کے موقع پر جو آیات شریفہ آنحضرؐت کو تحفہ میں عطا ہوئیں ان سے صاف ظاہر تھا کہ موجودہ اذیت ناک حالات کے خاتمے کا وقت اب قریب ہے۔ اسلام کو پھلنے پھولنے کیلئے جس پرُ امن ماحول کی ضرورت تھی وہ دستیاب ہونے والا ہے اور اسلام قبول کرنے والے خوش بخت افراد کی فراوانی کی نوید بھی الگ سے سنائی جا چکی تھی۔ پھر ان آیات کے پہلو بہ پہلو کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن میں مسلمانوں کو ایسے تمدنی قواعد وضوابط اور دفعات ومبادی بتلائے گئے ہیں جن پر آئندہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر ہونیوالی تھی۔ گویا وہ ایک ایسی سرزمین پر ٹھکانا بنانے والے ہیں' جہاں ہر پہلو سے انکے معاملات انکے اپنے ہاتھوں میں ہونگے اور وہ ایک ایسی وحدت متماسکہ بنالیں گے جس پر سماج کی چکی گھوما کرتی ہے۔ ان آیات میں واضح اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی پرُ امن جائے پناہ پالیں گے جہاں آپکے دین کو استقرار نصیب ہوگا۔

اسرأ ومعراج کے بابرکت واقعہ کی تہہ میں پوشیدہ حکمتوں اور رازہائے سربستہ میں سے بیعتِ عقبہ اوّل و بیعت عقبہ دوم کی پس پردہ حکمتوں کا بھی ہمارے آئندہ موضوع سے براہ راست تعلق ہے۔ اسرأ کا یہ واقعہ بیعت عقبہ اولیٰ سے کچھ ہی پہلے کا ہے یا دونوں بیعتوں کے درمیان کا ہے۔

پہلی بیعتِ عقبہ

یوں تو عقبہ پہاڑ کی گھاٹی' یعنی تنگ پہاڑی گزرگاہ کو کہتے ہیں لیکن یہاں خاص طور پر مکہ سے منیٰ آتے جاتے ہوئے منیٰ کے مغربی کنارے پر جس تنگ پہاڑی راستے سے گزرنا پڑتا تھا۔ اسی گزرگاہ کا نام عقبہ مشہور ہے۔ دس ذی الحجہ کو حجاج اکرام جس جمرہ کو کنکریاں مارتے ہیں وہ اسی گزرگاہ کے سرے پر واقع ہے اور باقی دو جمرے اس سے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر ہیں۔ چونکہ منیٰ کا پورا میدان جہاں حجاج

قیام کرتے ہیں' ان تینوں جمرات کے مشرق میں ہے۔اس لئے ساری چہل پہل اُدھر ہی رہتی ہے اور کنکریاں مارنے کے بعد لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔اسی لئے آنحضرتؐ نے اہلِ یثرب سے بیعت لینے کیلئے اس گھاٹی کو منتخب فرمایا اور اسی نسبت سے اس کو بیعت عقبہ کہا جاتا ہے۔

نبوّت کے گیارہویں سال موسم حج میں یثرب سے آئے چھ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور آنحضرتؐ سے وعدہ کیا کہ اپنی قوم میں جا کر آپکی رسالت کی تبلیغ کریں گے۔اگلے سال موسم حج میں وہ لوگ پھر آئے تو سات نئے لوگ انکے ہمراہ تھے۔ان میں سے دو لوگ قبیلہ اوس سے تھے باقی قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔انہوں نے منٰی میں عقبہ کے پاس آنحضرتؐ سے ملاقات کی اور آپکے دست مبارک پر بیعت کی۔

حضرت عبادہؓ بن صامت بحوالہ صحیح بخاری روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ہمیں فرمایا آؤ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے' چوری نہ کرو گے' زنا نہ کرو گے' اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے' خود سے گھڑ کر کسی پر بہتان نہ لگاؤ گے اور کسی بھلی بات میں کبھی میری نافرمانی نہ کرو گے۔جو شخص یہ ساری باتیں پوری کرے' تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔اور جو کوئی منع کی گئی باتوں میں سے کسی کا ارتکاب کر بیٹھے اور اسے دنیا میں ہی اسکی سزا دی جائے تو یہ اسکے لئے کفارہ ہوگی۔اور اگر اللہ اس پر پردہ ڈال دے تو اسکا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' چاہے تو اسکو سزا دے اور چاہے تو اسے معاف فرمادے۔حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس پر آپؐ سے بیعت کی۔

قابلِ رشک کامیابی

بیعت تکمیل پا گئی اور حج ہو چکا تو آنحضرتؐ نے واپسی پر حضرت مصعبؓ بن عمیر کو یثرب میں اپنا پہلا سفیر نامزد کر کے انکے ہمراہ روانہ فرمایا' تا کہ وہ مسلمانوں کو اسلامی احکام کی تعلیم دے اور دین کے درو بست سکھائے۔ جو لوگ ابھی تک شرک سے باز نہیں آئے انہیں شرک کی قباحت اور اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کرے۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر مدینہ پہنچے تو حضرت زُرارہؓ کے گھر قیام فرمایا اور دونوں نے اہل یثرب میں نہایت جوش وخروش سے اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔ایک روز اسعد زرارہؓ اور حضرت مصعبؓ بسلسلہ تبلیغ بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کے محلے میں گئے اور بنی ظفر کے باغ میں مرق نامی کنویں پر بیٹھ گئے۔انکے پاس چند مسلمان بھی جمع ہوگئے۔اس وقت تک بنی عبدالاشہل کے دونوں سردار یعنی حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت اسیدؓ بن حضیر مسلمان نہیں ہوئے تھے۔جب انہیں خبر ہوئی تو سعدؓ نے حضیرؓ سے کہا کہ ذرا جاؤ اور ان دونوں کو' جو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانے آئے ہیں' ڈانٹ دو اور ہمارے محلے میں آنے سے منع کردو۔چونکہ اسعدؓ بن زرارہ میری خالہ کا لڑکا ہے اس لئے تمہیں بھیج رہا ہوں ورنہ یہ کام میں خود انجام دیتا۔

اسیدؓ نے اپنا حربہ اٹھایا اور ان دونوں کے پاس پہنچے۔اسے قریب آتا دیکھ کر حضرت سعدؓ نے مصعبؓ سے کہا: یہ اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آرہا ہے اس سے سیدھی اور سچی بات کرنا۔مصعبؓ نے فرمایا اگر یہ ہمارے پاس بیٹھا تو ضرور بات کرونگا۔اسیدؓ انکے پاس پہنچ کر کھڑے ہوگئے اور سخت سست کہنے لگے کہ تم ہمارے لوگوں کو بیوقوف بناتے ہو؟ یاد رکھو اگر تمہیں جان پیاری ہے تو ہم سے الگ رہو۔ حضرت مصعبؓ نے کہا: آپ کیوں نہ تحمل سے ذرا بیٹھ جائیں اور ہماری بات سن لیں۔اگر کوئی بات پسند آجائے تو قبول کرلیں پسند نہ آئے تو چھوڑ دیں۔اسیدؓ نے اپنا حربہ زمین میں گاڑ کر بیٹھ گئے۔حضرت مصعبؓ نے اسلام کی بات شروع کی اور قرآن کی کچھ آیات تلاوت کیں تو اسیدؓ کے کچھ بولنے سے پہلے ہی دونوں نے انکے چہرے کی چمک دمک سے انکے اسلام کا اندازہ لگالیا۔اسیدؓ بولے یہ تو بہت عمدہ کلام اور خوب تر کلام ہے' اچھا اگر کسی کو اپنے دین میں شامل کرنا چاہو تو کیا کرتے ہو۔حضرت مصعبؓ نے غسل سے پاک صاف ہونے کپڑوں کو پاک کرنے اور حق کی شہادت دینے اور دو رکعت نماز ادا کرنے کا طریق بیان کیا۔حضرت اسیدؓ نے ایسا ہی کیا اور پھر کہنے لگے میرے پیچھے ایک اور شخص ہے' اگر وہ بھی تمہارا پیروکار بن جائے تو اسکی قوم کا کوئی فرد پیچھے نہ رہے گا۔میں اسے بھی تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔اتنے میں سعدؓ غصے میں مصعبؓ کے پاس پہنچے اور دل کا غبار نکالنے لگے۔حضرت مصعبؓ نے تحمل

سے کام لیا کیونکہ وہ سن چکے تھے کہ اگر یہ شخص اسلام قبول کر لے تو اس کا تمام قبیلہ پیچھے نہ رہے گا۔ پھر پیار سے کہا اگر کچھ دیر تشریف رکھیں اور ہماری بات سن لیں تو آپکے اور آپکے قبیلے کیلیئے مفید ہوگی وگرنہ ہم آپکی بات مان کر یہاں سے چلے جائیں گے' نقصان آپ ہی کا ہوگا۔ اس پر سعد بھی اپنا نیزہ گاڑھ کر بیٹھ گئے تو مصعبؓ نے اسلام کا تعارف کروایا اور چند آیات تلاوت کیں تو سعد بھی متاثر ہو گئے اور انہوں نے بھی طریق کار کے مطابق غسل کر کے اسلام قبول کر لیا۔

بعد ازاں انہوں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور اپنی قوم میں لوٹ گئے' اپنے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہنے لگے: اے بنی عبدالاشہل تم اپنے اندر میرا معاملہ کیسا جانتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا آپ ہمارے سردار ہیں کیا ہی خوب سوجھ بوجھ کے مالک ہیں اور ہمارے سب سے اچھے پاسبان ہیں' اس پر انہوں نے اعلانیہ کہا کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں اور اب تمہارے مردوں اور عورتوں سے میری بات چیت حرام ہے' جب تک تم لوگ بھی اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان نہ لے آؤ۔ انکی بات سن کر پہلے پہل تو سب کا رنگ فق ہوتا دکھائی دیا' لیکن انکی بات کا اثر یہ ہوا کہ شام ہوتے ہوتے اس قبیلے کا کوئی مرد اور کوئی عورت ایسی نہ بچی جس نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ البتہ اصیرم نامی ایک شخص غزوہ اُحد تک مسلمان نہ ہوا۔ لیکن عین عزوۂ اُحد والے دن اس نے بھی اسلام قبول کر لیا اور جہاد میں شریک ہوا' اور لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ اس نے ابھی تک اللہ تعالیٰ کیلیئے ایک سجدہ بھی ادا نہیں کیا تھا مگر آنحضرتؐ نے فرمایا: اس نے تھوڑا عمل کیا اور زیادہ اجر پایا۔

حضرت مصعبؓ حضرت اسعدؓ بن زرارہ ہی کے گھر مقیم رہ کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ انصار کا کوئی گھرانہ ایسا نہ بچا جس میں چند عورتیں یا کچھ مرد مسلمان نہ ہو گئے ہوں۔ بہر حال اگلے موسم حج یعنی تیرھویں سن نبوت کا موسم حج آنے سے پہلے حضرت مصعبؓ بن عمیر اپنی کامیابیوں کی بشارتیں لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں مکہ تشریف لائے اور آپؐ نے ان سے قبائل یثرب کے حالات اور ان کی لیاقتوں کے بارے معلومات حاصل کیں۔

دوسری بیعت عقبہ

جون ۶۲۲ء یعنی نبوت کے تیرھویں سال حج کے موقع پر یثرب کے ستر سے زیادہ مسلمان فریضۂ حج کی ادائیگی کیلئے مکہ تشریف لائے۔ وہ اپنی قوم کے مشرک حاجیوں میں شامل ہوکر نکلے تھے' سفر کے دوران ایک دوسرے سے گفتگو کا موضوع زیادہ تر آنحضرتؐ کی تلخ وتنگ مکی زندگی کے بارے ہی رہا۔ وہ ایک دوسرے سے استفہامیہ لہجہ میں بات کرتے کہ آخر ہم کب تک انہیں یونہی مکے کے پہاڑوں میں چکر کاٹتے دیکھتے رہیں گے۔ وہ جس طرح خوفزدہ کئے جانے اور ٹھوکریں کھانے پر مجبور کئے جاتے ہیں' ہم انکو ایسی حالت میں پستے اور گھٹ گھٹ کر سانس لیتے کب تک دیکھتے رہیں گے۔ کیوں نہ انہیں اپنے ہمراہ یثرب لے جائیں یا اپنے ہاں آنے کی دعوت دیں۔

جب یہ لوگ مکہ پہنچ گئے تو انہوں نے درپردہ حضورؐ سے رابطہ کیا اور اپنی اس تکلیف دہ پریشانی کا اظہار کیا جو سراسر آنحضرتؐ کی محبت کی آئینہ دار تھی۔ نہ صرف مسلمانانِ یثرب بلکہ مکہ میں موجود مسلمان بھی ایسی حالت پر خاموش تماشائی بنے رہنے پر تیار نہ تھے مگر مجبور تھے۔ اہل یثرب بھی جانتے تھے کہ یہ ذمہ داری کوئی آسان کام ہرگز نہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ ایام تشریق کے درمیانی روز یعنی بارہ ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ میں سب لوگ اکٹھے ہوں جہاں اس موضوع پر بات چیت کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے۔ نیز فرمایا کہ یہ اجتماع رات کی تاریکی میں اور بالکل خفیہ طریقہ پر منعقد ہو۔

اس اجتماع کے احوال انصار کے وفد کے قائد کی زبانی سنیں' جس اجتماع نے شرک اور اسلام کی جنگ میں رفتارِ زمانہ کا رُخ بدل کے رکھ دیا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

''ہم لوگ یثرب سے حج کیلئے نکلے۔ مکہ میں حضورؐ سے ملاقات طے ہو چکی تھی۔ ہم نے اس سے پیشتر ایک معزز سردار عبداللہ بن حرام کو (جو ابھی ایمان نہ لائے تھے) بھی ساتھ ملا لیا۔ انہیں بڑے خلوص سے اسلام کی دعوت دی اور انہیں کہا: اے ابوؓ جابر آپ ہمارے ایک معزز اور شریف سربراہ ہیں' اسلئے ہم آپکو موجودہ حالتِ شرک سے نکالنا چاہتے ہیں کہ کل کلاں آتش دوزخ کا ایندھن نہ بن

جائیں۔خوش قسمتی سے انہوں نے اسلام قبول کرلیا' ہم نے انہیں بتلایا کہ آج عقبہ میں ہماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات طے ہے تو وہ بھی ہمارے ساتھ گھاٹی میں تشریف لے گئے اور نقیب بھی مقرر ہوئے''۔

حضرت کعبؓ اس واقعہ کی تفصیل بتاتے ہیں کہ رات ہم حسب دستور اپنی قوم کے ساتھ سوئے اور پھر دو تہائی رات گزر جانے کے بعد خاموشی سے اپنے اپنے ڈیروں سے نکل کر نبیؐ سے ملاقات کیلئے مقام عقبہ پر اکٹھا ہوگئے۔ہم لوگوں کی تعداد چھپتّر تھی جن میں تہتر مرد اور دو عورتیں' ام عمارہؓ نسیبہ بنت کعب تھیں جو قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں' اور دوسری خاتون اُم منیع اسماءؓ بنت عمرو تھیں' جن کا تعلق قبیلہ بنوسلمہ سے تھا۔آنحضرتؐ کا انتظار ہو رہا تھا کہ وہ اپنے چچا عباسؓ بن ابوالمطلب کے ہمراہ تشریف فرما ہوگئے۔اگرچہ حضرت عباسؓ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر ہی تھے لیکن اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہنا اور اطمینان کرلینا چاہتے تھے۔

مجلس کے مکمل ہوجانے پر معاملے کی نزاکت اور دیگر متوقع مشکلات کے بارے آگاہ کرنے' شرائح کھولنے نیز دینی اور فوجی تعاون کے عہدو پیمان کو قطعی اور حتمی شکل دینے کیلئے گفتگو کا آغاز ہوا۔پہلے حضرت عباسؓ نے زبان کھولی تاکہ صاف دلی وصراحت کے ساتھ اس ذمہ داری کی نزاکت کو واضح کردیں جو اس عہدو پیمان کے نتیجے میں اہل یثرب کے سر پڑنے والی تھی۔چنانچہ انہوں نے کہا:۔

اے خزرج (اوس و خزرج دونوں) کے لوگو:۔''ہمارے اندر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حیثیت ہے وہ تم کو معلوم ہے۔وہ اپنی قوم اور شہر مکہ میں اسلام میں داخل ہوچکے لوگوں کے ساتھ قوت وعزت اور طاقت وحفاظت سے ہیں۔وہ تمہارے ہاں جانے اور تمہارے ساتھ الحاق کرنے میں بھی راضی ہیں۔ لہٰذا' اگر تم سمجھتے ہو کہ تم انکے مخالفین سے انکی حفاظت کرسکو گے اور جو ذمہ داری اٹھاؤ گے اسے نبھاؤ گے تب تو ٹھیک ہے۔اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ مشکل وقت پر تم انہیں چھوڑ کر کنارہ کش ہوجاؤ گے تو ابھی سے انہیں چھوڑ دو' کیونکہ ہر تکلیف و پریشانی کے باوجود وہ اپنی قوم اور شہر میں بہرحال عزت وحفاظت سے ہیں''۔

حضرت کعبؓ کہنے لگے عباس رضی اللہ عنہ تم نے جو کچھ کہا' ہم نے سن لیا۔ اب اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ اپنے لئے اور اپنے رب کیلئے جو عہد و پیمان پسند فرمائیں بے جھجک ہم سے کر لیجئے۔ انکے اس جواب سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم ذمہ داری کو اٹھانے اور اسکے پُرخطر نتائج کو جھیلنے کے سلسلہ میں انصار کے عزمِ محکم' شجاعت' ایمان اور جوش و اخلاص کا کیا معیار تھا۔

حضرت جابرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ ہم آپؐ سے کس بات پر بیعت کریں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے گفتگو کا آغاز فرمایا۔ پہلے قرآن کی تلاوت کی پھر اللہ کی طرف دعوت دینے اور اسلام کی تبلیغ کرنے کی طرف ترغیب دی۔ پھر جن باتوں پر بیعت لی جانی تھی ان کو بیان فرمایا کہ تم لوگ اس بات پر بیعت کرو گے کہ:۔

(۱) چستی یا سستی ہر حال میں میری بات سنو گے اور مانو گے۔

(۲) تنگی اور خوشحالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔

(۳) بھلائی کا حکم کرو گے اور برائی سے روکو گے۔

(۴) اللہ کی راہ میں اٹھ کھڑے ہو گے اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی پرواہ نہ کرو گے۔

(۵) جب میں تمہارے پاس آ جاؤں تو میری نصرت کرو گے اور جس چیز سے اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری بھی حفاظت کرو گے۔ اور تمہارے لئے جنت ہے۔

اس پر حضرت براؓ بن معرورؓ نے شدت جذبات سے آنحضرتؐ کا ہاتھ پکڑ کر کہا ہم جنگ کے بیٹے ہیں ہتھیار ہمارا کھلونا ہیں اور باپ دادا سے ہماری یہی ریت چلی آتی ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپکو نبیؐ برحق بنا کر بھیجا ہے ہم یقیناً اس چیز سے آپکی حفاظت کریں گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں لہٰذا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے بیعت لیجئے۔ حضرت براؓء ابھی بات کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثمؓ نے بات کاٹتے ہوئے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات کہنے کی اجازت دیں کہ آپ ہمیں چھوڑ کر واپس تو نہ چلے جائیں گے۔ ہمارے اور یہود کے درمیان عہد و پیمان کی رسیاں بندھی ہوئی ہیں جنہیں ہم کاٹنے والے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم ایسا کر ڈالیں اور اللہ

آ پکو غلبہ اور ظہور عطا فرمائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ جائیں۔

یہ سن کر آپؐ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”نہیں‘ بلکہ آپ لوگوں کا خون میرا خون اور آپ لوگوں کی بربادی میری بربادی ہے۔آپ مجھ سے ہیں اور میں آپ سے ہوں۔جس سے آپ جنگ کریں گے میں بھی اس سے جنگ کرونگا اور جس سے آپ صلح کریں گے میں بھی اس سے صلح کے ساتھ رہونگا“۔یہ سن کر سب نے نہایت اطمینان محسوس کیا۔

بیعت کی خطرناکی کے بارے دوبارہ یاددہانی

بیعت کی شرائط کے متعلق گفت وشنید مکمل ہوچکی اور لوگ بیعت شروع کرنے لگے تو صف اوّل کے دومسلمان یکے بعد دیگرے اٹھے تا کہ اس بیعت کے بعد اسکی ذمہ داری کی نزاکت اور خطرناکی کی پھر سے وضاحت کر دیں اور لوگ معاملے کے سارے پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہی جو فیصلہ لینا چاہیں لیں۔اس سے یہ بھی پتا لگانا مقصود تھا کہ قوم کس حد تک قربانی دینے کو تیار ہے۔کہ لوگوں نے بیک آواز پکار کر کہا:۔”خدا کی قسم ہم اس بیعت کو نہ چھوڑ سکتے ہیں نہ توڑ سکتے ہیں“۔

جب بیعت مکمل ہوچکی تو آنحضرتؐ نے سب کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ بارہ سردار چن لئے جائیں جو اپنی قوم کے نقیب ہوں۔وہی اپنے اپنے لوگوں سے بیعت کی شرائط پر عمل درآمد کروانے کے ذمہ دار ہوں۔چنانچہ فوراً یہ انتخاب عمل میں آگیا اور یہ لوگ اسی خاموشی سے اپنے اپنے ڈیروں کو لوٹ گئے اور اپنے ساتھیوں کے اٹھنے سے پہلے جا کر سو گئے‘ یہاں تک کہ نمازِ صبح کا وقت ہوگیا۔بہرحال ایسے بڑے بڑے واقعات کہاں چھپ سکتے ہیں‘ جونہی یہ خبر جانکاہ قریش تک پہنچی ان میں کہرام مچ گیا اور وہ آنحضرتؐ کو زندہ بچ نکلنے سے روکنے کی تدبیریں کرنے میں جُٹ گئے۔

رؤسائے یثرب سے قریش کا احتجاج

اس جیسی بیعت کے جو نتائج قریش کے جان و مال پر مرتب ہوسکتے تھے انکا اندازہ انہیں بخوبی ہوگیا تھا۔چنانچہ انکے رؤسا اور اکابرین کے بھاری بھرکم وفد نے اس معاہدہ کے خلاف احتجاج

کرنے کیلئے اہل یثرب کے خیموں کا رُخ کیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے:۔

اے خزرج کے لوگو ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے صاحب کو یہاں سے نکال لے جانے کیلئے آپس میں معاہدہ کیا ہے اور ہم سے جنگ کرنے کیلئے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ جب کہ تم جانتے ہو کہ عرب کے کسی قبیلہ سے جنگ کرنا ہمارے لئے اتنا زیادہ ناگوار نہیں جتنا آپ لوگوں سے ہے۔ چونکہ یثرب کے مشرکین اس واقعہ سے یکسر ناواقف تھے اور یہ کاروائی نہایت خاموشی اور رازداری سے اور اِن لوگوں کے سوتے ہوئے طے پائی تھی اس لئے انہوں نے قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے کی کوشش کی کہ ایسا کوئی واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں۔ پھر یہ وفد عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس پہنچا تو اس نے بھی اس بات کو باطل قرار دیا اور اس قسم کی کسی بات کے وقوع پذیر ہونے کی تردید کی۔ کہنے لگا یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ میری قوم مجھے چھوڑ کر اس طرح کا کوئی کام کر ڈالے۔ میں اگر یثرب میں ہوتا تو بھی میری قوم مجھ سے مشورہ کئے بغیر ایسی کوئی بات نہ کر سکتی۔ ایسے پر اعتماد طریقے سے بات کرنے اور نہایت پُر زور لہجہ میں انکار کرنے سے رؤسائے قریش بھی متزلزل ہو گئے اور انکا رجحان یہ ہو گیا کہ انکی بات سچ لگتی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی نے خوامخواہ ایسی افواہ اڑائی ہو' اسلئے وہ واپس لوٹ گئے۔

بیعت کرنے والوں کا تعاقب

رؤسائے قریش اس یقین کے ساتھ واپس پلٹے تھے کہ یہ خبر درست نہیں' لیکن وہ اس کی کرید میں لگے رہے اور مختلف شواہد کے دستیاب ہوتے ہی بالآخر وہ جان گئے کہ یقینی طور پر یہ بیعت ہو چکی ہے' لیکن انہیں اس بات پر یقین آتے آتے دیر ہو چکی تھی اور حجاج اپنے اپنے وطن روانہ ہو چکے تھے۔ قریش نے تیز رفتاری سے اہل یثرب کا پیچھا کیا لیکن موقع نکل چکا تھا' البتہ انہوں نے سعدؓ بن عبادہ اور منذرؓ بن عمرو کو جا لیا۔ منذرؓ زیادہ تیز نکلے اور بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے البتہ سعدؓ بن عبادہ انکی گرفت میں آ گئے۔ انکے ہاتھ گردن کے پیچھے انہی کے کجاوے کی رسی سے باندھ کر انہیں مارتے پیٹتے بال نوچتے اور مغلظات بکتے ہوئے مکہ لیجایا گیا۔ جہاں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے سعدؓ بن عبادہ کو

چھڑوادیا' کیونکہ اُن دونوں کے جو تجارتی قافلے مدینہ سے گزرتے تھے وہ سعدؓ بن عبادہ ہی کی پناہ میں گزرتے تھے۔ادھر انصار انکی گرفتاری پر برہم ہوتے ہوئے مشورہ کررہے تھے کہ کیوں نہ دھاوا بول کر انہیں چھڑوالیا جائے کہ اتنے میں وہ واپس آتے نظر آگئے۔اسکے بعد سب لوگ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔

یہی عقبہ کی دوسری بیعت کہلاتی ہے جسے بیعت کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔یثربی اہل ایمان کے دل اپنے کمزور مکی بھائیوں کی محبت سے لبریز تھے۔انکے اندر اِن بھائیوں کی حمایت کا جوش تھا اور اُن پر ظلم کرنے والوں کے خلاف غم وغصہ تھا۔یہ جذبات واحساسات عارضی نہیں تھے جو کچھ دن گزرنے کے ساتھ ہی کافور ہوجایا کرتے ہیں۔بلکہ اس محبت کی بنیاد ایمان باللہ' ایمان بالرسول' اور ایمان بالکتاب پر تھی'جس بنیاد نے دنیا بھر کے تمام اہل ایمان کو آپس میں ایک مضبوط برادرانہ رشتے میں باندھ دیا تھا۔

ہجرت کے ہراول دستے

بیعت عقبہ مکمل ہوچکی تھی اور یہ ایسی اہم کامیابی تھی جو اسلام نے آغازِ دعوت سے اب تک حاصل کی تھی۔مشرکین قریش بولائے اور بوکھلائے لوگوں کی ایک فوج تھی جو مسلمانوں کو انکے رہنما سمیت صفحہ ہستی سے مٹادینے پر تُل گئی تھی۔انکی حالت زخمی شکار کی مانند تھی جو زخمی ہوکر اور بھی خطرناک ہوجاتا ہے۔آنحضرتؐ کو صورتِ حالات کا بخوبی اندازہ تھا اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو اجازت فرمائی کہ وہ اپنے نئے وطن کی طرف ہجرت کرجائیں۔ہجرت کے سیدھے سیدھے معانی تھے کہ اپنے کاروبار' لین دین اور (جائیداد واموال اگر کوئی ہوں یعنی) اپنے سب مفادات کو تج کر صرف اپنی جانیں بچالی جائیں۔تمام راستہ بھی شروع سے منزل پر پہنچ جانے تک جان کے خطرہ سے مبرّا نہیں تھا۔انہیں یہ تک علم نہیں تھا کہ منزل تک پہنچ جانے پر بھی مستقبل میں انکی کیا حالت ہوگی اور وہاں کن مسائل ومصائب سے سابقہ ہونے والا ہے۔

ہجرت کرنے والوں میں سب سے پہلے ابوسلمہؓ تھے جنہوں نے ایک سال قبل پہلی بیعت عقبہ کے بعد ہجرت کی۔انکے بیوی بچے بھی انکے ہمراہ تھے۔لیکن عین روانگی کے وقت انکے سسرال والوں

نے اپنی بیٹی پر حق جماتے ہوئے انکی بیوی کو زبردستی روک لیا کہ اپنی بیٹی کو شہر شہر خوار ہونے کیلئے تمہارے ساتھ روانہ نہیں کر سکتے۔ابو سلمہؓ کے گھر والوں کو بھی طیش آ گیا اور کہنے لگے جب تم نے اسکی بیوی اس سے چھین لی ہے تو ہم اپنا بیٹا اس عورت کے پاس کیوں چھوڑیں۔چنانچہ دونوں فریق بچے کو اپنی اپنی طرف کھینچنے لگ گئے جس سے بچے کا ہاتھ اکھڑ گیا۔یہ زخمی بچہ ابو سلمہؓ کے قبضہ میں آ گیا اور انکے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ چلا گیا۔ادھر اُم سلمہ کا یہ حال کہ روزانہ اٹھ کر اس مقام پر جا بیٹھتی اور سارا دن روتی رہتی جہاں اس کا شوہر اور بیٹا اس سے الگ کر دیے گئے تھے۔اس قسم کے انگنت واقعات ہجرت کرنے والوں کے بوجھ و تکلیف میں اضافہ کا باعث بنتے رہے۔اگر انہیں بیان کیا جائے تو ایک زخیم کتاب الگ سے اس موضوع کی متقاضی ہے۔بہر حال بہت سے مہاجرین راستہ ہی میں قریش کے ہتھے چڑھ گئے۔بہت سوں کو منزل پر پہنچ جانے کے بعد بھی حیلے بہانوں سے ورغلا کر واپس لیجایا گیا۔اور انکے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا وہ نہایت دلدوز تھا۔اس کے باوجود مسلمان مکے سے ہجرت کرتے رہے اور دو تین ماہ کے اندر اندر مکہ مسلمانوں سے تقریباً خالی ہو گیا۔آنحضرتؐ اور انکے ساتھ ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ کوئی مسلمان باقی نہ رہا سوائے ان چند مسلمانوں کے جنہیں قریش نے زبردستی روک رکھا تھا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنا رخت سفر باندھ کر تیار رکھا ہوا تھا کہ جونہی حکم ملے کسی قسم کی تاخیر کے بغیر روانہ ہو سکیں۔آپؐ کے ساتھی بھی سوال کرتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کب کوچ کریں گے تو جواب ملتا میں خود بھی حکم باری تعالیٰ کے انتظار میں ہوں۔

قریش کا دارالندوہ میں اجتماع

اُدھر جب قریش کو احساس ہوتا کہ تمام مسلمان اپنے اموال و اہل عیال کو پھلاند کر اوس و خزرج کے علاقے میں جا پہنچے ہیں تو ان میں غم و اندوہ کے لاوے پھوٹ پڑتے۔ایک عظیم اور حقیقی خطرہ مجسم ہو کر انکے سامنے موجود تھا' جو انکی بت پرستانہ اور اقتصادی اجتماعیت کیلئے بہت بڑا چیلنج تھا۔مشرکین کو معلوم تھا کہ محمدؐ کے اندر کمالِ قیادت اور کمالِ رہنمائی کے ساتھ ساتھ کس قدر قوتِ تاثیر بھی موجود ہے

اور آپکے ماننے والوں میں کیسی عزیمت و استقلال اور کیسا جذبہِ فدائی پایا جاتا ہے۔ پھر اوس اور خزرج قبائل میں کس قدر قوت وقدرت اور جنگی صلاحیت موجود ہے۔ انہیں دکھ تھا کہ وہ برس ہا برس سے آپس کی جس خانہ جنگی میں مبتلاء رہے اسلام قبول کرنے پر اس سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ان دونوں قبائل کے عقلاء میں صلح وصفائی کے جذبات پنپ رہے ہیں اور باہمی رنج وعداوت ختم کرنے پر کس قدر آمادہ ہیں۔

قریش کو یہ احساس بھی کھائے جا رہا تھا کہ یمن سے شام تک بحر احمر کے ساحل سے انکی جو تجارتی شاہراہ گذرتی ہے اس شاہراہ کے اعتبار سے ''مدینہ'' فوجی اہمیت کے کس قدر حساس اور نازک مقام پر واقع ہے۔ ملک شام سے صرف مکہ والوں کی سالانہ تجارت اڑھائی لاکھ سونے کے دینار کے تناسب سے ہوا کرتی تھی؛ جبکہ طائف وغیرہ کی تجارت اسکے علاوہ تھی۔ قریش کی بڑی پریشانی یہ تھی کہ اس تجارت کا سارا دارومدار اس پر تھا کہ یہ راستہ پر امن رہے۔

ان تفصیلات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ یثرب میں اسلامی دعوت کے جڑ پکڑ لینے اور اہل مکہ کے خلاف اہل مدینہ کے صف آراء ہونے کی صورت میں مکہ والوں کیلئے کتنے سنگین خطرات سر اٹھا سکتے تھے۔ مشرکینِ مکہ کو اس گھمبیر خطرے کا بخوبی اندازہ تھا جو انکے وجود کیلئے چیلنج بن کر سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس خطرے کے کامیاب ترین علاج کے بارے سوچنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے اس خطرے کی اصل بنیاد تو دعوتِ اسلام کے علمبردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔

مشرکین مکہ نے بیعت کبریٰ کے تقریباً اڑھائی ماہ بعد ۲۶۔ صفر ۱۴ھ نبوی بمطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء بروز جمعرات صبح دارالندوہ میں تاریخ کا خطرناک اجتماع منعقد کیا؛ جس میں قریش کے تمام قبائل نے شرکت کی۔ اس اجتماع کے شرکین کا مقصد اور موضوع بحث ایک ایسے قطعی پلان کی تیاری تھی جس کے مطابق اسلامی دعوت کے علمبردار کا قصہ بہ عجلت پاک کیا جاسکے اور اسکی دعوت کی روشنی کلی طور پر گل کر دی جائے۔ اگرچہ انکی یہ کوشش گذشتہ کئی سالوں سے چلی آ رہی تھی مگر انہیں اس میں اب تک کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ بہر حال اس خطرناک اجتماع میں قبائلِ قریش کے نمایاں لوگ یہ تھے۔

(۱) ابو جہل بن ہشام قبیلہ بنی مخزوم سے

(۲) جبیر بن مطعم قبیلہ بنی نوفل بن عبد مناف سے

(۳) طیمہ بن عدی قبیلہ بنی نوفل بن عبد مناف سے

(۴) حارث بن عامر قبیلہ بنی نوفل بن عبد مناف سے

(۵) شیبہ بن ربیعہ قبیلہ بنی عبد شمس بن عبد مناف سے

(۶) عطبہ بن ربیعہ قبیلہ بنی عبد شمس بن عبد مناف سے

(۷) ابوسفیان بن حرب قبیلہ بنی عبد شمس بن عبد مناف سے

(۸) نضر بن حارث قبیلہ بنی عبدالدار سے

(۹) ابوالبختری بن ہشام قبیلہ بنی اسد بن عبد العزیٰ سے

(۱۰) زمعہ بن اسود قبیلہ بنی اسد بن عبد العزیٰ سے

(۱۱) حکیم بن حزام قبیلہ بنی اسد بن عبد العزیٰ سے

(۱۲) نبیہ بن حجاج قبیلہ بنی سہم سے

(۱۳) منبہ بن حجاج قبیلہ بنی سہم سے اور (۱۴) امیہ بن خلف قبیلہ بنی جمح سے

وقت مقررہ پر اپنے اپنے قبیلہ کے یہ سب نمائندگان دارالندوہ پہنچ گئے تو تجاویز اور حل پیش کرنے لگے۔ مختلف لوگوں نے متعدد آراء کا اظہار کیا لیکن سب ناپسند کر کے رد کر دی گئیں۔ آخر میں ایک اور ظالمانہ تجویز پیش کی گئی جسے سب ممبران نے پسند کیا۔ اسے پیش کرنے والا مکے کا سب سے بڑا مجرم ابوجہل بن ہشام تھا' اس نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام قبیلوں سے ایک ایک بانکا صاحب نسب اور مضبوط نوجوان منتخب کریں ان سب کو تیز تلواریں تھما دیں۔ وہ سب کے سب بیک وقت تلوار کے وار سے اسے ختم کر ڈالیں۔ اس سے یہ ہوگا کہ اسکا خون کسی ایک قبیلہ کے سر نہ ہوگا بلکہ سارے قبائل میں بکھر جائیگا اور بنو عبد مناف تمام قبائل سے جنگ نہ کر سکیں گے لہٰذا دیت لینے پر آمادہ ہو جائیں گے اور ہم دیت ادا کر دیں گے۔ اس پر تمام پارلیمانِ مکہ نے اس قرارداد پر اتفاق کر لیا اور یہ کام جلد از جلد کرنے کے مصمم ارادے سے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جب آنحضرتؐ کے قتل کی مجرمانہ قرارداد طے ہو چکی تو حضرت جبرئیلؑ اپنے رب کی وحی کے ساتھ تشریف لائے اور قریش کی سازش سے آگاہ فرماتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں سے ہجرت فرمانے کی اجازت عطا فرمادی ہے اور یہاں سے روانگی کے وقت کا تعیّن بھی فرمادیا ہے آپؐ یہ رات اپنے اُس بستر پر نہ گزاریں جس پر اب تک معمول تھا۔

اس اطلاع پر آنحضرتؐ دوپہر کے وقت سر ڈھانپے ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ کسی نے کہا کہ آنحضرتؐ تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اس وقت آپؐ ضرور کسی اہم معاملے کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تمہارے پاس جو لوگ ہیں انہیں یہاں سے ہٹادو۔ پھر فرمایا کہ مجھے روانگی کی اجازت مل گئی ہے۔ ابوبکرؓ نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا' کیا میرے سمیت یارسولؐ اللہ؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اس کے بعد ہجرت کا پروگرام طے کر کے آنحضرتؐ گھر واپس تشریف لے گئے اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

آنحضرتؐ کے مکان کا گھیراؤ

قریش کے اکابر مجرمین نے دارالندوہ میں طے پانے والی قرارداد کے نفاذ کی تیاری میں اپنا تمام دن گزارا۔ اس کیلئے انہوں نے اکابرین میں سے گیارہ سردار منتخب کئے جنکے نام یہ ہیں:

ابوجہل بن ہشام۔۔ حکم بن عاص۔۔ عقبہ بن ابی معیط۔۔ نضر بن حارث۔۔ امیّہ بن خلف۔۔ زمعہ بن الاسود۔۔ طعیمہ بن عدی۔۔ ابولہب۔۔ ابیّ بن خلف۔۔ نبیہ بن الحجاج۔۔ اور منبّہ بن الحجاج۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رات ذرا تاریک ہوگئی تو یہ لوگ گھات لگا کر نبیؐ کے گھر کے دروازے پر اور گھر کے اردگرد چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ آپؐ سو جائیں تو ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اس سازش کے نفاذ کیلئے نصف رات کے بعد کا وقت طے ہوا تھا اس لئے یہ لوگ جاگ کر رات گزار رہے تھے۔ انکو پورا یقین تھا کہ انکی سازش آج کامیاب ہو کر رہے گی۔

مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نبوی ﷺ کا راستہ

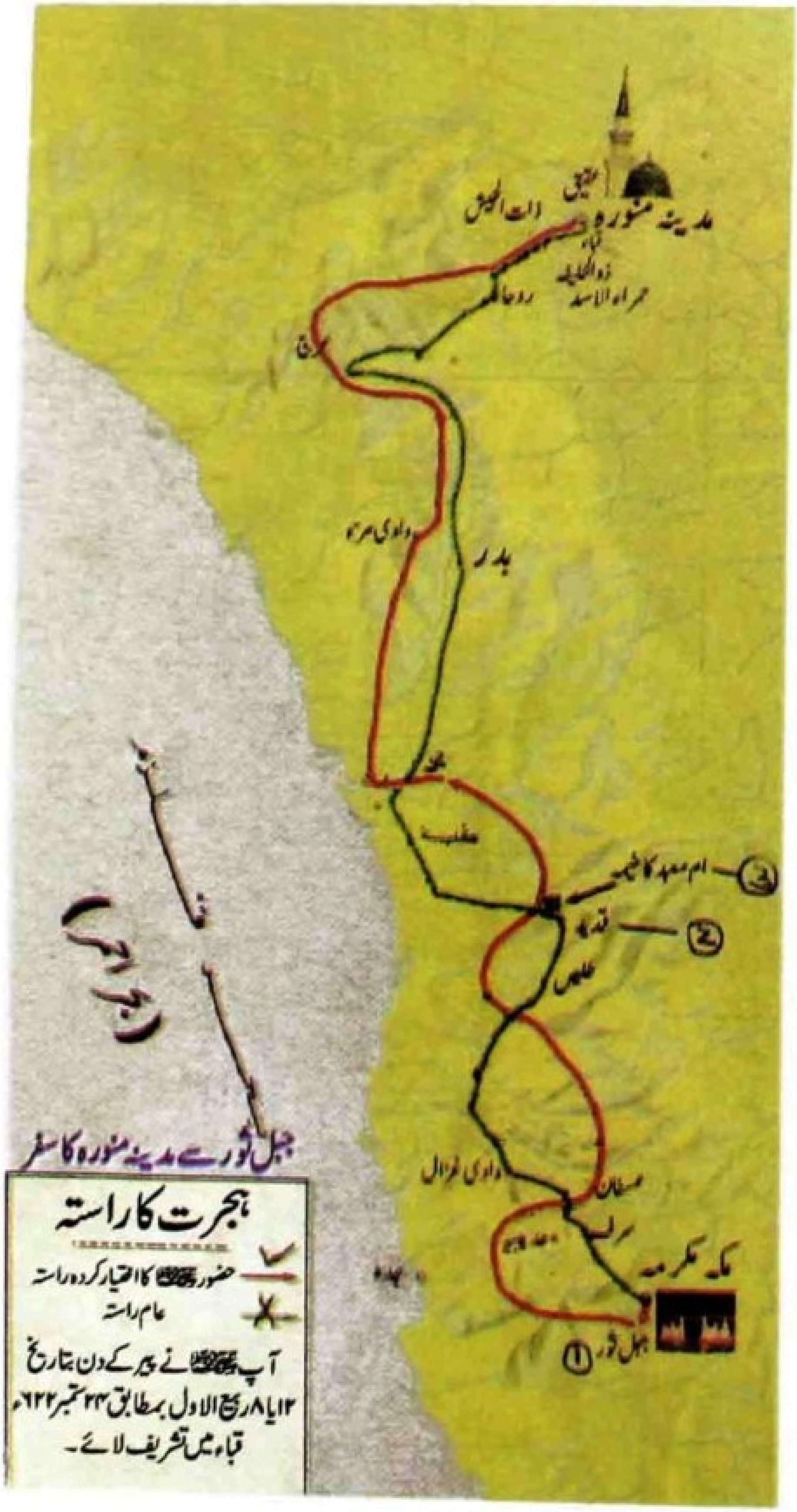

اس نازک ترین لمحے میں حضورؐ نے گھر سے نکلنے سے پہلے حضرت علیؓ سے فرمایا: تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ تمہیں انکے ہاتھوں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ تم صبح اٹھ کر میرے پاس موجود لوگوں کی امانتیں انہیں واپس لوٹا کر مدینہ چلے آنا۔

رات کے کسی پہر آپؐ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے۔ سنگریزوں والی مٹی آپ کی مٹھی میں تھی جسے آپؐ باہر موجود محاصرین کے سروں پر ڈالتے ہوئے انکے درمیان سے نکلتے چلے گئے۔ آپؐ اس وقت یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:۔

" وَ جَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ " (یٰس: ۹)

(ہم نے ان کے آگے اور انکے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی پس انہیں ڈھانک لیا پس وہ دیکھ نہیں رہے ہیں (یٰس: ۹)

محاصرین میں سے کسی نے (جاگتے ہونے کے باوجود) آنحضرتؐ کو نہ دیکھا۔ طرّہ یہ کہ اس موقع پر کوئی مشرک ایسا نہ بچا تھا جس کے سر پر آنحضرتؐ کی ڈالی ہوئی مٹی موجود نہ ہو۔

یہ ۲۷ صفر ۱۴ نبوی بمطابق ۱۳۔ ستمبر ۶۲۲ء کا واقعہ ہے جب آپؐ اپنے گھر سے نکل کر اپنے نہایت قابل اعتماد ساتھی ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے انہیں ساتھ لیا اور انکے مکان کی عقبی کھڑکی سے نکل کر دونوں نے رات کے اسی پہر یمن کا رُخ کیا تا کہ طلوعِ آفتاب سے قبل مکہ سے باہر نکل جائیں۔ پھر دونوں حضرات چند میل دور واقع ثور نامی پہاڑ کے دامن تک جا پہنچے۔

ادھر محاصرین نے دروازے کی درز سے جھانک کر اطمینان کرنا چاہا کہ آپؐ سو چکے ہیں یا نہیں تو انہیں کوئی شخص بستر پر سبز چادر اوڑھے نظر آیا۔ تو ایک کہنے لگا خدا کی قسم محمدؐ سو چکے ہیں وہ مطمئن ہو کر حملے کے مقررہ وقت کا انتظار کرنے لگے۔ پھر جونہی حملے کی نیت سے گھر میں داخل ہوئے تو شور کی وجہ سے حضرت علیؓ جاگ گئے اور چادر ہٹا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ محاصرین نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا تو انکے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ پوچھنے لگے کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ تو علیؑ نے فرمایا میں تو سویا ہوا تھا مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔

چونکہ آنحضرتؐ کو معلوم تھا کہ قریش پوری جانفشانی سے میری تلاش میں لگ جائیں گے اور انکی پہلی نظر جس راستہ پر جائیگی وہ مدینہ کا کاروانی راستہ ہوگا' جو شمال کی طرف جاتا ہے' اس لئے آپؐ نے وہ راستہ اختیار فرمایا جو اس کے بالکل الٹ تھا' یعنی یمن جانے والا راستہ جو مکہ کے جنوب میں ہے۔ آپؐ نے کوئی پانچ میل کا فاصلہ طے کیا تو اس پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے جو ''ثور'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ ایک نہایت بلند، پُر پیچ اور مشکل چڑھائی والا پہاڑ ہے جس میں پتھریلے سنگریزوں کی بہتات ہے۔ آپؐ اپنے پاؤں کے نشان چھپانے کیلئے پنجوں کے بل چل رہے تھے اسلئے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ سے آپکی یہ حالت برداشت نہ ہو رہی تھی' اور جانے وہ کیا جذبہ تھا کہ انہوں نے آنحضرتؐ کو اٹھا لیا اور تقریباً دوڑتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر موجود ایک غار کے دہانے تک جا پہنچے۔

غار میں داخل ہونے سے قبل حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کو باہر رکنے کی درخواست کی اور غار میں داخل ہو کر اسکی صفائی کی اسے حشرات سے پاک کیا۔ غار میں چند سوراخ تھے جنہیں اپنے کپڑوں سے بند کیا اور پھر آنحضرتؐ کو اندر بلا لیا۔ آپؐ ابوبکرؓ کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے۔ ابوبکرؓ نے جن دو سوراخوں کو اپنے پاؤں کی ایڑھیوں سے بند کر رکھا تھا ان میں سے ایک سوراخ میں موجود کسی موذی نے آپکی ایڑھی پر ڈس لیا جس کا زہر نہایت اذیت ناک تھا مگر آنحضرتؐ کے آرام میں خلل واقع ہونے کے خدشہ میں یہ تکلیف برداشت کرتے رہے اور اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ لیکن درد کی شدت کے باعث آپکے آنسو حضورؐ کے چہرے مبارک پر ٹپک پڑنے سے آپؐ جاگ گئے اور گریہ کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ کسی موذی نے میری ایڑھی پر ڈس لیا ہے۔ آپؐ نے اپنا لعاب لگا دیا جس سے تکلیف جاتی رہی۔

حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ نے بھی تینوں راتیں اسی غار میں آپ حضرات کے ساتھ ہی گزاریں۔ وہ طلوعِ سحر سے قبل ہی یہاں سے لوٹ جاتے اور قریش کے ساتھ صبح یوں کرتے جیسے انہوں نے رات مکہ میں گزاری ہو۔ پھر اگلی رات چھپتے چھپاتے غار میں واپس پہنچ جاتے اور قریش کی سازشوں

سے متعلق جو کچھ سنتے وہ بھی بیان کرتے۔ رہا نشانات قدم کا مسئلہ تو اسکے لئے حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہؓ ادھر اپنی بکریاں چراتے رہتے اور رات کا ایک حصہ گزر جانے پر بکریاں ہانک کر ان حضرات مقدس ومکرم کے پاس لیجاتے اور وہ آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے۔ واپسی پر اپنی بکریوں کو یوں چُراتے ہوئے لوٹتے کہ عبداللہ بن ابوبکرؓ کے نشاناتِ قدم بھی معدوم جاتے۔ تینوں شب یہی معمول رہا۔

قریش کی تگ ودَو

ادھر قریش کا یہ حال کہ منصوبہ قتل والی رات گزر گئی اور صبح تک انہیں یقین ہو گیا کہ آنحضرتؐ انکے ہاتھ سے نکل چکے ہیں تو ان پر گویا جنون طاری ہو گیا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنا غصہ حضرت علیؓ پر اتارا۔ انہیں گھسیٹتے ہوئے خانہ کعبہ لے گئے اور کچھ دیر زیر حراست رکھا۔ اس دوران بار بار دونوں حضرات کے بارے پوچھتے رہے کہ وہ کہاں چھپے ہیں۔ جب کچھ ہاتھ نہ لگا تو تفتیش کیلئے حضرت ابوبکرؓ کے گھر جا پہنچے دروازہ کھٹکھٹانے پر انکی چھوٹی بیٹی اسماء بنت ابوبکر دروازے پر آئیں، تو انہوں نے انکے والد کے بارے پوچھا۔ اسماء نے کہا بخدا مجھے علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ یہ جواب پا کر بد بخت ابوجہل نے اس چھوٹی سی بچی کے منہ پر اس زور کا تمانچہ مارا کہ اس کے کان کی بالی نیچے جا گری۔

اس کے بعد قریش نے پھر ایک ہنگامی اجلاس منعقد کیا جس میں طے ہوا کہ ان دونوں کو گرفتار کرنے کیلئے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لائے جائیں، چنانچہ مکہ سے نکلنے والے تمام راستوں پر (خواہ وہ کسی بھی سمت جانے والے ہوں) کڑا مسلح پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اعلانِ عام کروایا گیا کہ جو کوئی اُن دونوں کو یا اُن میں سے کسی ایک کو زندہ یا مردہ ہمارے پاس لائے گا اسے سو اونٹ فی فرد کے حساب سے انعام دیا جائیگا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی سوار، پیادے اور نشاناتِ قدم کے ماہر کھوجی نہایت سرگرمی سے انکی تلاش میں لگ گئے اور پہاڑوں، وادیوں اور انکے نشیب وفراز میں پھیل گئے مگر کسی کو کچھ حاصل نہ ہوا۔

تلاش کرنے والوں میں سے کچھ غارِ ثور کے دہانے تک بھی پہنچ گئے لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے والا معاملہ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے لوگوں کی ٹانگیں

دکھائی دے رہی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نیچے جھک کر دیکھے تو ہمیں معلوم کر سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ اللہ ہمارے ساتھ ہے تم غم نہ کرو۔ دراصل یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ یہ لوگ اس وقت واپس لوٹ گئے جبکہ انکے اور آپ حضرات کے درمیان محض چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بن دیا تھا جسے دیکھ کر انہوں نے غار میں داخل ہونے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔

آنحضرتؐ کا سفر مدینہ

جونہی تلاش کرنے والوں کی آتشِ جستجو بجھی اور تین روز کی مسلسل دوڑ دھوپ کے بعد قریش کے جذبات سرد پڑ گئے تو آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کیلئے نکلنے کا عزم فرمایا۔ عبداللہ بن اریقط لیثی نامی ایک صحرائی اور بیابانی راستوں کے ماہر سے اجرت پر مدینہ پہنچانے کی بات پہلے سے طے تھی۔ یہ شخص گو ابھی تک قریش کے دین پر تھا لیکن قابل اعتماد اور بھروسے مند تھا۔ سواریاں (دو اونٹنیاں) پہلے سے اسکے حوالے کر دی گئی تھیں اور اسے ھدایت تھی کہ دوشنبہ کی رات اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پہنچ جائے۔ چنانچہ وہ حسب ھدایت سواریاں لے کر وقت پر پہنچ گیا۔ اسماءؓ بنت ابوبکرؓ بھی زادِ سفر لے کر پہنچ گئی تھیں اور عامر بن فہیرہؓ بھی ہمراہ تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے کوچ کا حکم فرمایا اور آپ حضرات مدینہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ غار سے نکل کر راہنمائے سفر عبداللہ بن اریقط نے پہلے ساحل سمندر کا رُخ کیا پھر ایسے راستہ سے (جس سے عام لوگ واقف نہ تھے) ہوتا ہوا شمال کی طرف مڑ گیا۔ یہ راستہ بحر احمر کے ساحل کے قریب تھا جس پر شاذ و نادر ہی کوئی چلتا تھا۔ اس نے ساحل کے ساتھ چلتے ہوئے زیرین عسفان سے راستہ کاٹا اور زیرین اِمج سے گزرتے ہوئے قدید پار کر لیا۔ اسکے بعد پھر راستہ کاٹ کر آگے بڑھتا ہوا خرار سے گزرا۔ پھر بیابان لقف سے گزر کر مجاح کے بیابان میں داخل ہو گیا۔ پھر مجاح کے موڑ سے سفر طے کرتے ہوئے ذوالغضوین کے موڑ کے نشیب میں چلا گیا یہاں سے بیابان تعہن کے اطراف کی وادیٔ ذوسلم سے گزرا۔ وہاں سے عبابید پھر فاجہ اور پھر عرج سے ہوتا ہوا رکوبہ کے داہنے ہاتھ ثنیۃ العائر میں داخل ہو کر چلتا رہا اور پھر وادیٔ رئم میں اتر کر قباء تک پہنچ گیا۔

قباء میں تشریف آوری

بروز پیر ۸ ربیع الاوّل ۱ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء آنحضرتؐ قباء میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت عروۃ بن زبیرؓ کے فرمانے کے مطابق مسلمانانِ مدینہ نے مکہ سے آپکی روانگی کی خبر سن لی تھی اس لئے لوگ روزانہ صبح ہی صبح حرّہ کی طرف نکل پڑتے اور آپؐ کے انتظار میں اس وقت تک بیٹھے رہتے جب تک گرمی کی شدت برداشت کر سکتے۔ دوپہر کو جب دھوپ سخت ہو جاتی تو گھروں کو واپس لوٹ جاتے۔ آخر ایک روز جب لوگ طویل انتظار کے بعد وہ گھروں کو لوٹے ہی تھے کہ ایک یہودی (جو اپنے کسی کام سے ایک ٹیلے پر چڑھا ہوا تھا) کی نظر اچانک اس راستہ پر پڑی جس پر آپؐ اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لا رہے تھے، جونہی وہ کچھ نزدیک ہوئے تو اُس نے ان لوگوں کے حلیوں سے بخوبی اندازہ کر لیا کہ یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کا مسلمان روزانہ انتظار کیا کرتے ہیں۔ انکے سفید کپڑوں سے چاندنی چھلکتی محسوس ہو رہی تھی۔ پس اُس نے بیخود ہو کر نہایت بلند آواز میں ہانک لگائی: ''عرب کے لوگو یہ رہا تمہارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آ گئے''۔ یہ سنتے ہی مسلمان قباء میں داخل ہونے والے راستہ کی طرف پروانہ وار بھاگے اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کیلئے چل پڑے۔ یہی حال بنی عَمر و بن عوف (ساکنان قباء) کا تھا کہ وہ بھی نعرۂ تکبیر اور خوش آمدید کے نعرے لگاتے ہوئے گھروں سے نکل پڑے اور ایک مجمع کی صورت آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ آنحضرتؐ پر اس وقت سکینت چھائی ہوئی تھی اور سورۃ التحریم کی اس وحی کا نزول ہو رہا تھا جو غالباً آپکی بیویوں (یا کسے باشد) کے لئے پیغام تھا:۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (التحریم:۴)

ترجمہ:۔ ''اگر تم اللہ کی طرف رجوع کرو تو ضرور تمہارے دل راہ سے ہٹ گئے ہیں اور اگر ان (محمدؐ) پر زور باندھو، تو بیشک اللہ انکا مددگار ہے اور جبریلؑ اور نیک ایمان والے اور فرشتے انکی مدد پر ہیں''۔ (التحریم:۴)

گو آپؐ ابھی مدینہ میں داخل نہیں ہوئے تھے لیکن آپکے دیدار اور استقبال کیلئے سارا مدینہ اُمڈ

مسجد قبا سے مدینہ منورہ تک نبی ﷺ کے سفر کا نقشہ

پڑا تھا۔ یہ ایک تاریخی دن تھا جس کی نظیر سرزمینِ یثرب نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ یہودی بھی استقبال کرنے والوں میں شامل دیکھے جا سکتے تھے۔ یہودیوں کو آنحضرتؐ کی تشریف آوری کی ساعت اور نبی آخرالزماںؐ کی نشانیوں کے بارے زیادہ معلومات میسر تھیں۔ آج اہلِ یہود نے حبقوقؑ نبی کی بشارت اپنی نظروں کے سامنے پوری ہوتے دیکھ لی تھی جیسا کہ بائبل میں ہے:۔

''اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہِ فاران سے آیا''۔ (بائبل' صحیفہ حبقوق ۳:۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں کلثومؓ بن ہدم کے مکان میں قیام فرمایا۔ اُدھر حضرت علیؓ نے مکہ میں تین روز ٹھہر کر اور لوگوں کی امانتیں جو آنحضرتؐ کے پاس تھیں انکے اہلیان کو لوٹا کر پیدل ہی مدینہ کا رُخ کیا اور قباء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے۔ آپؓ نے بھی کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام فرمایا۔ حضورؐ نے قباء میں چوبیس روز قیام فرمایا۔ دورانِ قیام مسجدِ قباء کی بنیاد رکھی مسجد کچھ تعمیر بھی ہو گئی تھی اور آپؐ نے اس میں نماز بھی ادا فرمائی تھی۔ اعلانِ نبوت کے بعد یہ پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر آپؐ کے ہاتھوں رکھی گئی۔

آنحضرتؐ کا مدینہ میں داخلہ

چھبیسویں روز حکم الٰہی کے مطابق آپؐ نے ساتھیوں کو مدینہ پہنچنے کا حکم فرمایا اور بروز جمعہ آپؐ اپنی سواری پر سوار ہوئے۔ لوگوں کا اژدہام تھا جو منت وسماجت اور گریہ زاری کرتے ہوئے آپکو روکنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آپ قباء ہی میں قیام کر لیں۔ مگر آپؐ اپنے مالک کے حکم کے آگے مجبور تھے چنانچہ مدینہ کیلئے نکل پڑے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپکے ردیف تھے۔ حضورؐ نے مدینہ میں قبیلہ بنونجار کو (جو آپکے ماموؤں کا قبیلہ تھا) اپنی تشریف آوری کی اطلاع بھجوا دی تھی اور وہ تلواریں حمائل کئے قباء پہنچ گئے تھے۔ آپؐ نے ساتھیوں سمیت بنونجار کی معیت میں یثرب کا رُخ کیا۔ جب بنوسالم بن عوف کی وادی میں پہنچتے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا' آنحضرتؐ نے وادی کے بطن میں اُس جگہ جمعہ پڑھا جہاں اب مسجد ہے۔ اس وقت نمازیوں کی تعداد سو (۱۰۰) کے لگ بھگ تھی۔ جمعہ پڑھنے کے بعد کچھ ہی سفر طے کر کے

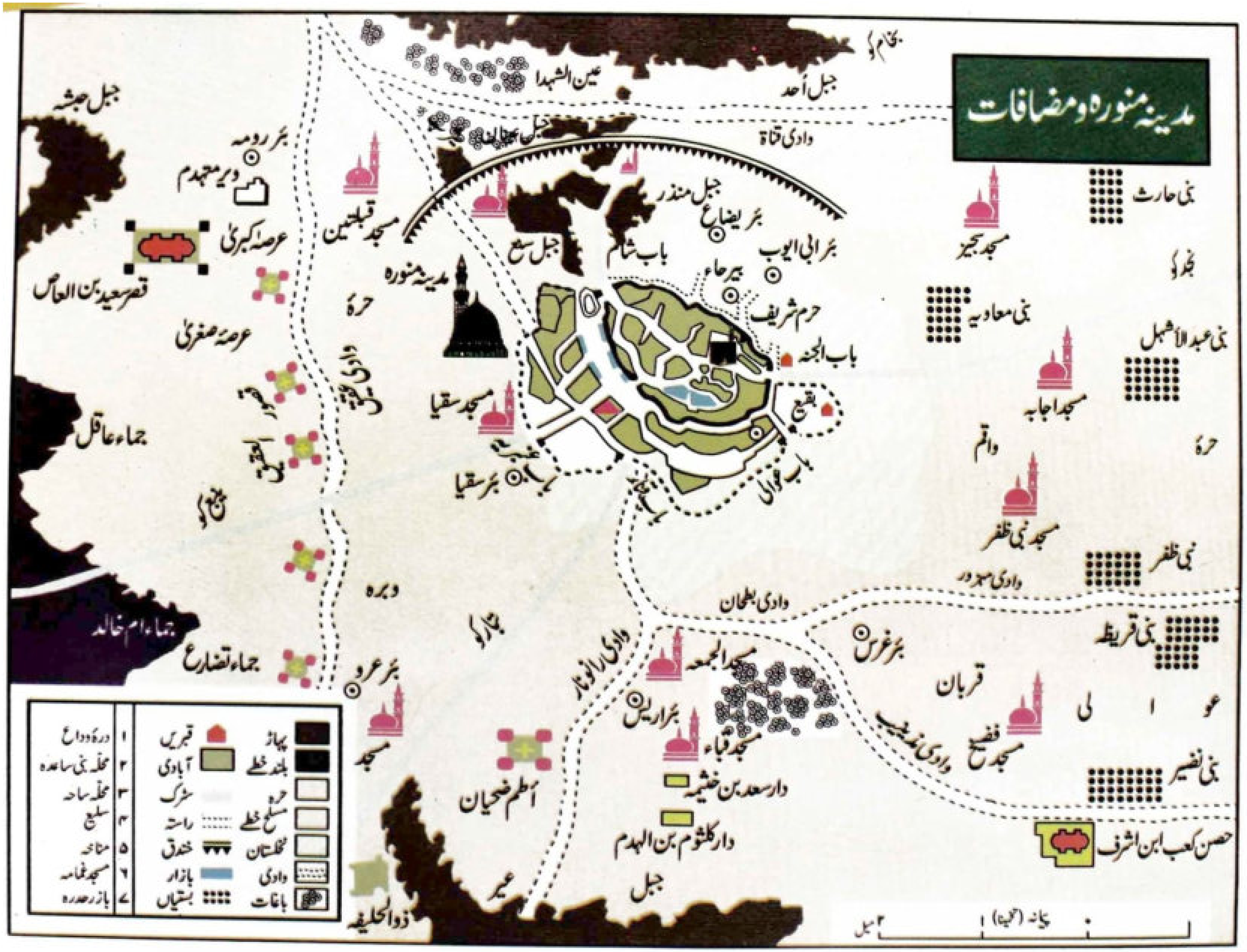
مدینہ منورہ و مضافات
جبل احد
عین الشہدا
وادی قناۃ
جبل حبشہ
بئر رومہ
دیر مہدم
عرصۂ کبریٰ
قصر سعید بن العاص
عرصۂ صغریٰ
مسجد قبلتین
مدینہ منورہ
جبل سلع
باب شام
جبل منذر
بئر بضاعہ
بئر ابی ایوب
بیر حاء
حرم شریف
باب الجنہ
بقیع
مسجد سقیا
بئر سقیا
جماء عاقل
جماء ام خالد
جماء تضارع
وبرہ
حرۃ
بئر عروہ
وادی بطحان
مسجد الجمعہ
بئر اریس
مسجد قباء
دار سعد بن خثیمہ
دار کلثوم بن الہدم
اطم ضحیان
ذو الحلیفہ
عیر
جبل
بنی حارثہ
مسجد بجیر
بنی معاویہ
بنی عبد الاشہل
مسجد اجابہ
واقم
حرۃ
مسجد بنی ظفر
بنی ظفر
وادی مہزور
بنی قریظہ
بئر غرس
قربان
مسجد فضیخ
بنی نضیر
حصن کعب ابن اشرف
پہاڑ
بلند خطے
حرۃ
مسطح خطے
نخلستان
وادی
باغات
قبریں
آبادی
سڑک
راستہ
خندق
بازار
بستیاں
۱ درۂ وداع
۲ محلۂ بنی ساعدہ
۳ محلۂ ساحہ
۴ سلیع
۵ مناخہ
۶ مسجد غمامہ
۷ بازار صدرہ
پیمانہ (تخمینا)
۲ میل

آپ ؐ یثرب میں داخل ہو گئے۔

یہ نہایت تابناک و تاریخی دن تھا‘ گلی کوچے تقدیس و تحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے اور انصار کی بچیاں اور خواتین آپکو دیکھنے پہاڑ کی چوٹیوں اور مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں تھیں اور خوشی و مسرت کے جذبات سے دف بجاتے‘ ان اشعار کو نغموں میں پروتے والہانہ انداز میں گا رہی تھیں۔ بوقتِ استقبال اُنکی آنکھیں خوشی سے نمناک تھیں اور چہروں پر ایک عجیب نورانی چمک عیاں تھی۔

وہ چند اشعار یوں ہیں:۔

اشرق البدر علینا	من ثنیّات الودع
ہم پر چودھویں کا چاند چڑھا	ان پہاڑوں سے جو سُوئے جنوب ہیں
وجب الشکر علینا	ما دعاللہِ داع
ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے	کہ کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے
ایّ ھا المبعوث فینا	جئت باالامر المطاع
آپکو ہم میں مبعوث فرمایا	آپکے حکم کی اطاعت ہم پر فرض ہے

آپ ؐ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار لمحہ بہ لمحہ استقبالی ہجوم میں آگے بڑھتے جا رہے تھے اور ادھر انصار میں سے ہر کوئی اس کوشش میں بار بار قصویٰ کی نکیل تھام لیتا کہ آپ ؐ اس کے گھر قیام فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اونٹنی کی راہ چھوڑ دیں وہ مامور من اللہ ہے اس لئے وہیں رکے گی جہاں اللہ نے اسے حکم فرما رکھا ہے۔ اونٹنی مسلسل چلتی رہی اور اس جگہ جا کر رکی جہاں آج مسجد نبوی ؐ ہے۔ لیکن آنحضر ُت نیچے نہ اترے پھر وہ ایک سمت کو چلی اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا پھر واپس پلٹ کر اسی جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں پہلے رکی تھی۔ یہ آپکے ننھیال یعنی بنونجار والوں کا محلّہ تھا اور جہاں رکی وہ ٹھیک حضرت ایوب ؓ انصاری کے مکان کا دروازہ تھا۔ وہ خوشی سے دمکتے چہرے پر سماجت سجائے گزارش کرنے لگے کہ آپ ؐ اس غریب خانہ کو قبول فرما کر احسان فرمائیں۔ فرمایا جاؤ اور ہمارے لئے قیلولہ کی جگہ تیار کرو۔

چند روز بعد آپ ؐ کے عزیز و اقارب میں سے آپکی زوجہ محترمہ اُم المومنین حضرت سَودؓہ آپکی

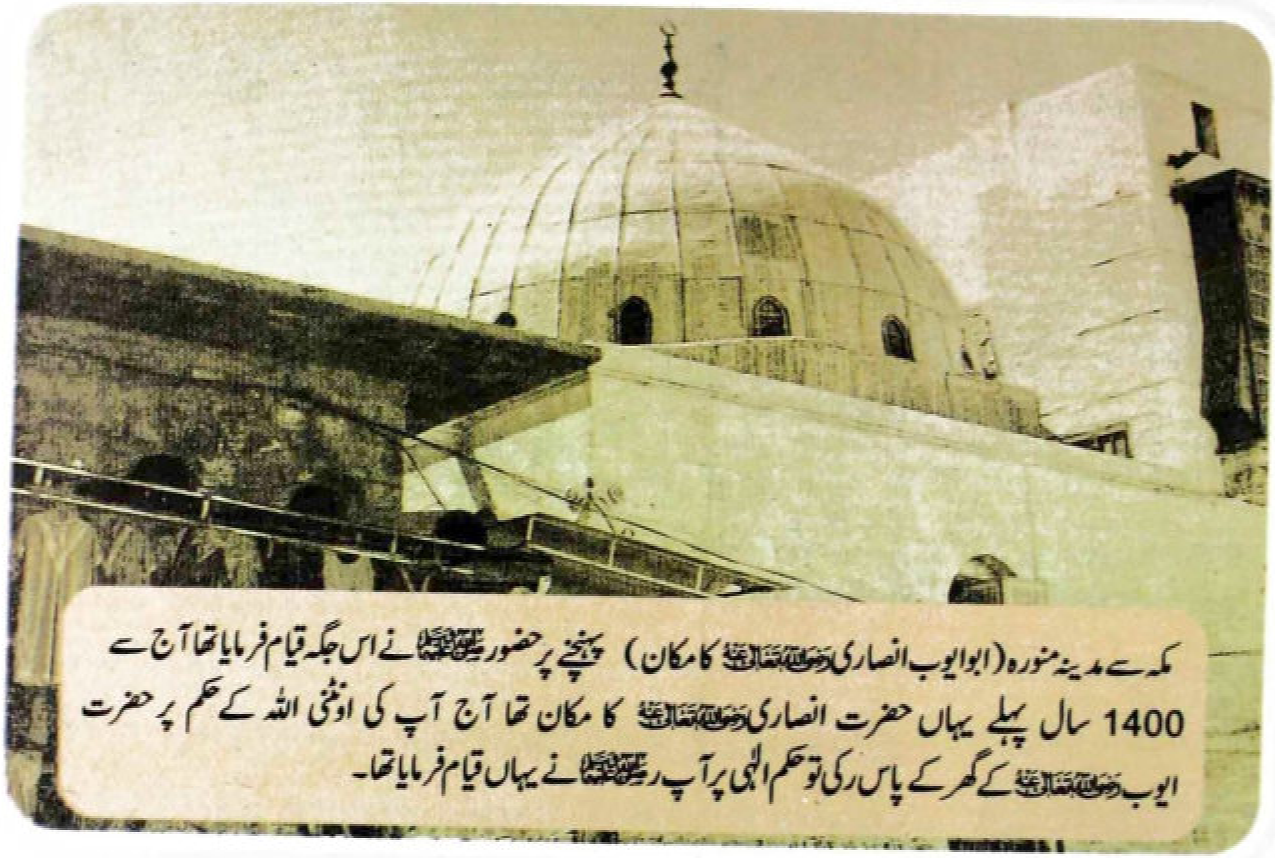

مکہ سے مدینہ منورہ (ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان) پہنچنے پر حضور ﷺ نے اس جگہ قیام فرمایا تھا آج سے 1400 سال پہلے یہاں حضرت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا آج آپ کی اونٹنی اللہ کے حکم پر حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے پاس رکی تو حکم الٰہی پر آپ ﷺ نے یہاں قیام فرمایا تھا۔

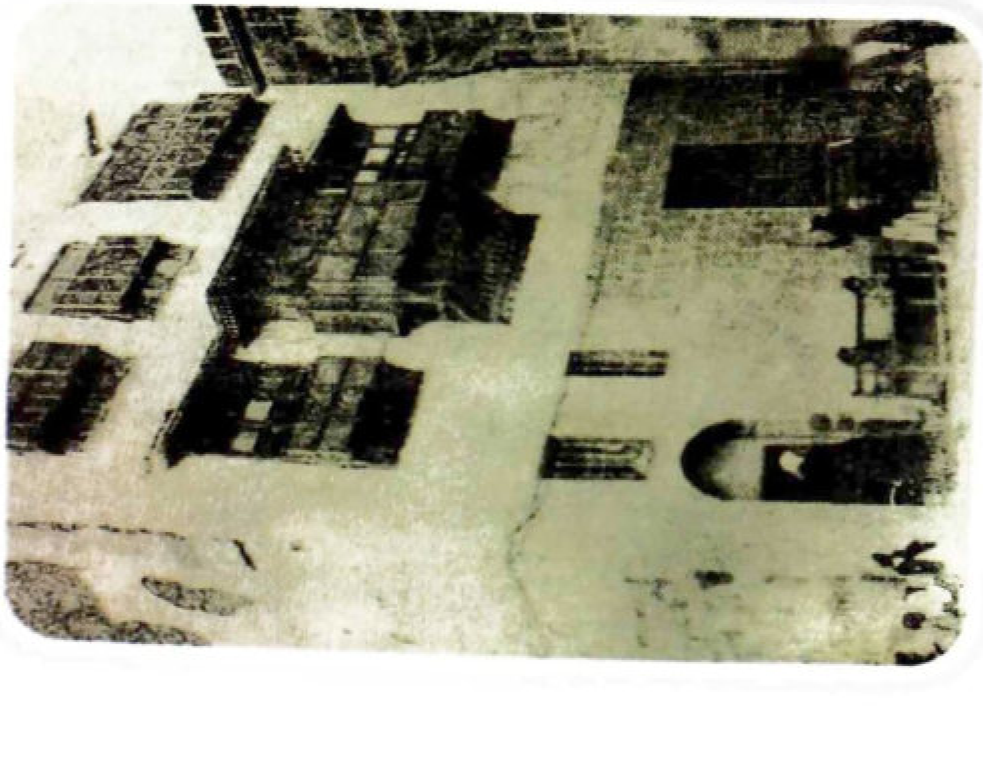

مدینہ منورہ میں میزبانِ حضور ﷺ
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان

دوصاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ اور اُمّ کلثومؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اور اُمّ ایمن بھی آ گئیں۔ان سب کو عبداللہ بن ابوبکرؓ (آلِ ابی بکر کے ساتھ جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی تھیں) لے کر آئے تھے۔البتہ آپکی ایک صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت ابوالعاصؓ کے پاس رہ گئیں کیونکہ انہیں آنے نہیں دیا گیا اور وہ غزوہ بدر کے بعد تشریف لائیں۔یثرب میں تشریف لانے والے کچھ اصحاب کو بخار آجاتا اور وہ مکہ کی اداسی بھی محسوس کیا کرتے۔حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر کیفیت بیان کی تو حضورؐ نے دعا فرمائی کہ۔:''اے اللہ! ہمارے نزدیک اس شہر کو اسی طرح محبوب بنا دے جیسے مکہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ اور اس کی فضاء صحت بخش بنادے اور اسکے غلے کے پیمانوں میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل فرما کر جحفہ پہنچادے''۔اللہ تعالیٰ نے آپکی دعا قبول فرمالی اور حالات بدل گئے۔اسکے بعد یثرب کا نام مدینہ نبوی ہو گیا جو بعد ازاں ''مدینہ'' رہ گیا۔

آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ کے چار مراحل

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارکہ کو دو موٹے موٹے ادوار میں تقسیم کریں تو اس میں سے ایک دَور جسے (اسلامی دعوت کا) مکی دور کہا جاتا ہے یثرب ہجرت کرنے تک پورا ہوجاتا ہے۔ مدینہ منورہ میں آنحضرتؐ کے دوسرے دَور یعنی مدنی دَور کو تین مرحلوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) پہلا مرحلہ: جس میں کم وبیش مکی زندگی کی طرح مشرکین کی جانب سے فتنے اور اضطرابات برپا کئے گئے۔اندر سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور باہر سے دشمنوں نے مدینہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے متعدد چڑھائیاں کیں۔یہ مرحلہ صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ) پر آکر ختم ہوجاتا ہے۔

(۲) دوسرا مرحلہ: جس میں بت پرست مشرکین کی قیادت سے مسلمانوں کی صلح ہوئی اور یہ دَور فتح مکہ رمضان ۸ھ پر منتہی ہوا۔یہی مرحلہ شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام پیش کرنے کا مرحلہ بھی ہے۔

(۳) تیسرا مرحلہ: جس میں خلقت خدا' اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوئی۔اسی مرحلہ میں قوموں اور قبیلوں کے وفود کا مدینے آمد کا تانتا بندھا رہا۔یہ مرحلہ آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ کے اختتام یعنی ربیع

الاوّل ۱۱ ھ تک محیط ہے۔

جب آپؐ مدینہ تشریف لا چکے تو آپکو مدینہ کے اصل حالات سے سابقہ ہوا جو مکہ کے حالات سے بہت مختلف تھے۔ مدینہ ہجرت فرمانے کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ ظالموں کے فتنوں اور تمسخر آمیز سلوک سے نجات حاصل کر لی جائے یا وہ محض اپنی جانیں بچا کر بھاگ نکلے تھے' بلکہ حکم الٰہی سے ہجرت فرمانے میں یہ مصلحت اور مفہوم بھی شامل تھا کہ ایک پُر امن علاقے میں ایک نئے (اسلامی) معاشرہ کی تشکیل کی جائے اور سب لوگ اس وطن جدید کی تعمیر میں بمطابق استطاعت کھلے دل سے حصہ لیں۔

مکہ میں اگرچہ انکا کلمہ ایک تھا اور مقاصد بھی مختلف نہیں تھے لیکن وہ خود مختلف گھرانوں اور قبیلوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ مالی حالات بھی دگرگوں تھے اور دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں مجبور و مقہور اور کمزور و بے اختیار بھی تھے۔ دنیا کا کوئی بھی معاشرہ جن اجزاء و لوازمات سے قائم ہوتا ہے وہ گویا مسلمانوں کے پاس سرے سے موجود ہی نہیں تھے کہ انکی بنیاد پر کسی نئے معاشرے کی بنیاد رکھ سکیں۔ کسمپرسی کی اس حالت میں مسلمانوں کی خود اعتمادی کا واحد ذریعہ آنحضرتؐ کی ذات تھی اور یہ ایک قطعی حقیقت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس معاشرے کی تشکیل کے امام' قائد اور رہنما تھے۔ کسی نزاع کے بغیر تمام معاملات کی باگ ڈور آپؐ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن آپکو بھی حالات کے حقائق سے مفر نہ تھی۔ مدینہ میں آنحضرتؐ کو تین طرح کی قوموں سے سابقہ درپیش تھا جن میں سے ہر کسی کے حالات ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ تھے مگر آپکو اُن سب کے ساتھ یکجا ہو کر رہنا بھی تھا اور انکو رکھنا بھی تھا۔

۱۔ قوم مسلم یعنی آپکے پاکباز صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی منتخب اور ممتاز جماعت۔

۲۔ یثرب کے قدیم اور اصلی قبائل سے تعلق رکھنے والے مشرکین جو ابتک ایمان نہ لائے تھے۔

۳۔ اہل یہود' جن کی خاصی تعداد یثرب میں بہت دیر سے آباد تھی۔

بہر حال ہجرت کے بعد وقت آ گیا تھا کہ تمام تر مشکل حالات کے باوجود مسلمان ایک نیا اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں' جو زندگی کے تمام تر مرحلوں میں کسی بھی جہالت زدہ معاشرہ سے مختلف اور پورے عالمِ انسانی میں موجود کسی بھی معاشرہ سے ممتاز ہو' کہ وہ معاشرہ دعوتِ

اسلامی کا نمائندہ ثابت ہو، جس کی خاطر مسلمانوں نے تیرہ سال تک طرح طرح کے کربناک مصائب کا سامنا کیا اور کڑی مشکلات برداشت کی تھیں۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کے کسی معاشرے کی تشکیل و تعمیر چند دنوں یا مہینوں میں نہیں ہوسکتی اور اسکے لئے طویل مدّت درکار تھی جس میں آہستگی کے ساتھ درجہ بدرجہ احکام صادر کیے جائیں۔ قانون سازی کا کام مشق و تربیت اور عملی نفاذ کے ساتھ مکمل کیا جائے۔ جہاں تک احکامات اور قوانین صادر فرمانے کا معاملہ ہے، وہ تو ذاتِ حق کا کام تھا اور اللہ ہی اس کا کفیل تھا۔ البتہ جہاں ان احکام کے نفاذ کا تعلق تھا مسلمانوں کی رہنمائی و تربیت اور انکی اندرونی و بیرونی صفائی ستھرائی کا معاملہ تھا تو اس پر آنحضرتؐ مامور تھے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا:-

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ق وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ (جمعه:۲)

ترجمہ:- ''وہی ہے جس نے اُمیوں میں خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو اُن پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک وصاف کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور یہ لوگ پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے''۔ (جمعه:۲)

اُدھر جماعت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کا یہ حال تھا کہ ہمہ تن آپکی طرف متوجہ رہتے اور جو احکام بھی نازل ہوتے انہیں خود پر آراستہ کرنے میں خوشی محسوس کرتے اور دل و جان سے عمل پیرا ہوتے۔ غور کریں تو بخوبی اندازہ ہوگا کہ مکی سورتوں میں صرف اسلامی مبادیات کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور ایسے احکام نازل کیے گئے جس پر ہر شخص اکیلا عمل پیرا ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ نیکی بھلائی اور مکارم اخلاق کی ترغیب دی گئی ہے۔ لیکن مدنی دَور میں چونکہ زمامِ کار پہلے دن ہی سے خود انکے اپنے ہاتھوں میں تھے، اُن پر کسی دوسرے کا تسلّط نہ تھا اس لئے اب وقت آگیا تھا کہ مسلمان تہذیب وعمرانیات، معاشیات و اقتصادیات، سیاست وحکومت اور اس حیثیت میں صلح و جنگ کے مسائل کا سامنا کریں۔

متذکرہ بالا تین قسم کی اقوام کا کچھ تفصیلی جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرتؐ

کو ہجرت فرمانے کے باوجود کن حالات و مشکلات سے سابقہ رہا اور آپؐ نے کس جوانمردی سے انکا مقابلہ کر کے قومِ مسلم کو کامرانیوں سے سرفراز فرمایا۔

(۱) **قومِ مسلم** جماعت تو ایک تھی لیکن اب ان میں دو طرح کے لوگ موجود ہو گئے تھے۔ ایک گروہ جس میں یثرب کے مقامی رہائشی اسلام لائے ہوئے لوگ تھے جو اپنی زمین اپنے مکان اور اپنے اموال کے اندر رہ رہے تھے' یہ انصار کا گروہ تھا اور ان میں پشت ہا پشت سے چلی آتی باہمی عداوتیں اور نفرتیں جو انہیں ورثہ میں ملی تھیں ساتھ ساتھ چلی آ رہی تھیں۔ دوسرا گروہ ان مہاجرین کا تھا جو ساری سہولتوں سے محروم تھا اور لٹ لٹا کر اپنا سب کچھ تج کر کے تن بہ تقدیر کسی نہ کسی طریقے سے مدینہ پہنچ گیا تھا۔ انکے پاس رہنے کیلئے نہ تو کوئی ٹھکانہ تھا نہ پیٹ پالنے کیلئے کوئی ذریعہ معاش۔ نہ ہی دوسرے قسم کا کوئی مال جس پر انکی معیشت کا ڈھانچہ کھڑا ہو سکتا۔ اِن پناہ گیر افراد کی تعداد بھی معمولی نہیں تھی بلکہ دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی' کیونکہ اعلان کیا جا چکا تھا کہ جو کوئی اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے وہ ہجرت کر کے مدینہ آ جائے۔ چنانچہ مدینے کا اقتصادی توازن بگڑ جانا ایک منطقی بات تھی۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے اور موقع پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے اسلام دشمن قوتوں نے مدینے کا اقتصادی بائیکاٹ بھی کر دیا جس سے درآمدات تقریباً بند ہو گئیں اور معاشی حالات انتہائی سنگین ہو گئے۔

(۲) **دوسری قوم** یعنی یثرب کے اصلی باشندے جو تا حال مشرک تھے' انہیں مسلمانوں پر کوئی بالادستی حاصل نہیں تھی ان میں سے کچھ نے اسلام قبول بھی کر لیا تھا لیکن انکی اکثریت شبہات کا شکار تھی اور اپنے آبائی دین کو ترک کرنے میں تردّد محسوس کرتی تھی۔ البتہ ان میں ایسے افراد بھی تھے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دلوں میں کوئی عداوت یا داؤ گھات نہیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ تھوڑے عرصہ بعد ہی مسلمان بھی ہو گئے اور تاریخ نے دیکھا کہ وہ کس قدر سچے اور پکے مسلمان ثابت ہوئے۔

اسکے برخلاف کچھ مشرکین ایسے تھے جو اپنے سینوں میں آنحضرتؐ اور مسلمانوں کے خلاف سخت کینہ و عداوت چھپائے ہوئے تھے۔ ان میں وہ جرأت نہیں تھی کہ کھلے عام اپنے عزائم کو بیان کر سکیں'

بلکہ حالات کے پیشِ نظر آپ ؐ سے خلوص ومحبت کا اظہار کرنے پر مجبور تھے۔ گویا وہ نفاق کا شکار تھے۔ ان میں سرِ فہرست عبداللہ بن ابی بن سلول کا نام آتا ہے۔ یہ وہ شخص تھا جسے جنگ بُعاث کے بعد اوس اور خزرج قبائل نے اپنا سربراہ بنانے پر اتفاق کرلیا تھا جب کہ مشہور ہے کہ اس سے قبل ان دونوں قبیلوں نے کبھی آپس میں اتفاق نہیں کیا۔ لیکن اب وہ عبداللہ بن ابی کی تاج پوشی کیلئے مونگوں کا تاج تیار کروا رہے تھے کہ اسکے سر پر تاجِ شاہی رکھ کر اسکی بادشاہت کا اعلان کیا جائے۔ گویا یہ شخص یثرب کا بادشاہ بننے ہی والا تھا کہ آنحضرتؐ کی مدینہ تشریف آوری ہوگئی۔ چونکہ بہت سے یثربی مشرکین نے اسلام قبول کرلیا تھا اور اوس وخزرج کے کچھ لوگ بھی ایمان لے آئے تھے اور مقامی لوگوں کی کثیر جماعت کا رُخ پوری طرح آنحضرتؐ کی طرف ہوگیا تھا۔ اس لئے عبداللہ بن ابی اپنی بادشاہت چھن جانے کا پورا پورا ذمہ دار آنحضرتؐ کو سمجھتا تھا' اسلئے اپنے دل میں آپکے خلاف عداوت کو پالتا رہتا اور مکاری سے ظاہراً دوستی کا تاثر دیتا۔

غزوہ بدر کے بعد جب حالات اور بھی اسکے ہاتھ سے نکل گئے تو اس نے قیاس کرلیا کہ اپنے دین پر رہ کر وہ دنیوی فوائد سے بھی محروم ہوسکتا ہے تو اس نے بظاہر اسلام قبول کرنے کا اعلان کردیا جبکہ اندر سے وہ کافر ہی تھا۔ اس لئے جہاں کہیں مسلمانوں کو زک پہنچانے کا موقع ملتا وہ کبھی نہ چوکتا۔ اسکے پرانے ساتھی جو اس کو بادشاہ بنتے دیکھ کر اپنے اپنے مفادات کیلئے اس کا ساتھ دے رہے تھے اب بھی اسکے ساتھ تھے اور اسکے منصوبوں میں اسکا ساتھ دیتے۔ جیسا کہ کچھ نوجوانوں اور سادہ لوح مسلمانوں کو چابکدستی سے اپنا آلہ کار بناتے رہے۔

(۳) تیسری قوم یہود تھی یہ لوگ اشوری اور رومی ظلم وجبر سے بھاگ کر حجاز میں پناہ گزین ہوگئے تھے جو دراصل عبرانی تھے اور حجاز میں پناہ گزین ہونے کے بعد انکی وضع قطع زبان اور تہذیب وغیرہ سب بالکل عربی رنگ میں رنگ گئی تھی۔ یہاں تک کے انکے قبیلوں کے نام بھی عربی ہوگئے۔ انکے عربوں کے ساتھ آپس میں بیاہ وشادیوں کے رشتے بھی قائم ہوگئے تھے۔ اِن سب کے باوجود انکی نسلی عصبیت جوں

کی توں برقرار رہی اور وہ عربوں میں مدغم نہ ہوئے بلکہ اپنی اسرائیلی ۔۔۔۔یہودی۔۔۔قومیت پر فخر کرتے اور عربوں کو اپنے سے حقیر سمجھتے۔ انہیں امّی کہتے۔ جس کا مطلب انکے نزدیک: بدھو' وحشی' گھٹیا' پسماندہ' جاہل' انپڑھ اور اچھوت تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عربوں کا مال ہڑپ کر جانا انکے لئے مباح ہے' یعنی یہ کوئی گناہ نہیں جیسے چاہیں کھائیں۔

اُن یہودیوں میں اپنے دین کی اشاعت و تبلیغ کیلئے کوئی سرگرمی نہیں پائی جاتی تھی۔ انکے پاس لے دے کر دین کی مد سے جو پونجی رہ گئی تھی وہ مبلغ یہ تھی:۔ فال گیری۔ جادو۔ ٹونا ٹوٹکہ اور جھاڑ پھونک وغیرہ۔ اسی برتے پر وہ اپنے آپ کو صاحبِ علم و فضل اور روحانی قائد و پیشوا سمجھتے تھے۔

یہودیوں کو دولت کمانے کے فنون میں بڑی مہارت تھی۔ غلے' کھجور' شراب اور کپڑے کی تجارت انہی کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے علاوہ بھی انکے بہت سے کام تھے۔ وہ اپنے اموالِ تجارت میں عربوں سے تین گنا تک منافع لیتے اور اسی پر بس نہ کرتے بلکہ عرب شیوخ اور قبائلی سرداروں کو سود پر بڑی بڑی رقوم دیتے اور انکے عوض بطورِ رہن انکی زمینیں کھیتیاں اور بسے بسائے باغات وغیرہ گروی رکھوا لیتے۔ یہ سردار اور شیوخ اپنی شاہ خرچیاں دکھانے اور حصولِ شہرت کیلئے اپنی مدح سرائی کرنے والے شعرأ وغیرہ پر قرض لی گئی رقوم بے دریغ خرچ کر ڈالتے۔ جب یہ رقوم واپس نہ کر پاتے تو یہودی چند سالوں میں رہن رکھی جائیدادوں کے مالک بن بیٹھتے۔ نہ صرف یہی' بلکہ یہ لوگ اپنی دسیسہ کاریوں اور سازشوں سے عرب قبائل کے درمیان جنگ و فساد برپا رکھتے اور طرفین کو جنگی اوزاروں اور دیگر ضرورتوں کیلئے بھی بھاری رقوم سود پر مہیا کرتے رہتے اور سود در سود سے اپنی رقوم کئی گنا تک بڑھا لیتے۔ یثرب میں ان یہودیوں کے تین مشہور قبیلے تھے۔

یہ تین قبیلے بنو قینقاع' بنو نضیر' اور بنو قریضہ کے ناموں سے مشہور تھے۔ یہودی جہاں اپنے علاوہ ہر کسی کے مخالف اور ہر کسی کے دشمن دار رہے وہیں اسلام دشمنی میں بھی کسی سے کم نہیں رہے۔ اسلام دشمنی میں دیگر دشمنوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر سازشوں شورشوں میں مصروف رہے اور اسلام کو نقصان پہچانے کا کوئی موقع گنوانے میں کبھی نہ چُوکے۔

یہودیوں کی اسلام دشمنی

فی الحال زیرِ نظر مضمون میں اُس دَور کے یثرب میں موجود یہود کے اُن تین قبائل کا تذکرہ کیا جارہا ہے تاکہ ہم معلوم کرسکیں کہ مسلمانوں سے ان کا طرزِ عمل کیا رہا۔

بنو قنیقاع۔ یہ خزرج کے حلیف تھے' اور انکی آبادی یثرب کے اندر تھی جبکہ باقی دو قبیلے یعنی **بنو نضیر** اور **بنو قریظہ**۔ یہ دونوں اوس کے حلیف تھے جو یثرب کے اطراف میں آباد تھے۔ یہود کے یہی تین قبیلے مدت سے اوس اور خزرج کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکا رہے تھے اور جنگ بُعاث میں اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ خود بھی شریک ہوئے تھے۔

من جملہ یہودیوں کی سوچ کو پڑھ لینا چنداں مشکل نہیں۔ فطری بات ہے کہ ان یہودیوں سے اس کے سوا کوئی توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اسلام کو بغض وعداوت کی نظر سے دیکھیں۔ کیونکہ انکے بقول پیغمبر اسلام انکی نسل سے نہ تھے کہ ان کی نسلی عصبیت کو (جو انکی نفسیات اور انکی ذہنیت کا جزوِ لاینفک بنی ہوئی تھی) کو سکون ملتا۔ پھر اسلام کی دعوت انکی کرتوتوں کے سراسر خلاف تھی' کہ اسلام تو مسلمان کو یکجا کرنے' صلح صفائی سے رہنے' بغض وعداوت کی آگ کو فروغ کرنے' تمام معاملات میں امانتداری برتنے اور صرف پاکیزہ وحلال مال کھانے کی پابند کرتی تھی۔ یہ تعلیم انکے لئے قابل قبول کیونکر ہوسکتی تھی۔ دوسرے وہ بخوبی سمجھ رہے تھے کہ ایسی تعلیمات کے نتیجہ میں یثرب کے تمام قبائل آپس میں یکجا ہوسکتے ہیں اور ایسی صورت میں وہ انکے پنجوں سے لازماً آزاد ہوجائیں گے۔ جس سے تمام یہودی قبائل کی تاجرانہ سرگرمیاں ماند پڑجائیں گی۔ انکی سودی چکی چلنا بند ہوجائیگی' بلکہ یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں یہ قبائل جاگ اٹھے تو وہ سودی مال جو انہوں نے بلاعوض لے رکھا تھا وہ بھی اپنے حساب میں شامل نہ کرلیں یا کہیں وہ اپنی زمینوں اور باغات کا مطالبہ نہ داغ دیں جو قبائلِ یہود نے سود کی مد میں ان سے ہتھیا لیے تھے۔ اِن اندیشوں کی بناء پر مدینہ میں موجود قبائلِ یہود نے اسلام دشمنی کو اپنا فرضِ اولین قرار دیدیا۔

یہ تو وہ یہود تھے جن کا تعلق مدینہ کے داخلی حالات سے متعلق تھا' اطرافِ مدینہ کے یہود بھی

کسی طرح کم نہیں تھے۔ جونہی ان اندرونی و بیرونی یہود کو خبر ملی کہ اسلامی دعوت ہمارے شہر کو اپنا مرکز بنانا چاہتی ہے اُسی وقت سے انہیں اسلام اور مسلمانوں سے سخت قلبی عداوت ہوگئی' اگرچہ وہ اسکے مظاہرے کی جسارت کافی مدت بعد کر سکے۔

بیرون مدینہ مسلمانوں کے سب سے کڑے دشمن مشرکین قریش تھے۔ تیرہ سال تک مسلمان انکے زیر دست رہے تھے' جس دوران انہوں نے دہشت مچانے دھمکیاں دینے اور مسلمانوں کو تنگ کرنے کے تمام ہتھکنڈے استعمال کر کے دیکھ لئے تھے' پھر جب مسلمان اپنی جان اور ایمان بچا کر مدینہ ہجرت کر گئے تو قریش نے انکی زمینیں' مکانات' اموال سب کچھ ضبط کر لیا۔ مسلمانوں اور انکے اہل وعیال کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے۔ جس کسی پر بس چلا اسے قید تک کر لیا اور ظلم وستم روا رکھنا تو انکا معمول تھا ہی۔ مسلمانوں کے قائد کو قتل کر دینے اور تعلیمات اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالنے کی سازشیں بھی جب ناکام ہو گئیں اور مسلمان مکہ سے لگ بھگ پانچ سو کلومیٹر دور ہجرت کر گئے تو قریش نے اپنی ملکی ساکھ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جزیرۃ العرب کے دوسرے مشرکین کو بھڑکایا اور زور لگا کر پورے یثرب کے خلاف بائیکاٹ کروا دیا۔ جس سے مدینہ کی درآمدات میں بہت کمی واقع ہوگئی۔ ادھر مسلمان مہاجرین کی مدینہ میں آمد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی جس سے وہ اقتصادی طور پر نہایت پریشان کن صورت حال میں مبتلا ہو چکے تھے۔ یوں مکے کے ان سرکشوں اور مسلمانوں کے اس نئے وطن کے درمیان حالت جنگ قائم ہو چکی تھی۔ جسکی ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالنا یا اس جھگڑے کا الزام مسلمانوں کے سر رکھنا (جیسا کہ چند' تاریخ دانوں نے تأثر دینے کی کوشش کی) نہایت احمقانہ اور صریح ناانصافی پر مبنی تھا۔

اب ہجرت کے بعد مسلمان انکی زیردستی سے نکل چکے تھے تو انکا حق بنتا تھا کہ جس طرح انکے اموال ضبط کیے گئے اسی طرح یہ بھی اُن ظالم سرکشوں کے اموال و جائیدادیں ضبط کر لیں۔ جس طرح انکو ستایا گیا اور انکی زندگیوں میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں یہ بھی ''جیسے کو تیسا'' والا سلوک کرنا چاہیں تو یہ عین عدل تھا تاکہ انہیں مسلمانوں کو تباہ کر ڈالنے کی دوبارہ جرأت نہ ہو سکے۔

یہ وہ حالات و مسائل تھے جن کا آنحضرتؐ کو مدینہ تشریف لانے کے بعد سابقہ ہوا۔ جسے آپؐ

نے پیغمبرانہ کردار اور قائدانہ صلاحیت کے حامل کی حیثیت سے بخوبی حل فرمایا۔ آپ ؐ نے جو قوم جس نرمی اور محبت یا جس سختی و درشتی کے سلوک کی حق دار تھی اس سے وہی سلوک کیا۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ محبت کا پہلو سختی و درشتی پر غالب رہا اور جس حد تک درگزر کیا جا سکتا تھا وہ بھی کیا گیا۔ یہاں تک کہ چند برسوں میں زمامِ کار اہل اسلام کے ہاتھوں میں آ گئی۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر

گذشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ ؐ نے مدینہ میں محلّہ بنو نجار کے یہاں ابوایوبؓ انصاری کے مکان کے سامنے جمعہ ۲۔ ربیع الاوّل ۱ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۶۲۲ء کو نزول فرمایا اور اسی وقت فرما دیا تھا کہ انشاء اللہ یہیں منزل ہو گی۔ پھر آپ ؐ اسی گھر میں منتقل ہو گئے اور پہلا کام یہ کیا کہ ایک مسجد کی تعمیر شروع فرمائی اور اسکی بنیاد وہیں رکھی جہاں آپکی اونٹنی بیٹھی تھی۔ یہ جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی جو اُن سے قیمتاً خریدی گئی۔ آپ ؐ نے اس مسجد کی تعمیر میں مسلمانوں کے ساتھ بنفس نفیس شرکت فرمائی اور باوجود صحابہ کے تکلف اور روکنے کے آپ ؐ اینٹ گارا اور پتھر وغیرہ لا کر موقع تعمیر پر رکھتے رہے۔ مسجد کی قبلہ رُخ والی دیوار سے پچھلی دیوار تک لمبائی سو ہاتھ تھی اور چوڑائی بھی تقریباً اتنی ہی یا اس سے کچھ کم تھی۔ اس جگہ میں کچھ ویرانہ تھا، مشرکین کی چند قبریں تھیں، کھجور اور غرقد کے کچھ درخت تھے جنہیں کاٹ کر قبلے کی جانب لگا دیا گیا تھا۔ حضور ؐ نے قبریں اکھڑوا دیں اور ویرانہ برابر کروا دیا۔ مسجد کچی اینٹوں اور گارے سے بنائی گئی لیکن اسکے دروازے کے بازو کے دونوں پائے پتھر کے بنائے گئے تھے۔ فرش پر ریت اور باریک کنکریاں بچھا دی گئی تھیں اور چھت پر کھجور کی شاخیں اور پتے ڈلوا دیے گئے تھے۔ چھت کو سنبھالنے کیلئے کھجور کے تنے بطور ستون استعمال کیے گئے جبکہ مسجد کی بنیاد تین ہاتھ گہری رکھی گئی تھی۔ مسجد کے بازو میں چند مکانات بھی تعمیر کرائے گئے جو دراصل ازواجِ مطہرات کے حجرے تھے۔ انکی تعمیر کے بعد آنحضرت ؐ حضرت ایوبؓ انصاری کے گھر سے یہیں منتقل ہو گئے۔

مسجد صرف ادائے نماز ہی کیلئے مخصوص نہیں تھی بلکہ یہ ایک یونیورسٹی تھی جس میں مسلمان

المملكة العربية السعودية
الرئاسة العامة لشؤون المسجد الحرام والمسجد النبوي
وكالة الرئاسة العامة لشؤون المسجد النبوي
مخطط مواقع الخدمات
بالمسجد النبوي
اتجاه القبلة
الجنوب
أرقام مخارج
ساحات المسجد النبوي
المسجد النبوي
السلام على الرسول ﷺ وصاحبيه
الروضة الشريفة
مبنى الوكالة
شارع السلام
سلم كهربائي إلى السطح
مصعد إلى السطح
توزيع الكتيبات الإرشادية
مكتب المفقودات
مكتب الشرطة
دورات مياه للرجال ومواقف السيارات
مدخل الرجال لمواقف السيارات
مدخل العائلات لمواقف السيارات
مدخل النساء لمواقف السيارات
مصعد - دورات مياه - مواقف سيارات لذوي القدرات الخاصة
مصليات النساء
مدخل النساء للروضة الشريفة
دورات مياه للنساء
مصلى الصم والبكم (السطح الغربي)
محطة سقيا زمزم
عربات لذوي القدرات الخاصة
مرفق خاص
مرفق تحت الإنشاء
مركز صحي باب الرحمة
مركز صحي باب جبريل
مصليات إضافية للرجال والنساء
محاذاة الإمام
الحصوة الأولى
الحصوة الثانية
أسماء أبواب المسجد النبوي
١ - باب السلام
٢ - أبي بكر الصديق
٣ - الرحمة
٤ - الهجرة
٥ - قباء
٨ - الملك سعود
١١ - العقيق
١٤ - السلطان عبدالمجيد
١٧ - عمر بن الخطاب
١٩ - بدر
٢١ - الملك فهد
٤٢ - باب الأئمة
٤١ - البقيع
٤٠ - جبريل
٣٩ - النساء
٣٨ - بلال
٣٧ - مكة
٣٤ - الملك عبدالعزيز
٣٢ - أبي ذر
٢٩ - علي بن أبي طالب
٢٥ - عثمان بن عفان
٢٢ - أحد
باب عثمان بن عفان
باب عبد المجيد
باب عمر بن الخطاب
مكتب البلاغات
مكتبة المسجد النبوي
المكتبة النسائية
المكتبة الصوتية
المكتبة الصوتية النسائية
إدارة المصاحف

اسلامی تعلیمات اور ھدایات کا درس لیا کرتے تھے۔ یہاں اکثر اجتماعات ایک ایسی محفل کی صورت اختیار کر لیتے جس میں مدتوں سے جاہلانہ کشاکش ونفرت اور باہمی لڑائیوں سے دوچار رہنے والے قبائلی اب میل ومحبت سے رہنا سیکھ رہے تھے۔ یہ ایک مرکز تھا جہاں نئے معاشرے کے خدوخال وضع ہو رہے تھے اور اس ننھی سی ریاست کا سارا نظام یہیں سے چلایا جاتا اور مختلف قسم کی مہمیں بھیجی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں مسجد ھذا کی حیثیت ایک پارلیمنٹ کی بھی تھی جہاں مجلس شوریٰ اور مجلس انتظامیہ کے اجلاس منعقد ہوا کرتے تھے۔ ان سب کے علاوہ یہ مسجد ہی ان فقرأومہاجرین کی خاصی بڑی تعداد کا مسکن تھی جن کا وہاں نہ کوئی مکان تھا نہ زرومال نہ ہی اہل وعیال۔ گویا ایسے بےکس وبےیارومددگار افراد کیلئے خدا کا یہ گھر ماں کی گود کی طرح آسودہ اور ایک محفوظ قلعہ تھا۔

نئی ریاست کی تعمیر

جس طرح آنحضرتؐ نے مسجد نبوی کی تعمیر فرما کر ایک بڑے دفتر کا کام لیا وہیں یہ باہمی میل و محبت کا ایک مرکز بھی تھا۔ مسلمانوں میں بھائی چارگی کا بیج بوکر آپؐ نے تاریخ انسانی کا ایک تابناک کارنامہ انجام دیا جسے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات اور بھائی چارگی کے عمل کا نام دیا جاتا ہے۔ ابن قیم لکھتے ہیں:۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں مہاجرین و انصار کے مابین ایسا بھائی چارہ کروایا' جس کی رُو سے وہ ایک دوسرے کے غم خوار ہونگے' اور موت کے بعد نسبتی رشتہ داروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔ بھائی چارگی کے معاہدہ میں کل نوے لوگ شریک تھے جن میں آدھے مہاجرین اور آدھے انصار تھے۔ ان میں وراثت کا یہ حکم جنگ بدر تک قائم رہا اور سورۃ احزاب کی آیت۔۶ میں فرمان ہوا:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ اُولُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا (احزاب: ۶)

ترجمہ:۔ ''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اسکی بیبیاں انکی مائیں ہیں

اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت مسلمانوں اور مہاجروں کے۔مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرو یہ کتاب میں لکھا ہے (احزاب:٦)

اسکی رُو سے انصار و مہاجرین میں باہمی توارُث کا حکم تو منسوخ ہو گیا۔البتہ مابین محبت و غم خواری اور غم گساری کا پہلا حصہ بدستور قائم رہا۔مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ ''اولی الارحام''یعنی نسبتی قرابت دار ایک دوسرے کے وارث ہیں کوئی اجنبی دینی برادری کے ذریعہ سے وارث نہیں ہوتا۔

یوں بھی مہاجرین اپنی باہمی اسلامی اخوت' وطنی اخوت اور رشتہ داری و قرابت داری کی اخوت کی بناء پر آپس میں اب مزید کسی بھائی چارے کے محتاج نہ تھے۔جبکہ مہاجرین اور انصار کا معاملہ اس سے کچھ مختلف تھا۔اصل میں اس بھائی چارے کا مقصد یہ تھا کہ جاہلی عصبیتیں تحلیل ہو جائیں۔حمیّت یا غیرت جو بھی ہو وہ اسلام کیلئے ہو۔نہ صرف مسلمانوں بلکہ کرّہ ارض کے جملہ انسانوں میں رنگ و نسل' امیری و غریبی' قوت وری و ناتوانی اور وطنی و قبائلی لحاظ سے امتیازات مٹ جائیں اور بلندی و پستی کا معیار محض انسانیت اور تقویٰ پر منحصر ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارے کو محض کھوکھلے نعروں کا لباس نہیں پہنایا' بلکہ اسے ایک ایسا نافذ العمل عہد و پیمان قرار دیا' جو جان و مال سے مربوط ہو۔یہ خالی خولی سلام دعا کی تعلیم نہیں تھی کہ زبان پر روانی کے ساتھ جاری رہے مگر نتیجہ کچھ بھی نہ ہو۔اس بھائی چارے کے ساتھ ایثار و غمگساری اور قلبی موانست کے جذبات بھی مخلوط تھے۔اسی لئے ایسے نتائج برآمد ہوئے کہ اُس بھائی چارے کے سبق نے اِس نئے معاشرے کو بڑے نادر اور تابناک کارناموں سے بھر دیا۔

صحیح بخاری میں مروی ہے:۔حضرت سعدؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا:''میں انصار میں سب سے زیادہ مال دار ہوں' یہ مال دو حصوں میں بانٹ کر آدھا آپ لے لیں۔میری دو بیویاں ہیں آپ کو ان میں سے جو زیادہ پسند ہو مجھے بتادیں کہ میں اسے طلاق دیدوں اور عدت گزرنے پر آپ اس سے نکاح کر لیں''۔اس پر عبدالرحمٰن نے فرمایا: اللہ آپکے اہل و مال میں برکت دے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ: انصار کے چنیدہ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم انصار اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان ہمارے کھجور کے باغات تقسیم فرمادیں۔ آپ ؐ نے منع فرمادیا تو اس پر انہوں نے یہ گزارش کی کہ ایسا کرلیں کہ آپ لوگ یعنی مہاجرین باغات میں ہمارا ہاتھ بٹادیا کریں اور ہم لوگ پھلوں میں آپ کو شریک کرلیں۔ اس پر آنحضرت ؐ نے فرمایا: ہم نے آپکی بات سن لی اور مان لی۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انصار نے کس طرح اپنے مہاجر بھائیوں کا اعزاز واکرام کیا اور کس قدر محبت، خلوص، ایثار اور قربانی سے کام لیا۔ مہاجرین نے بھی انکی ایسی کرم فرمائی کی بہت قدر کی اور انکے جذباتِ محبت کا کبھی ناجائز فائدہ نہ اٹھایا اور ان سے صرف اتنا ہی حاصل کیا جس سے وہ اپنی معیشت کی ٹوٹی کمر کو کسی قدر سیدھا کرسکے۔ حق یہ ہے کہ یہ بھائی چارہ ایک نادرِ حکمت، حکیمانہ سیاست اور مسلمانوں کو درپیش بہت سے مسائل کا ایک بہترین حل تھا۔

نئے معاشرے کی تعمیر میں بنیادی اسباق

حکمت بالغہ اور دوراندیشی سے حضور ؐ نے ایک نئے معاشرے کی جو بنیادیں استوار فرمائیں اسکا ظاہری رُخ درحقیقت اُن معنوی کمالات کا پرتو تھا جس سے آنحضرت ؐ کی صحبت وہم نشینی کی بدولت صحابہ کرام جیسی بزرگ ہستیاں بہرہ ور ہوئیں۔ نبی ؐ انکی تعلیم وتربیت، تزکیۂ نفس اور مکارم اخلاق کی ترغیب دینے میں مسلسل کوشاں رہتے اور انہیں محبت و بھائی چارگی، مجد وشرف اور عبادات واطاعت کے آداب برابر سکھاتے اور بتاتے رہتے۔ مثلاً ایک صحابی نے آپ ؐ سے دریافت کیا کہ اسلام میں کون سا عمل زیادہ بہتر ہے۔؟

آپ ؐ نے فرمایا۔ ''کھانا کھلایا کرو اور شناسا اور غیر شناسا سبھی کو سلام کیا کرو''۔

آپ ؐ نے فرمایا۔ ''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جسکا پڑوسی اسکی شرارتوں اور تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں''۔

آپ ؐ نے فرمایا۔ ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ نیز فرماتے تم میں

سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کیلئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے"۔

آپؐ نے فرمایا۔"تمام مومنین ایک آدمی کی طرح ہیں کہ اسکے جسم کے کسی بھی حصہ میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے"۔

آپؐ نے فرمایا۔"مومن ایک دوسرے کیلئے ایک عمارت کی طرح ہیں جس کا بعض، بعض کو قوت پہنچاتا اور آپس میں جوڑ کر رکھتا ہے"۔

آپؐ نے فرمایا۔"آپس میں بغض نہ رکھو، باہم حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو۔ اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رہے"۔

آپؐ نے فرمایا۔"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے دشمن کے حوالے کرے"۔

آپؐ نے فرمایا۔"جو شخص کسی مسلمان کی حاجت براری میں کوشاں ہوگا اللہ اسکی حاجت براری میں ہوگا"۔

آپؐ نے فرمایا۔"جو شخص کسی مسلمان سے غم اور تکلیف دُور کرے گا اللہ روزِ قیامت کے دکھوں میں سے اسکا کوئی (ہم پلہ) دکھ دور کرے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت کے روز اسکی پردہ پوشی فرمائے گا"۔

آپؐ نے فرمایا۔"تم لوگ زمین والوں پر مہربانی کرو آسمان والا تم پر مہربانی کرے گا"۔

آپؐ نے فرمایا۔"وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھالے اور اسکا ہمسایہ بھوکا رہے"۔

آپؐ نے فرمایا۔"مسلمان سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے اور اس سے مارکاٹ کرنا کفر ہے"۔

آپؐ نے فرمایا۔"جو مسلمان کسی ضرورت مند مسلمان کو کپڑے پہنائے گا اللہ اسے جنت کا سبز لباس

پہنائے گا‘‘۔

آپؐ نے فرمایا۔’’ جومسلمان کسی حاجت مند مسلمان کوکھانا کھلائے گا اللہ اسے جنت کے پھل کھلائیگا اور جوکسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ اسے جنت کی مہر لگی شرابِ طہور پلائے گا‘‘۔

آپؐ نے فرمایا۔’’ آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کرو۔ اگر یہ بھی نہ پاؤ توپاکیزہ بول ہی سہی‘‘۔

آپؐ نے فرمایا۔’’صدقہ گناہوں کوایسے بجھادیتا ہے‘ جیسے پانی آگ کو۔ نیز فرمایا راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹادینا بھی صدقہ ہے‘‘۔

پھراسی کے پہلو بہ پہلو دوسری طرف آپؐ مانگنے سے پرہیز کی بہت تاکید فرماتے۔ صبر و قناعت کی فضیلتیں بیان فرماتے اورسوال کرنے کوسائل کے چہرے کیلیئے نوچ خراش اور زخم قرار دیتے۔ البتہ اس سے اُس شخص کومستثنیٰ قرار دیا جوحد درجہ مجبور ہوکرسوال کرے۔ اسی طرح تعلیم فرماتے کہ کن کن عبادات کے کیا کیا فضائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا کیا اجر وثواب ہے۔ جووحی الٰہی نازل ہوتی اسے مسلمانوں کوسناتے یاد کرواتے اور دوسروں پر بیان کرنے کی تاکید فرماتے تاکہ انکے اندر فہم وتدبر کے علاوہ دعوت کے حقوق اور پیغمبرانہ ذمہ داریوں کاشعور بھی بیدار ہو۔

اس طرح آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی اخلاقیات بلند کیں‘ انکی خداداد صلاحیتوں کوعروج بخشا اورانہیں بلندترین اقدار وکردار کا حامل بنایا۔ یہاں تک کے وہ انسانی تاریخ میں انبیاء ورسل کے بعد فضل وکمال کی بلند تر چوٹیوں پر دکھائی دینے لگے۔ اور کیوں نہ ہو کہ انکے رہبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ایسی معنوی اور ظاہری خوبیوں‘ کمالات اور خداداد صلاحیتوں کی بدولت مجد وفضائل‘ مکارمِ اخلاق‘ اور محاسنِ اعمال سے متصف تھے کہ دل خود بخود آپکی جانب کھنچے چلے جاتے اور جانیں قربان ہونے کو مچلنے لگتیں۔ انہی وجوہ کی بناء پر جونہی کوئی کلمہ آپکی زبان مبارک سے ادا ہوتا صحابہ کرام اسکی بجا آوری کیلیئے دوڑ پڑتے اور ھدایت ورہنمائی کی جوبھی بات آپؐ ارشاد فرماتے اسے حرزِ جاں بنانے کیلیئے گویا اُن میں ایک

دوسرے سے آگے نکلنے کی بازی لگ جاتی۔

تائید الٰہی سے جانفشانی کے ساتھ کی گئی کوششوں کی بدولت آنحضرتؐ مدینہ میں واقعی ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے' جو تاریخ کا سب سے باکمال اور خوبیوں سے مشرف معاشرہ تھا۔ آپؐ نے اس معاشرے کے مسائل کا ایسا خوشگوار حل نکالا کہ نہ صرف مسلمانانِ مدینہ بلکہ پوری انسانیت کے (طویل عرصے تک ظلم کی چکی میں پستے اور اتھاہ تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مارتے نڈھال) لوگوں کو پہلی بار سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اس نئے معاشرے کے عناصر ایسی بلند و اعلیٰ تعلیمات کے ذریعے مکمل ہوئے جس نے پوری پامردی کے ساتھ زمانے کے ہر جھٹکے کا مقابلہ کر کے اس کا رُخ ایسا پھیرا کہ تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ اس کے اثرات نہ صرف جزائر عرب تک محدود رہے بلکہ کرّہ ارض کے کونے کونے تک پھیل گئے اور لائق عالمی اقوام نے تو اس سے خوب استفادہ کیا۔

یہود سے معاہدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کی تربیت فرمائی اور ان کے درمیان عقیدے' سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعہ ایک نئے نظام کی بنیادیں استوار کر لیں تو غیر مسلم افراد و اقوام کے ساتھ بھی اپنے تعلقات مستحکم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن و سلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو سکے' نیز مدینہ اور اسکے گرد و پیش کا تمام علاقہ ایک وفاقی وحدت میں پرویا جا سکے۔ چنانچہ آپؐ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین وضع فرمائے جن کا اس تعصب زدہ اور غلوّ پسندی سے بھری دنیا میں اس سے قبل کوئی تصور ہی نہ تھا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مدینہ کے سب سے قریب ترین پڑوسی یہود تھے۔ اگرچہ یہ لوگ دَرپردہ مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے لیکن تاحال انہوں نے کسی محاذ آرائی یا جھگڑے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس لئے حضورؐ نے انکے ساتھ ایک معاہدے کا انعقاد کیا جس کی رُو سے انہیں دین و مذہب اور جان و مال کی مطلق آزادی دی گئی تھی اور ان کی جلاوطنی' ضبطیٔ جائیداد یا جھگڑے کی سیاست کا کوئی رُخ

اختیار نہیں کیا گیا تھا۔اس معاہدے کی دفعات یہ تھیں۔

ا۔بنوعوف کے یہود مسلمانوں سے مل کر ایک ہی وحدت ہونگے۔یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔یہ حق نہ صرف معاہدے میں شریک بنی عوف ہی کا ہوگا بلکہ انکے غلاموں اور متعلقین کا بھی ہوگا۔یہاں تک کہ بنی عوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہونگے۔

۲۔یہود اپنے اخراجات کے خود ذمہ دار ہونگے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

۳۔جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے تو دونوں فریق آپس میں تعاون کریں گے۔

۴۔اس معاہدہ کے شرکاء کے باہمی تعلقات، خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہونگے، گناہ پر نہیں۔

۵۔کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔

۶۔مظلوم کی مدد کی جائیگی۔

۷۔جب تک جنگ برپا رہے گی یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

۸۔اس معاہدے کے سب شرکاء پر مدینے میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون حرام ہوگا۔

۹۔فریقین میں کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا خطرہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ اور اسکے رسول ؐ فرمائیں گے۔

۱۰۔قریش اور اسکے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائیگی۔

۱۱۔جو کوئی مدینے پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے میں دونوں فریق باہم تعاون کریں گے اور ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کریگا۔

۱۲۔یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کیلئے آڑ نہ بنے گا۔

اس معاہدے کے طے ہو جانے سے مدینہ اور اسکے اطراف گویا ایک وفاقی حکومت بن گئی جس کا دارالحکومت مدینہ تھا اور جس کے سربراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔جس میں کلمہ نافذہ اور غالب حکمرانی مسلمانوں کی تھی جس سے بتدریج مدینہ واقعتاً اسلام کا دارالحکومت بن گیا۔پھر امن اور

سلامتی کے دائرے کو وسیع تر کرنے کیلئے آنحضرتؐ نے دوسرے قبائل سے بھی حالات کے مطابق اسی طرح کے معاہدے کیئے جو آپکی سیاسی بصیرت کی دلیل ہیں۔

عبداللہ بن ابیّ سے قریش کا نامہ و پیام

ہجرت کے بعد بھی قریش کی فتنہ خیزیاں معطل نہ ہوئیں اور ہجرت کے وقت تو مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے جو کاروائیاں کیں کہ انکے اموال لوٹ لئے انکی جائیدادیں ضبط کرلیں انکے عزیز اقارب کو زبردستی روکا اور قید کرلیا گیا' جنکی بناء پر وہ مستحق ہو چکے تھے کہ انکے اموال بھی ضبط کر لئے جائیں اوران پر بزن بول دیا جائے۔ پھر بھی انکی حماقتوں کا سلسلہ بند نہ ہوا' اور وہ اپنی ستم رسانیوں سے باز نہ آئے۔ بلکہ یہ دیکھ کران کا جوشِ غضب اور بھڑک اٹھا کہ مسلمان کس طرح انکے چنگل سے نکل کر یثرب میں پناہ حاصل کر چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابیّ کو جو ابھی تک کھلم کھلا مشرک تھا اسکے قبائل یثرب میں مقبول ہونیکی کی بناء پر ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔

کیونکہ ہجرت سے قبل تک تمام موجودہ انصار اسکی سربراہی پر متفق ہو چکے تھے اور اگر اسی دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے نہ پہنچ گئے ہوتے تو وہ اسے اپنا بادشاہ بنا چکے ہوتے۔ مشرکین قریش نے اپنے اس خط میں عبداللہ بن ابیّ اور اس کے مشرک ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں لکھا کہ: ''آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں یا تو آپ اس سے جنگ کرکے ان لوگوں کو تہہ تیغ کر دیں یا نکال باہر کریں۔ وگرنہ ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر یورش کرکے آپکے تمام مردانِ جنگی قتل کر ڈالیں گے اور آپکی عورتوں کی حرمت پامال کر ڈالیں گے''۔

یہ خط پاتے ہی عبداللہ بن ابیّ اپنے مشرکین مکہ بھائیوں کی خواہش پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دھمکی کا غصہ کرنے کی بجائے مسلمانوں سے اپنی بادشاہت چھن جانے کا بدلہ لینے کا موقع غنیمت جانا۔ چنانچہ وہ اور اسکے بت پرست رفقاء آنحضرتؐ سے جنگ کیلئے جمع ہونا شروع ہو گئے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: قریش کی دھمکی تم لوگوں پر زیادہ ہی اثر کر گئی ہے۔ تم لوگ انکی باتوں میں آ کر خود کو اتنا نقصان پہنچا لو گے کہ اتنا نقصان قریش تمہیں نہیں پہنچا سکتے۔ کیا تم لوگ اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑنا چاہتے ہو؟ جنگ پر آمادہ لوگ آپکی بات سنتے ہی سناٹے میں آ گئے اور چند لمحوں میں بکھر کر جگہ خالی کر گئے۔

چنانچہ عبداللہ بن ابیّ وقتی طور پر جنگ سے باز آ گیا' کیونکہ اسکے لوگ ڈھیلے پڑ گئے تھے یا انہیں بات سمجھ آ گئی تھی۔ لیکن در پردہ قریش سے اسکے روابط بدستور قائم رہے اور وہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان شرّ وفساد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ یہ تو آنحضرتؐ کی حکمت عملی تھی جو رہ کر شر و فساد کی بھڑکنے والی آگ کو بجھا دیا کرتی تھی۔

مہاجرین کو قریش کی دھمکی

عبداللہ بن ابیّ کو دی گئی دھمکی کے غبارے سے ہوا نکل گئی تو قریش نے مدینہ کے مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ "تم مغرور نہ ہونا کہ ہمارے ہاتھوں بچ نکل کر یثرب جا پہنچے۔ تیار رہو ہم یثرب ہی پہنچ کر تمہارا ستیاناس کر دیتے ہیں"۔ یہ محض دھمکی نہیں تھی کیونکہ آنحضرتؐ کو بڑے مؤکد طریقے پر قریش کی چالوں اور برے ارادوں کا علم ہو چکا تھا۔ اسلئے آپؐ یا تو رات جاگ کر گزارتے یا پھر کسی نہ کسی صحابیؓ کے پہرے میں آرام فرماتے۔

جان کا یہ خطرہ صرف آنحضرتؐ کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ تمام مسلمانوں کو لاحق تھا' اور پہرے کا یہ انتظام بھی بعض مخصوص راتوں تک محدود نہ تھا بلکہ مسلسل اور دائمی تھا۔ حضرت ابیّ بن کعبؓ سے مروی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے رفقاء ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور انصار نے انہیں اپنے یہاں پناہ دی تو عرب کے تمام مشرک قبائل مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے۔ چنانچہ یہ لوگ ہتھیاروں کے بغیر نہ رات گزارتے نہ بغیر ہتھیار صبح کرتے۔ ہتھیار بھی یہ صرف اپنے دفاع کیلئے اپنے ساتھ رکھتے وگرنہ مسلمانوں کو تا حال جنگ کی اجازت ہی نہ تھی۔

جنگ (جہاد) کی اجازت

ایسے خطرناک حالات جو مسلمانانِ مدینہ کے لئے چیلنج بنے ہوئے تھے قریش کی ضد وظلم کا واضح ثبوت تھے اور صاف عیاں تھا کہ وہ کسی طرح ہوش کے ناخن لینے اور اپنے تمرّد سے باز آنے کیلئے تیار نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت عطا فرمادی' اگرچہ اسے فرض قرار نہیں دیا۔ اس موقع پر سورۃ الحج کی آیت نازل ہوئی:۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ط وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ لا (الحج:۳۹)

''جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انہیں بھی جنگ کی اجازت دی گئی کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور یقیناً اللہ انکی مدد پر قادر ہے'' (الحج:۳۹)

پھر اس آیت کے ضمن میں مزید چند آیات کا نزول ہوا جن میں بتایا گیا کہ اجازت محض جنگ برائے جنگ کے طور پر نہیں بلکہ اس سے مقصود باطل کے خاتمے اور اللہ کے شعائر کا قیام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:۔

'' اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ'' (الحج: ۴۱)

''جنہیں ہم اگر زمین میں اقتدار سونپ دیں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور سب انجامِ کار اللہ ہی کیلئے ہے'' (الحج: ۴۱)

جنگ کی اجازت تو نازل ہوگئی لیکن جن حالات میں نازل ہوئی وہ محض قریش کی قوت وتمرّد کا نتیجہ تھے اس لئے حکمت کا تقاضہ تھا کہ مسلمان اپنے تسلط کا دائرہ قریش کی اس تجارتی شاہراہ تک پھیلادیں جو مکہ سے شام تک آتی جاتی ہے۔ اس لئے حضورؐ نے تسلّط کے اس پھیلاؤ کے لئے دو منصوبے اختیار فرمائے۔

ا۔ ایک یہ کہ جو قبائل اس شاہراہ کے اردگرد یا اس شاہراہ سے مدینے تک کے درمیانی علاقے میں آباد تھے انکے ساتھ حلف دوستی وتعاون اور جنگ نہ کرنے کے معاہدات۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اس شاہراہ پر گشتی دستے متعین فرمانا۔

پہلے منصوبے کے ضمن میں یہود سے پہلے معاہدے کی طرح عسکری مہم جوئی شروع کرنے سے پیشتر اسی طرح کی دوستی و تعاون اور جنگ نہ کرنے کا ایک معاہدہ قبیلہ جہینہ کے ساتھ بھی کیا۔ انکی آبادی مدینہ سے تین مرحلے پر یعنی پینتالیس سے پچاس میل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ اس کے علاوہ بھی آپ ؐ نے متعدد معاہدات کیئے۔

دوسرے منصوبہ کے مطابق طلایہ گردی کی شکل میں فوجی دستے گشت کرنے لگے۔ جنگ کی اجازت ملنے پر مسلمانوں کی عسکری مہمات کا سلسلہ عملاً شروع ہو گیا اور عسکری دستوں کی گشت سے مدینہ کے گرد و پیش کے علاقوں پر عموماً اور مکہ کے راستوں پر خصوصاً نظر رکھی جانے لگی تا کہ حال و احوال کا پتہ لگایا جاتا رہے اور یثرب کے مشرکین و یہود اور آس پاس کے بدوؤں کو احساس دلایا جائے کہ مسلمان اب پہلے والے کمزور و ناتواں نہیں رہے' بلکہ وہ قوت وری کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس سے قریش کو بھی باور کرانا مقصود تھا کہ اب انکے بیجا طیش' ضد اور مکارانہ کاروائیوں کے خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ انہیں احساس دلانا ضروری تھا کہ وہ حماقتوں کی جس دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں اس سے نکل کر ہوش کے ناخن لیں اور اپنے اقتصادی اور اسباب معیشت کو خطرے میں دیکھ کر صلح کی کوشش کریں نا کہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر انکے خاتمے کے خوش کن خواب دیکھتے رہیں۔

لیکن لاتوں کے بھوت باتوں سے کب مانتے ہیں۔ مدینہ ان سے دور ہو گیا تو مکہ میں موجود مسلمانوں پر سختیاں اور زیادہ بڑھ گئیں۔ چنانچہ ان کا سدّ باب کرنے کیلیئے مسلمانوں نے شاہراہ پر چلنے والے قافلوں اور مشرکینِ مکہ کی حمل و نقل پر نظر رکھنی شروع کر دی اور اس ضمن میں چھوٹی موٹی جھڑپیں بھی ہونے لگیں جو بالآخر جنگ بدر تک جا پہنچیں۔ اب سے غزوۃ بدر تک کے دوران جو چند سرائے وقوع پذیر ہوئے انکے ناموں پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھوں گا۔

سریّہ ٔ سیف البحر۔۔۔۔ رمضان ۱ھ مطابق مارچ ۶۲۳ء

سریّہ ٔ رابغ۔۔۔۔۔۔ شوال ۱ھ مطابق اپریل ۶۲۳ء

سریّہ خرّار۔۔۔۔۔۔ذیقعد ۱ھ مطابق مئی ۶۲۳ء

غزوۂ ابواء یا ودّان۔۔۔۔صفر ۲ھ مطابق اگست ۶۲۳ء

غزوۂ بواط۔۔۔۔۔۔ربیع الاوّل ۲ھ مطابق ستمبر ۶۲۳ء

غزوۂ سفوان۔ یہ بھی۔۔۔۔ربیع الاوّل ۲ھ مطابق ستمبر ۶۲۳ء

اس میں کرز بن جابر فہری نے مشرکین کی ایک مختصر فوج کے ساتھ مدینے کی چراگاہ پر چھاپا مار کر مسلمانوں کے کچھ مویشی لوٹ لئے۔ اطلاع ملنے پر آنحضرتؐ نے ۷۰ صحابہؓ کے ہمراہ اس کا تعاقب کیا اور بدر کے اطراف میں واقع وادیٔ صفوان تک تشریف لے گئے مگر کروز اور اسکے ساتھیوں کو نہ پا سکے اور واپس تشریف لے آئے۔ بعض لوگ اسے غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں۔

غزوۂ ذی العُشیر ہ۔۔۔جمادی الآخر ۲ھ دسمبر ۶۲۳ء

سریّہ نخلہ۔۔۔۔۔رجب ۲ھ مطابق جنوری ۶۲۴ء

اس مہم پر آپؐ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں بارہ افراد کو چھ اونٹوں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ جنہوں نے طویل مسافت طے کر کے نخلہ میں نزول کیا اور اس قافلہ کو پالیا جسکی اطلاع تھی لیکن یہ قافلہ تجارتی قافلہ نکلا۔ لیکن اس میں قریش کے وہ لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے مسلمانوں پر انگنت ظلم ڈھائے تھے۔ جیسے عمرو بن حضرمی، عبداللہ بن مغیرہ کے دو بیٹے عثمان اور نوفل اور حکیم بن کیسان مولیٰ مغیرہ تھے۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ کیونکہ آج حرام مہینے رجب کا آخری دن تھا۔ اگر وہ رات رک رہیں تو یہ لوگ کل حدودِ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ اس لئے سب نے یہی رائے دی کہ حملہ کر کے انہیں سبق سکھانا چاہیئے۔ چنانچہ ایک شخص نے عمرو بن حضرمی کو تیر مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ عثمان اور حکیم کو گرفتار کر لیا البتہ نوفل بھاگ نکلا۔ بعد ازاں یہ لوگ قیدیوں اور سامان سمیت مدینہ پہنچے۔ انہوں نے مال غنیمت میں سے عشر بھی نکال لیا تھا۔ یہ اسلامی تاریخ کا پہلا خمس پہلا مقتول اور پہلے قیدی تھے۔

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی اس حرکت پر انکی باز پرس کی اور فرمایا میں نے تم لوگوں کو حرام

مہینے کی حرمت پامال کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس لئے دونوں قیدیوں کو مال سمیت آزاد کر دیا اور مقتول کے ورثاء کو اس کا خون بہا ادا کیا۔

اُدھر مشرکین کو اس حادثہ سے اس پروپیگنڈے کا موقع مل گیا کہ مسلمانوں نے اللہ کے حرام کیے گئے مہینے کو حلال کر لیا۔ چنانچہ بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں حالانکہ وہ خود اس سے پہلے محترم مہینوں کی حرمت کو پامال کرنے، مسلمانوں پر حملے کرنے اور انہیں حرم میں داخلے سے روکنے جیسے افعال کے مرتکب رہے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس پروپیگنڈے کی قلعی کھول دی اور بتلا دیا کہ مشرکین جو کچھ کر رہے ہیں وہ مسلمانوں کی اس حرکت سے بدرجہا بڑا جرم ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۱۷ میں یہی ارشاد ہوا:۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ط وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌ م بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ج وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط ..... (بقرة: ۲۱۷)

ترجمہ:۔ ''آپ سے پوچھتے ہیں ماہِ حرام میں لڑنے کا حکم کیا ہے، آپ فرما دیں اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے، اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس پر ایمان نہ لانا، اور مسجد حرام سے روکنا، اور اسکے باسیوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اور انکا فساد قتل سے سخت تر ہے''۔ (بقرۃ: ۲۱۷)

سریّہ عبداللہ بن جحش کا یہ واقعہ ایک خطرۂ مجسم بن کر قریش مکہ کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا کہ مدینہ کی قیادت کس قدر بیدار مغز ہے اور ہماری ایک ایک تجارتی نقل و حمل پر توجہ رکھے ہوئے ہے۔ جب وہ سوچتے کہ مسلمان تین سو میل باہر نکل کر کس دیدہ دلیری سے ہمارے علاقے میں گھس کر ہمیں قتل تک کرنے لگ گئے ہیں اور ہماری تجارتی شاہراہ اب ایک مستقل خطرہ کی زد میں ہے، تو انکا متفکر و پریشاں ہونا ایک فطری بات تھی۔ کیونکہ قریش کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار تجارت پر تھا اور مکہ سے شام جانے والی یہ شاہراہ یثرب سے ہو کر گزرتی تھی۔

یہ طے ہے کہ غزوۃ بدر سے قبل تک اتنے سرائے اور غزواۃ میں اُس وقت تک لوٹ مار یا قتل

کی نوبت نہیں آئی تھی جب تک مشرکین نے جابر بن فہر کی قیادت میں مدینہ کی چراگاہ پر حملے میں پہل نہیں کی۔لیکن ان سب باتوں کے باوجود قریش نے اپنی حماقتوں کے نتائج سے کچھ نہ سیکھا۔قبیلہ جہینہ اور بنوضمرہ کی طرح ہوش مندی سے صلح وصفائی کی راہ اختیار کرنے کی بجائے اپنے جذبۂ غیض وغضب اور جوشِ بغض وعداوت میں کچھ اور آگے بڑھ گئے اور انکے صنادید واکابرین نے اپنی پرانی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کرلیا کہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر انکے وجود تک کا صفایا کردیا جائے۔چنانچہ یہی طیش انہیں بدر کے میدان تک لے آیا۔

قریش کے ایسے جذبات وخیالات اور ہٹ دھرمی پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جحش کے سریّہ کے بعد شعبان ۲ھ کو مسلمانوں پر جنگ فرض قرار دیدی اور اس سلسلے میں کئی آیات کا نزول ہوا' جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا:۔

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ(۱۹۰) وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ(۱۹۱) فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ(۱۹۲) وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ (۱۹۳) (سورۃ:بقرۃ)

تراجم: ''اور اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' (بقرۃ:۱۹۰) ''اور کافروں کو جہاں پاؤ مارو اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور انکا فساد تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں اور اگر تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے'' (بقرۃ:۱۹۱) ''پھر اگر وہ باز رہیں (قتل مسلمین سے اور شرک سے) تو بیشک

اللہ بخشنے والا مہربان ہے(بقرۃ:۱۹۲)''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ(شرک وفساد) باقی نہ رہے اور ایک اللہ کی پوجا ہو پھر اگر وہ (شرک وفساد سے) باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں سوائے ظالموں کے''(بقرۃ:۱۹۳)

اس کے بعد جلد ہی دیگر آیات نازل ہوئیں جن میں جنگ کا طریقہ بتایا گیا اور اس کی ترغیب دی گئی ہے اور بعض احکامات عطا فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ سورۃ محمدؐ میں ارشاد ہوا:۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ق فَاِمَّا مَنًّۢا م بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ۛ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ط وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (۴) سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ج (۵) وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (۶) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (۷) (سورۃ: محمدؐ)

''پس جب تم لوگ کفر کرنے والوں سے ٹکراؤ تو گردنیں مارو یہانتک کہ جب انہیں اچھی طرح کچل لو تو جکڑ کر باندھو' اسکے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے' یہ ہے (تمہارا کام) اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتا لیکن (وہ چاہتا ہے کہ) تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں اللہ انکے اعمال کو ہرگز رائیگاں نہ کرے گا(۴) اللہ انکی رہنمائی کرے گا اور اُن کا حال درست کریگا(۵) اور اُن کو جنت میں داخل کریگا جس سے انکو واقف کروا چکا ہے(۶) اے ایمان لائے لوگو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم ثابت رکھے گا''(۷) (سورۃ محمد:۴تا۷)

اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی جن کے دل' جنگ کا حکم سن کر جانوں کے خوف سے کانپنے لگے اور دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ چنانچہ سورۃ محمدؐ میں ارشاد ہوا:۔

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِیْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ (۲۰) (سورۃ: محمدؐ)

ترجمہ:۔ ''پھر جب کوئی محکم سورۃ نازل ہوتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں (بزدلی یا نفاق کی) بیماری ہے وہ آپکی طرف یوں دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو (سورۃ محمدؐ:۲۰)

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں پر جنگ کی فرضیت' جنگ کی ترغیب اور اسکی تیاری کا حکم' حالات کے تقاضہ کے عین مطابق تھا اور حالات' حق و باطل کے درمیان ایک خون ریز اور فیصلہ کن معرکے کا تقاضہ کر رہے تھے' خصوصاً سریّہ عبداللہ بن جحش کے بعد' جو کہ مشرکین کی غیرت وحمیّت پر ایک سنگین ضرب تھی اور جس نے مشرکین کو کبابِ سیخ بنا رکھا تھا۔

احکامِ جنگ کی آیات کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک خون ریز جنگ کا جلد سامنا ہونے والا ہے۔ ان آیات میں اشارۃً مسلمانوں کو بتا بھی دیا گیا کہ آخر کار فتح انہی کی ہوگی۔ کیونکہ مسلمانوں کو یہ حکم دینا کہ اُن مشرکین کو وہاں سے نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ پھر ان کو کچل ڈالنا اور قیدیوں کو خوب کس کے باندھنا جیسے فرامین صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اس جنگ کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے۔

ان ہی دنوں شعبان ۲ھ مطابق فروری ۶۲۴ء میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا قبلہ بھی تبدیل فرما دیا یعنی بیت المقدس کی بجائے اب مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ مقرر ہوگیا۔ جس سے منافقینِ یہود جو محض مسلمانوں کی صفوں میں انتشار واضطراب ڈالنے کیلئے داخل ہوگئے تھے کھل کر سامنے آگئے۔ اس طرح مسلمانوں کی صفیں بہت سے غداروں اور خیانت کوشوں سے پاک ہوگئیں۔

غزوۂ بدر کبریٰ

اسلامی تاریخ کا پہلا بڑا اور کامیاب معرکہ بدر کے مقام پر واقع ہوا جس میں مسلمانوں کی نہایت قلیل مقدار نے حد درجہ بے سروسامانی کے عالم میں حصہ لیا۔ ''بدر'' کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہاں بدر بن یخلد بن النضر بن کنانہ کسی وقت آباد ہوا تھا اسی کے نام سے اس جگہ کا نام بدر پڑ گیا۔ پھر عرصہ بعد بدر بن حارث نامی شخص نے یہاں ایک کنواں کھدوایا جو بئر بدر سے موسوم تھا اس لئے اس جگہ کا نام بدر مشہور ہو گیا۔

گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ جب سے مسلمانوں نے قریش مکہ کے ظلم و تعدی سے تنگ آ کر مدینہ نبویؐ میں پناہ لی تھی تب سے قریش تلملائے ہوئے تھے کہ یہ ہمارے پنجوں سے کیونکر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ فوجی طاقت سے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو فنا کر دیا جائے اور اُن پر پوری قوت سے ایسا ناگہانی حملہ کیا جائے جو اُن کو ہمیشہ کیلئے نیست و نابود کر ڈالے۔ آنحضرتؐ انکی طبائع سے واقف اور انکے ناپاک ارادوں سے باخبر تھے اسلئے وقفوں وقفوں کے ساتھ مسلمانوں کے جتھے ان راستوں کی طرف روانہ فرماتے رہتے جہاں سے اہل مکہ کے اقدام اور حملوں کا امکان ہو سکتا تھا۔ اسکے ساتھ ساتھ آپؐ اُن اطراف کے قبائل سے غیر جانبدار رہنے کے معاہدے بھی کر رہے تھے۔ رمضان ۱۔ھ میں امیر حمزہؓ اپنے تیس سواروں کے ساتھ سیف البحر کی طرف معمول کے گشت پر تھے کہ انہیں ابو جہل کا لشکر دکھائی دیا جو تین سو سواروں پر مشتمل تھا۔ ابو جہل کو بھی اندازہ ہو گیا کہ مسلمان ہوشیار ہیں اور ان پر اچانک حملہ آسان نہیں، چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا۔ اسی سال شوال میں عبیدہ بن الحارثؓ الہاشمی اپنے ساٹھ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ سے گشت پر نکلے تھے کہ انہیں ابوسفیان دو سو سواروں کے ساتھ سنیۃ المرہ کے راستے میں مل گیا۔ اس نے بھی جان لیا کہ مسلمان غافل نہیں۔ چنانچہ وہ بھی کسی چھیڑ چھاڑ کے بغیر واپس پلٹ گیا۔

اس کے بعد صفر ۲۔ھ میں آنحضرتؐ ستر سواروں کے ساتھ ابواؔ تک نہضت فرما ہوئے اس سفر

بدر کے قدیم شہر کا ایک حصہ

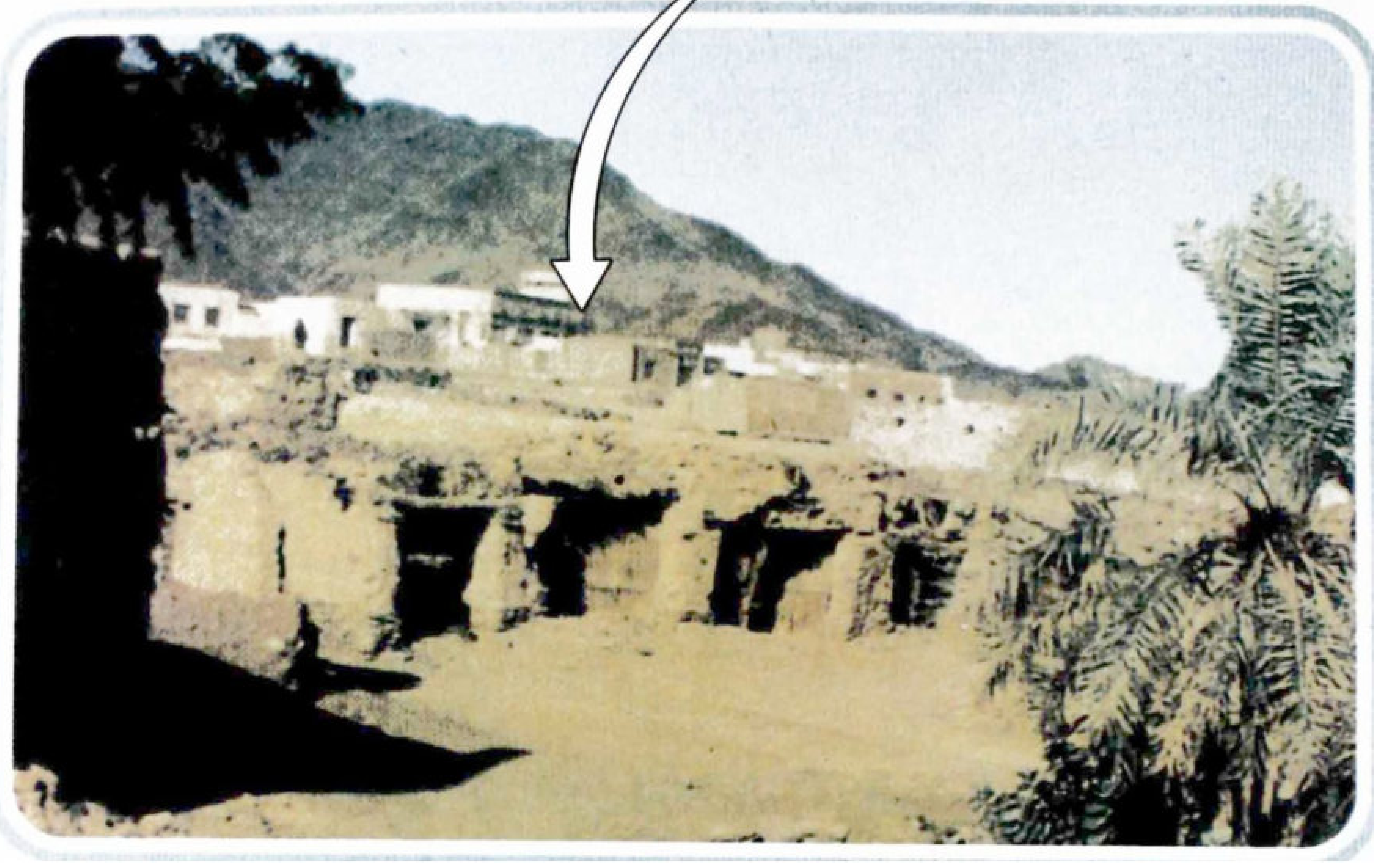

میں عمرو بن مخشی الضمری سے معاہدہ ہوا کہ وہ ہمارے اور قریش کے مابین کسی تنازعہ میں غیر جانبدار رہے گا۔ ربیع الاوّل ۲ھ کو حضورؐ نے دوسو ساتھیوں سمیت پھر بواط تک سفر کیا۔ یہ مقام ینبوع بندرگاہ کے قریب ہے راستہ میں انہیں قریش کا قافلہ ملا جس کا سردار امیہ بن خلف تھا اس کے ہمراہ ایک سو افراد تھے جبکہ آپکے ساتھ دوسو افراد تھے۔ چونکہ مسلمانوں کا مقصد امن پسندی اور دوستی تھا اس لئے قافلہ نکل گیا اور آپؐ اپنے ساتھیوں سمیت واپس مدینہ آ گئے۔ اسی ماہ میں کرز بن جابر الفہری نے مکہ سے نکل کر مدینے کی ایک چراگاہ پر کامیاب حملہ کیا اور مسلمانوں کے مویشی ہانک کر لے گیا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے سفوان تک اس کا پیچھا کیا مگر وہ فرار ہو چکا تھا۔ صفوان بدر کے قریب ہے اس لئے اس کو بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل اسی واقعہ کے بعد سے مسلمانوں کے گشت کے سلسلے اور اپنے نقصان کا بدلہ لینے کیلئے قریش کے قافلوں پر حملہ آور ہونے کے چند واقعات رُونما بھی ہوئے۔ جن میں لامحالہ مابین جنگی صورتِ حال کا خدشہ خارج از امکان نہیں تھا۔ چنانچہ اس حملہ کے بعد حضورؐ نے ضرورت محسوس کی کہ بنو مدلج اور بنو ضمرہ قبائل کے ساتھ بھی غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کیا جائے۔ پھر جمادی الآخر ۲ھ کو یہ معاہدہ ہوگیا اور اسی ماہ (گزشتہ صفحات میں مذکور) عبداللہ بن جحش کا واقعہ پیش آیا' جس کا حضورؐ نے خون بہا بھی ادا کر دیا۔

قریش نے تاوان تو وصول کر لیا' مگر انہوں نے مسلمانوں کی معذرت کی قدر نہ کی۔ اب انکا ارادہ تھا کہ خفیہ حملے کی بجائے مسلمانوں پر اعلانیہ حملہ کیا جائے۔ یوں وہ کسی موقع اور حملہ آور ہونے کے بہانے کی تلاش میں تھے کہ ابوجہل کو یہ موقع مل بھی گیا۔ شام سے ابوسفیان اپنے تجارتی قافلہ سمیت مکہ آ رہا تھا اور مسلمانوں کا ایک جتھہ بھی قریش سے بدلہ لینے کیلئے اس قافلے کا منتظر تھا' کہ ابوجہل نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قوم کو جوش دلانے کیلئے یہ مشہور کر دیا کہ قریش کے اس تجارتی قافلے کو جو ابوسفیان کی ماتحتی میں شام سے آ رہا ہے اور جس کا سرمایۂ تجارت پچاس ہزار دینار ہے مسلمان لوٹنا چاہتے ہیں' لہٰذا قافلے کی حفاظت کیلئے فوراً تیار ہو کر نکلنا چاہیئے۔ اس کی تدبیر پُر تزدیر سریع الاثر ثابت ہوئی۔ کچھ ہی دیر میں ایک ہزار کا لشکر (جو ہتھیاروں سے مسلح تھا تین سو گھوڑے اور سات سو اونٹ ان کے ساتھ تھے)

فراہم ہوگیا۔قریش کے پندرہ سردار بھی لشکر میں آ گئے جنہوں نے وعدہ کیا کہ وہ یکے بعد دیگرے تمام لشکر کی خوراک کے متکفل ہونگے ۔ادھر مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ نہ انکی افرادی قوت کے لحاظ سے تعداد معقول تھی نہ انکے پاس ہتھیاروں کی مد سے کچھ قابل شمار اسلحہ موجود تھا' معاشی حال یہ کہ وہ اپنی دفاعی صلاحیت اور تیاری بھی محض لکڑی کی تلواروں کے ساتھ کرتے رہے تھے۔ایسے وقت میں ایسی کسی اطلاع کا ملنا کہ اتنی بڑی تعداد مشرکین' مسلمانوں کو نابود کر ڈالنے کے ارادہ سے مکہ سے کوچ کر چکی ہے۔واقعی فکر مند کر دینے کیلئے کافی تھی' صاف عیاں تھا کہ ایک جنگ ہے جو مسلمانوں پر لادی جا رہی تھی۔

ابو جہل اس لشکر سمیت مکہ سے چار پانچ منزل تک پہنچ گیا تھا جب اسے اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا قافلہ خیریت سے مکہ پہنچ گیا ہے۔اہل لشکر نے ابو جہل سے کہا کہ اب ہمیں واپس چلنا چاہیئے ۔اس نے کہا بہتر ہے لیکن ہمیں خوشی کے اس جشن کو مناتے ہوئے یثرب کے قرب و جوار تک جانا چاہیئے تا کہ ہماری اکثریت اور طاقت کا اثر گردونواح کے قبائل پر یوں پڑے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کرنا پسند نہ کریں۔اہل لشکر نے اس رائے سے اتفاق کیا اور سمندر کا ساحل چھوڑ کر مدینے کی طرف ہو لئے۔

اسلامی لشکر کیلئے حالات کی نزاکت

ادھر مدینہ کے ذرائع اطلاعات نے حضورؐ کو موجودہ حالات کے بارے اطلاع دی جبکہ آپؐ اپنے قافلہ سمیت خود بھی راستہ ہی میں تھے اور وادیٔ ذفران سے گزر رہے تھے۔آپؐ نے لشکر کفار کے بارے سنا تو گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد یقین کر لیا کہ اب ایک خون ریز ٹکراؤ کا وقت آ گیا ہے اور ایسا اقدام ناگزیر ہو گیا ہے جو شجاعت و بسالت اور جرأت و جسارت پر مبنی ہو۔یہ بات قطعی تھی کہ مکی لشکر کو اس علاقے میں اگر یونہی دندناتا کھلا چھوڑ دیا جاتا تو اس سے جہاں قریش کی فوجی ساکھ کو بڑی قوت حاصل ہو جاتی اور انکی سیاسی وفوجی بالادستی کا دائرہ دُور دُور تک پھیل جاتا' وہیں مسلمانوں کی آواز دب کر کمزور ہو جاتی اور اسلامی دعوت کو ایک بے روح ڈھانچہ سمجھ کر علاقے کا ہر کس و ناکس جو اپنے اندر اسلام سے کینہ و عداوت چھپائے رکھتا تھا شرّ وفساد پر آمادہ ہو جاتا۔اِن سب باتوں کے باوجود اس کی کیا ضمانت تھی کہ مکی

لشکر مدینے کی جانب پیش قدمی نہیں کرے گا اور اپنا دیرینہ خواب پورا کرنے کیلئے مدینے کی چار دیواری پامال کرتے ہوئے مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر انہیں تباہ کرنے کی جرأت نہیں کریگا۔

بنا بر ایں آنحضرتؐ نے حالات کی اس اچانک اور پُر خطر تبدیلی کے پیش نظر وہیں ایک اعلیٰ فوجی مجلسِ شوریٰ منعقد فرمائی جس میں درپیش صورتِ حال کا تذکرہ فرمایا۔ پھر نہ صرف کمانڈروں بلکہ عام فوجیوں سمیت سب سے تبادلہ خیال کیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کا ایک گروہ خون ریز ٹکراؤ کا سن کر کانپ اٹھا اور اُنکے دلوں کی دھڑکنیں بڑھ گئیں۔ اسی گروہ کے بارے سورۃ الانفال میں ارشادِ باری ہوا:۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ(۵) يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ(۶) (سورۃ:الانفال)

''جیسا کہ تجھے تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کے ساتھ نکالا اور مومنوں کا ایک گروہ ناخوش تھا (۵) وہ تجھ سے حق کے بارے میں اسکے واضح ہو چکنے کے بعد جھگڑا کر رہے تھے گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں''
(انفال: ۶/۵)

جہاں تک قائدین لشکر کا تعلق ہے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ نے نہایت عمدہ گفتگو فرمائی اور حضورؐ کی رائے کی تائید کی' پھر حضرت مقداد بن عمروؓ نے اٹھ کر حضورؐ کی ڈھارس بندھاتے ہوئے عرض کی:۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اللہ نے آپکو جو راہ دکھلائی ہے اس پر رواں دواں رہیے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپؐ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ:۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (۲۴) (سورۃ: المائدۃ)

''کہنے لگے (بنی اسرائیل) اے موسیٰ ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ (عمالقہ) لوگ وہاں موجود ہیں، تم اور تمہارا رب جاؤ اور (ان سے) لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں''۔ (مائدۃ:۲۴)

حضورؐ نے یہ حوصلہ افزا گفتگو سن کر انکے حق میں کلمہ خیر ارشاد فرمایا اور دعا دی۔ یہ خوش کن حوصلہ افزا بیان ان تین کمانڈروں کے تھے جو مہاجرین میں سے تھے جن کی تعداد لشکر میں بہت کم تھی۔ اس لئے آنحضرتؐ کی خواہش تھی کہ اس معاملہ میں انصار کی رائے بھی معلوم کی جائے کیونکہ وہی لشکر میں اکثریت رکھتے ہیں اور اس معرکے کا اصل بوجھ انہی کے کندھوں پر آنے والا تھا۔ درآنحالیکہ بیعت عقبہ کی رُو سے ان پر لازم بھی نہیں تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کریں۔ اس لئے حضورؐ نے فرمایا لوگو مجھے مشورہ دو۔ یہ سن کر انصار کے کمانڈر حضرت سعدؓ بن معاذ نے عرض کیا کہ کیا حضورؐ کا رُوئے سخن ہماری طرف ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں، ہمیں آپکی صداقت ولیاقت پر مکمل یقین ہے، ہم نے آپکو عہد و میثاق دیا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکا جو بھی ارادہ ہو اُس کیلئے پیش قدمی فرمائیے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپکو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ساتھ لے کر سمندر میں بھی کودنا چاہیں تو ہم بھی آپکے ہمراہ کودنے میں تاخیر نہ کریں گے اور ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ حضرت سعدؓ کی یہ گفتگو سن کر آنحضرتؐ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور فرمایا کہ: ''چلو اور خوشی خوشی چلو۔ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم: اس وقت میں گویا قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں''۔

جب حضورؐ کو ابوجہل کے ارادوں اور اسکی سازش کا پتہ چلا کہ وہ ایک لشکر لئے مدینے کی طرف بڑھنے کی تیاری کر رہا ہے اور آپکے ساتھیوں نے بزورِ شمشیر انہیں روکنے کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے حضورؐ کی رائے سے اتفاق کر لیا، تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو جلد از جلد تیار ہونے کی تلقین فرمائی۔ متعدد روایاتِ صحیحہ کے مطابق ۳۱۳ مسلمان سر بکف ہو کر نکلے۔ جن کے لشکر میں صرف تین گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ گویا سواریوں میں تین تین سواروں کیلئے ایک ایک اونٹ مقرر کیا گیا۔ اُن میں سے بھی ایک

وقت میں دولوگ سوار ہوتے اور ایک پیدل چلتا۔ حضورؐ کی سواری میں حضرت علیؓ اور ابولبابہؓ شامل تھے۔ راستہ میں ابولبابہؓ مدینہ کے گورنر بنا کر واپس بھیج دیے گئے تو انکی جگہ زیدؓ بن حارث نے لے لی' باقی سب غازیانِ بدر پیدل سفر کررہے تھے۔ پیدل سفر کرنے والوں کو اس دشواری کا سامنا تھا کہ مسلمانوں کو جہاں اترنا تھا وہاں ریت بہت تھی اور انکے پاؤں اس میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ پانی کی کمی الگ سے ایک مسئلہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ایک زوردار طوفانی بارش ہوئی جس سے ریت بھی دب گئی اور مسلمانوں کیلئے سفر کرنا آسان ہوگیا۔ دوسری طرف مشرکین نے اپنے لئے مٹی کا میدان چنا تھا جو اس طوفانِ بادوباراں سے کیچڑ میں تبدیل ہوگیا۔ انکے شامیانے زمین بوس ہوگئے اور ساری شان وشوکت اسی کیچڑ میں مل گئی۔

بہرحال کوچ کرتے ہوئے آپؐ ذفران سے آگے بڑھے دوتین پہاڑی موڑ مڑنے کے بعد دیت نامی ایک آبادی میں اُترے اور حنان نامی پہاڑ جیسے تودے کو دائیں ہاتھ چھوڑ دیا اور بدر کے قریب نزول فرمایا۔ اسی اثناء میں اسلامی جاسوسوں کو قریش کے دولوگ ملے جو سقے تھے اور یہاں پانی بھر رہے تھے۔ انہیں پکڑ کر حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر کیا گیا' تو حضورؐ نے ان سے فرمایا مجھے لشکر قریش کے متعلق بتاؤ۔ انہوں نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ ٹیلہ جو وادی کے آخری دہانے پر دکھائی دے رہا ہے وہ لوگ اسکے پیچھے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کتنے لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا تعداد تو معلوم نہیں البتہ بہت لوگ ہیں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا انکے کھانے کیلئے کتنے اونٹ ذبح ہوتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ ذبح ہوئے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ پھر ان لوگوں کی تعداد نو سو یا ایک ہزار ہوگی۔ اس کے بعد حضورؐ نے اپنے لشکر کو حرکت دی تاکہ دشمن سے پہلے بدر کے چشمے پر پہنچ جائیں اور اس پر مشرکین کو مسلط نہ ہونے دیں۔ وہاں پہنچ کر ایک جگہ کا انتخاب فرمالیا تو خبابؓ بن منذرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ جگہ حکم الٰہی سے منتخب کی گئی ہے یا میں اس بارے کسی رائے کا اظہار کرسکتا ہوں۔ اجازت ملنے پر خبابؓ بن منذر نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ اگر آپؐ مزید آگے بڑھ کر لشکرِ قریش کے سب سے قریب والے چشمے پر پڑاؤ ڈال لیں۔ پھر ہم اپنے چشمے پر

حوض بنالیں اور بقیہ چشمے بند کر دیں۔ تو قریش سے جنگ کے دوران ہم پانی پیتے رہیں گے جبکہ دشمنوں کو اس ضمن میں تنگی اور دشواری کا سامنا رہے گا۔ حضورؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ پھر آپؐ اپنے لشکر سمیت اٹھے اور کوئی آدھی رات گئے تک دشمن کے قریب ترین چشمے پر پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ صحابہؓ نے اپنے چشمے پر حوض بنالیا اور بقیہ چشمے پاٹ دیئے گئے۔

اسلامی لشکر کے پیچھے ایک بلند ٹیلے پر آنحضرتؐ کیلئے ایک چھپر بنادیا گیا جہاں سے آپؐ دونوں فوجوں کے محاربہ کو ملاحظہ فرما سکتے تھے۔ دیکھا جائے تو دونوں لشکروں میں وسائل وافرادی قوت کے لحاظ سے مقابلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ مسلمان صرف اپنی قوت ایمانی اور جذبہ اسلامی کی بدولت میدان میں جمع ہو گئے تھے اور حضورؐ سے انکی محبت کسی قیمت پر انہیں تنہا چھوڑنے پر تیار نہیں تھی اور آپکی زندگی انہیں اپنی زندگیوں سے زیادہ عزیز تھی۔ اسی بات کے پیش نظر سید الانصار حضرت سعد بنؓ معاذ نے عرض کیا تھا کہ یا رسولؐ اللہ یہ جگہ آپکے لئے بہت موزوں ہے آپکی سواری ہر وقت یہاں موجود رہے گی تا کہ خدانخواستہ مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑ گیا اور ہم خاک وخون میں نہلا دیئے گئے تو آپکو مدینہ جانے کا موقع مل جائیگا۔ جہاں آپکے بہت سے جاں نثار ابھی موجود ہیں جو آج وسائل ومسائل اور وقت کی کمی کے باعث ہمراہ نہیں آسکے۔ اس پر حضورؐ مسکرائے آسمان کی طرف دیکھا اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ پھر اس مرکزِ قیادت کی نگرانی کیلئے حضرت سعدؓ بن معاذ کی کمان میں انصاری نوجوانوں کا ایک دستہ منتخب کر کے آنحضرتؐ کی حفاظت پر متعین کر دیا گیا۔

مقابلہ سے ایک روز پہلے آپؐ میدانِ جنگ کا نقشہ ملاحظہ فرمانے کے دوران اپنے ساتھیوں کو پیش گوئی فرماتے ہوئے بتاتے جا رہے تھے کہ کل اس جگہ فلاں کافر کی لاش پڑی ہوگی اور یہ وہ جگہ ہے جہاں فلاں مشرک واصل جہنم ہوگا' یہاں تک کہ تمام سردارانِ قریش کے نام گنوا دیئے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ دوسرے دن بعینہٖ یہی نقشہ لوگوں نے اپنے سامنے یوں دیکھا' جیسے موجودہ زمانے کے لوگ کوئی فلم بنا کر جب چاہیں چلا کر اسے دیکھ سکتے ہیں۔

۱۷۔ رمضان المبارک ۲ھ بروز جمعہ صف بندی ہوئی اور آنحضرتؐ ملاحظہ کیلئے صفوں کے

سامنے سے گزرے تو ایک انصاری صف سے کچھ آگے بڑھا ہوا دکھائی دیا۔ حضورؐ کے دست مبارک میں ایک پتلی چھڑی تھی جسے ہلکے سے پیٹ پر مار کر اسے صف کے برابر ہونے کا حکم فرمایا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ عدل و انصاف کے پیغام رساں ہیں مجھے اس چھڑی سے جو تکلیف ہوئی ہے میں اسکا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے اپنا کرتا اٹھا کر اور چھڑی اسکے ہاتھ تھما کر فرمایا: اپنا بدلہ لے لو۔ اس صحابی نے آگے بڑھ کر آپکے بطن مبارک کو چوم لیا۔ آپنے فرمایا یہ کیا۔؟ تو اس نے عرض کیا یہ میری آخری گھڑیاں ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میری تمنا ہے کہ جام شہادت نوش کروں اس لئے میں نے سوچا اور موقع غنیمت جانا کہ کیوں نہ اس شرف سے بھی مشرف ہو جاؤں۔ آپؐ نے اس کو دعا دی اور پھر یہ دعا فرمائی:۔

"اے اللہ یہ وہ اہل ایمان ہیں کہ اگر آج تو نے انکو ہلاک کر دیا تو رُوئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا"۔

اسکے بعد دشمن کے جمِ غفیر کی طرف دیکھ کر بارگاہِ عزوجل میں عرض کیا:۔

"یا الٰہی یہ قریش جو فخر و تکبر سے بھرپور ہیں، تیرے نافرمان اور تیرے رسولؐ سے جنگ آور ہیں، الٰہی تیری نصرت اور مدد کی ضرورت ہے، جسکا تو نے وعدہ فرمایا ہے"۔

پھر آنحضرتؐ نے دو نفل نماز ادا کئے اور بعد از نفل بھی ایک لمبے سجدے میں رقت آمیز دعا میں مصروف رہے۔ پھر آپؐ پر ایک اونگھ سی طاری ہوگئی اور ادھر تمام لشکر کی بھی آنکھ لگ گئی۔ حضورؐ نے آنکھ کھول کر ابوبکرؓ صدیق کو مخاطب کر کے فرمایا: تجھے مبارک ہو کہ نصرت الٰہی آن پہنچی اور جبریلؑ بھی آ گئے ہیں۔ اسی اثناء میں فوج نے بھی آنکھیں کھولیں اور دشمن کی طرف دیکھا تو انہیں وہ لشکر نہایت قلیل اور کمزور دکھائی دیا جبکہ اپنا لشکر انہیں ایک پُر جوش جمِ غفیر نظر آیا۔ اس تیقن اور معجزے نے انکے حوصلے بڑھا دیئے، حضورؐ اٹھے اور فوج میں تشریف لا کر اپنے لشکر کو تاکید فرمائی کہ اپنے قدم ثابت رکھنا اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و نصرت نصیب فرمائے گا۔

ادھر کفار کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ بن عبد مناف اپنی فوج کے سامنے تقریر کرنے نکلا تو

حضورؐ نے فرمایا اس قوم میں یہ شخص سمجھدار ہے اگر اسکی بات لوگوں نے مان لی تو یہ سیدھی راہ پر ہو جائیں گے۔ عتبہ کہہ رہا تھا:۔ اے محشر قریش! محمدؐ سے جنگ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر ہم غالب بھی آ گئے تو کیا حاصل کرلیں گے' الٹا اپنے رشتہ داروں سے ہمیشہ آنکھیں چراتے رہیں گے کہ کوئی اپنے خالہ زاد کو' کوئی اپنے چچازاد کو قتل کریگا علاوہ ازیں ہم اپنے ہی قبیلہ کے بھائیوں کو قتل کریں گے۔ اس لئے میری مانو اور واپس کوچ کرو۔ عرب والے خود ہی مسلمانوں سے نمٹ لیں گے۔ ان کا کوئی بھی قبیلہ ان پر غالب آ گیا' تو تمہارا مقصد پورا ہو جائیگا۔ نہ بھی غالب آیا تو تم اس ندامت و عار سے تو بچ رہو گے' اور بہت سے لوگ اسکی تائید کرتے بھی دکھائی دینے لگے۔

عتبہ کا یہ پیغام ابوجہل کو پہنچا' تو وہ چیں بچیں کرنے لگا۔ اسنے عامر بن حضرمی کو بلایا اور کہا:۔ دیکھ یہ عتبہ تیرا رقیب ہے اور تجھے اپنے بھائی کا انتقام لینے سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ اس کی ایسی باتوں کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسکا اپنا بیٹا مسلمان ہو کر آج اسکے مقابل آن کھڑا ہے۔ اب تم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کو نابود کر ڈالنے کے اس موقع کو ضائع مت ہونے دو' آگے بڑھو اور فوج کو گرماؤ۔ چنانچہ عامر بن حضرمی نے ایسا ہی کیا اور اپنی سیرین سے کپڑا اٹھا کر اپنے بھائی کے نام کی وہ دہائی دی کہ فوج میں جوش پیدا کر دیا۔ اسی جوش میں اسود مخزومی' جو نہایت ڈھیٹ اور بدتمیز شخص تھا' لشکرِ کفار کی صف سے نکلا اور کہا سب سے پہلے میں بڑھتا ہوں اور مسلمانوں کے حوض سے پانی پی کر آتا ہوں۔ وہ حوض کی طرف بڑھا تو سیدنا حمزہؓ نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ بڑھتا چلا جا رہا تھا چنانچہ اس کا تعاقب کر کے حضرت حمزہؓ نے اسکی پیٹھ پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہو کر حوض میں گر گیا۔ اب اپنی صف سے عتبہ نکلا' غالباً یہ ابوجہل کے طعنے کا جواب تھا' عتبہ کے ہمراہ اسکا فرزند ولید اور اس کا بھائی شیبہ بھی تھا۔ عتبہ نے نعرہ لگایا' کوئی مقابلہ کرنے والا ہے تو باہر نکلے۔ اس پر معاذ اور معوذ پسرانِ حارث باہر نکلے انکے ساتھ عمر رسیدہ عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ جو شاعر زبان آور اور نقیب محمدی تھے' میدان میں آ گئے۔ عتبہ نے پوچھا آپ لوگ کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا ہم انصار ہیں۔ عتبہ بولا ٹھیک ہے آپ ذی عزت اور ہم پلہ ہیں مگر میں تو اپنی قوم کے اشخاص چاہتا ہوں۔ اس پر آنحضرتؐ نے انہیں واپس بلا لیا اور فرمایا عبیدہ بن حرثؓ تم نکلو' حمزہؓ تم

چلواور علیؓ چلو مقابلہ کیلئے نکلو‘ یہ تینوں ہاشمی تھے۔ حمزہؓ نے شیبہ کا اور حضرت علیؓ نے اسید کا جاتے ہی کام تمام کر دیا۔ ضعیف العمر عبیدہؓ اور عتبہ ایک دوسرے پر شمشیر زنی کرر ہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر تلواروں سے وار کرتے ہوئے زخمی ہو چکے تھے اور حضرت عبیدہؓ کا پاؤں کٹ چکا تھا۔ اسی اثناء میں حمزہؓ اور علیؓ نے عتبہ پر حملہ کر کے اسے بھی خاک وخون میں نہلا دیا۔ دشمن کے ہر فرد کی ہلاکت پر مسلم فوج تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھتی تھی۔ جنگ جاری تھی کہ کچھ دیر بعد حضرت بلالؓ کے مقابل اس کا آقا امیہ بن خلف آ گیا جو حضرت بلالؓ پر بے انتہا ظلم اور شدید تشدد کا مرتکب رہا تھا‘ آج اسی بلالؓ کی وجہ سے ہلاک ہوا۔ اُمیہ کے قتل میں بلالؓ کی مدد معاذ بن عفرأ رضی اللہ نے کی۔

بعد از جنگ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ صف بندی میں میرے دائیں بائیں دو نوجوان کم عمر لڑکے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ میرے برابر کوئی آزمودہٴ کار افراد ہوتے تو بہتر ہوتا۔ اسی اثنا میں ان میں سے ایک لڑکے نے آہستگی سے پوچھا کہ ابو جہل کہاں ہے‘ میں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے اس کی بات پر توجہ نہیں دی کہ دوسرے لڑکے نے بھی سرگوشی کے انداز میں کہا‘ چچا‘ ابو جہل دکھائی پڑے تو ہمیں بتائیے گا۔ میں نے اُن سے پوچھا تم کو ابو جہل سے کیا کام؟ انہوں نے جواب دیا ہم نے سنا ہے کہ وہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے اسلئے ہم اسے مار ڈالنے یا مر جانے کا عزم لیکر آئے ہیں‘ بس آپ ہمیں اسکی شکل دکھا دیں۔ اتنے میں ابو جہل لشکر کا چکر لگاتے ہوئے سامنے سے گزرا تو میں نے ان لڑکوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا دیکھو وہ رہا ابو جہل! ان کا اتنا سننا تھا کہ دونوں اسکی طرف یوں جھپٹے جیسے کوئی باز کوّے پر گرتا ہے۔ دونوں نے جاتے ہی اپنی اپنی تلواریں ابو جہل کے پیٹ میں اتار دیں اور وہ وہیں گر پڑا۔ حضرت ابن مسعودؓ بھی قریب آ چکے تھے انہوں نے اسکی چھاتی پر پاؤں رکھا اور سر کاٹ کر داڑھی سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ یہ دونوں کم عمر جوان معاذ اور معوذ تھے جو پسرانِ حارث تھے۔ یہ وہی دو ہیں جو ابتدائے جنگ میں مبارزت طلب کرنے پر میدان میں نکلے تھے مگر واپس بلا لئے گئے۔ حضورؐ نے ان دونو جوانوں اور حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت کو بہت سراہا اور فرمایا کہ اس امت کا فرعون یہی ابو جہل تھا۔

مقامِ بدر میں اسلام اور کفر کے درمیان ہونے والے اس معرکہ میں ابتداء ہی سے قریش کے تین چار چوٹی کے سردار اور فوجی کمانڈر موت کے گھاٹ اتر گئے تو طیش سے بے قابو لشکر ایک مٹھ ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گیا۔ گھمسان کا رن پڑا' ہر کوئی ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھا دونوں جانب سے لوگ زخمی اور قتل ہو رہے تھے۔ مسلمان فرشتوں کو بھی اپنے ہمراہ جنگ میں حصہ لیتے اور مسلمانوں کا حوصلہ بڑھاتے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ جب کوئی مسلمان شہادت پاتا تو حضورؐ متفکر اور تکلیف میں دکھائی دیتے۔

اس دوران آپؐ نے ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھائی اور یہ پڑھتے ہوئے:۔"شاھت الوجوہ ' اللھم ارعب قلوبھم وزلزل اقدامھم" لشکر کفار کی طرف پھینکی۔ (یعنی تمہارے چہرے خاک آلود ہوں' اے اللہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے اور انکے قدموں کو متزلزل فرمادے) ایک مشت کنکریوں کا پھینکنا تھا کہ کفار کے دل ٹوٹنے لگے' میدان سے انکے قدم اکھڑنے لگے اور انہوں نے میدان جنگ سے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی۔ مسلمانوں نے انکا تعاقب کیا تو کچھ کفار اس افراتفری میں بھی مارے گئے جبکہ انکے جہنم رسید ہونے والوں کی کل تعداد ستر بیان کی جاتی ہے اور اتنی ہی تعداد گرفتار ہونے والے جنگی قیدیوں کی تھی۔ جبکہ شہادت پانے والے مسلمانوں کی تعداد چودہ بیان کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کنکریوں کی مٹھی سے دشمن کا کوئی فرد ایسا نہ بچا تھا جس کے چہرے' منہ اور ناک کے نتھنوں میں یہ خاک دار کنکریاں نہ گھسی ہوں۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے جام شہادت نوش فرمانے والوں میں پہلی شہادت (۱) حضرت مھجع رضی اللہ کی ہے جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے۔ اہل دنیا انہیں غلام کہتی رہی جبکہ حضورؐ نے انہیں سیّدالشھداء کے لقب سے نوازا۔ باقی شہدائے بدر کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ (۲) عبیدہ بن حارث بن مطلب۔ (۳) عمیر بن ابو وقاص۔ (۴) عاقل بن بکیر۔ (۵) عمیر بن عبد عمیر بن نقلہ۔ (۶) عوف بن عوذ بن عضرا ۔ (۷) معوذ بن عضرا ۔ (۸) حارث بن سراقہ۔ (۹) یزید بن حارث۔ (۱۰) رافع بن معلیٰ بن لوذان۔ (۱۱) عمیر بن حمام بن جموح۔ (۱۲) عمار بن زیاد بن سکن۔ (۱۳) سعد بن خشمیہ الانصاری۔ (۱۴) مبشر بن عبدالمنذر بن زبیر بن زید۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین)

غزوۂ بدر میں قریش کے جو ستر قیدی گرفتار ہوئے اُن میں حضورؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب' حضرت علیؓ کے بڑے بھائی (حضورؐ کے چچازاد) نوفل بن حارث' اور حضورؐ کے داماد (حضرت زینب کے شوہر) ابوالعاص بھی تھے۔

غزوۂ بدر میں شکست کھانے کے بعد کفار یوں دم دبا کر بھاگے کہ انہیں اپنے ہلاک شدہ ساتھیوں کی بھی ہوش نہ رہی اور وہ انہیں یونہی بے گور و کفن چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ بعدازاں حضورؐ نے دو گڑھے کھدوائے اور چوبیس سرداروں کی لاشوں کو الگ ایک گڑھے میں اور باقی مقتولین کو دوسرے گڑھے میں دفن کرنے کا حکم دیا۔

اسیرانِ بدر کے ساتھ آپؐ نے جو سلوک کیا وہ تاریخ میں ایک سنہرے باب کی حیثیت سے ہمیشہ تابندہ رہے گا۔ اسیران کو مدینہ لایا گیا اور ان سے نہایت احسن سلوک کیا گیا۔ بہت سے قیدیوں نے تو اپنا اپنا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کر لی تھی اور جو باقی بچ رہے تھے ان میں سے بھی پڑھے لکھے قیدیوں کو یہ سہولت میسر آئی کہ وہ انصار کے دس دس مسلمان بچوں کو بطور فدیہ پڑھنا لکھنا سکھا دیں تو ان کو رہا کر دیا جائیگا۔ ان اسیروں کو مدینہ میں ایسے آسائش و آرام سے رکھا گیا' کہ وہ مکہ واپس آ کر کہا کرتے کہ اللہ اہل مدینہ پر رحم کرے کہ وہ خود تو کھجوروں پر گزارا کرتے مگر ہمیں روٹی کھلایا کرتے تھے۔

غزوۂ بدر کے بعد یوں تو کفر و اسلام میں کئی جنگیں ہوئیں مگر غزوۂ بدر کی مثال نہیں ملتی کہ کیونکر صرف ۳۱۳ مجاہدین کے ہاتھوں کفر پامال' ذلیل و خوار اور شرمسار ہوا' مگر مسلمانوں کے حسن سلوک سے سخت متاثر بھی ہوا۔ یہ حقیقت بھی اعجاز اسلام ثابت ہوئی کہ آخر کار یہی مکی بعدازاں بڑے محبانِ توحید ثابت ہوئے۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ پروانۂ توحید بن کر اسلام کی راہ میں شہید ہوا۔ قریش کا مایۂ ناز رئیس و علم بردار ابوسفیانؓ دائرہ اسلام میں داخل ہوا' اور اسکی اولاد نے شام کی فتح میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ عمرو بن عاصؓ۔ خالد بن ولیدؓ۔ اور عثمان بن طلحہؓ۔ جیسے جانبازوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور تابناک مسلم جنگجو سپوتوں کی حیثیت سے بڑی شہرت کے حامل ہوئے۔ پھر وہ ممتاز غازیانِ توحید' فاتحین اور مبلغینِ اسلام الگ ہیں جنہوں نے حضورؐ کے دین کا پرچم بلند کیا۔ تاریخ اسلام انکے کارناموں پر شاہد

ہے کہ اپنے گھروں سے بے گھر کر دیئے جانے والے مفلوک الحال مسلمانوں نے رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادتِ باسعادت کے زیرِ اثر کس قلیل مدت میں ۳۶ ہزار شہر فتح کر کے انہیں اسلامی مملکت میں تبدیل کر دیا اور ۲۲ لاکھ مربع میل کے مالک ہو گئے۔

مالِ غنیمت کا مسئلہ

یہ پہلی جنگ تھی اس لئے مسلمانوں کو بھی پہلی مرتبہ مالِ غنیمت کا علم اور اسکی تقسیم کے قوائد و ضوابط سے شناسائی میسر آئی۔ وہ زمانۂ جاہلیت کی قزاقی اور لوٹ مار سے حاصل شدہ مال اور جنگ کے بعد دشمنوں سے حاصل ہوئے مال کے فرق کو جان سکے۔ معرکہ بدر ختم ہونے کے بعد حضورؐ نے تین دن وہیں قیام فرمایا۔ ابھی آپؐ نے واپسی کیلئے میدانِ جنگ سے کوچ بھی نہیں فرمایا تھا کہ مالِ غنیمت کے بارے لشکر کے اندر اختلاف پیدا گیا۔

دراصل جنگ بدر میں جب قریش میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تو اسلامی لشکر تین حصوں میں بٹ گیا۔ ایک گروہ فرار ہونے والے کفار کے تعاقب میں انہیں کھدیڑنے اور قتل کرنے لگ گیا۔ دوسرا گروہ میدان سے اسلحہ اور دوسرے سامان پر ٹوٹ پڑا اور اسے بٹورنے سمیٹنے لگ گیا۔ تیسرا گروہ اُن اصحاب کا تھا جو آنحضرتؐ کے گرد گھیرا ڈالے مستعد کھڑے رہے کہ مبادا دشمن دھوکہ سے حضورؐ کو کسی نوع کی اذیت پہنچا دے۔ جب رات ہوئی اور سب لوگ ایک دوسرے کے پاس پہنچے تو مال غنیمت جمع کرنے والے زیادہ ہی خوش دکھائی دے رہے تھے۔ جب دوسرے لوگوں نے مال غنیمت کے بارے ان سے پوچھا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اس مال کو ہم نے اکٹھا کیا ہے اور اس پر کسی اور کا کوئی حق نہیں۔ دشمنوں کا تعاقب کرنے والوں نے کہا: تم لوگ ہم سے بڑھ کر اس مال کے حقدار نہیں کیونکہ اس مال سے دشمنوں کو دُور رکھنے اور بھگانے کا کام ہم ہی کر رہے تھے۔ اور جو لوگ حضورؐ کی حفاظت پر مامور تھے انہوں نے کہا: ہم حضورؐ کی حفاظت کر رہے تھے جو ہر مال و متاع حاصل کرنے سے بڑھ کر ضروری تھا۔ جب ان کے مابین یہ معاملہ شدت اختیار کر گیا تو حضورؐ نے فرمایا جس کسی کے پاس مالِ غنیمت کی مد

سے جو کچھ بھی ہے لا کر یہاں حاضر کر دے۔ چنانچہ صحابہ نے تمام مال لا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اسی دوران وحی الٰہی نازل ہوئی جو سورۃ انفال کی پہلی آیت ہے:۔

"یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ ص وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۱)" (سورۃ:انفال)

"لوگ آپ سے مالِ غنیمت سے متعلق پوچھتے ہیں فرمادیں غنیمت اللہ اور اسکے رسول کیلئے ہے، پس اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرلو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو اگر واقعی تم مومن ہو" (انفال:۱)

میدانِ بدر میں تین روز قیام کے بعد آپؐ نے مدینہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم فرمایا۔ آپکے ہمراہ مشرک قیدی بھی تھے اور مالِ غنیمت بھی۔ جس کی نگرانی کیلئے حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ کو مقرر فرمایا گیا۔ جب آپؐ وادیٔ صَفراُ کے درّے سے باہر نکلے تو درّے اور نازیہ کے درمیان ایک ٹیلے پر پڑاؤ ڈالا۔ وہیں حضورؐ نے خمس (پانچواں حصہ) الگ نکال کر باقی تمام مالِ غنیمت، جہاد میں شریک سب مسلمانوں میں برابر برابر تقسیم فرمادیا۔

یہ لوگ وادی صفراُ ہی میں تھے جب آپؐ نے حکم فرمایا کہ نضر بن حارث کو قتل کردیا جائے۔ اس شخص نے جنگ میں مشرکین کا پرچم اٹھا رکھا تھا اور قریش کے اکابر مجرمین میں سے تھا۔ اس حکم پر حضرت علیؓ نے اسکی گردن ماردی۔ اس کے بعد جب آپؐ عرق الظبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ عاصم بن ثابت انصاریؓ نے، یا کہا جاتا ہے حضرت علیؓ ہی نے اسکی گردن ماردی۔ جنگی نقطہ نظر سے ان دونوں کا قتل کیا جانا نہایت ضروری تھا کیونکہ یہ جنگی قیدی نہیں، جنگی مجرم تھے۔

شوال ۲ھ تا ربیع الاوّل ۱۱ھ تک کے

۲۴ غزوات وسرایا

غزوہ بدر پہلا اور آخری معرکہ نہ تھا کہ امن وامان قائم ہو رہتا اور قریش اس فاش شکست سے عبرت حاصل کرتے ہوئے مسلمانوں کا پیچھا چھوڑ دیتے۔ مگر یہ حد درجہ ضدّی لوگ نصیحت قبول کرنے والے کہاں تھے۔ غزوہ بدر کی نوبت تو ایک عمرو بن حضرمی کی ہلاکت کے باعث پیش آئی تھی جس کے قتل کا انتقام لینے کے لئے وہ مقامِ بدر میں جمع ہوئے تھے۔ لیکن غزوہ بدر نے انکے سینوں پر ستر گنا زخم لگا دیئے کیونکہ اس معرکہ میں ایک نہیں انکے ستر عمرو بن حضرمی واصل جہنم ہوگئے۔ یہ ایک ایسا المیہ تھا جس نے قریش مکہ کے کتنے ہی گھرانوں میں صف ماتم بچھادی۔ ہر سننے دیکھنے والے کے دل میں مسلمانوں کے خلاف آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ قریش اپنے عزیز وا قارب کی موت پر حسبِ دستور نالہ وشیون کرنے کی بجائے اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ انکے دلوں کی جھلستی آگ نے انہیں کہاں کہاں پھرایا اور ان سے کیا کیا کروایا یہ کہانیاں الگ ہیں البتہ جو جو غزوات اور سرایا انکی طرف سے مسلمانوں پر لادے گئے انکے ناموں کا تذکرہ درجِ ذیل ہے:۔

غزوہ الکدر۔۔۔شوال ۲ھ	غزوہ سویق۔۔۔ذی قعد ۲ھ
غزوہ ذی امر۔۔۔صفر ۳ھ	غزوہ بُحران۔۔۔ربیع الاوّل ۳ھ
سریہ قردہ۔۔۔۔جمادی الاوّل ۳ھ	غزوہ اُحد۔۔۔۔۶ تا ۱۵ شوال ۳ھ
غزوہ حمرا الاسد۔۔۔ ۱۷ شوال ۳ھ	سریہ ابو سلمہ۔۔۔۔محرم ۴ھ
سریہ عبداللہ بن انیس۔ ۲۳ محرم ۴ھ	سریہ رجیع۔۔۔۔۔۔صفر ۴ھ
سریہ بئر معونہ۔۔۔۔صفر ۴ھ	غزوہ بدر الموعد۔۔۔ذی قعد ۴ھ
غزوہ ذات الرقاع۔ ۱۰ محرم ۵ھ	غزوہ دومتہ الجندل۔ ۲۵ ربیع الاوّل ۵ھ
غزوہ مریسیع۔۔۔ ۳ شعبان ۵ھ	غزوہ بنولحیان۔۔۔ربیع الاوّل ۵ھ

غزوہ خندق۔۔۔۔۔۸ ذیقعد ۵ھ	صلح حدیبیہ تک
غزوہ بنی قریظہ۔۔۔۔ ذوالحجہ ۵ھ	غزوہ ذی قرد۔۔۔ ربیع الآخر ۶ھ
سریہ ذی القصہ۔۔ ربیع الآخر ۶ھ	سریہ وادی القریٰ۔۔ رجب ۶ھ
سریہ کرز بن جابر الفہری، شوال ۶ھ	غزوہ خیبر۔۔۔۔۔۔۔ محرم ۷ھ
غزوہ وادی القری و تیما۔ محرم ۷ھ	سریہ خربہ۔۔۔۔۔ رمضان ۷ھ
سریہ خرم بن ابی العوجہ۔ ذوالحجہ ۷ھ	سریہ ذات اطلع۔۔۔ ربیع الاوّل ۸ھ
غزوہ موتہ۔۔۔ جمادی الاوّل ۸ھ	غزوہ فتح مکہ۔۔۱۰۔ رمضان ۸ھ
غزوہ حنین۔۔۔۔ شوال ۸ھ	غزوہ طائف۔۔۔ شوال ۸ھ

غزوۂ الکدر

آنحضرتؐ نے میدانِ بدر سے مراجعت کے بعد مدینہ شریف میں ابھی سات دن سے زیادہ قیام نہ فرمایا تھا کہ آپکو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو سلیم مدینہ پر یورش کی تیاریاں کر رہا ہے۔ مناسب یہی سمجھا گیا کہ دشمن کو اجتماع اور تیاری کی مہلت دیئے بغیر پیش قدمی کی جائے۔ چنانچہ آپؐ نے سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو مدینہ پر قائم مقام مقرر فرمایا اور بعض روایات میں ابن مکتومؓ کی قائم مقامی کا ذکر ہے اور خود الکدر پہنچ گئے، جو بنو سلیم کی اجتماع گاہ تھی۔ یہ جگہ مدینہ سے چھیانوے میل کے فاصلہ پر تھی، بنو سلیم اسلامی لشکر کی اطلاع پاتے ہی یوں تتر بتر ہو کر غائب ہو گئے جیسے انکا وجود ہی نہ تھا۔ بہر حال حضورؐ الکدر میں تین روز قیام فرما رہے اور پھر مدینہ واپس ہو گئے۔

غزوۂ سویق

ابوسفیان جب بدر سے بھاگ کر مکہ پہنچا، تو اس نے قسم کھائی کہ جب تک بدر کے مقتولین کا بدلہ نہ لے لوں نہ تو غسل کرونگا اور نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔ چنانچہ جلد از جلد بدلہ لینے کے ارادہ سے دوسو

شتر سوار لے کر مکہ سے روانہ ہوا اور مدینہ سے بارہ میل پر ٹھہر گیا۔ پھر خود مدینہ جا کر بنو نضیر میں سے حیّ بن اخطب کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر اس نے دروازہ نہ کھولا' تو سلام بن مشکم کے گھر پہنچا' جو بنو نضیر کا رئیس اور خزینہ دار تھا۔ وہاں پُر تکلف کھانا کھایا' شراب پی' راز کی باتیں سنیں پھر اپنے شتر سوار ساتھیوں کو لے کر مدینہ کے شمال میں تین میل دور قنات کے پاس ایک مقام پر چھاپہ مارا' وہاں چند درختوں کو آگ لگائی' ایک انصاری کو جو کھیت میں سویا ہوا تھا نیز اسکے ایک حلیف کو قتل کیا' گھاس پھونس کی بنی چند جھونپڑیوں کو اور گھاس کے چند انبار کو آگ لگا دی اور یوں اپنے تئیں بدر کا بدلہ لے کر اپنی قسم پوری کر کے بھاگ نکلا۔ حضورؐ کو جب اطلاع ملی تو ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذرؓ کو مدینے کا قائم مقام مقرر فرما کر ابوسفیان کے تعاقب میں نکل پڑے اور قرۃ الکدر تک تشریف لے گئے لیکن ابوسفیان ہاتھ نہ آیا۔

اس کے پاس رسد کی مد سے ستّو کے بورے تھے جنہیں وہ واپسی میں بوجھ کم کرنے اور تیز بھاگ نکلنے کیلئے راستے میں پھینکتا گیا جو صحابہ نے اٹھا لئے۔ ستّوؤں کو عربی میں سویق کہتے ہیں اس لئے اس غزوہ کا نام غزوہ سویق مشہور ہو گیا۔

کعب بن اشرف (یہودی) کا قتل

نہ صرف مشرکین قریش ہی بلکہ بہت سے یہودی بھی اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے اہل یہود میں آنحضرتؐ کا ایک سخت دشمن کعب بن اشرف کے نام سے معروف ہے جو نہایت مالدار اور سرمایہ دار تھا' عرب میں اسکے حسن و جمال کا شہرہ تھا اور خود ایک مشہور شاعر تھا۔ وہ ایک قلعہ میں مقیم تھا جو مدینے کے جنوب میں قبیلہ بنو نضیر کی آبادی کے پیچھے واقع تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ بنی طی کی شاخ بنو نبھان سے تھا اور اسکی ماں قبیلہ بنو نضیر سے تھی۔ یہ وہ شخص تھا جسے اسلام اور اہل اسلام سے سخت عداوت اور جلن تھی وہ آنحضرتؐ کو اذیتیں دیتا اور انہیں کھلم کھلا جنگ کی دعوت دیتا پھرتا تھا۔ جب اسے جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور قریش کے نامی گرامی سرداروں کے قتل کی خبر ملی تو بے اختیار کہنے لگا۔ ''کیا واقعتاً ایسا ہوا ہے مجھے یقین نہیں آتا۔ یہ قتل ہونے والے تو عرب کے اشراف اور لوگوں کے بادشاہ تھے' اگر محمدؐ نے ایسے لوگوں کا

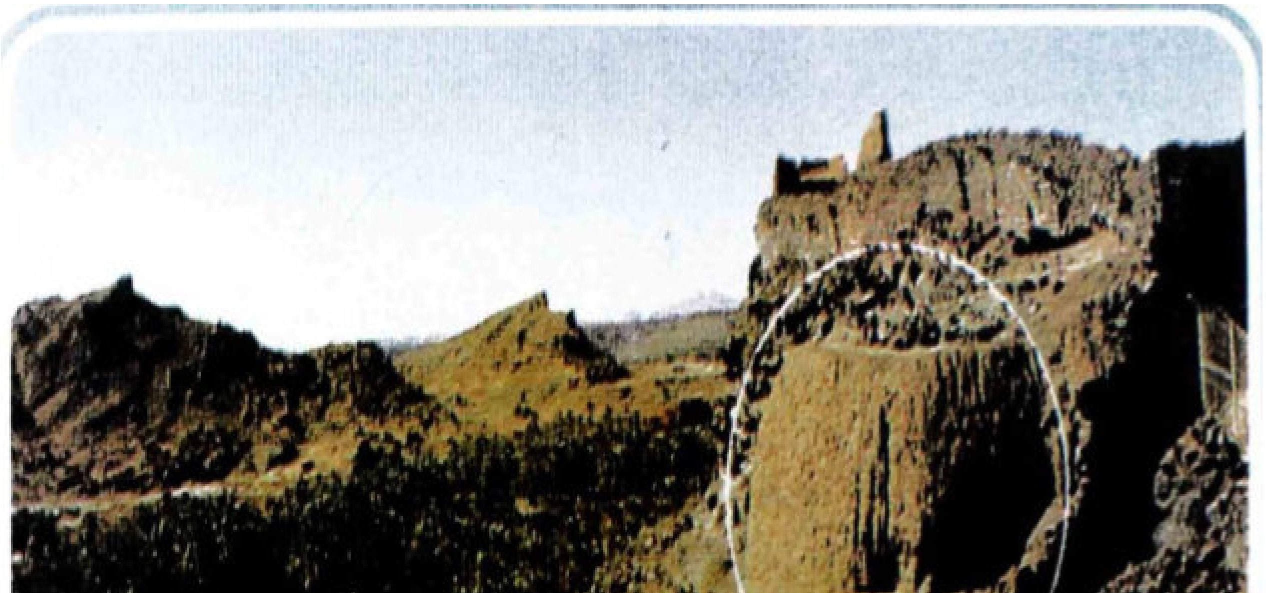

کعب بن اشرف یہودی کے قلعے کا اندرونی منظر

قتل کیا ہے تو رُوے زمین کا شکم اسکی پشت سے بہتر ہے‘‘۔

پھر جب اسے اس کا پختہ یقین ہو گیا کہ چند بے سروسامان مسلمانوں نے قریش کا اتنا بڑا نقصان کر دیا ہے تو اللہ کا یہ دشمن، رسولؐ اللہ اور اہل اسلام کی ہجو گوئی اور دشمنانِ اسلام کی مدح سرائی میں جُٹ گیا۔یہی نہیں بلکہ سوار ہو کر مکہ میں قریش کے پاس جا پہنچا اور مطلب بن ابی وداعہ سہمی کا مہمان ہوا۔ پھر مشرکین کی غیرت بھڑکانے، انکی آتش انتقام تیز کرنے اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آمادۂ جنگ کرنے کیلئے اشعار کہہ کہہ کر اُن سردارانِ قریش کا نوحہ وماتم شروع کر دیا، جنہیں میدان بدر میں ہلاک کر کے بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا تھا۔

مکہ میں اسکی موجودگی کے دوران ابوسفیان اور کچھ چنیدہ مشرکین نے اس سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک ہمارا دین افضل ہے یا محمدؐ اور اسکے ساتھیوں کا؟ اور دونوں میں سے کون سا فریق زیادہ ھدایت یافتہ ہے؟ تو کعب بن اشرف نے کہا: یقیناً تم لوگ ان سے زیادہ ھدایت یافتہ اور افضل ہو۔اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی یہ آیت نازل فرمائی۔

’’ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا(۵۱) ‘‘(النساء : ۵۱)

’’کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں سے بڑھ کر ھدایت یافتہ ہیں‘‘۔(النساء:۵۱)

کعب بن اشرف یہ سب کر کے مدینہ واپس آیا تو یہاں صحابہ کی عورتوں کے بارے واہیات اشعار کہنے شروع کر دیئے۔اپنی بد گوئی و زبان درازی سے مسلمانوں کو سخت ذہنی و دلی تکلیف پہنچانے لگا۔یہی حالات تھے جن سے تنگ آ کر حضورؐ نے فرمایا:’’کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اسکے رسولؐ کے ساتھ نہایت تکلیف دہ رویّہ اختیار کر رکھا ہے‘‘۔

اس کے جواب میں محمد بن مسلمہؓ۔عباد بن بشیرؓ۔ابونائلہؓ (جن کا نام سلکان بن سلالہ

تھا' اور وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے)۔۔حارث بن اوسؓ ۔۔اور ابو عبسؓ بن جبر نے اپنی خدمات پیش کیں۔اس مختصر سی جماعت کے کمانداد محمد بن مسلمہؓ تھے۔محمد بن مسلمہؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسولؐ اللہ کیا آپؐ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! تو انہوں نے عرض کی کہ آپؐ مجھے اس سے بات کرنے اور کچھ کہنے کی اجازت فرمائیں۔آپؐ نے فرمایا' کہہ سکتے ہو۔

انہوں نے کعب بن اشرف سے ملاقات کی اور حضورؐ سے بیزاری کا اظہار کیا پھر اسکے سر سے آنے والی خوشبو کی تعریف کی' اسکی خوبصورتی کی تعریف کی اور پھر کہا کہ میرے ساتھ دو چار ساتھی اور بھی ہیں جو میری طرح محمدؐ سے بیزار ہو چکے ہیں وہ بھی آپکے بارے سن کر آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں۔اس نے بخوشی اجازت دیدی۔یوں محمد بن مسلمہؓ اپنے ساتھیوں سمیت اسکے قلعہ میں داخل ہو گئے اور کعب بن اشرف کا سر اتار لانے میں کامیاب ہو گئے۔

ادھر یہود کو جب اپنے طاغوت کعب بن اشرف کے قتل کا علم ہوا تو انکے ہٹ دھرم اور ضدی دلوں میں رعب اور خوف کی لہر دوڑ گئی۔وہ جان گئے کہ محمدؐ اگر یہ محسوس کر لیں کہ امن و امان سے کھیلنے والوں' اضطراب و ہنگامے بپا کرنے والوں اور اپنے عہد توڑ ڈالنے والوں پر نصیحت کارگر ثابت نہیں ہو رہی تو وہ طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہیں کریں گے۔چنانچہ بیرون مدینہ کے یہودیوں سے کم از کم ایک عرصہ تک مسلمانوں کو سکھ کا سانس نصیب ہو گیا۔

سریہ قردہ

قریش جنگ بدر کے بعد اس درجہ خوف زدہ ہو گئے تھے کہ وہ تجارت کیلئے بھی شام کا قدیمی راستہ (جو یثرب سے ہو کر گزرتا تھا) اپنانے سے ہچکچاتے تھے۔چنانچہ اسود بن مطلب کی رائے کے مطابق انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کرنے کا ارادہ کیا اور رہنمائی کیلئے فرات بن عیان عجلی کو ساتھ لے لیا۔فرات نے قریش کو یقین دلایا تھا کہ اس کا اختیار کردہ راستہ مسلمانوں میں سے کسی نے نہیں دیکھا' بنابریں اس راہ میں پہاڑوں اور بیابانوں کا بے پایاں سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔قریش کے اس متذکرہ قافلہ

میں ابوسفیان بن حرب' صوان بن امیہ' حویطب بن عبدالعزیٰ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ شامل تھے' مکہ سے کثیر مال لے کر عراق روانہ ہوئے۔ جس وقت قریش نے یہ معاملہ طے کیا' مدینہ کے ایک اشجعی جس کا نام نعیم بن مسعود تھا مکہ میں موجود تھا جس نے مدینہ لوٹتے ہی اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو دی۔

مدینہ کی چراگاہ پر جابر بن فہری کے حملے کا بدلہ لینے کیلئے آنحضرتؐ نے فوراً حضرت زید بن حارثہ کو ایک سو مسلمانوں کے ساتھ قافلہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ ان مجاہدین نے مقام قردہ پر واقع ایک چشمہ کے قریب قریش پر چھاپہ مار کر اموالِ تجارت پر قبضہ کرلیا اور قریش کو مار بھگایا۔ اس حملہ میں قریش کا سردار فرات بن حیان عجلی جو قافلہ کی رہنمائی کر رہا تھا گرفتار کرلیا گیا۔ اس مہم میں دیگر مال غنیمت کے علاوہ بیس ہزار دینار بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ اس قافلہ کی اطلاع دینے والا نعیم بن مسعود غطفانی جو اُن دنوں اپنے یہودی دوست کنانہ بن ابی الحقیق نصری سے ملنے آیا ہوا تھا' بعدازاں مسلمان ہو گیا۔ سریہ قردہ کا یہ واقعہ جمادی الاوّل ۳ھ کو پیش آیا۔

جنگ بدر کے بعد قریش کیلئے یہ واقعہ سب سے المناک واقعہ تھا جس سے انکے قلق واضطراب میں مزید اضافہ ہوگیا۔ اب انکے پاس دو ہی راستے تھے' یا تو اپنا کبر وغرور چھوڑ کر مسلمانوں سے صلح کرلیں یا پھر بھرپور جنگ کر کے اپنی عزت رفتہ اور مجد گذشتہ کو واپس لائیں اور مسلمانوں کی قوت کو اس طرح توڑ ڈالیں کہ پھر وہ دوبارہ سر اٹھانے کے لائق نہ بچیں۔ کافی مشورہ جات اور سوچ بچار کے بعد انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا اور مسلمانوں کے دیار میں گھس کر ان پر حملہ کرنے کی بھرپور تیاریاں شروع کر دیں' جو غزوہ اُحد پر منتج ہوئیں۔

اسی نوعیت کے کئی سریّے اور غزوات تاریخ میں مذکور ہیں جنکے ناموں کا ذکر کیا جا چکا ہے لیکن بخوفِ طوالت انکی تفصیل معطل کرتے ہوئے صرف چند اہم اور مشہور غزوات کا ذکر کروں گا جن میں سے ''غزوہ اُحد'' وہ ایک بڑا اور اہم غزوہ ہے جو بدر کے بعد پیش آیا اور بظاہر مسلمانوں کو نقصان و آزار پہنچانے کا باعث بھی ہوا۔

غزوہ اُحد

غزوہ سویق میں ابوسفیان کی قسم اگرچہ پوری ہوچکی تھی لیکن غزوۂ بدر میں لگے زخم جلد بھرنے والے کہاں تھے۔اسی دوران سریہ قرد میں انہیں ہزاروں دِرہم کا مالی نقصان اٹھانا پڑا۔گویا' ابوسفیان کی یہ دوبارہ شکست تھی۔مقتولین بدر کا انتقام لینے میں بھی قریش کا سرکردہ لیڈر وہی تھا' چنانچہ اس نے قریش مکہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف زور شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔

ابوسفیان کے جس پہلے تجارتی قافلہ کو بچانے کیلئے تمام اہل مکہ نکل پڑے تھے اور ابوجہل کی فتنہ انگیزی کے باعث جنگ بدر جیسا واقعہ پیش آیا' حالانکہ وہ قافلہ صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا تھا اور اس قافلہ کے بخیریت مکہ پہنچ جانے والے افراد ابھی تک دارالندوہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔اسی اثناء میں مشرکین مکہ کے چند اکابرین نے ابوسفیان سے کہا کہ محمدؐ نے ہمارے اور تمہارے چنیدہ اور اچھے آدمیوں کا قلع قمع کر دیا ہے' ہم محض تمہارے مال کی حفاظت کے لئے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔اب ہمیں مالی اعانت کی ضرورت ہے تاکہ اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔ابوسفیان پہلے ہی بدلہ لینے کیلئے بے چین تھا چنانچہ اس نے اپنی طرف سے اور خاندانِ عبد مناف کی طرف سے اسے منظور کرلیا اور ایک کثیر رقم ادا کردی۔اس نے بچ نکل کر مکہ پہنچنے والے قافلے کا سارا مال وقف کر دیا اور قریش کے جن جن افراد کا جو جو مال اس قافلہ میں شامل تھا ان سب سے بات چیت کی اور مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے اسے چھوڑ دینے اور جنگ میں جھونک دینے کی رائے دی جس پر تمام لوگ متفق ہوگئے۔

اس معاملہ میں سردارانِ قریش میں سے عکرمہ بن ابی جہل' صفوان بن امیہ' ابوسفیان بن حرب اور عبداللہ بن ربیعہ زیادہ پر جوش اور سب سے پیش پیش تھے۔یوں جنگ کی تیاری کیلئے جو مال میسر ہوا' اس کی مقدار پچاس ہزار دینار تھی نیز ایک ہزار اونٹ بھی اسکے ساتھ تھے جنہیں جنگ کی تیاری کیلئے فروخت کر دیا گیا۔

سورۃ انفال کی درجِ ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ ہے:۔

''اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط فَسَیُنْفِقُوْنَھَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ۵ ط وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَھَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ''(۳۶) (سورۃ:انفال)

''جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ اپنا مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کواللہ کی راہ سے روکیں تو یہ لوگ آئندہ بھی اسی طرح خرچ کریں گے پھر وقت آئیگا (کہ یہ مال خرچ کرنا) انکے لئے پچھتاوا ہو جائیگا بلآخر وہ مغلوب ہو جائیں گے'' (انفال:۳۶)

اس آیت مبارکہ میں واضح اشارہ موجود ہے کہ اسلام دشمنی میں بے دریغ خرچ کرنے والے اور اپنے اموال لٹانے والے آخر کار اپنی ایسی حرکتوں پر پچھتائیں گے کیونکہ وہ شکست کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہونگے اور انکا بے دریغ زرومال خرچ کرنا ضائع ہو جائیگا جس پر انہیں پچھتاوا ہوگا۔

صفوان بن امیہ نے صرف مال ہی خرچ نہیں کیا بلکہ بذات خود جنگ کی تیاریوں میں بھی پیش پیش تھا۔ ابوعزّہ (شاعر) اس لڑائی کی تیاریوں میں شرکت کے لئے آمادہ نہیں تھا کیونکہ یہ جنگ بدر کے قیدیوں میں شامل تھا اس کے پاس فدیہ دینے کیلئے بھی کچھ نہ تھا۔ اس نے حضوؐر سے التجاء کی کہ میں کثیر العیال ہوں اور ضرورت مند ہوں۔ لڑائی وغیرہ سے مجھ کو کوئی نسبت نہیں میں تو محض ایک شاعر ہوں۔ اس وقت مجھ پر احسان فرمائیں اور بال بچوں میں واپس جانے دیں۔ آنحضرتؐ نے اس پر احسان فرماتے ہوئے اسے رہا کر دیا تھا' اس لئے وہ صفوان کا ساتھ دینے سے گریزاں تھا۔ مگر صفوان نے اسے لالچ دیکر ساتھ ملا لیا۔ وہ ایک ایسا شاعر تھا جس کا کام اپنی ہجو گوئی یا ماتمی کلام سے لڑائی میں مصروف لوگوں کو جوش دلانا تھا۔ وہ اپنے کلام سے لوگوں میں آگ لگا دیتا تھا۔ چنانچہ اس نے اور ایک اور شاعر مسافع بن عبدمناف نے مل کر بنو کنانہ کو قریش کی معیت پر آمادہ کرنے کے ضمن میں انتہائی سرگرمی سے کام کیا اور پہلے سے بھڑکے ہوئے قریش کو مزید بھڑکا کر ایک نئی جنگ کے دھانے پر لا کھڑا کیا۔

اہل مکہ کو معرکہ بدر میں شکست و ہزیمت کی جو زک پہنچی اور اپنے صنادید و اشراف کے قتل کا جو صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا' اس کے سبب وہ پہلے ہی آگ بگولہ تھے اور اب سریہ زید بن حارثہؓ کے واقعہ سے قریش کو جس سنگین اقتصادی کمر توڑ خسارہ سے دوچار ہونا پڑا' اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اسکے بعد مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری کی رفتار بہت بڑھ گئی۔

لشکر قریش اور سامان بمعہ خواتین

چنانچہ سال پورا ہوتے ہوتے قریش کی تیاری مکمل ہوگئی۔ انکے اپنے افراد کے علاوہ ان کے حلیفوں کو ملا کر مجموعی طور پر تین ہزار کی فوج تیار ہوئی۔ سواری اور بار برداری کیلئے تین ہزار اونٹ اور فوجی رسالے کیلئے دو سو گھوڑے اور تین سو حفاظتی زرہیں دستیاب تھیں۔ ہتھیار و تیر و تلوار وغیرہ کا انبار لگ تھا۔

قائدین قریش کی رائے ہوئی کہ اپنے ہمراہ عورتیں بھی لے چلیں تا کہ ہمیں حرمت و ناموس کی حفاظت کا احساس کچھ زیادہ ہی جذبۂ جان سپاری کے ساتھ لڑنے کا سبب بنے۔ لہٰذا اس لشکر میں پندرہ خواتین بھی شامل ہوئیں۔ ابوسفیان کو پورے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا' رسالے کی کمان خالد بن ولید (جو ابھی ایمان نہ لائے تھے) کو دی گئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو انکا معاون بنایا گیا۔ پرچم مقررہ دستور کے مطابق قبیلہ بنی عبدالدار کے ہاتھوں میں تھما دیا گیا۔ اس بھرپور تیاری کے بعد مکی لشکر نے مدینہ کا رُخ کیا اور پورے راستے گھوڑوں کو تازہ دم رکھنے کیلئے انہیں بازو میں لے جایا گیا۔ یعنی ان پر سواری نہ کی گئی اور فوج بھی پیدل سفر کرتی رہی۔ مسلمانوں کے خلاف قریش کی ہر ہر حرکت انکی نقل و حمل اور جنگی تیاریوں پر حضرت عباسؓ پوری پوری نظر رکھے ہوئے تھے اور نہایت چابکدستی اور گہرائی سے جائزہ لیتے رہتے تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کو اس موجودہ صورت حال کی تحریری اطلاع ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھوں پوری تفصیل اور مکی لشکر کے کوچ کی خبر سمیت روانہ کر دی تھی۔ قاصد نہایت تیز رفتار تھا جس نے مکہ سے مدینہ تک کا پانچ سو کلومیٹر کا فاصلہ صرف تین یوم میں طے کر کے یہ خط آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضورؐ اس وقت مسجد قباء میں تشریف فرما تھے۔

مدینہ میں ہنگامی صورتِ حال کے مقابلے کی تیاری

یہ خط ابی بن کعبؓ نے پڑھ کر آنحضرتؐ کو سنایا۔ آپؐ نے انہیں رازداری برتنے کی تاکید کی اور جلد مدینہ تشریف لاکر انصار و مہاجرین کے قائدین سے صلاح و مشورہ کیا۔ اسکے بعد مدینہ میں عام لام بندی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ لوگ کسی بھی اچانک صورتِ حال سے نمٹنے کیلئے ہمہ وقت ہتھیار بند رہنے لگے یہانتک کہ نماز میں بھی ہتھیار جدا نہیں کیا جاتا تھا۔

انصار کا ایک مختصر سا دستہ جس میں سعدؓ بن معاذ اُسیدؓ بن حضیر اور سعدؓ بن عبادہ تھے آنحضرتؐ کی نگرانی پر تعینات ہوگیا۔ یہ لوگ ہتھیار پہن کر ساری ساری رات حضورؐ کے دروازے پر گزار دیتے۔ کچھ دستے مدینہ کے مختلف داخلی راستوں پر تعینات ہوگئے۔ چند مزید دستے دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کیلئے طلایہ گردی پر مقرر ہوگئے جو اُن راستوں پر گشت کرتے رہتے جہاں سے گزر کر مدینے پر چھاپہ مارا جاسکتا تھا۔

اُدھر مکی لشکر معروف کاروانی شاہراہ پر چلتا ہوا جب ''ابواء'' پہنچا جہاں آنحضرتؐ کی والدہ دفن ہیں تو لشکر میں شامل ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے رائے پیش کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر اکھیڑ دی جائے۔ لیکن اس دروازے کو کھولنے کے جو سنگین نتائج نکل سکتے تھے اس کے خوف سے قائدین لشکر نے اس تجویز کی مخالفت کی اور لشکر ابواء سے چلتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچ کر پہلے وادی عقیق سے گزرا پھر کسی قدر داہنی جانب کترا کر کوہِ اُحد کے قریب عینین نامی ایک مقام پر (جو مدینہ کے شمال میں واقع وادی قناۃ کے کنارے ایک بنجر زمین ہے) لشکر نے پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ جمعہ ۶ شوال ۳ھ کا واقعہ ہے۔

مدینے کی دفاعی حکمت عملی کیلئے مجلس شوریٰ کا اجلاس

مدینہ کے ذرائع اطلاعات باقاعدہ مکی لشکر کی ایک ایک حرکت کی اطلاع مدینے پہنچا رہے تھے۔ حتیٰ کہ لشکر کے پڑاؤ کے بارے خبر بھی پہنچا دی گئی۔ اس وقت آنحضرتؐ نے فوجی ہائی کمان کی مجلس

شوریٰ منعقد فرمائی جس کا مقصد مناسب حکمت عملی اختیار کرنے کے بارے صلاح ومشورہ کرنا تھا۔آپؐ نے اپنا ایک خواب بھی بیان فرمایا کہ:۔میں نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح کی جارہی ہیں اور دیکھا کہ میری تلوار کے سرے پر کچھ شکستگی ہے اور یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ زِرہ میں داخل کیا ہے۔پھر آپؐ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی کہ گائیں ذبح ہونے سے مراد ہے کہ میرے کچھ صحابہؓ اس معرکہ میں شہید ہونگے۔تلوار پر شکستگی سے مراد ہے کہ میرے گھر کا کوئی فرد شہید ہوگا۔محفوظ زِرہ سے مراد شہر مدینہ ہے۔

پھر آپؐ نے صحابہؓ کے سامنے دفاعی حکمت عملی کے بارے اپنی رائے کا اظہار فرمایا کہ مدینہ سے باہر نہ نکلیں کیونکہ وہ ایک محفوظ زِرہ ہے اس لئے ہم شہر کے اندر قلعہ بند ہوجائیں۔اگر مشرکین اپنے کیمپوں میں مقیم رہتے ہیں تو یہ بے مقصد اور برا قیام ہوگا۔اگر وہ مدینے میں داخل ہوتے ہیں تو مسلمان گلی کوچوں کے ناکوں پر ان سے جنگ کریں گے اور چھتوں سے عورتیں ان پر خشت بازی کریں گی۔یہی صحیح رائے تھی جس سے عبداللہ بن ابیّ راس المنافقین نے بھی اتفاق کیا' جو اس مجلس میں خزرج کے ایک سرکردہ نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوا تھا۔

لیکن اسکے اتفاق کرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہی موقف صحیح اور درست تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جنگ سے دُور بھی رہے اور کسی کو اس کا احساس بھی نہ ہو۔لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ یہ شخص اپنے رفقاء سمیت سرعام رسوا ہوجائے اور ان لوگوں کے کفرونفاق پر جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ ہٹ جائے اور مسلمانوں کو اپنے کڑے اور مشکل وقت میں معلوم ہوجائے کہ انکی آستینوں میں کتنے سانپ رینگ رہے ہیں۔

چنانچہ فضلائے صحابہ کی ایک جماعت نے جو بدر میں شرکت سے رہ گئی تھی' بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ ہمیں میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے اور اس بات پر اصرار بھی کیا۔حتیٰ کہ بعض مسلمانوں نے عرض کیا:اے اللہ کے رسولؐ ہم تو اس دن کی تمنا کیا کرتے تھے اب اللہ نے موقع فراہم کیا ہے تو ہم میدان میں نکل کر کیوں مقابلہ نہ کریں' یوں بھی ہمارے میدان میں نہ نکلنے سے قریش یہ اخذ

کریں گے کہ ہم ڈر گئے ہیں۔

اِن گرم جوش صحابہ میں خود حضوؐر کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب سرفہرست تھے جنہوں نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک کوئی غذا نہ چکھیں گے جب تک مدینے سے باہر نکل کر تلوار کے ساتھ ان سے دو دو ہاتھ نہ کرلیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت صحابہ کے اصرار پر اپنی رائے ترک فرمادی اور سب کی آراء کے مطابق آخری فیصلہ یہی ہوا کہ مدینے سے باہر نکل کر کھلے میدان میں ان دشمنوں سے نمٹا جائے جو انکے دروازے تک آن پہنچے تھے۔

اسلامی لشکر کی ترتیب اور میدان جنگ کی طرف روانگی

اس کے بعد حضوؐر نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور وعظ ونصیحت فرمائی کہ ثباتِ قدم اور صبر سے ہی غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔اس کے ساتھ ہی صحابہ کو حکم دیا کہ دشمن سے مقابلہ کیلئے تیار ہوجائیں۔ یہ سن کر لوگوں میں خوشی اور جوش کی لہر دوڑ گئی۔اس کے بعد جب آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی تو اس وقت تک لوگ جمع ہوچکے تھے عوالی کے باشندے بھی آچکے تھے۔نماز کے بعد آنحضرتؐ اندر تشریف لے گئے ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ بھی ہمراہ تھے جنہوں نے حضوؐر کو لباس پہنایا اور سر پر امامہ باندھا۔آپؐ نے اوپر اور نیچے دو زِرہیں پہنیں' تلوار حمائل کی اور ہتھیاروں سے آراستہ ہوکر لوگوں کے سامنے باہر تشریف لائے اس دوران حضرت سعدؓ بن معاذ اور اسید بن حضیرؓ نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں نے حضوؐر کو زبردستی باہر نکلنے پر مجبور کیا ہے اس لئے اس معاملے کو ابھی بھی حضوؐر کی رائے پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ یہ سن کر سب کو اس بات کا احساس ہوا' وہ ندامت محسوس کررہے تھے۔اس لئے جیسے ہی آپؐ تیار ہوکر باہر تشریف لائے تو عرض کرنے لگے کہ ہمیں آپکی رائے سے اختلاف نہیں کرنا چاہیئے تھا اس لئے اگر آپؐ مدینے ہی میں رہنا چاہتے ہیں تو ایسا ہی کیجئے۔آپؐ نے فرمایا اب اس کا وقت نکل چکا' جب کوئی نبی اپنا ہتھیار پہن لے تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ اسے اتارے' تا آنکہ اللہ اسکے اور اسکے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ اس کے بعد حضوؐر نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔

۱۔مہاجرین کا دستہ:اس کا پرچم حضرت مصعبؓ بن عمیر عبدری کو عطا فرمایا۔

۲۔قبیلہ اوس (انصار) کا دستہ:اس کا علم حضرت اسیدؓ بن حضیر کو عطا فرمایا۔

۳۔قبیلہ خزرج (انصار) کا دستہ:اس کا علم حباب ؓ بن منذر کو عطا فرمایا۔

پورا لشکر ایک ہزار مردانِ جنگی پر مشتمل تھا جن میں ایک صد زِرہ پوش اور پچاس شہسوار تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہسوار کوئی بھی نہ تھا۔ پھر ابن امّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینے کے اندر رہ جانے والوں کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا اور کوچ کا اعلان فرمادیا۔لشکر نے شمال کا رُخ کیا' حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ زِرہیں پہنے حضوؐر کے آگے آگے چل رہے تھے۔

ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے تو ایک دستہ نظر آیا جو نہایت عمدہ ہتھیاروں سے لیس تھا مگر پورے لشکر سے الگ تھلگ تھا۔آپؐ نے دریافت فرمایا تو بتایا گیا کہ یہ خزرج کے حلیف یہودی ہیں جو مشرکین کے خلاف جنگ میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔اس پر آپ نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ نہیں۔اس پر آپؐ نے انکی مدد لینے سے انکار فرمادیا۔

ابھی لشکر اُحد اور مدینے کے درمیان ہی تھا کہ شام ہوگئی آپؐ نے یہیں مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور یہیں رات گزارنے کا فیصلہ فرمایا۔پہرے کیلئے پچاس لوگ منتخب فرمائے گئے جو کیمپ کے اردگرد گشت لگاتے رہتے۔ان لوگوں کے قائد محمد بن مسلمہؓ تھے یہ وہی ہیں جو کعب بن اشرف کو قتل کرنے والی جماعت کے قائد تھے۔البتہ زکوانؓ بن عبداللہ بن قیس خاص حضوؐر کے پاس پہرہ دے رہے تھے۔

عبداللہ بن ابیّ اور اسکے ساتھیوں کی سرکشی

طلوعِ فجر سے کچھ پہلے آنحضرؐت پھر چل پڑے اور مقام ''شوط'' پہنچ کر فجر کی نماز ادا فرمائی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں دشمن بالکل قریب تھا اور دونوں لشکر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔یہاں پہنچ کر عبداللہ بن ابی منافق نے بغاوت کردی اور قریباً ایک تہائی لشکر (تین سو لوگ) لے کر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ ہماری بات نہیں مانی گئی اور دوسروں کی باتوں کے پیچھے لگ کر مدینے سے باہر نکل پڑے۔ بھلا ہم کیوں

خوامخواہ اپنی جان دیں۔

یقیناً اس علیحدگی کا سبب یہ نہیں تھا جو اس منافق نے بیان کیا تھا۔ اگر اسے یہی اعتراض ہوتا کہ رسولؐ اللہ نے مدینہ میں رہ کر لڑنے والی بات نہیں مانی تو اسے لشکر کے ساتھ یہاں تک آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ دراصل اسلامی لشکر میں اضطراب اور کھلبلی مچانا چاہتا تھا کہ فوج کا ایک حصہ واپس جاتے دیکھ کر عام فوجی بھی آنحضرتؐ کا ساتھ چھوڑ دیں اور جو باقی رہ جائیں انکے حوصلے ٹوٹ جائیں اور دوسری طرف اس منظر کو دیکھ کر دشمن کے حوصلے بڑھ جائیں۔ اسکی یہ کاروائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے ساتھیوں کے خاتمے کی ایک تدبیر تھی۔ جس کے بعد اس منافق کو یہ توقع تھی کہ اسکی اور اسکے ساتھیوں کی سرداری وسربراہی پھر سے انکے پاس واپس لوٹ آنے کی راہ ہموار ہو جائیگی۔

بہت قریب تھا کہ یہ منافق اپنے بعض مقاصد کی برآری میں کامیاب ہو جاتا' کیونکہ مزید دو گروہ یعنی قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ کے قدم بھی اکھڑ چکے تھے اور وہ بھی واپسی کا سوچ رہے تھے کہ اللہ نے انکی دستگیری فرمائی جس سے یہ دونوں جماعتیں اضطراب سے نکل آئیں اور میدان میں جم گئیں۔ انہی دو جماعتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

"اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنكُمْ اَنْ تَفْشَلَا لا وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ط وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ(۱۲۲)" (سورۃ:ال عمران)

"جب تم میں سے دو جماعتوں نے بزدلی اختیار کرنے کا قصد کیا اور اللہ ان کا ولی ہے اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے" (ال عمران:۱۲۲)

بہر حال جب عبداللہ بن ابی اور اسکے ساتھیوں نے راہِ فرار اختیار کی تو اس نازک موقع پر حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ بن حرامؓ نے انہیں انکا فرض یاد دلانا چاہا اور انہیں ڈانٹتے ہوئے کہنے لگے کہ چلو میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اللہ کی راہ میں لڑو اور مسلمانوں کا دفاع کرو۔ تو وہ بہانہ بناتے ہوئے کہنے لگے کہ اب تو ہم لوٹ آئے ہیں اگر ہمیں یقین ہوتا کہ آپ لوگ لڑیں گے تو ہم واپس نہ ہوتے۔ یہ جواب سن کر حضرت عبداللہ بن حرامؓ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ اے اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ

کی مار۔ یادرکھو اللہ اپنے نبی کو تم سے مستغنی کردے گا۔ ان منافقین کے بارے ارشاد خداوندی ہے:۔

"وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾"

(سورۃ: آل عمران)

"تاکہ اللہ منافقت کرنے والوں کو بھی جان لے' اوران سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفاع کرو تو انہوں نے کہا اگر ہم لڑائی جانتے تو یقیناً تمہاری پیروی کرتے۔ یہ لوگ آج ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں' منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہے اور یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ اسے جانتا ہے" (آل عمران:۱۶۷)

ابی کی اس بغاوت کے بعد آنحضرتؐ باقی ماندہ لشکر کو' جس کی تعداد اب سات سو کے قریب تھی لے کر آگے بڑھے اور وادی کے آخری سرے پر واقع اُحد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا اور وہیں اپنے لشکر کا کیمپ لگوایا۔ یوں سامنے مدینہ تھا اور پیچھے اُحد کا بلند و بالا پہاڑ۔ اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینے کے درمیان حد فاصل بن گیا۔

دفاعی منصوبہ

یہاں پہنچ کر آپ نے لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم کی اور جنگی نقطہ نظر سے اسے کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ منتخب فرمایا جس کی تعداد پچاس مردانِ جنگی پر مشتمل تھی۔ اس کی کمان حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے سپرد کی اور انہیں وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر تعینات فرمایا جو اسلامی لشکر سے کوئی ڈیڑھ سو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھی اور اب یہ پہاڑی جبل رماۃ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں حضورؐ نے تیر اندازوں کے سامنے انکے کماندار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ دشمن کے شہسواروں کو ہم سے دور رکھو کہ وہ پیچھے سے ہم پر چڑھ نہ آئیں۔ پھر بطورِ خاص تیر انداز دستے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم ہماری پشت کی حفاظت کرنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو بھی

ہماری مدد کو نہ آنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں تو بھی ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا تاوقتیکہ میں خود تمہیں بلوا بھیجوں۔ صحیح بخاری کے الفاظ کے مطابق آپؐ نے یوں فرمایا: ''اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمیں اُچک رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا' یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔ اگر تم لوگ یہ دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دیدی ہے اور انہیں کچل دیا ہے تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں''۔

ان سخت ترین فوجی احکامات وواضح ھدایات کے ساتھ اس دستے کو اس پہاڑی پر متعین فرما کر حضورؐ نے وہ واحد شگاف بند فرما دیا جس سے نفوذ کر کے مشرکین کا رسالہ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے پہنچ سکتا اور انہیں محاصرے یا نرغے میں لے سکتا تھا۔ باقی لشکر کی ترتیب یہ تھی کہ میمنہ پر حضرت منذرؓ بن عمرو مقرر ہوئے اور میسرہ پر زبیر بن عوامؓ کو مقرر فرمایا اور انکا معاون حضرت مقدادؓ بن اسود کو بنایا گیا۔ اگلے حصے میں ایسے ممتاز اور بہادروں کو منتخب فرمایا گیا جن کی جانبازی و دلیری کا شہرہ دشمنوں میں بھی تھا اور جنہیں ہزاروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کی تنظیم وترتیب ایسے انداز میں فرمائی کہ فوجی تعداد کی کمی کافی حد تک پوری ہوگئی اور یہ تیاری شوال ۳ھ کی صبح سنیچر کے روز مکمل ہوئی۔

مشرکین نے بھی صف بندی کے اصولوں کے مطابق اپنے لشکر کو مرتب ومنظّم کیا جس کا سپہ سالار ابوسفیان تھا جس نے قلبِ لشکر میں اپنا مرکز بنایا تھا۔ میمنہ پر خالد بن ولید تھے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ پیدل فوج کی کمان صفوان بن امیّہ کے پاس تھی اور تیر اندازوں کی کمان پر عبداللہ بن ربیعہ مقرر ہوئے۔ عورتوں کا ایک مختصر گروہ بھی لشکر کے ہمراہ تھا جو اپنا رول ادا کرنے کیلئے صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف بجا بجا کر لوگوں کو جوش دلا رہی تھیں۔ انکی قیادت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کر رہی تھی۔

دونوں فریق ایک دوسرے کے آمنے سامنے اور قریب آگئے اور لڑائی کا پہلا مرحلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے لشکرِ مشرکین کے علمبرداروں میں سے طلحہ بن ابی طلحہ عبدری نے مبارزت طلب کی' یہ شخص قریش کا نہایت بہادر شہسوار تھا جسے مسلمان کبش الکتیبہ (لشکر کا مینڈھا) کہتے تھے وہ اونٹ پر سوار ہوکر اور میدان میں نکل کر مبارزت کی دعوت دے رہا تھا۔ مگر اس کی حد سے بڑھی ہوئی شجاعت کے سبب

عام مسلمان مقابلہ پر اترنے سے کترا رہے تھے۔اسی اثناء میں حضرت زبیرؓ میدان میں نمودار ہوئے اور ایک لمحہ کی مہلت دیئے بغیر شیر کی طرح جست لگا کر اونٹ پر جا چڑھے اور اس مینڈھے کو گرفت میں لے کر اونٹ سے کود گئے وہ نیچے گرنے کے بعد ابھی سنبھلا بھی نہ تھا کہ حضرت زبیرؓ نے اسے تلوار سے ذبح کر ڈالا۔حضورؐ نے یہ ولولہ انگیز منظر دیکھا تو فرط مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور مسلمانوں نے بھی اس زور سے نعرہ لگایا کہ پورا میدانِ جنگ گونج اٹھا۔آپؐ نے حضرت زبیرؓ کی تعریف فرمائی اور بطورِ خاص فرمایا کہ: ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیرؓ ہیں۔

لشکرِ مشرکین کے علم برداروں کا صفایا

طلحہ عبدری کے ذبح ہوتے ہی ہر طرف جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔جنگ میں علم ہی مرکزِ ثِقل ہوتا ہے یہ ذمہ دارانہ عہدہ جو قبیلہ بنو عبدالدار کے حوالے تھا اور قدیمی رواج کے مطابق کئی سالوں سے انہیں کے پاس چلا آتا تھا' اس لئے جونہی انکا کماندار طلحہ عبدری ہلاک ہوا۔علم برداری کی ذمہ داری نبھانے کیلئے بنو عبدالدار کے دیگر لوگ باری باری پرچم سنبھالتے رہے' مگر انکے سب کے سب یعنی دس علم بردار مارے گئے تو اب اُن میں سے کوئی باقی نہ بچا جو پرچم بلند رکھتا۔البتہ اس موقع پر انکے ایک غلام ''صواب'' نے لپک کر پرچم اٹھالیا اور بڑی پامردی و بہادری سے لڑتا رہا۔اس بہادر کے یکے بعد دیگرے دونوں ہاتھ بھی کٹ گئے مگر وہ پرچم چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔تو وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور دونوں گھٹنوں میں پرچم دبا کر سینے اور گردن کے سہارے اسے بلند کیئے رکھا یہاں تک کہ اسے جان سے مار ڈالا گیا۔

جہاں ایک طرف مشرکین کا جھنڈا مرکزِ ثقل تھا وہیں دوسری طرف میدان کے بقیہ حصوں میں بھی شدید جنگ جاری تھی۔مسلمانوں کی صفوں پر ایمان کی رُوح چھائی ہوئی تھی وہ کفر و شرک کے لشکر پر اس سیلابی ریلے کی طرح ٹوٹے پڑ رہے تھے جس کے سامنے کوئی بند ٹھہر نہیں پاتا۔وہ مار ڈالو مار ڈالو کہتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے اور اس جنگ میں یہی انکا شعار تھا۔ادھر ابو دُجانہؓ نے اپنی سرخ پٹی سر پر

باندھ لی تھی اور حضورؐ کی عطا فرمائی گئی تلوار کا حق ادا کرنے کے جوش میں لڑتے ہوئے دشمن کی صفوں میں دُور تک جا گھسے، جو کوئی انکے سامنے آتا گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرتا جاتا، گویا انکے آگے بڑھنے کا راستہ بنتا جاتا تھا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

اُدھر حضرت حمزہؓ کسی بپھرے ہوئے شیر کی طرح لشکرِ قریش کے قلب کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے مشرکین کے علم برداروں کی تباہی میں اہم رول ادا کرنے کے بعد اب دشمن کی صفوں میں گھس کر انہیں تہ تیغ کرنا شروع کر دیا تھا۔ انکے سامنے بڑے بڑے بہادر یوں بکھر جاتے جیسے تیز آندھی میں پتے اڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ابھی قلبِ لشکر تک پہنچ نہ پائے تھے کہ ہند بنت عتبہ کی خواہش اور ابوسفیان کی ایماء پر ایک حبشی نیزہ باز نے چھپ کر ان پر تاک کر نشانہ لگایا جو جان لیوا ثابت ہوا، اور انکی شہادت واقع ہوگئی۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے بھی حضرت حمزہؓ کے قتل کے عوض وحشی کو جنسی طور پر خوش کرنے کی آفر دے رکھی تھی۔ افسوس! کہ ان کو بہادروں کی طرح آمنے سامنے لڑتے ہوئے شہید نہیں کیا گیا، بلکہ بزدلوں کی طرح کرائے کے قاتل سے کروایا، جس کا کرایہ غلامی سے آزادی اور ہند سے ایک شب بسری تھا، بعدازاں وحشی بن حرب نامی یہ حبشی مسلمان ہو گیا تو اس نے خود بتایا کہ:

''میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا جن کا چچا طیمہ بن عدی جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جب قریش جنگ اُحد پر روانہ ہونے لگے تو جبیر نے مجھ سے کہا: ''اگر تم محمدؐ کے چچا حمزہؓ کو میرے چچا کے بدلے میں قتل کر دو تو تم آزاد ہو''۔ میرے لئے یہ بہت بڑی بات تھی چنانچہ (اس پیشکش کے نتیجے میں) میں بھی ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ میں حبشیوں کی طرح نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا۔ جب جنگ چھڑ گئی تو میں نکل کر حضرت حمزہؓ کو تلاش کرنے لگا پھر میں نے ان کو لوگوں کے ہجوم میں دیکھ لیا وہ ایک خاکستری اونٹ کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ میں نشانہ لگانے میں انکے رکنے کی تاک میں تھا مگر وہ بجلی کی مانند لوگوں کو درہم برہم کرتے ہوئے کبھی کسی طرف تو کبھی کسی طرف ہو جاتے۔ بہرحال میں ایک

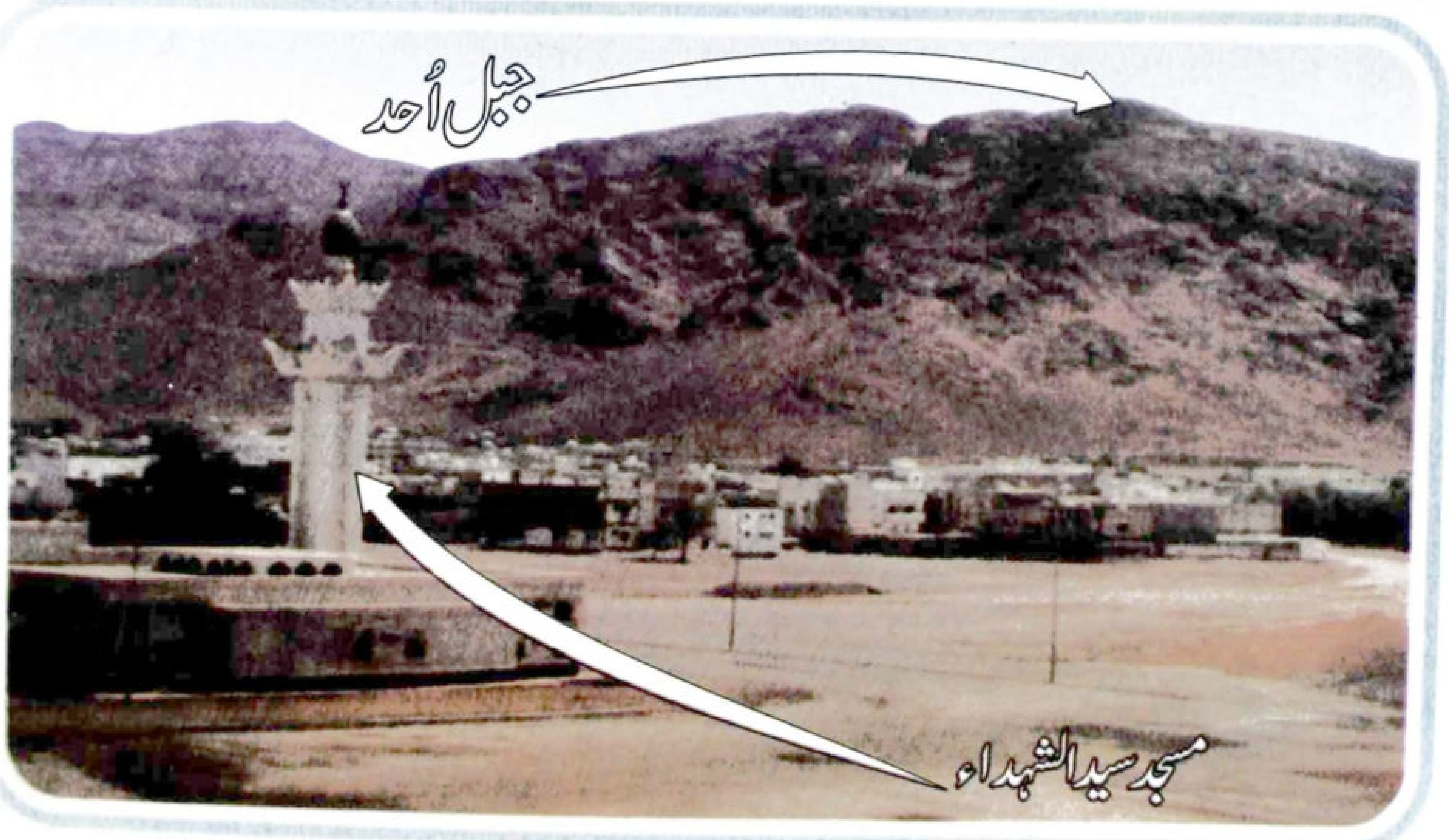

یہ مسجد حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جگہ بنائی گئی ہے

پتھر کی اوٹ میں چھپ کر انہیں اپنے نشانے پر لینے کا انتظار کرنے لگا۔ میں نیزہ پھینکنے ہی والا تھا کہ سباع بن عبدالعزیٰ آگے بڑھ کر حضرت حمزہؓ پر حملہ کرنے کو لپکا' میں ڈرا کہ میرے آزاد ہونے کا موقع ضائع ہونے والا ہے۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ نے اس کا وار بچاتے ہوئے اسے للکار کر کہا' او شرمگاہ کی چمڑی کاٹنے والے کے بیٹے! یہ لے اور اسکے ساتھ ہی تلوار اس زور سے گھمائی کہ وہ کھڑے کا کھڑا رہ گیا جبکہ گردن پر اسکا سر موجود نہ تھا اور کچھ لمحوں بعد اس کا دھڑ نیچے گرا۔ حبشی غلام وحشی کا بیان ہے کہ پھر میں نے اپنا نیزہ تولا اور جب میری مرضی کے مطابق ہو گیا' تو میں نے حضرت حمزہؓ کی طرف اچھال دیا جو انکے زیر ناف لگا اور دونوں ٹانگوں کے بیچ سے آدھا پار ہو گیا۔ مجھے جنگ سے یا کسی اور سے کوئی سروکار نہیں تھا' پس میں واپس جا کر بیٹھ رہا۔ جب مکہ واپس لوٹا تو مجھے آزادی مل گئی۔

مشرکین کی شکست

حضرت حمزہؓ کی شہادت کے باوجود مسلمانوں کے حوصلے بلند تھے اور جنگ میں انکا پلہ بھاری تھا۔ بطورِ خاص حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر۔ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش۔ حضرت سعدؓ بن معاذ۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ۔ حضرت سعدؓ بن ربیع اور حضرت نضر بن انسؓ وغیرہ نے ایسی پامردی و جانبازی سے لڑائی لڑی کہ مشرکین کے چھکے چھوٹ گئے اور انکی قوتِ بازو جواب دینے لگی۔

جبل رماۃ کی پہاڑی پر جن تیر اندازوں کو حضورؐ نے تعینات فرمایا تھا انہوں نے بھی جنگ کی رفتار مسلمانوں کے موافق چلانے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ خالد بن ولید کی قیادت میں ابو عامر فاسق کی مدد سے مکی فوج نے تین بار اسلامی فوج کا بایاں بازو توڑ کر پشت تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن مسلمان تیر اندازوں نے انہیں بار بار یوں چھلنی کیا کہ تینوں حملے ناکام ہو گئے اور انہیں منہ کی کھانی پڑی۔

کافی دیر اسی طرح شدید جنگ جاری رہی۔ لیکن مشرکین مسلمانوں کے حملوں کو روکنے کیلئے اپنی انتہائی طاقت صرف کرنے کے باوجود خود کو مجبور و بے بس محسوس کرنے لگے۔ انکے حوصلے اس قدر

ٹوٹ گئے کہ انکے علم برداروں کے قتل ہو جانے اور پھر انکے غلام ''صواب'' کے قتل کے بعد کسی کو یہ جرأت بھی نہ رہی کہ اپنا گراہوا پرچم ہی اٹھا کر بلند کر لیتے۔ انہوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا تو صفوں کی ترتیب یوں گڈمڈ ہوگئی کہ پورا لشکر ایک بے ہنگم جلوس کی شکل اختیار کر گیا۔ بدلہ اور انتقام کے نعرے لگانے والے اور اپنی عزت وشرف واپس لانے کے دعوے کرنے والے اب اپنی جانوں کی خیر منانے کی راہیں تلاش کرنے لگے اور اپنی عورتوں سمیت کیمپ سے پرے بھاگ نکلے۔ انکی عورتیں نیم برہنہ حالت میں بھاگتی جارہی تھیں اور لوگ انکی پازیبوں اور برہنہ پنڈلیوں کو دیکھ رہے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت براؓ بن عازبؓ کی روایت ہے کہ ''جب اس وقت مشرکین سے ہماری ٹکر ہوئی تو مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی یہاں تک کہ میں نے انکی عورتوں کو پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے پہاڑ میں تیزی سے بھاگتے دیکھا''۔ فوج کی افراتفری اور فرار ہوتی اس بھگدڑ میں مسلمان انکے پیچھے تلواریں چلاتے اور غنیمت کا مال سمیٹتے ہوئے مشرکین کا تعاقب کر رہے تھے۔

مسلم تیراندازوں کی خوفناک غلطی

عین اس وقت جبکہ یہ چھوٹا سا اسلامی لشکر قریش مکہ کے خلاف تاریخ کے اوراق میں ایک اور شاندار فتح کا باب ثبت کر رہا تھا جو اپنی تابناکی میں جنگ بدر سے کسی طرح کم نہیں تھا کہ تیراندازوں کی اکثریت نے ایک فاش خطا کا ارتکاب کیا۔ وہ یہ کہ انہوں نے جب مسلمانوں کو مالِ غنیمت سمیٹتے دیکھا تو حضورؐ کی تاکید کے باوجود آپکی ھدایت ونصیحت کو پس پشت ڈال دیا۔ ان پر حبِّ دنیا کا کچھ اثر ایسا غالب آگیا کہ وہ غنیمت غنیمت چلاتے ہوئے اپنا مورچہ چھوڑ کر مشرکین کا پیچھا کرتے مسلمانوں کے ساتھ جا ملے اور مال اکٹھا کرنے میں جُٹ گئے۔ یہ ایسی خوفناک غلطی اور کوتاہی تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ اپنے کمانددار عبداللہ بن جبیرؓ کے منع کرنے اور روکنے کے باوجود تیراندازوں کی اکثریت بے لگام ہوگئی اور پچاس کی نفری میں سے چالیس لوگ مورچہ چھوڑ کر مالِ غنیمت پر پل پڑے۔ اس طرح مسلمانوں کی پشت خالی رہ گئی۔ صرف حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور انکے نو

غزوۂ اُحد میں تیر اندازوں کا ٹیلہ

تیرانداز ساتھی اس عزم کے ساتھ وہاں کھڑے رہے کہ یا تو انہیں گھاٹی چھوڑنے کی اجازت دی جائیگی یا وہ اپنی جان جانِ آفرین کے حوالے کردیں گے۔

اسلامی لشکر مشرکین کے نرغے میں

خالد بن ولید پہلے بھی تین مرتبہ اس طرف سے حملہ کر کے اسلامی لشکر کی پشت پر پہنچنے کی کوشش کرچکے تھے اور اب تو انہیں میدان خالی دکھائی دے رہا تھا۔ چنانچہ اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ نہایت تیزی سے چکرکاٹ کر مسلمانوں کی پشت پر جا پہنچے اور چند لمحوں میں عبداللہ بن جبیرؓ اور انکے ساتھیوں کا صفایا کر کے مسلمانوں پر پیچھے کی طرف سے ٹوٹ پڑے۔ خالد بن ولید کے ساتھیوں نے ایک نعرہ بلند کیا جو بھاگنے والی فوج کی توجہ کا باعث بنا۔ بھاگتی ہوئی فوج نے جب صورتِ حال کا مشاہدہ کیا تو وہ بھی پلٹ کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی۔ اُدھر قبیلہ بنو حارث کی ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے لپک کر میدان جنگ میں پڑا مشرکین کا جھنڈا اٹھالیا۔ پھر کیا تھا بکھرے ہوئے مشرکین اس علم کی طرف جمع ہوگئے اور جم کر لڑائی شروع کردی۔ اب مسلمان آگے اور پیچھے دونوں طرف سے دشمن کے گھیرے میں آچکے تھے۔

آنحضرتؐ کا خطرناک مگر دلیرانہ اقدام

اس وقت حضورؐ اپنے نو ساتھیوں کی مختصر سی جماعت کے ساتھ پیچھے تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کی ماردھاڑ اور مشرکین کے کھدیڑے جانے کا منظر دیکھ رہے تھے کہ اچانک تیراندازوں کی غلطی کی وجہ سے حالات نے پلٹا کھایا اور جونہی آپؐ نے خالد بن ولید کے شہسواروں کو دیکھا تو کوئی فیصلہ کرنے کیلئے اس وقت آپکے پاس دو ہی راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ آپؐ اپنے نو عدد رفقاء سمیت تیزی سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ چلے جاتے اور اپنے لشکر کو جو اَب نرغے میں آیا ہی چاہتا تھا اس کی قسمت پر چھوڑ دیتے۔ دوسرا یہ کہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر اپنے صحابہ کو بلاتے اور انکی ایک معقول تعداد اپنے پاس جمع کر کے ایک مضبوط محاذ تشکیل دیتے اور مشرکین کا گھیرا توڑ کر اپنے پھنسے ہوئے لشکر کیلئے اُحد کی بلندی

کی طرف جانے کا راستہ بناتے۔

آزمائش کے اس نازک ترین موقع پر آنحضرتؐ کی عبقریت اور بے نظیر شجاعت نمایاں ہوئی۔ کیونکہ آپؐ نے اپنی جان بچا کر بھاگنے کی بجائے صحابہ کرام کی جان بچانے کا فیصلہ کیا اور یوں ایک طرح سے اپنی جان کو مشکل میں ڈال لیا۔ کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ جونہی میں مسلمانوں کو آواز دونگا تو ان سے پہلے مشرکین کو پتہ چل جائیگا کہ میں کہاں ہوں اور یہی ہوا بھی۔ جیسے ہی آپؐ نے خالد بن ولید کے دستے کو دیکھا تو نہایت بلند آواز سے صحابہ کرام کو پکارا: اللہ کے بندو اِدھر۔ یہ آواز سنتے ہی صحابہ تو بعد میں پہنچے اس سے پہلے مشرکین کا دستہ آپؐ کے پاس پہنچ گیا اور انکے شہسواروں نے تیزی سے مسلمانوں کو گھیرے میں لینا شروع کر دیا۔

مسلمانوں میں انتشار

جونہی مسلمان نرغے میں آئے تو ایک گروہ تو اپنے ہوش وحواس ہی کھو بیٹھا ان کو اس وقت صرف اپنی جانیں بچانے کی فکر پڑی تھی اسلئے انہوں نے میدانِ جنگ چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کی اور بھاگ کر مدینے میں جا گھسے۔ کچھ لوگ گھبرا کر پہاڑ کے اُوپر جا چڑھے۔ کچھ گھبرا کر پیچھے کی طرف پلٹے تو مشرکین کے ساتھ ایسے مخلوط ہو گئے کہ کسی کو ایک دوسرے کا پتہ نہ چلتا تھا۔ ایسی حالت میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں کچھ مسلمان قتل ہو گئے اور کچھ مشرکین کے ہاتھوں مشرکین کا قتل ہو گیا۔

دوسرے گروہ کی صفوں میں بھی سخت انتشار اور بد نظمی پیدا ہو گئی تھی۔ لوگ حیران و سرگردان تھے اور انکی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کدھر جائیں یا کیا کریں۔ اسی دوران ایک پکارنے والے کی پکار سنائی دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بالکل ہی ٹوٹ گئے اور بعض نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور درماندہ ہو کر ہتھیار پھینک دئے۔ کچھ لوگ یہ تک سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کسی طرح رئیس المنافقین ابیّ سے مل کر کہا جائے کہ وہ ابو سفیان سے اُن کیلئے جان کی امان طلب کرے۔

کچھ دیر بعد ان لوگوں کے قریب سے حضرت انسؓ بن النضر کا گزر ہوا' تو انہوں نے پوچھا: تم لوگ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کیوں بیٹھے ہو اور کس بات کا انتظار ہے۔؟ ان لوگوں نے جواب میں کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ اس پر حضرت انسؓ نے کہا: اب آپؐ کے بعد تم لوگ زندہ رہ کر کیا کرو گے۔؟ اٹھو اور جس چیز پر آنحضرتؐ نے جان دی تم بھی اسی بات پر لڑتے ہوئے اپنی جانیں نچھاور کر دو۔ اس کے بعد کہا: اے اللہ اِن مسلمانوں نے جو کچھ کیا اس پر میں تیرے حضور شرمندہ اور معذرت خواہ ہوں اور جو کچھ مشرکین نے کیا میں اس سے بیزاری اختیار کرتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور خود بھی اسی بات پر عمل کیا۔ یعنی راستے میں جب سعدؓ بن معاذ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے پوچھا: ابو عمر کدھر جا رہے ہو؟ تو حضرت انسؓ نے چلتے چلتے کہا: آہا' جنت کی خوشبو کی کیا بات ہے میں اسے اُحد کے پرے سے آتی محسوس کر رہا ہوں پھر مشرکین سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد انہیں پہچانا نہ جا سکا' ان کو نیزے' تلواروں اور تیروں کے اسّی سے زیادہ زخم آئے تھے۔ انکی بہن نے محض انکی انگلیوں کے پوروں سے انہیں شناخت کیا۔

اسی طرح ثابتؓ بن وحداح نے اپنی قوم کو پکار کر کہا: اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے جو مر نہیں سکتا۔ اٹھو اور اپنے دین کیلئے لڑو اللہ تمہیں اپنی مدد اور فتح سے نوازے گا۔ اس پر انصار کی ایک جماعت اٹھ کھڑی ہوئی اور حضرت ثابت نے انکے ساتھ خالد بن ولید کے رسالے پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے خالد کے نیزے سے شہید ہو گئے۔ اسی طرح باقی رفقاء نے بھی لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا۔

ایک مہاجر صحابی ایک انصاری صحابی کے پاس سے گزرے جو خون میں لت پت تھے۔ مہاجر صحابی نے انہیں آواز دیکر پوچھا کہ کیا آپکو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے ہیں؟ اس انصاری نے زخمی حالت میں بھی یہی کہا: اگر وہ شہید کر دیئے گئے تو وہ اللہ کا دین پہنچا چکے۔ اب تم لوگوں کا کام ہے کہ اس دین کی حفاظت کیلئے لڑو۔ پھر یہی بات تبلیغ کی طرح اس مہاجر صحابی نے متعدد مسلمانوں کو کہی اور انہوں نے دوسرے ہتھیار ڈالے لوگوں سے کہی۔

اس طرح حوصلہ افزا ٔ اور ولولہ انگیز باتوں سے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کا ایک جتھہ کھڑا ہوگیا اور اسلامی لشکر کے ہوش وحواس بحال ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ انہوں نے طلب امان کی بات سوچنے کی بجائے پھر سے ہتھیار اٹھالئے اور مشرکین کے تند سیلابی ریلے سے ٹکرا کر انکا گھیرا توڑنے اور مرکز قیادت تک راہ بنانے کا عزم کرلیا۔ اسی دوران انہیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آنحضرتؐ زندہ وبخیریت ہیں اور ان کی شہادت کی خبر محض من گھڑت اور جھوٹی ہے۔ یہ سن کر انکے حوصلوں میں ایک نئی روح پھونکی گئی اور اس جوش وولولہ سے انکی قوت میں بہت اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے یا تو فتح یا پھر شہادت کو مدِنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو گھیرے میں لینے والوں پر اچانک سخت حملہ کردیا اور خون ریز جنگ کے بعد گھیرا توڑ کر انکے نرغے سے نکلنے اور ایک مضبوط مرکز کے گرد جمع ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

مسلمانوں کا ایک تیسرا گروہ بھی تھا جسے صرف آنحضرتؐ کی فکر تھی۔ یہ گروہ گھیراؤ کی کاروائی کا علم ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹا۔ اس گروہ کے چیدہ لوگوں میں سے حضرت ابوبکرؓ ۔۔حضرت عمرؓ۔۔حضرت علیؓ۔۔اور کچھ دیگر صحابہؓ سرفہرست ہیں۔ یہ لوگ مقاتلین کی صف اوّل میں بھی سب سے آگے تھے اور جب آنحضرتؐ کی ذات گرامی کیلئے خطرہ پیدا ہوا تو بھی یہ لوگ حضورؐ کی حفاظت و دفاع کیلئے سب سے آگے آکر سینہ سپر ہوگئے۔ سلام ہے ایسی ہستیوں پر!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد خون ریز معرکہ

عین اس وقت جب اسلامی لشکر مشرکین کے نرغے میں آکر چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا تھا وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد بھی خون ریز معرکہ آرائی جاری تھی۔ عرض کیا جاچکا ہے کہ جب مشرکین نے گھیراؤ کی کاروائی شروع کی اس وقت آنحضرتؐ کے ساتھ محض نو افراد آپؐ کے ہمراہ تھے۔ جب آپؐ نے دُور موجود مسلمانوں کو بلند آواز سے پکار لگائی کہ: اللہ کے بندو میری طرف آؤ میں یہاں ہوں، تو مشرکین نے آپکی آواز سن لی اور آپکو پہچان لیا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں سے زیادہ نزدیک تھے۔ چنانچہ انہوں نے جھپٹ کر آپؐ پر حملہ کردیا اور مسلمانوں کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اپنا پورا بوجھ

ڈال دیا۔ حضورؐ کے ساتھ نو صحابہ اور مشرکین کے درمیان سخت معرکہ آرائی شروع ہوگئی۔ جس میں محبت و جان سپاری اور شجاعت و جانبازی کے بڑے بڑے نادر واقعات پیش آئے۔

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اُحد کے (اُس) روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات انصاری اور دو قریشی صحابہؓ کے ساتھ الگ تھلگ رہ گئے تھے۔ جب حملہ آور آپؐ کے بالکل نزدیک پہنچ گئے تو آپؐ نے فرمایا کون ہے جو اِنکو ہم سے دفع کرے اور اس کیلئے جنت ہے یا فرمایا اسکے لئے جنت میں میرا ساتھ ہے۔ اس پر ایک انصاری صحابیؓ اٹھے اور حملہ آوروں سے آنحضرتؐ کی ڈھال بن کر لڑنے لگے یہاں تک کہ زخمی ہوکر شہادت پا گئے اور یہی ساتوں انصاری صحابہ کے ساتھ ہوا۔ ساتویں صحابی حضرت عمارہؓ بن یزید بن السکن تھے' جب زخموں سے چُور ہوکر گر گئے تو باقی صرف دو قریشی صحابہؓ رہ گئے تھے۔ یہ حضورؐ کی زندگی کا انتہائی نازک ترین لمحہ تھا جبکہ مشرکین کیلئے انتہائی سنہرا موقع تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ مشرکین نے اس موقع کا فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ آپؐ خود بھی دفاع میں لڑ رہے تھے کہ اسی اثناء میں عتبہ ابن ابی وقاص نے آپؐ کے چہرے پر زوردار پتھر مارا جس سے آپؐ پہلو کے بل گر پڑے اور حضورؐ کا داہنا نچلا دانت ٹوٹ گیا اور نچلا ہونٹ زخمی ہوگیا۔ پھر عبداللہ بن شہاب زہری نامی مشرک نے آگے بڑھ کر آپکی پیشانی کو زخمی کر دیا۔ اتنے میں ایک اور اڑیل سوار عبداللہ بن قمۂ نے آپکے کندھے پر تلوار کا زوردار وار کیا۔ دوہری زِرہ پہنے ہونے کے باعث آپؐ شہید ہونے سے تو بچ گئے لیکن آپکو اسکی تکلیف ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک محسوس ہوتی رہی۔ اسکے بعد اس نے پھر تلوار کا بھرپور وار کیا جو آنکھ کے نیچے ابھری ہوئی ہڈی پر لگا جس سے خَود کی دو کڑیاں چہرے مبارک کے اندر تک گھس گئیں' صحیح بخاری میں ہے کہ آپکا رباعی دانت توڑ دیا گیا اور سر زخمی کر دیا گیا تھا۔ آپؐ اس وقت اپنا خون پونچھتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے کہ ایسی قوم کیسے کامیاب ہوسکتی ہے جس نے اپنے نبیؐ کے چہرے کو زخمی کر دیا اور اس کا دانت توڑ دیا حالانکہ وہ انہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا۔ طبرانی کی ایک روایت کے مطابق آپؐ نے انہیں بددعا دیتے ہوئے فرمایا تھا: اس قوم پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اپنے پیغمبرؐ کا چہرہ خون آلود کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

غزوۂ احد: وہ جنگ جس میں حضور ﷺ زخمی ہوئے، دندان مبارک شہید ہوئے، چہرۂ انور خون آلود ہوا، سات سات صحابہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے پروانہ وار شہید ہوئے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے ہاتھوں اور جسموں پر ننگی تلواروں اور تیروں کے وار سہے، آپ ﷺ کے محبوب چچا کے ٹکڑے ہوئے، لیکن اللہ کے محبوب بندوں کی اس جماعت نے حق کی تبلیغ اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت کی خاطر یہ سب کچھ ہنسی خوشی، راضی برضا ہو کر برداشت کیا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (ال عمران/١٢٨)

"آپکو کوئی اختیار نہیں' اللہ چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں (ال عمران:١٢٨)

صحیح مسلم (باب غزوہ اُحد کے مطابق) آپؐ نے تھوڑی دیر رُک کر فرمایا:۔" ربّ اغفر لقومی فانهم لا يعلمون" یعنی "اے پروردگار میری قوم کو بخش دے کہ وہ نہیں جانتی"

یقیناً مشرکین آپؐ کا کام تمام کردینا چاہتے تھے مگر آپکے دونوں قریشی صحابہ یعنی حضرت سعدؓ بن وقاص اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ نے نادرالوجود جانبازی اور بے مثال بہادری سے کام لیتے ہوئے صرف دو ہوتے ہوئے مشرکین کی کامیابی ناممکن بنادی۔ یہ دونوں یوں بھی عرب کے بہترین تیر انداز تھے جنہوں نے حضورؐ کے ہر قریب آنے والے دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ جاری رکھی اور کسی کو آپکے قریب نہ آنے دیا۔ حضرت طلحہؓ نے آخری دم تک حضورؐ کے دشمنوں سے جنگ جاری رکھی اور تیراندازی کے علاوہ تلوار بازی سے بھی مقابلہ جاری رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کو پلٹا دیا۔

یہ تمام واقعہ تحریری طور پر پڑھنے یا سننے سنانے میں تو طویل معلوم ہوتا ہوگا لیکن یہ سارا حادثہ دراصل چند لمحات یا چند منٹوں میں بالکل اچانک اور نہایت تیز رفتاری سے پیش آیا اور جلد نمٹ بھی گیا۔ ورنہ حضورؐ کے منتخب صحابہ جو لڑائی کے دوران صف اوّل میں تھے جنگ کی صورتِ حال بدلتے اور حضورؐ کی آواز سنتے ہی آپکی طرف بے تحاشہ دوڑ پڑے تھے کہ آپکو کوئی ناگوار حادثہ نہ پیش آجائے۔ ان حضرات کے پہنچنے تک آپکے چھ جانثار انصاری صحابہ رضی اللہ آپؐ پر قربان ہو چکے تھے اور ساتواں بھی زخمی ہو کر گر چکا تھا' آنحضرتؐ خود بھی زخمی ہو چکے تھے' حضرت سعدؓ اور حضرت طلحہؓ ابھی تک آپکی سپر بنے مشرکوں سے نبردآزما تھے اور جان توڑ مدافعت کر رہے تھے کہ آواز دیکر بلوائے گئے صحابہ پہنچ گئے۔ انہوں نے پہنچتے ہی حضورؐ کے گرد اپنے جسموں کی باڑ باندھ دی اور دشمن کے تابڑ توڑ حملے روکنے میں انتہائی بہادری اور جذبۂ جاں نثاری سے کام لیا۔ لڑائی کی صف سے پلٹ کر آنے والے سب سے پہلے صحابی حضرت ابوبکرؓ

تھے۔ پھر انہی نازک تر لمحات کے دوران آپؐ کے گرد جانباز صحابہ کی ایک جماعت بھی آن پہنچی۔

اُدھر مشرکین کی تعداد بھی لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی جس کے نتیجہ میں انکے حملے سخت ہوتے جا رہے تھے اوران کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے ایک ہی ڈھال سے اپنی اور حضورؐ کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی تھی ساتھ ہی وہ تیراندازی بھی کررہے تھے۔ وہ جب تیر چلاتے تو حضورؐ سر اٹھا کر دیکھتے کہ یہ کہاں گرا تو ابوطلحہ رضی اللہ فکرمندی سے حضورؐ کو اٹھنے سے روکتے کہ کہیں مخالف سمت سے آتا ہوا کوئی تیر نہ لگ جائے۔ اس کیفیت میں حضرت ابودجانہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوگئے اور متعدد تیر اپنی پیٹھ پر کھاتے رہے مگر وہ ملتے بھی نہیں تھے کہ دشمنوں کو آپکی موجودگی کا اندازہ نہ ہو جائے۔

اس پریشان کن حالت میں حضورؐ اُن چند گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں جا گرے جنہیں ابو عامر فاسق نے اسی قسم کی شرارت کیلئے کھود رکھا تھا۔ گڑھے میں گرنے کے سبب آپؐ کا گھٹنا موچ کھا گیا۔ جس سے آپکا باہر نکلنا دشوار ہوگیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے آپکا ہاتھ تھاما اور حضرت طلحہؓ نے خود زخمی ہونے کے باوجود آپکو آغوش میں لیا، تب آپؐ برابر کھڑے ہوسکے۔ تاہم تکلیف زیادہ تھی کیونکہ گھٹنے پر بھی سوجن بڑھ رہی تھی چہرے پر بھی زخم گہرے تھے اور دانت کا درد تو الامان والحفیظ۔

جب حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو علم ہوا کہ عتبہ بن ابی وقاص نے حضورؐ کا دانت مبارک شہید کیا ہے تو وہ اسکی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور اسے پاتے ہی اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ اسی آن اس کا سر جھٹک گیا۔ پھر اسکے گھوڑے اور تلوار پر قبضہ کرلیا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی بھی بڑی خواہش تھی کہ اپنے بھائی عتبہ کو اپنے ہاتھوں قتل کریں مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ یہ سعادت غالباً حضرت حاطبؓ کی ہی قسمت میں تھی۔

آنحضرتؐ کی معرکہ آرائی اور حالات پر قابو

اسلامی لشکر کے علم بردار حضرت مصعبؓ بن عمیر کی شہادت کے بعد جھنڈا حضرت علیؓ کے سپرد

کردیا گیا تو وہاں موجود باقی صحابہ کرام بڑی جانبازی سے دفاع میں جُٹ گئے اور موقع ملتے ہی سرفروشی کی تمنا رکھنے والے مسلمانوں نے حملہ کردیا۔ جس سے بالآخر اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی صفوں کو چیر کر نرغے میں آئے ہوئے صحابہ کرام کی جانب راستہ بنائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قدم بڑھا کر بتدریج صحابہ کرام کی جانب تشریف لے آئے۔

سب سے پہلے حضرت کعبؓ بن مالک نے آپکو دیکھا اور خوشی سے چیخ پڑے: مسلمانوں خوش ہو جاؤ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؐ نے اشارے سے انہیں خاموش رہنے کا کہا' تا کہ مشرکین کو آپکی موجودگی کا پتہ نہ چل سکے۔ لیکن مسلمانوں کو حضرت کعبؓ کی آواز پہنچ چکی تھی اور مسلمان آنحضرتؐ کی پناہ میں آنا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ تیس کے قریب صحابہ جمع ہو چکے تھے۔ اتنی تعداد بھی اس وقت کافی محسوس ہو رہی تھی چنانچہ آپؐ نے پہاڑ کی گھاٹی یعنی کیمپ کی طرف ہٹنا شروع کیا۔ مشرکین نے بھی بھانپ لیا اور انہیں روکنے کیلئے حملے تیز کر دیئے۔ مگر آپؐ نے انکے حملوں کے باوجود ہمت سے حملہ آوروں کا ہجوم چیر کر راستہ بنا ہی لیا۔ اِن صرف تیس شیرانِ اسلام کی شجاعت و شہ زوری کے آگے انکی ایک نہ چلی۔

اسی اثناء میں مشرکین کا ایک اڑیل شہسوار عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ گھوڑا دوڑاتے اور یہ کہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھا کہ یا تو وہ رہے گا یا میں رہوں گا۔ حضورؐ نے بھی دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھان لی اور کھڑے ہو کر اسکا انتظار کرنے لگے مگر مقابلے کی نوبت نہ آئی کیونکہ اسکا گھوڑا ابھی انہی کھڈوں میں سے ایک گڑھے میں جا گرا' جو ابو عامر جیسے منافق نے مسلمانوں کیلئے کھود رکھے تھے۔ اتنے میں آپکے ایک ساتھی حارثؓ بن صمہ نے للکارتے ہوئے اس پر تلوار سے وار کیا جو اسکے پاؤں پر لگا اور وہ وہیں بیٹھ گیا' پھر اسے ہلاک کر کے اسکا ہتھیار اپنے قبضہ میں لے لیا۔ مکی لشکر کے ایک اور سوار عبداللہ بن جابر نے پلٹ کر حارثؓ پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا تو مسلمانوں نے آگے بڑھ کر انہیں اٹھا لیا اور ابو دجانہؓ نے جنہوں نے آج سرخ پٹی باندھ رکھی تھی عبداللہ بن جابر کو جاتے ہی تلوار کے ایک ہی وار سے اسکی گردن سے محروم کر دیا۔ (سرخ پٹی باندھنے کا مطلب یہ ہوتا کہ شہید ہونے پر کوئی اتارے یا غازی ہو کر وہ خود اتاریں)

خلاصہ یہ کہ اس طرح کی جانبازی و جاں سپاری کے ساتھ یہ دستہ منظم طور پر پہاڑ کی گھاٹی میں واقع اپنے کیمپ تک جا پہنچا اور یوں بقیہ لشکر کیلئے بھی راستہ بنا دیا۔ دیکھا جائے تو خالد بن ولید کی عبقریت حضور نبی کریم صل اللہ علیہ وسلم کی عبقریت کے سامنے ناکام ہوگئی۔ اگرچہ پہاڑی مورچہ پر تعینات تیر اندازوں کا لالچ بہت سے مسلمانوں کے جانی نقصان کا باعث ہوا۔

ابیؓ بن خلف منافق کا قتل

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں اپنے محفوظ مقام تک پہنچ چکے تو ابیّ بن خلف یہ کہتا ہوا آیا کہ کہاں ہے محمدؐ۔؟ آج یا تو میں رہونگا یا وہ رہے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ حکم فرمائیں کہ ہم میں سے کوئی اس پر حملہ کر کے اسے سبق سکھائے۔ آپؐ نے فرمایا' اسے آنے دو۔ جب وہ قریب آیا تو آپؐ نے حارثؓ بن صمہ سے ایک چھوٹا نیزہ لیا اور اس کے سامنے آپہنچے۔ اسکے خود اور زِرہ کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی جگہ کھلی دکھائی پڑتی تھی۔ آپؐ نے اسی جگہ پر ٹکا کر نیزہ مارا جو اسکے حلق کو ضرب پہنچاتا ہوا چھو کر گزرا۔ وہ اسی سے کئی بار لڑھک لڑھک گیا اور پھر بھاگ کر قریش کے پاس جا پہنچا۔ اس کو چوٹ تو لگی تھی مگر اس کا خون رک گیا تھا اور بہہ نہیں رہا تھا اس لئے وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ واللہ محمدؐ نے مجھے قتل کر ڈالا۔ لوگو مجھے محمدؐ نے قتل کر ڈالا۔ لوگوں نے کہا: ابیّ! واللہ تم نے دل چھوڑ دیا ہے ورنہ تمہیں کوئی خاص چوٹ نہیں آئی۔ اس پر کہنے لگا جو تکلیف مجھے ہو رہی ہے اگر ذی المجاز کے تمام باشندوں میں بانٹ دی جاتی تو واللہ وہ سب کے سب مر جاتے۔ اس نے مجھے مکہ میں کہا تھا کہ تم میرے ہاتھوں قتل ہو گے۔ اس لئے خدا کی قسم وہ مجھ پر تھوک بھی دیتا تو میری ہلاکت یقینی تھی۔ اور ایسا ہی ہوا' بالآخر اللہ کا یہ دشمن مکہ جاتے ہوئے راستے میں مقامِ سرف تک پہنچ کر مر گیا۔

بعد از جنگ ابوسفیان اور حضرت عمرؓ کے درمیان گفتگو

غزوۂ اُحد اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا اور مشرکین نے واپسی کی تیاری مکمل کر لی تھی کہ اس دوران ابوسفیان جبل اُحد پر نمودار ہوا۔ اس نے با آوازِ بلند پوچھا کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ تو آنحضرتؐ کے اشارہ

پر کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر اس نے پوچھا کیا تم میں ابوالقحافہ کا بیٹا (ابوبکرؓ) ہے؟ اس پر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر اس نے پوچھا کیا تم میں خطاب کا بیٹا (عمرؓ) موجود ہے؟ لوگوں نے اس مرتبہ بھی خاموشی سادھے رکھی۔ تو اس نے کہا' چلو اِن تینوں سے تو فراغت ہوئی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بے قابو ہوگئے اور چلا کر کہنے لگے: ''او اللہ کے دشمن! جن تینوں کا تم نے نام لیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے''۔ اسکے بعد ابوسفیان نے کہا: ''تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے لیکن میں نے نہ تو اس کا حکم دیا تھا اور نہ اس کا برا ہی منایا ہے'' پھر نعرہ لگایا: اعل ھبل (ھبل بلند ہو)۔ حضورؐ کے فرمانے کے مطابق مسلمانوں نے جواب دیا: الله اعلیٰ واجلّ (اللہ اعلیٰ و برتر ہے)۔ پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا: لنا عزّیٰ ولا عزّیٰ لکم۔ (ہمارے لئے عزا ہے تمہارے لئے عزا نہیں)۔ تو مسلمانوں نے جواب میں کہا: الله مولانا ولا مولیٰ لکم۔ (اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں)۔

اسکے بعد ابوسفیان نے کہا: کتنا اچھا کارنامہ رہا' آج کا دن جنگ بدر کے دن کا بدلہ ہے اور لڑائی ڈول (برابر) ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''برابر کیسے جبکہ ہمارے شہداء جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں''۔

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: عمرؓ میرے قریب آؤ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا جاؤ دیکھو کیا کہتا ہے؟ وہ گئے تو ابوسفیان نے رازدارانہ لہجہ میں کہا: عمرؓ خدا کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: خدا کی قسم نہیں وہ زندہ ہیں اور اس وقت بھی تمہاری باتیں سن رہے ہیں۔ پھر ابوسفیان کچھ سوچتے ہوئے بولا: ''تم میرے نزدیک ابوقمئہ (جس نے حضورؐ کے شہید ہونے کی افواہ پھیلائی تھی) سے زیادہ سچے اور راست باز ہو۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ابوسفیان اور اسکے رفقاء واپس ہونے لگے تو جاتے جاتے ابوسفیان نے کہا کہ آئندہ سال بدر میں پھر تم لوگوں سے نمٹنے کا وعدہ ہے۔ حضورؐ نے ایک صحابیؓ سے فرمایا: کہہ دو' ٹھیک ہے' اب یہ بات تمہارے اور ہمارے درمیان طے رہی۔

اُحد کے شہداٗ اور زخمیوں کی خبر گیری

جنگ کے اختتام پذیر ہوتے ہی اسلامی لشکر کے زخمیوں اور شہداء کی تلاش شروع کر دی گئی تھی کہ اگر ان میں سے کوئی بھی زندہ ہو تو اسکی جان بچانے کی فکر کی جائے اور جو شہید ہو چکے ہیں انہیں دفنانے کا انتظام کیا جائے۔

حضرت زیدؓ بن ثابت کا بیان ہے کہ مجھے رسولؐ اللہ نے اُحد کے روز سعدؓ بن الربیع کو تلاش کرنے کیلیئے روانہ کیا اور فرمایا اگر وہ دکھائی پڑ جائیں تو انہیں میرا اسلام کہنا اور کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ رہے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو۔؟ حضرت زیدؓ کہتے ہیں جب میں مقتولین کے درمیان چکر لگاتے ہوئے انکے پاس پہنچا تو وہ آخری سانسیں لے رہے تھے۔ میں نے کہا: اے سعد! رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپکو سلام کہہ رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ مجھے بتاؤ اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو۔ انہوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہنا اور آپؐ سے عرض کرنا کہ جنت کی خوشبو پا رہا ہوں۔ پھر کہا: میری قوم انصار کو بھی میرا پیغام دینا کہ جب تک تمہاری ایک آنکھ بھی ہلتی رہی اور کوئی دشمن، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا تو تمہارے لئے اللہ کے ہاں کوئی عذر نہ ہوگا۔ اسکے ساتھ ہی انکی روح پرواز کر گئی۔ بعد میں گنے گئے تو انہیں تیر و تلوار کے ستر زخم لگے تھے۔

لوگوں نے زخمیوں میں ''اصیرم'' کو بھی پایا جن کا نام عُمرو بن ثابت تھا جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے۔ جب لوگوں نے دریافت کیا کہ ''اصیرم'' تم یہاں کیسے؟ تو کہنے لگے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ پر چلے گئے اور ابیّ کے بارے سنا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس پلٹ گیا تو میں نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور حضورؐ کی حمایت میں شریکِ جنگ ہونے کیلیئے نکل پڑا۔ ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ انکا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے جا کر اسکی کیفیت بیان کی تو فرمایا: اگرچہ اس نے اللہ کیلیئے ایک بھی سجدہ نہ کیا مگر وہ جنتی ہے۔

ان ہی زخمیوں میں قزمان نامی شخص بھی ملا اس نے جنگ میں خوب دادِ شجاعت دی تھی اور

اکیلے شخص نے سات یا آٹھ مشرکین کو قتل کیا تھا اور اب زخمی حالت میں پڑا تھا لوگ اسے اٹھا کر بنوظفر کے محلّہ میں لے گئے اور آنحضرتؐ کو اسکی خبر دی تو آپؐ نے حیران ہوتے ہوئے فرمایا: یہ تو دوزخی ہے پھر مسلمانوں کے ساتھ کیسے کھڑا تھا۔ اس پر لوگوں نے جا کر اس سے یہی سوال پوچھا: تو کہنے لگا واللہ میری جنگ تو اپنی قوم کے ناموس کیلئے تھی۔ وگرنہ میں لڑائی ہی کیوں کرتا۔ پھر چند دنوں بعد جب اسکے زخموں نے شدت اختیار کر لی تو اس نے خود کو ذبح کر کے خودکشی کر لی۔ (اس واقعہ نے حضورؐ کی پیشین گوئی پر مہر تصدیق ثبت کر دی)۔

حضورؐ نے خود بھی شہداء کا معائنہ فرمایا اور فرمایا میں ان لوگوں کے حق میں گواہ رہونگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے اسے اللہ روزِ قیامت اس حالت میں اٹھائے گا کہ اسکے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا۔ رنگ تو خون ہی کا ہوگا لیکن خوشبو مشک کی ہوگی۔

کچھ صحابہ نے اپنے شہدأ کو مدینہ منتقل کر لیا تھا۔ آپؐ نے انہیں حکم پہنچایا کہ اپنے شہیدوں کو انکی شہادت گاہوں میں دفن کر دیں نیز فرمایا کہ انکے ہتھیار اور پوستین کے لباس اتار لئے جائیں اور بغیر غسل دیئے جیسی حالت میں ہوں اسی حالت میں دفن کر دیا جائے۔ یہاں آپؐ دو دو اور تین تین شہیدوں کو ایک ہی قبر میں دفن فرما رہے تھے۔ دو دو آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں لپیٹ دیتے اور دریافت فرماتے کہ ان میں سے کس کو قرآن زیادہ یاد تھا' پھر لوگ جسکی طرف اشارہ کرتے اسے لحد میں آگے کر دیتے اور فرماتے کہ میں ان لوگوں کے بارے قیامت کے روز گواہی دونگا۔

حضرت حنظلہؓ کی لاش مل نہیں رہی تھی تلاش کے بعد ایسی حالت میں ملی کہ زمین پر پڑی تھی اور اس میں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ سب حیران تھے کہ یہاں پانی کیسے آیا اور شہیدوں کو تو غسل بھی نہیں دیا جاتا' اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: انہیں فرشتے غسل دے رہے تھے۔ انکی بیوی سے دریافت کرو کہ کیا معاملہ ہے' چنانچہ حضرت حنظلہؓ کی بیوہ نے خواتین کے سامنے بیان کیا کہ جب جنگ کیلئے اعلانِ کوچ ہوا تو وہ میرے ساتھ اور غسل کی حاجت سے تھے مگر اسی حالت میں نکل گئے اور ایسی ہی حالت میں شہید ہو گئے۔ یہیں سے حضرت حنظلہؓ کا نام غسیل الملائکہ (فرشتوں کے غسل دئے ہوئے) پڑ گیا۔

حضورؐ کی مدینے کو واپسی

شہداء کی تدفین اور اللہ جل جلالہٗ کی ثناء و دعا سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کیلئے مدینے کا رُخ فرمایا۔ جس طرح دورانِ کارزار اہل ایمان صحابہ سے محبت و جاں سپاری کے نادر واقعات کا ظہور ہوا تھا اسی طرح اثنائے راہ میں اہل ایمان صحابیاتؓ سے صدق و جاں سپاری کے عجیب عجیب واقعات ظہور میں آئے۔

راستے میں آنحضورؐ کی ملاقات حضرت حمنہؓ بنت جحش سے ہوئی اور انہیں انکے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تو انہوں نے انا للہ پڑھی اور بخشش کی دعا کی۔ پھر انکے ماموں حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تو انہوں نے انا للہ پڑھی اور مغفرت کی دعا کی۔ اس کے بعد انکے شوہر حضرت مصعبؓ بن عمیر کی شہادت کی خبر دی گئی تو تڑپ کر چیخ اٹھیں اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ آنحضورؐ نے فرمایا: عورت کا شوہر اسکے یہاں ایک خصوصی درجہ رکھتا ہے۔

جب حضورؐ کا گزر بنو دینار کی ایک خاتون کے پاس سے ہوا جسکے شوہر بھائی اور والد تینوں شہادت پا چکے تھے تو لوگوں نے انہیں اسکی اطلاع دی۔ وہ غم سے بوجھل ہوگئی تھیں پھر اسی حالت میں حضورؐ کے بارے دریافت کرنے لگیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا۔ صحابہ نے انہیں تسلی دی اور حضورؐ کے بارے انکی خیریت کی خبر دی۔ انہوں نے کہا ذرا مجھے بھی دکھاؤ وہ کہاں ہیں۔ لوگوں نے اشارے سے بتایا کہ وہ رہے۔ جب انکی نظر آپؐ پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھیں "کل مصیبة بعدک جلل"، یعنی تمام مصائب و تکالیف آپؐ کے بعد ہیچ ہیں۔

اثنائے راہ ہی میں حضرت سعدؓ بن معاذ کی والدہ قدرے دوڑتی ہوئی آپؐ کے پاس آرہی تھیں۔ اس وقت حضرت سعدؓ نے حضورؐ کے گھوڑے کی لگام تھامی ہوئی تھی۔ حضرت سعدؓ نے عرض کی یارسولؐ یہ میری والدہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا انہیں مرحبا ہو' پھر استقبال کیلئے رک گئے' جب قریب آگئیں تو آپؐ نے انکے صاحبزادے عمروؓ بن معاذ کی شہادت پر کلمات تعزیت کہتے ہوئے صبر کی تلقین فرمائی۔ اس

پر اس پاکباز خاتون نے بھی بنو دینار کی خاتون کی طرح بعین ویسے ہی الفاظ کہے کہ: "میں نے آپکو صحیح سلامت دیکھ لیا' اب میرے لئے ہر مصیبت ہیچ ہے"۔

اسی روز شنبہ ۷ شوال ۳ھ کو سر شام آپؐ مدینہ پہنچ گئے اور اپنی تلوار حضرت فاطمہؓ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا: بیٹی اس کو دھوڈالو' واللہ یہ میرے لئے بہت صحیح ثابت ہوئی ہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے بھی اپنی تلوار لپکائی اور کہا اسے بھی دھو دو' میرے لئے بھی یہ بہت صحیح ثابت ہوئی ہے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا: تم نے بے لاگ جنگ کی ہے تو تمہارے ساتھ سہیلؓ بن حنیف اور ابو دجانہؓ نے بھی بے لاگ جنگ کی ہے۔

اُحد میں شہید اور ہلاک ہونے والوں کی تعداد

بیشتر روایات متفق ہیں کہ مسلمان شہداء کی تعداد ستر (۷۰) تھی جن میں بھاری اکثریت انصارِ مدینہ کی تھی' یعنی ان کے ۶۵ لوگ شہید ہوئے جن میں سے ۴۱ قبیلہ خزرج سے اور ۲۴ قبیلہ اوس سے تھے اور ایک یہود سے تھا۔ یوں مہاجرین کی تعداد صرف ۴ تھی۔ باقی رہے قریش مکہ کے ہلاک شدگان تو ابو اسحاق کے بیان کے مطابق انکی تعداد ۲۲ تھی۔ لیکن اصحاب مغازی اور اہل سِیَر نے اس معرکہ کی جو تفصیلات ذکر کی ہیں' اور جن میں ضمناً جنگ کے مختلف مراحل میں قتل ہونے والے مشرکین کا تذکرہ آیا ہے انکے مطابق یہ تعداد ۲۲ نہیں بلکہ ۳۷ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

مدینے میں ہنگامی حالت اور غزوہ حمراُلاسد

مسلمانوں نے اُحد سے واپس آکر شنبہ و یک شنبہ ۸ شوال ۳ھ کی رات ہنگامی حالت میں گزاری۔ جنگ نے انہیں چور چور کر رکھا تھا' پھر بھی وہ رات بھر مدینے کے راستوں اور گزرگاہوں پر پہرا دیتے رہے اور اپنے سپہ سالار اعظم (رسولؐ) کی خصوصی حفاظت پر تعینات رہے' کیونکہ انہیں ہر طرف سے خدشات لاحق تھے۔ اُدھر آنحضرتؐ بھی تمام شب جنگ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال پر غور و فکر کرتے رہے۔ آپکو اندیشہ تھا کہ اگر مشرکین نے سوچا کہ جنگ میں اپنا پلہ بھاری رہتے ہوئے بھی

ہم نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور ہمارے چنیدہ دشمن تو جوں کے توں زندہ ہیں' آخر ہم نے اس جنگ سے کیا حاصل کیا؟ تو عین ممکن ہے کہ وہ شرمندگی اور ندامت کے باعث راستے ہی سے پلٹ کر مدینے پر دوبارہ حملہ کریں۔اس لئے آپؐ نے فیصلہ کیا کہ مکی لشکر کا تعاقب کیا جانا چاہیئے۔

چنانچہ اہل سیئر کا بیان ہے کہ اُحد سے واپسی کے اگلے روز ہی یعنی یک شنبہ ۸ شوال ۳ھ کو ہی علی الصبح اعلان فرمایا کہ دشمن کے مقابلے کیلئے چلنا ہے۔ساتھ ہی یہ اعلان بھی فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی آدمی چل سکتا ہے جو معرکہٗ اُحد میں موجود تھا۔عبداللہؓ بن ابیّ نے حاضر ہو کر اجازت چاہی کہ آپکا ہمرکاب ہو سکے' مگر آپؐ نے منع فرمادیا۔اُدھر جتنے مسلمان تھے اگرچہ زخموں سے چُور غم سے نڈھال اور اندیشہ وخوف سے دوچار تھے لیکن سب نے بلاتردّد سرِ تسلیم خم کر دیا۔حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے بھی ساتھ چلنے کی اجازت مانگی اور عرض کیا کہ اُحد کے موقع پر میرے والد نے مجھے اپنی بیٹیوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کیلئے گھر پر روک دیا تھا۔لہٰذا مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں بھی آپکے ساتھ چلوں۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دیدی۔

پروگرام کے مطابق آنحضرتؐ مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور مدینے سے آٹھ میل دور حمرأ الاسد پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔کہا جاتا ہے یہاں معبد بن ابی معبد خزاعی (جو اپنے شرک پر ہی قائم تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا خیر خواہ تھا) حاضر ہو کر کہنے لگا۔اے محمدؐ: واللہ آپکو اور آپکے رفقاء کو جو زَک پہنچی ہے وہ ہم پر سخت گراں گزری ہے۔ ہماری آرزو تھی کہ اللہ آپکو بعافیت رکھتا۔اس اظہارِ ہمدردی پر حضورؐ نے اس سے فرمایا: ابوسفیان کے پاس جا کر اسکی حوصلہ شکنی کرے۔پھر اس نے عرض کیا میں آپکی خدمت میں قبول اسلام کیلئے حاضر ہوا ہوں' چنانچہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

اُدھر حضورؐ نے جو اندیشہ محسوس کیا اور جس خدشہ کا اظہار اپنے دوستوں سے کیا تھا کہ مشرکین مدینے کی طرف پلٹ سکتے ہیں وہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔جنگ اُحد سے لوٹنے والے مشرکین نے مدینہ سے ۳۶ میل دور مقام روحاء پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا تو آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ''تم لوگوں نے کچھ نہیں کیا۔انکی قوت وشوکت توڑ کر بھی انہیں یونہی چھوڑ دیا۔حالانکہ ابھی انکے

اتنے سر باقی ہیں کہ وہ تمہارے لئے پھر دردِ سر بن سکتے ہیں' لہٰذا' واپس چلو اور انہیں جڑ سے صاف کرو"۔

لیکن محسوس ہوتا تھا کہ یہ سطحی رائے ہے جو ان لوگوں کی طرف سے پیش کی گئی' جنہیں اس وقت تک مسلمانوں کی قوت اور حوصلوں کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ اس لئے ان کے ایک ذمہ دار افسر صفوان بن امیہ نے اس رائے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا: لوگو ایسا ہرگز نہ کرو' مجھے خطرہ ہے کہ جو مسلمان اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ بھی تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس حالت میں مکہ واپس چلو کہ فتح تمہاری ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ مدینے پر چڑھائی کرنے سے تم لوگ گردش میں پڑ جاؤ گے۔ لیکن بھاری اکثریت نے یہ رائے قبول نہ کی اور اسے بزدلی پر محمول کیا۔ چنانچہ کچھ دیر تک باہمی گفتگو اور ہر اونچ نیچ پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ واپس مدینے لوٹ کر مسلمانوں کو نابود کئے بغیر مکہ واپس نہیں جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے نئے حملے کی تیاری شروع کردی۔

ابھی ابوسفیان اور اسکے لشکر نے کوچ شروع نہیں کیا تھا کہ معبد بن معبد خزاعی وہاں پہنچ گیا۔ ابوسفیان کو علم نہیں تھا کہ یہ مسلمان ہو چکا ہے۔ پوچھنے لگا: معبد پیچھے کا کیا حال ہے؟ معبد نے سخت اعصابی حملہ کرتے ہوئے کہا: میں تمہیں یہی بتانے کیلئے آیا ہوں کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو لیکر تمہارے تعاقب میں نکل چکے ہیں۔ انکی جمیعت اتنی بڑی ہے کہ میں نے اس سے قبل اتنی بڑی جمیعت کبھی نہیں دیکھی۔ انکا تمام لشکر غصے سے کباب ہو رہا تھا۔ تمام لوگ تمہارے خلاف اس قدر بھپرے ہوئے دکھائی دیتے تھے کہ واللہ میں نے ایسے چہرے بھی کبھی نہیں دیکھے۔

ابوسفیان نے کہا: ارے بھائی یہ کیا کہہ رہے ہو؟ معبد کہنے لگا: واللہ میرے خیال کے مطابق تو تم کوچ کرنے سے پہلے ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لوگے' یا انکے لشکر کا ہراول دستہ اس ٹیلے کے پیچھے سے ابھی نمودار ہو جائیگا۔ یہ باتیں سن کر مکی لشکر کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ واپس مکہ کوچ کر جائیں۔ البتہ ابوسفیان نے اسلامی لشکر کو تعاقب سے روکنے اور آئندہ اس طرح کے ٹکراؤ سے باز رکھنے کیلئے جوابی اعصابی حملہ کیا۔ اسکی صورت یہ ہوئی کہ قبیلہ عبدالقیس کا قافلہ اسکے قریب سے گزرا تو ابوسفیان نے کہا: کیا آپ لوگ میرا پیغام محمدؐ کے پاس پہنچا سکتے ہیں؟ میرا وعدہ ہے کہ

اسکے بدلے میں جب آپ لوگ مکہ آئیں گے تو عکاظ کے بازار میں آپ لوگوں کو اتنی کشمش دونگا جتنی آپکی یہ اونٹنی اٹھا سکے۔ان لوگوں نے پیغام پہنچانے کی حامی بھر لی۔ابوسفیان نے کہا: ''محمدؐ اور انکے ساتھیوں کو یہ خبر پہنچا دینا کہ ہم نے محمدؐ اور انکے رفقاء کی جڑ کاٹ ڈالنے کیلیئے واپس پلٹ کر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے''۔جب یہ قافلہ حمرا ٔالاسد میں اسلامی لشکر کے پڑاؤ سے گزرا تو انہوں نے ابوسفیان کا پیغام کہہ سنایا۔انکی باتیں سن کر مسلمانوں میں مزید جوش وولولہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے کہا'' حسبنا اللہ ونعمل وکیل'' یعنی اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

حضورؐ بروز اتوار حمرا ٔالاسد تشریف لے گئے تھے' تین یوم تک وہیں مقیم رہے' جب خبر ملی کہ قریش کا قافلہ مکہ لوٹ چکا ہے تو آپؐ مدینے واپس آ گئے۔اسی دوران مدینہ واپسی سے پہلے ابوعزّہ جمحی گرفت میں آ گیا' پہلے بھی یہ بدر کے قیدیوں میں شامل تھا جسے آنحضرؐت نے بلا فدیہ لئے احسان کرتے ہوئے معاف کر دیا تھا۔لیکن یہ غزوۂ اُحد میں شریک ہوا اور مسلمانوں کے خلاف اپنے اشعار سے انہیں رسوا کرتا رہا۔وہ پکڑ میں آنے پر پھر اپنی بچیوں کے واسطے دیتا ہوا معافی مانگنے لگا۔لیکن اس مرتبہ اسے معافی نہ ملی۔آپؐ نے فرمایا: مومن ایک سُراخ سے دوسری مرتبہ ڈنک نہیں کھاتا۔کیا تم چاہتے ہو کہ مکہ جا کر چہرے پر ہاتھ پھیر کر اکڑ دکھاؤ کہ میں دوسری مرتبہ پھر چکمہ دینے میں کامیاب رہا'' اور پھر اسکی گردن ماردی گئی۔

اُحد میں فتح وشکست کا ایک تجزیہ

غزوۂ حمرا ٔالاسد کا ذکر اگرچہ ایک الگ نام سے کیا جاتا ہے تاہم یہ غزوۂ اُحد ہی کا ایک جز اور اسی کے صفحات میں سے ایک صفحہ تھا۔اس غزوۂ کے تمام تر مراحل اور تمام تفصیلات سمیت اسکے انجام کے بارے بڑی طویل بحثیں کی گئیں ہیں کہ آیا اسے مسلمانوں کی شکست سے تعبیر کیا جائے یا نہیں۔؟

جہاں تک حقائق کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ جنگ کے دوسرے مرحلہ میں مشرکین کو برتری حاصل ہو گئی تھی اور میدانِ جنگ انہی کے ہاتھوں میں تھا۔جانی نقصان بھی مسلمانوں کا زیادہ ہوا'

اور انکا ایک گروہ بھی شکست کھا کر میدان سے بھاگ نکلا۔ جنگ کی رفتار بھی مکی لشکر کے حق میں رہی' لیکن ان سب کے باوجود کچھ امور ایسے ہیں جنکی بناء پر ہم اسے مشرکین کی فتح سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

ایک بات تو قطعی طور پر معلوم ہے کہ مکی لشکر مسلمانوں کے کیمپ پر قابض ہونے سے قاصر رہا' دوسرے یہ کہ مدنی لشکر کے بڑے حصے نے اس قدر سراسیمگی' اتھل پتھل اور بد نظمی کے باوجود میدان سے فرار اختیار نہیں کیا بلکہ ہمت اور انتہائی دلیری سے لڑتے ہوئے اپنے سپہ سالار کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ نیز مسلمانوں کا پلڑا اس حد تک ہلکا بھی نہیں ہوا کہ مکی لشکر اس کا تعاقب کر سکتا۔ ایک بھی مسلمان کفار کی قید میں نہیں گیا نہ ہی کفار کوئی مالِ غنیمت حاصل کر سکے۔

جنگ میں فاتحین کا اصول رہا ہے کہ وہ اپنے مفتوح کو میدان سے بھاگنے پر مجبور کر دیتے' پھر انکا پیچھا کرتے ہوئے اپنے دشمنوں کو تہہ تیغ کر ڈالتے یا انہیں فدیہ کیلئے اپنی قید میں لے لیتے اور ہتھیاروں سمیت مالِ غنیمت پر قبضہ کر لیتے۔ خاص طور پر اُس زمانے میں فاتحین کا ایک دستور یہ تھا کہ فتح کے بعد کچھ روز میدانِ جنگ میں قیام کرتے اور جشن مناتے جسے فتح کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

اسکے برعکس کفارِ مکہ نے اس وقت ہی واپسی کی راہ اختیار کر لی تھی جبکہ مسلمان ابھی اپنے کیمپ ہی میں موجود تھے۔ قریش کی جانب سے اِن لوگوں کو قید کرنے اور ان کا مال لوٹنے کیلئے کوئی کوشش سامنے نہیں آئی۔ انہیں اپنی فتح کو مستحکم کرنے کیلئے مدینے میں داخل ہونے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ حالانکہ یہ شہر تو ان کے چند ہی قدموں کے فاصلے پر تھا اور پورا شہر ایک کھلے گھر کی طرح اسلامی فوج سے یکسر خالی پڑا تھا اور راستے میں بھی کسی قسم کی کوئی رکاوٹ موجود نہیں تھی۔

ان تمام باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ قریش کو زیادہ سے زیادہ یہ حاصل ہوا کہ انہوں نے اس موقع کا (جو تیر انداز دستے کی لاپرواہی کی وجہ سے انہیں تحفے میں مل گیا تھا) فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو ذرا سخت قسم کی زَک پہنچا دی۔ وگرنہ اسلامی لشکر کو نرغے میں لے لینے کے بعد انہیں کلی طور پر قتل یا قید کر لینے کا جو فائدہ جنگی نقطہ نگاہ سے انہیں لازماً حاصل ہونا چاہیئے تھا وہ اس میں بالکل ناکام رہے۔ جبکہ دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی لشکر ایک بڑا خسارہ برداشت کرنے کے باوجود مشرکین کے ایک سخت حصار کو توڑ کر انکے

نرغے سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ یوں اس غزوہ کو مشرکین کی فتح سے ہرگز تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ اس کا فیصلہ تو جنگ کے اُس تیسرے مرحلہ پر موقوف تھا' جو مسلمان لشکر کے کفار کا حصار توڑنے کے بعد شروع ہونے والا تھا اور جو ابوسفیان کی سمجھداری کے باعث یوں ٹل گیا کہ شروع ہی نہ ہوسکا۔

میدان سے واپسی کیلئے ابوسفیان کی عجلت اس بات کی غماز ہے کہ اسے خطرہ تھا کہ اگر جنگ کا تیسرا دور شروع ہوگیا تو اسکا لشکر سخت تباہی اور ایک بڑی شکست سے دوچار ہوجائیگا۔ جیسا کہ جنگ کے پہلے دور میں اس کا نمونہ وہ دیکھ بھی چکا تھا کہ اسکا آدھے سے زیادہ لشکر راہِ فرار اختیار کرچکا تھا اور اسلامی فوج انکا تعاقب کرتی ہوئی مال غنیمت سمیٹنے لگ گئی تھی۔ تاہم اس غزوہ کو غیر فیصلہ کن جنگ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ دونوں فریق اس حالت میں واپس ہوئے کہ کوئی بھی کسی پر غالب نہیں تھا۔

اس ضمن میں مشکوک الذہن لوگوں کیلئے قرآن کا فرمان قابل غور ہے جو مسلمانوں کو امدادِ خداوندی سے (معاذ اللہ) کسی محرومی کا گمان رکھتے ہیں۔ غالباً وہ اسرارِ غیوب اور حکمت الٰہی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ فرمان الٰہ العالمین ہوا:۔

"مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ "(۱۷۹)

(سورة:آل عمران)

"ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ مومنین کو اسی حالت میں چھوڑ دے جس پر تم لوگ ہو یہاں تک کہ خبیث کو پاکیزہ سے الگ کردے' اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرے' لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے۔ پس اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور اگر تم ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے"(۱۷۹ :آل عمران)

غزوہ میں خدائی مقاصد اور حکمتیں

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: بہت سے علماء کا کہنا ہے کہ غزوہ اُحد اور اسکے اندر مسلمانوں کو پہنچنے والے زَک میں بڑی عظیم ربانی حکمتیں اور فوائد تھے۔ مثلاً:۔

۱۔ مسلمانوں کو معصیت کے برے انجام اور ارتکابِ نہی کی نحوست سے آگاہ کرنا۔ جیسے کہ تیر اندازوں کو اپنے مرکز پر ڈٹے رہنے کا جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا' انہوں نے اسکی خلاف ورزی کا ارتکاب کرتے ہوئے مرکز کو کھلا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے یہ زَک اٹھانی پڑی۔

۲۔ ایک حکمت پیغمبروں کی اس سنت کا اظہار تھا' کہ پہلے وہ ابتلاء میں ڈالے جاتے ہیں پھر انجامِ کار انہی کو کامیابی ملتی ہے۔ حکمت اس میں یہ ہے کہ اگر انہیں ہمیشہ کامیابی ہی کامیابی ملتی رہے تو اہل ایمان کی صفوں میں وہ مفاد پرست لوگ بھی گھس آئیں جو صاحب ایمان نہیں ہیں۔ پھر صادق اور کاذب میں تمیز نہ ہو سکے گی۔ اگر وہ ہمیشہ شکست ہی سے دوچار ہوتے رہیں تو انکی بعثت کا مقصد ہی پورا نہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ منافقین کا نفاق مسلمانوں سے تاحال پوشیدہ تھا چنانچہ جب ایسی صورت حال سے سابقہ ہوا تو منافقین کا اندر کھل کر باہر آ گیا اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ خود انکے اندر انکے کتنے دشمن موجود ہیں۔ یوں مسلمان آئندہ کیلئے مستعد اور محتاط ہو گئے۔

۳۔ ایک حکمت یہ تھی کہ بعض مواقع پر مدد کی آمد پر تاخیر سے خاکساری پیدا ہوتی ہے اور نفس کا غرور ٹوٹتا ہے۔ جیسا کہ ابتلاء کے دوران اہل ایمان کے کمالِ صبر کا مظاہرہ ہوا اور منافقین میں جو چیخ و پکار اور آہ وزاری مچ گئی تھی وہ بھی ظاہر ہو گئی۔

۴۔ ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ نے اہل ایمان کیلئے اپنے اعزاز کے گھر یعنی جنت میں کچھ ایسے درجات بھی رکھے ہوئے ہیں جہاں تک انکے اعمال کی رسائی سہل نہیں ہوتی۔ چنانچہ ابتلاء و امتحانات کے ایسے اسباب کے ذریعہ اہل اسلام کو اُن درجات تک رسائی میسر آ جائے۔

۵۔ ایک یہ حکمت کہ انبیاء و رُسل کے بعد قرب الٰہی میں اولیا اللہ کا مقام ہے اور اولیائے خداوندی

کا اعلیٰ ترین مرتبہ شہادت ہے۔ لہٰذا یہ مرتبہ انہیں عطا فرمایا گیا اور ایسے مرتبہ کے حصول کیلئے ہزار جانیں بھی میسر ہوں تو خوشی خوشی قربان کی جاسکتی ہیں۔

۶۔ ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا یعنی کفر وشرک کے مرتکبین اور (انبیاء واولیائے خداوندی کی ایذا رسانی میں حد سے بڑھی ہوئی سرکشی کے حاملین کو) ایسے اعمال کے نتیجے میں جہاں اہل ایمان کو گناہوں سے پاک کردیا' وہیں نافرمانوں کو ہلاک وبربادی میں ڈال دیا۔

غزوۂ بنی نضیر

غزوۂ اُحد میں اگرچہ مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی پھر بھی مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد میں شہادتوں کی وجہ سے انکی شہرت وساکھ پر بہت برا اثر پڑا۔ انکی ہوا اُکھڑ گئی اور بشمول منافقین ومشرکین انکے سبھی مخالفوں کے دلوں سے انکی ہیبت جاتی رہی۔ جس کے نتیجہ میں یہود' منافقین اور بدّوؤں نے کھل کر مخالفت وعداوت شروع کردی۔ نہ صرف ہر گروہ نے مسلمانوں کو زَک پہنچانے کی کوشش کی' بلکہ ہر کسی نے یہ توقع باندھ لی کہ وہ اکیلے ہی مسلمانوں کا کام تمام کرسکتا اور انہیں بیخ وبن سے اکھاڑ سکتا ہے۔

چنانچہ اس غزوہ کو ابھی دو مہینے بھی نہیں ہوئے تھے کہ قبیلۂ بنو اسد نے مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تیاری شروع کردی۔ پھر صفر ۴ھ میں عضل اور قارہ کے قبائل نے ایسی چال چلی کہ دس صحابہ کرامؓ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ پھر اسی ماہ رئیس بن ابو عامر نے اسی طرح کی ایک دغابازی کے ذریعہ ستّر صحابہؓ شہادت سے ہمکنار کردیئے' یہ حادثہ بئر معونہ کے نام سے معروف ہے۔ اس دوران بنو نضیر بھی کھلی عداوت کا مظاہرہ شروع کرچکے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ربیع الاوّل ۴ھ میں آنحضرتؐ کو شہید کر ڈالنے کی کوشش بھی کر ڈالی۔ اُدھر بنو غطفان کی جرأت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے بنی اسد کی طرح مدینے پر حملہ کرنے کا پروگرام بنالیا اور تیاری شروع کردی۔

گذشتہ صفحات میں مدینہ کے اندرونی اور بیرونی یہودیوں کے بارے تذکرہ کیا جاچکا ہے اور یہ وضاحت بھی کی جاچکی ہے کہ وہ مسلمانوں سے دلی پرخاش رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ مرد میدان نہیں تھے مگر

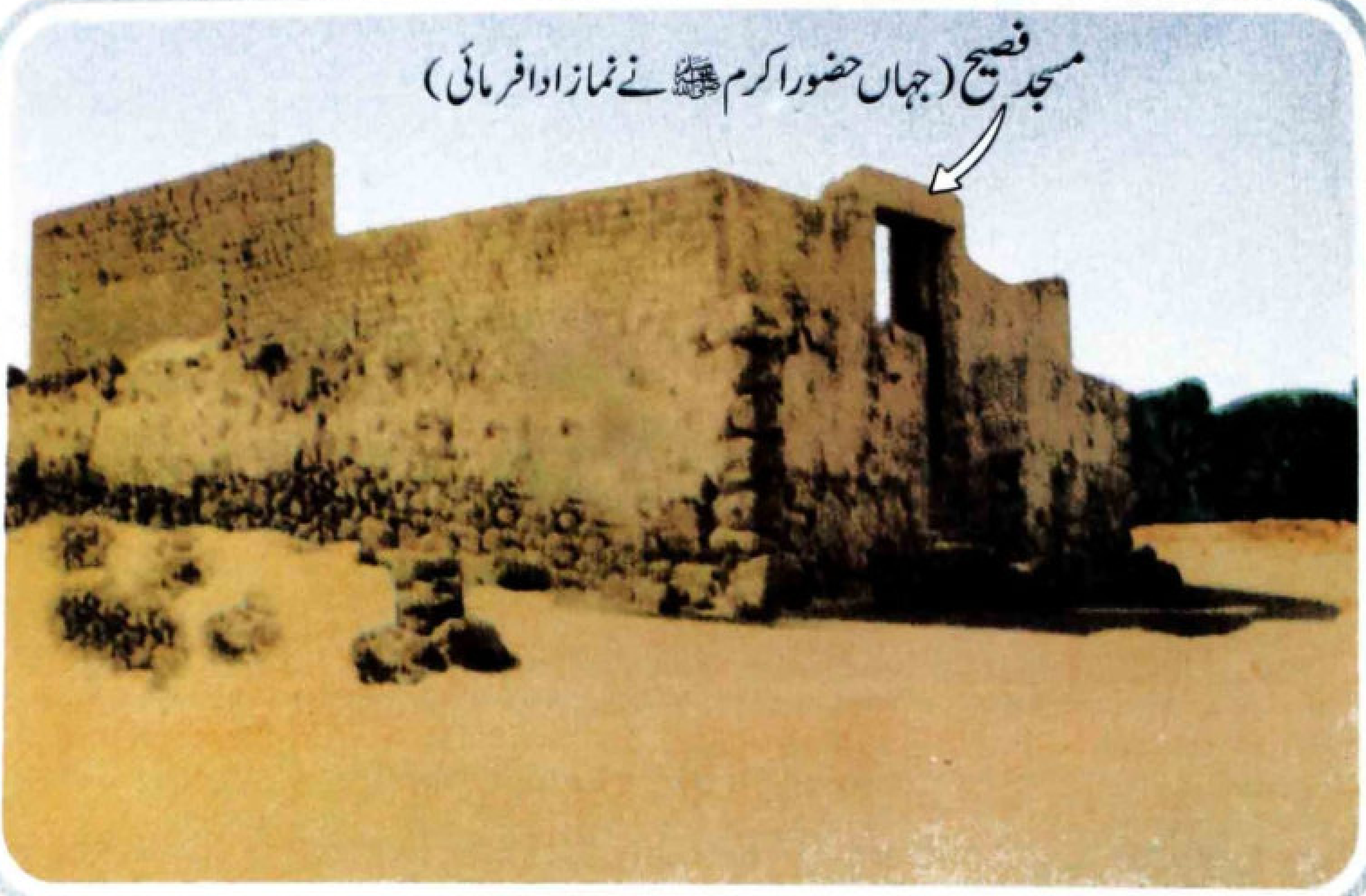

جب حضور اکرم ﷺ نے یہودی قبیلہ بنو نضیر کا ان کی غداری کی وجہ سے محاصرہ کیا تو آپ ﷺ نے اس جگہ نماز ادا فرمائی تھی
شراب کے حرام ہونے کا حکم بھی اسی مسجد میں نازل ہوا۔ حکم آنے کی دیر تھی کہ مدینہ کی گلیوں میں پانی کی جگہ شراب بہہ رہی تھی

دسیسہ کار اور سازشی ضرور تھے۔ اسلئے وہ سامنے آ کر جنگ کرنے کی بجائے کینے اور سازشوں کے ذریعہ اپنی عداوت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو امن کا عہد و پیمان دینے کے باوجود انہیں اذیت پہنچانے کیلئے طرح طرح کے حیلے بہانے اور تدبیریں کرتے رہتے۔ اگرچہ اندرونِ مدینہ کے یہود نے بنو قینقاع کی جلاوطنی اور کعب بن اشرف کے قتل کے بعد کچھ عرصہ خاموشی اختیار ضرور کی' مگر غزوۂ اُحد کے بعد انکی جرأت پھر سے بیدار ہوگئی اور وہ کھلم کھلا بدعہدی پر اتر آئے۔ اسی دوران وہ مدینہ کے منافقین اور مکہ کے مشرکین سے ساز باز کے مرتکب ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی صبر سے کام لیتے رہے مگر رجیع اور معونہ کے حادثات کے بعد یہود کی جرأت و جسارت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے آپؐ کے خاتمے کا پروگرام بنالیا۔

اسکی تفصیل یوں ہے کہ حضورؐ اپنے چند صحابہؓ کے ساتھ یہود کے پاس بنو کلاب کے اُن دو مقتولین کی دیت میں اعانت کیلئے بات چیت کرنے تشریف لے گئے جنہیں حضرت عمروؓ بن امیّہ ضمری نے مغالطہ سے قتل کر دیا تھا۔ یہود پر معاہدے کی رُو سے یہ اعانت واجب تھی۔ انہوں نے کہا: ''ابو قاسم! ہم ایسا کرنے کی ضرور کوشش کریں گے آپ کچھ دیر یہاں تشریف رکھیں ہم آپکی ضرورت پوری کیے دیتے ہیں''۔ آپؐ انکے گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور انکے جواب کا انتظار فرمانے لگے۔

یہودی تنہائی میں جمع ہوئے تو ان پر شیطان سوار ہوگیا اور انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا کہ کیوں نہ محمدؐ ہی کو قتل کر دیا جائے۔ پھر کہنے لگے وہ دیوار سے لگے بیٹھے ہیں ہم میں سے کون ہے جو چکی کو چھت پر لے جائے اور آپکے سر پر گرا کر آپکو کچل ڈالے۔ ایک شخص چکی کے پاٹ لیکر چھت پر پہنچ گیا مگر اسی اثناء میں بذریعہ جبریل امینؑ آپکو انکے ارادے سے باخبر کر دیا گیا۔ آپؐ اسی لمحہ اٹھے اور مدینہ کی جانب چل پڑے اور پیچھے پیچھے آپؐ کے ساتھی بھی آپؐ سے جا ملے۔ چھت پر پہنچ چکے شخص نے جب چھت سے نیچے دیکھا تو آنحضرتؐ کو وہاں موجود نہ پایا' وہ حیران ہوتا ہوا واپس چلا گیا۔ پھر سلام بن مشکم نے کہا: دیکھا! میں نے تم لوگوں سے کہا بھی تھا کہ اسے ہمارے ارادوں کی خبر دیدی جائیگی مگر تم لوگوں نے میری بات نہیں مانی۔ یقیناً اسے ہمارے ارادوں کی بھنک پڑ چکی ہے: اب تم لوگ بھگتو۔

مدینہ واپس پہنچ کر آپؐ نے فوراً محمدؓ بن مسلمہ کو بنی نضیر کے پاس یہ پیغام دینے کیلئے روانہ فرما دیا کہ تم لوگ مدینے سے فوراً نکل جاؤ۔ اب تم میرے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتے۔ تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے، دس دن بعد تم میں سے جو شخص یہاں پایا گیا اسکی گردن ماردی جائیگی۔ انہوں نے یہ نوٹس موصول ہوتے ہی جلاوطنی کی تیاریاں شروع کردیں کیونکہ انکے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ بات رئیس المنافقین ابیؔ کو پہنچی تو اس نے انہیں کہلا بھیجا کہ اپنی جگہ برقرار رہو اور ڈٹ جاؤ۔ میرے پاس دو ہزار مردانِ جنگی ہیں جو تمہارے قلعہ میں داخل ہو کر تم لوگوں کی حفاظت کریں گے اور ضرورت پڑنے پر لڑتے ہوئے اپنی جانیں تک دیدیں گے۔ پھر بنو قریظہ اور بنو غطفان جو تمہارے حلیف ہیں وہ بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔ یہ پیغام سن کر یہود کی خود اعتمادی لوٹ آئی اور انکے سردار حُئی بن اخطب نے حضورؐ کے پاس اپنا جوابی پیغام بھجوایا کہ ہم اپنے دیار سے نہیں نکل سکتے آپکو جو کرنا ہو کرلیں۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال انتہائی نازک تھی کیونکہ تاریخ کے اس پیچیدہ موڑ پر دشمنوں سے ٹکراؤ کچھ زیادہ مفید و مناسب نہیں تھا جس کا انجام خطرناک ہوسکتا تھا۔ تمام عرب ہی مسلمانوں کے خلاف ہو چکا تھا اور حال ہی میں مسلمانوں کے دو تبلیغی وفود انتہائی بیدردی سے تہہ تیغ کیئے جاچکے تھے۔ بنو نضیر کے یہود بھی اتنے طاقتور ضرور ہو چکے تھے کہ انکا ہتھیار ڈال دینا اتنا بھی آسان نہیں تھا۔ لیکن بئر معونہ سے قبل اور بعد کے واقعات کے بعد یعنی مسلمانوں کے قتل اور یہود کی عہد شکنی کے باعث مسلمان بہت حساّس ہو چکے تھے۔ بطور خاص بنو نضیر کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی جو سازش کی گئی تھی، اس پر وہ کسی قیمت پر بنو نضیر کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ اسی اثناء میں جب حُئی بن اخطب کا جوابی پیغام موصول ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے قریب موجود صحابہؓ نے کہا: اللہ اکبر اور پھر لڑائی کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابنِ مکتومؓ مدینہ کے منتظم مقرر ہوئے اور علم حضرت علیؓ کے ہاتھ تھمایا گیا اور مسلمانوں نے سیدھا بنو نضیر کے قلعہ کا رُخ کیا اور جاتے ہی انکا محاصرہ کرلیا۔

اُدھر بنو نضیر گڑھیوں میں پناہ لیتے ہوئے قلعہ بند ہو گئے اور قلعہ کی فصیل سے تیراندازی کرنے اور پتھر برسانے لگے۔ چونکہ کھجور کے درخت دشمنوں کیلئے سپر کا کام دے رہے تھے اسلیئے آپؐ

نے حکم دیا کہ ان درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے۔ان میں سے بہت سے درخت کاٹ کر جلا ڈالے گئے البتہ کچھ تعداد کٹنے سے بچ گئی جس پر صحابہ متفکر تھے۔اسی بارے وحی نازل ہوئی:۔

''مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ''(۵) (سورۃ:حشر)

''تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا جنہیں اپنے تنوں پر کھڑا رہنے دیا وہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا اور ایسا اس لئے کیا گیا تا کہ اللہ ان فاسقوں کو رسوا کرے'' (حشر:۵)

بہر حال جب انکا محاصرہ کرلیا گیا تو بنو قریظہ ان سے الگ تھلگ رہے' عبداللہ بن ابیّ نے بھی خیانت کی اور بنو غطفان بھی مدد کو نہ آئے۔غرض یہ کہ کوئی بھی انکی مدد کرنے یا انکی مصیبت ٹالنے پر آمادہ نہ ہوا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی مثال یوں بیان فرمائی:۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ(۱۶) (سورۃ:الحشر)

''جیسے شیطان کہتا ہے کفر کرو اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو شیطان کہتا ہے میں تم سے بری ہوں'' (الحشر:۱۶)

اس محاصرے نے کچھ طول نہیں پکڑا محض چھ رات یا بعض کے نزدیک پندرہ رات جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں پر رعب ڈال دیا' انکے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے پھر آپؐ سے عرض کی کہ ہم مدینہ سے نکلنے کو تیار ہیں' ہم ہتھیار ڈال رہے ہیں۔چنانچہ ہمیں اپنا سامان اونٹوں پر لادنے اور بال بچوں سمیت نکلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔آپؐ نے قبول فرمالیا۔

بنو نضیر نے اس منظوری کے بعد ہتھیار ڈال دئے اور پھر اپنے ہاتھوں اپنے مکانات توڑ ڈالے تا کہ دروازے کھڑکیاں وغیرہ بھی ہمراہ لے جائیں۔بعض بعض نے تو چھتوں کی کڑیاں اور دیواروں کی کھونٹیاں تک اتار لیں اور پھر عورتوں اور بچوں کو لے کر چھ سو اونٹوں پر لدلدا کر روانہ ہو گئے۔ بیشتر یہود اور انکے اکابرین مثلاً حُیَی بن اخطب اور سلام بن ابی الحقیق نے خیبر کا رُخ کیا۔ایک گروہ ملک

شام روانہ ہوگیا۔ البتہ یہود میں سے دو لوگوں یعنی یامینؓ بن عمرو اور ابوسعیدؓ بن وہب نے اسلام قبول کرلیا اس لئے انکے سامان اور مال کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط کے مطابق بنونضیر کے ہتھیار، زمین، گھر اور باغات اپنے قبضہ میں لے لیے۔ ہتھیاروں میں پچاس زِرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔ یہ مال چونکہ مسلمانوں نے دشمنوں سے لڑکر، گھوڑے دوڑا کر، یا بزورِ شمشیر حاصل نہیں کیا تھا اور یہ مال اللہ نے آپکو بطورِ فَے دیا تھا اس لئے آپ نے اس میں سے خمس بھی نہ نکالا اور یہ مال مہاجرین اوّلین میں تقسیم فرمادیا۔ البتہ دو انصاری صحابہ ابودجانہؓ اور سہیلؓ بن حُنیف کو انکے فقر کے سبب اس میں سے کچھ عطا فرمادیا۔ اسکے علاوہ زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آپؐ نے اپنے لئے رکھ لیا جس سے آپؐ اپنی ازواجِ مطہرات کیلئے سال بھر کے خرچ کا انتظام چلاتے اور پھر بھی جو بچ جاتا اسے جہاد کی تیاری، گھوڑوں کی فراہمی اور ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے پر خرچ فرمادیتے۔

غزوۂ بنونضیر ربیع الاوّل ۴ ھ بمطابق اگست ۶۲۵ء میں پیش آیا۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے پوری سورۃ حشر نازل فرمائی جس میں یہود کی جلاوطنی کا نقشہ کھینچتے ہوئے منافقین کے طرزِ عمل کا پردہ فاش کیا گیا اور مال فَے کے احکام بیان فرماتے ہوئے مہاجرین وانصار کی مدح سرائی فرمائی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ جنگی مصالح کے پیش نظر دشمن کے درخت کاٹے جاسکتے ہیں اور انکو آگ لگائی جاسکتی ہے اور ایسا کرنا فساد فی الارض نہیں۔ پھر اہل ایمان کو تقویٰ کے التزام اور آخرت کی تیاری کی تاکید فرمائی گئی ہے اور ان سب کے بعد اپنے اسماء وصفات کو بیان فرماتے ہوئے سورۃ کا اختتام فرمادیا۔

غزوۂ نجد

ابن عباسؓ فرمایا کرتے کہ سورۃ حشر کو غزوۂ بنونضیر کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس غزوہ میں کسی قربانی کے بغیر مسلمانوں کو شاندار کامیابی ملی جس سے مدینہ میں قائم (مقیم) مسلمانوں کا اقتدار مضبوط ہوگیا اور منافقین میں بددلی پھیل گئی۔ اب انہیں کھل کر کچھ کرنے کی جرأت نہیں ہورہی تھی۔ چنانچہ حضورؐ

نے اُن بدوؤں کی خبر لینے کیلئے یکسو ہونے کا فیصلہ کیا' جنہوں نے اُحد کے بعد ہی سے مسلمانوں کو سخت مشکلات میں الجھا رکھا تھا اور نہایت ظالمانہ طریق پر داعیانِ اسلام پر حملے کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور اب انکی جرأت اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کا سوچ رہے تھے۔

بنو نضیر کی اکڑ خاک میں ملانے کے بعد آپؐ ابھی ان بدعہد بدّوؤں کی تادیب کیلئے اٹھے بھی نہ تھے کہ آپکو اطلاع ملی کہ بنی غطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ جنگ کیلئے بدوؤں اور اعرابیوں کی نفری جمع کر رہے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی آپؐ نے پہلے نجد پر یلغار کا فیصلہ فرمایا اور صحرائے نجد میں دُور تک گھستے چلے گئے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ان سنگدل بدّوؤں پر خوف طاری ہو جائے اور وہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف سنگین وارداتیں کرنے جیسی کاروائیوں کے اعادے کی جرأت نہ کر سکیں۔ چنانچہ سرکش بدّو' جو لوٹ مار کی تیاریاں کر رہے تھے مسلمانوں کی اس اچانک یلغار کی خبر سنتے ہی خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں جا دبکے۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان لٹیرے قبائل پر اپنا رعب اور دبدبہ قائم کر کے واپس مدینہ کی راہ لی۔

اہل سِیَر نے اس سلسلے میں ایک معین غزوہ کا نام بھی لیا ہے جو ربیع الاوّل یا جمادی الاوّل ۴ھ میں پیش آیا اور وہ اسی کو 'غزوۂ ذات الرقاع' قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ غزوۂ ذات الرقاع تو ہرگز نہیں تھا اور محض اعراب اور بپھرے ہوئے بدوؤں کی سرزنش کیلئے ایک معرکہ تھا۔ جہاں تک حقائق کا تعلق ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ ان ایام میں نجد کے اندر یہ غزوہ پیش آیا تھا۔ کیونکہ مدینے کے حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ابوسفیان نے غزوۂ اُحد سے واپسی کے وقت آئندہ سال میدانِ بدر میں جس معرکہ کیلئے للکارا تھا اور مسلمانوں نے اسے منظور بھی کر لیا تھا اس کا وقت نزدیک آ رہا تھا اور جنگی نقطہ نظر سے یہ بات قطعی مناسب نہیں تھی کہ بدوؤں اور اعراب کو انکی سرکشی اور بغاوت پر اسی طرح قائم چھوڑ کر بدر جیسی زوردار جنگ میں شرکت کیلئے مدینہ خالی اور کھلا چھوڑ دیا جائے۔ چونکہ ضروری تھا کہ میدانِ بدر میں جس متوقع ہولناکی اور طوالتِ وقت سے سابقہ ہو سکتا تھا اس لئے پہلے ان بدوؤں کی اکڑ توڑنے اور انکی شوکت پر کوئی ایسی کاری ضرب لگانا ضروری تھا کہ اسکے بعد انہیں مدینے کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

غزوۂ بدر دوم

اعراب کی شوکت توڑ دینے اور بدوؤں کے شر سے مطمئن ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے اپنے بڑے دشمن (قریش) کے چیلنج سے نمٹنے کیلئے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ کیونکہ سال تیزی سے ختم ہو رہا تھا اور اُحد کے موقع پر طے شدہ جنگ کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ حضورؐ اور آپکے صحابہ پوری تیاری سے ابوسفیان اور اسکی قوم سے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے وقت پر نکلیں اور جنگ کی حکمت عملی یوں چلائیں کہ حالات کا رُخ پوری طرح انکی طرف ہو جائے۔

چنانچہ شعبان ۴ھ مطابق جنوری ۶۲۶ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا انتظام حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے سپرد کیا اور علم حضرت علیؓ کے ہاتھوں تھما کر اس طے شدہ جنگ کیلئے بدر کا رُخ فرمایا اور وہاں پہنچ کر مشرکین کے انتظار میں خیمہ زن ہو گئے۔ آپؐ کے ہمراہ ڈیڑھ ہزار کی جمعیت اور دس عدد گھوڑے تھے۔ البتہ سب تیر و تلوار اور دیگر ہتھیاروں سے لیس تھے۔

دوسری طرف ابوسفیان بھی دو ہزار مشرکین کی جمعیت کے ساتھ جن میں سے پچاس گھڑ سوار تھے، مکہ سے روانہ ہوا اور مکہ سے ایک مرحلہ دُور وادی (مَر الظّہر ان) پہنچ کر مجنہ نامی مشہور چشمہ پر خیمہ زن ہو گیا۔ لیکن وہ مکہ سے نکلتے وقت سے ہی بوجھل طبیعت اور بد دل تھا۔ تمام راستے مسلمانوں سے ہونے والی جنگوں کے انجام کے بارے سوچتا رہا کہ اب تک ہم نے سوائے اپنے سرداروں کو جنگ کی آگ میں جھلسا ڈالنے کے حاصل کیا کیا؟ وہ اِس موجودہ جنگ کے متوقع انجام کے بارے بھی سوچ سوچ کر رعب و ہیبت سے لرزتا رہا۔ یہاں تک کہ مَر الظہر ان تک پہنچتے پہنچتے اسکی ہمت جواب دے گئی اور وہ واپسی کیلئے بہانے سوچنے لگا۔

بالآخر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: اے قریش کے لوگو! کیا تمہیں نہیں لگتا کہ جنگ کیلئے یہ وقت موزوں نہیں۔ جنگ اس وقت مناسب ہوتی ہے جب شادابی اور ہریالی ہو تاکہ جانور بھی چر سکیں اور تم لوگ بھی دودھ پی سکو۔ اس وقت خشک سالی ہے اس لئے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ ہم لوگ

واپس لوٹ چلیں۔اسکی یہ بات سن کر انکے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یوں لگتا ہے کہ سارے ہی لشکر کے اعصاب پر خوف و ہیبت سوار تھی۔ابوسفیان کی رائے پر کسی ایک فرد نے بھی اعتراض نہ کیا اور نہ کسی نے سفر جاری رکھنے اور مسلمانوں سے جنگ لڑنے کی رائے کا اظہار کیا۔یوں وہ یہیں سے منہ پھیر کر واپس لوٹ گئے۔

اِدھر مسلمانوں نے بدر میں آٹھ روز تک جنگ کا چیلنج کرنے والوں کا انتظار کیا اور اس دوران اپنا سامان تجارت فروخت کر کے ایک درہم کے دو درہم بناتے رہے۔ پھر شان سے مدینہ واپس آئے کیونکہ جنگ میں پیش قدمی انکے ہاتھ آ چکی تھی' مخالفین اور دشمنوں کے دلوں پر انکی دھاک بیٹھ چکی تھی اور ماحول پر انکی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ یہ تھی جنگ بدر دوم جسے غزوۂ بدر موعد' بدرِ ثانیہ' بدرِ آخرہ اور بدرِ صغریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

غزوۂ احزاب (خندق)

آنحضرتؐ کے فیصلہ کن اقدامات اور حکیمانہ حزم و تدبیر پر مبنی منصوبوں سے قلمرو اسلام میں امن و امان کا قیام اور صورت حال پر قابو پانے میں کافی حد تک کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی اندرونی اور بیرونی پیہم مشکلات کی شدت دم توڑ رہی تھی۔ کیونکہ منافقین مایوس ہو کر خاموش بیٹھ گئے تھے' یہود کا ایک قبیلہ جلا وطن کر دیا گیا تھا' اور دوسرے قبائل بھی حق ہمسائیگی اور عہد و پیمان کے ایفاً کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ بدّ و اور اعراب بھی ڈھیلے پڑ چکے تھے اور قریش نے بھی حال ہی میں مسلمانوں سے ٹکرانے سے گریز کیا تھا۔ یوں مسلمانوں کو تبلیغ اسلام اور رب العالمین کے فرامین و احکامات لوگوں میں پھیلانے کا موقع میسر آ گیا تھا۔

یہ کیفیت اگرچہ بہت پر سکون تھی اور جزیرۃ العرب پر امن و سلامتی کا دور دورہ تھا' مگر ''یہود'' کو (جو اپنی خباثتوں' سازشوں اور دسیسہ کاریوں کے نتیجہ میں طرح طرح کی ذلت و رسوائی کا مزہ چکھ بھی چکے تھے) اب بھی ہوش نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے غدر و خیانت اور مکروہ سازشوں کے مکروہ نتائج سے کوئی سبق نہیں سیکھا تھا۔ انہوں نے خیبر منتقل ہونے کے بعد پہلے تو یہ انتظار کیا کہ دیکھیں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جو کشاکش چل رہی ہے اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ جب نتائج انکے حسب منشاء نہیں نکلے بلکہ اس کے برعکس دُور دُور تک مسلمانوں کی حکمرانی کا سکہ بیٹھتا چلا گیا' تو انہیں قلبی جلن نے سخت بے قرار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے نئے سرے سے سازش شروع کی اور مسلمانوں پر ایک ایسی کاری ضرب لگانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے جس کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کا چراغِ حیات ہی گل ہو جائے۔

یہود کی سازش کچھ یوں تھی کہ بنو نضیر کے بیس راہنماء سردار' مکہ میں قریش کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں محمدؐ کے خلاف جنگ پر آمادہ کرتے ہوئے اپنی مدد کا یقین دلایا۔ قریش نے انکی بات مان بھی لی۔ کیونکہ وہ اُحد کے روز میدان بدر میں جس جنگ کا چیلنج کر کے وہاں نہیں پہنچے تھے اور انکی جو ساکھ

خراب ہوئی تھی وہ یہود کی اس مجوزہ جنگ کے ذریعہ بحال ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

قریش کو آمادہ کرنے کے بعد یہود کا یہ وفد بنو غطفان کے پاس گیا اور قریش کی طرح انہیں بھی آمادہ جنگ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اس وفد نے دیگر قبائل عرب میں گھوم گھوم کر لوگوں کو جنگ کی ترغیب دی اور مسلمانوں کا انکے بتوں کے خلاف ہونا بتا کر ورغلایا۔ یوں اِن قبائل کے بھی بہت سے افراد اس جنگ میں شامل ہونے پر تیار ہو گئے۔

اس کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق جنوب سے قریش' کنانہ اور تہامہ میں آباد دوسرے حلیف قبائل نے مدینہ کی جانب کوچ کیا۔ ان سب کا سپہ سالارِ اعلیٰ ابوسفیان تھا جن کی تعداد چار ہزار تھی' یہ لشکر مرّ الظہر ان پہنچا تو بنو سلیم بھی انکے ساتھ آ ملے۔ اُدھر عین اسی وقت مشرق کی طرف سے غطفانی قبائل فزارہ' مرہ اور اشجع نے کوچ کیا۔ فزارہ کا سپہ سالار عُیینہ بن حصن تھا بنو مرہ کا حارث بن عوف اور بنو اشجع کا سپہ سالار مسعر بن زحیلہ تھا۔ انہی کے ضمن میں بنو اسد اور دیگر قبائل کے بہت سے لوگ بھی ان میں آ شامل ہوئے تھے۔

ان سارے قبائل نے ایک مقررہ وقت پر اور مقررہ پروگرام کے تحت مدینے کا رُخ کیا تھا اس لئے چند دنوں کے اندر اندر مدینے کے پاس دس ہزار سپاہ کا ایک زبردست لشکر جمع ہو گیا۔ یہ تعداد مدینہ کی کل آبادی سے بھی زیادہ تھی اور غالباً بچوں عورتوں جوانوں وغیرہ کو ملا کر بھی اس لشکر کے برابر نہیں تھی۔ حملہ آوروں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اگر مدینے کی چار دیواری تک اچانک پہنچ جاتا تو اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مسلمانوں کیلئے کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ کچھ عجب نہیں کہ یہود کی سازِش کے عین مطابق واقعی انکی جڑ کٹ جاتی اور مسلمانوں کا مکمل صفایا ہو جاتا۔

ادھر مدینے کی قیادت نہایت بیدار مغز اور مستعد تھی انکی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتیں اور وہ آنے والے خطرات اور متوقع حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار رہتی۔ جونہی یہ عظیم لشکر حرکت میں آیا مخبرین نے اس کی اطلاع مدینہ پہنچا دی۔ اطلاع پاتے ہی حضورؐ نے ہائی کمان کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا اور دفاعی منصوبوں پر صلاح و مشورہ کیا۔ اہل شوریٰ نے غور و خوض کے بعد حضرت سلمانؓ فارسی کی

تجویز کو پسند کرلیا، جنہوں نے یہ رائے دی کہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارس میں جب کسی بڑے لشکر کی جانب سے ہمارا محاصرہ کیا جاتا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے اور جو کوئی خندق کے قریب آنے یا خندق میں اتر کر اسے عبور کرنے کی کوشش کرتا، ہم اسے پتھروں اور تیروں سے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

یہ بڑی باحکمت دفاعی تجویز تھی، اہل عرب اس سے واقف نہیں تھے۔ چنانچہ اس تجویز کے منظور ہوتے ہی آنحضرتؐ نے فی الفور اس پر عمل درآمد شروع فرمادیا اور ہر دس لوگوں کو چالیس ہاتھ گہری خندق کھودنے کا کام سونپ دیا اور مسلمانوں نے پوری محنت اور دلجمعی سے خندق کھودنا شروع کر دی۔ آنحضرتؐ نہ صرف انہیں کام کی ترغیب دیتے بلکہ خود بھی انکے ساتھ پوری طرح شریک رہتے۔ کچھ لوگ تو کھدائی کرتے اور باقی آنحضرتؐ سمیت مٹی ڈھونے میں مصروف رہتے۔ انکے بھوکے پیاسے ہونے کے باوجود انہیں ایسی محنت اور لگن سے کام کرتے ہوئے دیکھ کر آپؐ نے دعا دی کہ:

''اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے پس مہاجرین اور انصار کو بخش دے''۔

جواب میں انصار و مہاجرین نے کہا:۔

''ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیشہ کیلئے جب تک باقی رہیں محمدؐ سے جہاد پر بیعت کی ہے''

صحیح بخاری میں ایک روایت حضرت برا ابن عازبؓ سے مروی ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ خندق کی مٹی ڈھو رہے تھے یہاں تک کہ غبار نے آپکے شکم کی جلد ڈھانپ لی تھی۔ میں نے اسی حالت میں حضورؐ کو عبداللہ بن رواحہؓ کے رجز یہ اشعار کہتے ہوئے سنا۔ آپؐ خندق کی مٹی ڈھوتے جاتے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

(ترجمہ) ''اے اللہ اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے، پس ہم پر سکینت نازل فرما۔ اور اگر ٹکراؤ ہو جائے تو ہمارے قدم ثابت رکھ۔ انہوں نے ہمارے خلاف لوگوں کو بھڑکایا ہے۔ اگر انہوں نے کوئی فتنہ چاہا تو ہم ہرگز سر نہیں جھکائیں گے''۔

مسلمان ایک طرف گرم جوشی سے کام کر رہے تھے تو دوسری طرف اتنی شدت کی بھوک برداشت کر رہے

خندق کھودنے کا مشورہ دینے والے صحابیِ رسولؐ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مقبرہ

تھے کہ تصور ہی سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے آپؐ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنا شکم کھول کر پیٹ پر باندھا ہوا پتھر دکھایا تو حضورؐ نے بھی اپنے شکم پر بندھے ہوئے دو پتھر دکھلائے۔

خندق کی کھدائی کے دوران نبوت کی کئی نشانیاں بھی جلوہ فگن ہوئیں۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے حضورؐ پر سخت بھوک کے آثار دیکھے، تو بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور انکی بیوی نے ایک صاع یعنی اڑھائی کلو جَو پیس دیئے۔ پھر آنحضرتؐ سے رازداری کے ساتھ گزارش کی کہ اپنے چند رفقاء کے ساتھ کھانے پر تشریف لائیں۔ آپؐ اپنے سب ساتھیوں کو ساتھ لے کر چل پڑے جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔ جو کام میں مصروف تھے وہ بھی بھوک کے سبب کھانے والوں میں شامل ہو گئے اور تمام لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا پھر بھی گوشت کی ہنڈیا بھری کی بھری رہی اور گندھا ہوا آٹا بھی اپنی حالت پر برقرار رہا اور اس سے روٹی پکائی جاتی رہی۔

حضرت نعمانؓ بن بشیر کی بہن دو مٹھی کھجور لے کر خندق کے پاس آئیں کہ انکے بھائی اور ماموں کھالیں، لیکن جب وہ حضورؐ کے قریب سے گزریں تو آپؐ نے ان سے وہ کھجوریں لے لیں اور ایک کپڑے پر پھیلا دیں پھر اہلِ خندق کو دعوت دی۔ اہل خندق جوں جوں انہیں کھاتے کھجوروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جاتا، یہاں تک کے جب سب کھا چکے اس وقت بھی کھجوریں کپڑے کے کناروں سے باہر تک پڑی تھیں۔

اسی دوران ایک اور واقعہ پیش آیا جو ان دو واقعات سے بڑھ کر حیران کن تھا۔ امام بخاریؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم لوگ خندق کھود رہے تھے کہ ایک چٹان نما ٹکڑا ہمارے آڑے آ گیا جو کسی طرح ٹوٹنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ لوگوں نے آنحضرتؐ کو اسکی اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا: رکو میں اتر رہا ہوں پھر آپ نے اپنے پیٹ پر بندھا ہوا پتھر الگ کیا اور خندق میں اتر کر کدال سے اس پتھر پر وار کیا تو وہ چٹان نما پتھر ایک بھر بھرے تودے میں تبدیل ہو گیا اور دشمنوں کا لشکر پہنچنے سے پہلے پہلے خندق کا کام مکمل کر لیا گیا۔

چونکہ مدینہ شمال کے علاوہ باقی اطراف سے لاوے کی چٹانوں، پہاڑوں اور کھجور کے باغات

سے گھرا ہوا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہر اور تجربہ کار فوجی کماندار کی طرح بخوبی جانتے تھے کہ اتنے بڑے لشکر کی یورش شمال ہی کی جہت سے ہوسکتی ہے اس لئے آپؐ نے اسی جانب خندق کھدوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس دوران اپنے حلیفوں اور دیگر ساتھیوں کو پیغامات بھجوا کر بلوالیا گیا تھا اور آپکے لشکر کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

اُدھر قریش اپنا چار ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پہنچے تو انہوں نے رومہ' جرف اور زغابہ کے درمیان مجمع الاسیال میں پڑاؤ ڈالا! دوسری طرف سے غطفان اور انکے نجدی ساتھی چھ ہزار کی نفری لیکر آئے تو اُحد کے مشرقی کنارے ذنب نقمی میں خیمہ زن ہوئے۔ اتنے بڑے لشکر کو دیکھتے ہوئے اہل ایمان کی جوشِ جذبات سے جان نثاری کی تمنا میں از حد اضافہ ہوگیا۔ جیسا کہ سورۃ احزاب میں مذکور ہوا:۔

"وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ؕ(۲۲)" (سورۃ:احزاب)

"اور جب اہل ایمان نے ان جتھوں کو دیکھا تو کہا یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اسکے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اسکے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا اور اس (حالت) نے انکے ایمان اور جذبۂ اطاعت کو اور بڑھا دیا" (احزاب:۲۲)

البتہ جو منافق اور کمزور ایمان والے لوگ تھے اور محض غنیمت کے لالچ یا دیگر فوائد کے حصول کیلئے مسلمانوں میں شامل ہوکر یہاں آگئے تھے وہ افسردہ اور شکست خوردہ دکھائی دے رہے تھے۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی سورۃ احزاب میں مذکور ہوا:۔

وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا(۱۲) (سورۃ:احزاب)

"اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ محض فریب تھا"۔ (احزاب:۱۲)

بہرحال اس لشکر کے مقابلہ کیلئے آنحضرتؐ بھی تین ہزار مسلمانوں کی نفری لے کر تشریف

لائے اور کوہ سلع کی طرف پشت کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ اب سامنے خندق تھی جو مسلمانوں اور کفار کے بیچ حائل تھی۔ مدینہ کا انتظام حضرت ابن امّ مکتومؓ کے سپرد کرتے وقت بچوں اور عورتوں کو گڑھیوں میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔

پھر جب مشرکین حملہ کی غرض سے مدینہ کی طرف بڑھے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک چوڑی سی خندق انکے اور مدینہ کے درمیان حائل ہے۔ مجبوراً انہیں محاصرہ کرنا پڑا جبکہ ایسی صورتِ حال کے لئے وہ گھروں سے تیار ہو کر ہی نہیں آئے تھے۔ کیونکہ دفاع کا یہ منصوبہ خود انکے بقول ایک ایسی چال تھی جس سے عرب واقف ہی نہ تھے۔ اور انہوں نے ایسے کسی معاملہ کو اپنے حساب میں داخل ہی نہیں کیا تھا۔ لہٰذا مشرکین خندق کے سرے پر پہنچ کر غیظ و غضب سے چکر کاٹنے لگے۔ انہیں کسی ایسے کمزور گوشے کی تلاش تھی جہاں سے وہ اتر سکیں یا مٹی سے پاٹ کر عبور کرنے کیلئے راستہ بنا سکیں۔

قریش کے شہسواروں کی عادت اور شان کے خلاف تھا کہ وہ مجبور ہو کر یوں بے بس پڑے رہیں۔ چنانچہ انکی ایک جماعت نے (جن میں عَمر و بن عبدِ ودّ' عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ تھے) ایک تنگ مقام سے اپنے گھوڑوں کو اچھال کر خندق پار کر لی اور انکے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان چکر کاٹنے لگے۔ مسلمانوں نے دیکھا تو حضرت علیؓ چند مسلمانوں کو لے کر نکلے اور جس تنگ جگہ سے انہوں نے اپنے گھوڑے کدوائے تھے اس جگہ کو قبضہ میں لے کر انکی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اس صورت حال پر عَمر و بن عبدودّ نے مبارزت کیلئے للکارا۔ حضرت علیؓ اس سے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے مقابلہ میں آ گئے اور جنگی داؤ پیچ کے مطابق ایک ایسا فقرہ چست کیا جس سے عَمر و طیش میں آ کر گھوڑے سے کود پڑا۔ اسکی کوچیں کاٹیں اور حضرت علیؓ کے دو بدو آ گیا۔ عَمر و بڑا بہادر اور شہ زور تھا دونوں میں پُر زور ٹکر ہوئی' دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کئے بالآخر حضرت علیؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی باقی مشرکین ایسے بد دل ہوئے کہ اوندھے منہ اسی تنگ جگہ سے کود کر واپس بھاگ گئے۔ وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ عکرمہ نے بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ بھی چھوڑ دیا۔ یا اس کے ہاتھ سے چھٹ گیا مگر اسے اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

مشرکین نے کسی کسی دن خندق پار کرنے یا اسے پاٹ کر راستہ بنانے کی بہت زبردست کوششیں کیں مگر مسلمانوں نے بڑی عمدگی اور سمجھداری سے انہیں اس سے دُور رکھا اور ایسی کوشش کرنے والوں کو جس طرح اپنے تیروں سے چھلنی کیا اور انکے تیراندازوں کا جس پامردی سے مقابلہ کیا تاریخ کے اوراق اس پر گواہ ہیں کہ کس طرح اس دس ہزاری لشکر کی ہر کوشش ناکام بنادی گئی۔

مشرکین کی طرف سے خندق عبور کرنے کی کوشش اور مسلمانوں کی طرف سے پیہم دفاع کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ چونکہ دونوں گروہوں کے درمیان خندق حائل تھی اس لئے دست بدست اور خون ریز جنگ کی نوبت نہ آسکی بلکہ صرف تیراندازی ہوتی رہی جس کے نتیجہ میں فریقین کے چند افراد مارے گئے یعنی چھ مسلمان شہید ہوئے اور دس مشرکین ہلاک ہوئے جن میں سے ایک یا دو لوگ تلوار سے قتل ہوئے۔ اسی تیراندازی کے دوران حضرت سعدؓ بن معاذ کو بھی ایک تیر لگا جس سے انکے بازو کی بڑی رگ کٹ گئی۔ حضرت سعدؓ یہ دعا کرتے کہ: اے اللہ مجھے ابھی باقی رکھ کہ میں قریش سے جہاد کروں اور بنو قریظہ کے معاملہ میں اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا سکوں۔ اگر تو نے لڑائی ختم کرنی ہے تو اس زخم کو جاری رکھ کر میری موت کا سبب بنادے۔ بہر کیف ایک طرف مسلمان محاذِ جنگ پر مشکلات کا شکار تھے اور دوسری طرف سازش اور دسیسہ کاری کے سانپ اس کوشش میں رینگ رہے تھے کہ کسی طرح اپنا زہر مسلمانوں کی رگوں میں اتارنے میں کامیاب ہوجائیں۔

چنانچہ بنو نضیر کا بڑا مجرم حیی بن اخطب پھر سے بنو قریظہ کے دیار میں آیا اور انکے سردار کعب بن اسد قرظی کے پاس حاضر ہوا۔ سعد بن اسد بنو قریظہ کی طرف سے عہد و پیمان کرنے کا مجاز تھا اور جس نے آنحضرتؐ سے یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ جنگ کے مواقع پر آپ کا ساتھ دیگا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے پہلے بھی حُیی کے دروازہ کھٹکھٹانے پر دروازہ نہیں کھولا تھا۔ اس مرتبہ بھی اس نے حُیی کی آواز پہچان کر اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کرلیا تھا۔ مگر حُیی نے اس سے کچھ ایسی باتیں کیں اور تکرار کرتا رہا کہ کعب بن اسد کو دروازہ کھولنا پڑا۔ حُیی نے کہا: "اے کعب! میں تمہارے لئے ہمیشہ کے واسطے عزت اور فوجوں کا بحر بیکراں لیکر حاضر ہوا ہوں۔ میں نے قریش کو انکے سرداروں سمیت لاکر رومہ کے مجمع الاسیال میں اتار دیا

ہے اور بنو غطفان کو انکے قائدین اور سرداروں سمیت اُحد کے پاس ذنب نقمی میں خیمہ زن کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ محمدؐ اور انکے ساتھیوں کا مکمل صفایا کیے بغیر یہاں سے نہیں ٹلیں گے"۔

کعب نے کہا: "واللہ تم میرے پاس ہمیشہ کی عزت نہیں ہمیشہ کی ذلت اور برس چکا بادل لیکر آئے ہو جس میں گرج چمک کے سوا کچھ نہیں رہا۔ حُیی! تجھ پر افسوس کہ تو ہمیشہ محمدؐ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتا ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دے، میں نے محمدؐ میں صدق و وَفا کے سوا کچھ نہیں دیکھا، مگر حُیی فریب دہی سے اپنی بات منوانے پر اصرار کرتا رہا اور بالآخر اسے رام کرلیا۔

البتہ حُیی کو اس مقصد کیلئے یہ عہد و پیمان دینا پڑا کہ اگر قریش نے محمدؐ اور انکے ساتھیوں کو ختم کئے بغیر واپسی کی راہ لی تو میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا۔ پھر جو انجام تمہارا ہوگا وہی میرا بھی ہوگا۔ حُیی کے اس پیمان وفا کے بعد کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا عہد توڑ دیا اور مشرکین کی جانب سے جنگ میں شریک ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اسکے بعد بنو قریظہ کے یہود عملی طور پر جنگی کاروائیوں میں مصروف ہو گئے۔

ابن اسحاق کے بیان کے مطابق مدینے کی خواتین اور بچے حضرت حسّانؓ کے فارع نامی قلعہ کے اندر تھے۔ اچانک حضرت صفیّہؓ نے دیکھا کہ ایک یہودی ہمارے پاس سے گزرا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بنو قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا پیمان توڑ چکے تھے۔ چنانچہ حضرت صفیّہؓ نے حضرت حسّانؓ کو کہا آپ جائیں اور اس یہودی کو مار ڈالیں۔ میں نے اسکے ارادوں کو بھانپ لیا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ شخص دوسروں کو ہماری کمزوری کی خبر دے جس سے ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ چونکہ آنحضرتؐ جنگ میں مصروفیت کے باعث یہاں نہیں ہیں اسلئے وقت پر ہماری مدد کو بھی نہیں پہنچ پائیں گے۔ حضرت حسّانؓ نے کہا: واللہ آپ جانتی ہیں کہ میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں۔ حضرت صفیّہؓ نے یہ جواب سن کر خود اپنی کمر باندھی پھر لکڑی اٹھائی اور قلعے سے اتر کر چھپتے چھپاتے اس یہودی کے قریب پہنچ گئیں اور موقع ملتے ہی اس پر وار کیا جس سے وہ گر پڑا پھر لکڑی سے مار مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ واپس آکر حسّان سے کہا: جائیے اور اس کے ہتھیار اور اسباب اتار لائیے۔

کیونکہ وہ مرد ہے اس لئے میں نے اسکے ہتھیار نہیں اتارے۔ حسانؓ نے کہا مجھے اسکے ہتھیار اور سامان کی ضرورت نہیں۔

یہ ٹھوس حقیقت ہے کہ مسلمان بچوں اور عورتوں کی حفاظت پر آنحضرتؐ کی پھوپھی کے اس جانبازانہ کارنامے کا بڑا گہرا اور اچھا اثر قائم ہوا۔ اس کاروائی سے غالباً یہود نے سمجھا کہ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کیلئے ان گڑھیوں میں مسلمانوں کا حفاظتی لشکر موجود ہے۔ چنانچہ انہیں دوبارہ اس قسم کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ وہ جنگِ خندق میں مصروف اپنے مشرکین اتحادیوں کو اپنے اتحاد و انضمام کا عملی ثبوت دیتے ہوئے مسلسل رسد پہنچاتے رہے۔ اس دوران مسلمانوں نے انکی رسد کے بیس اونٹوں پر قبضہ بھی کر لیا۔

جب حضورؐ کو یہود کی عہد شکنی کی خبر ملی تو آپؐ نے اسی وقت خبر کی تحقیق کیلئے حضرت سعدؓ بن معاذ، سعدؓ بن عبادہ، عبداللہ بن رواحہؓ اور خواتؓ بن جبیر کو معلومات کیلئے روانہ فرمایا کہ واپس آکر حالات کے بارے مطلع کریں۔ نیز فرمایا اگر یہ خبر درست ہو تو اشارے سے مجھے بتائی جائے اور اگر یہ خبر غلط اور محض افواہ ہو تو بیشک علی الاعلان بیان کر دینا۔ جب یہ لوگ بنو قریظہ کے قریب پہنچے تو انہیں نہایت خباثت پر آمادہ پایا۔ انہوں نے مسلمانوں کو دیکھتے ہی اعلانیہ گالیاں بکیں، دشمنی کی باتیں کیں اور آنحضرتؐ کی اہانت کے مرتکب ہوئے۔ کہنے لگے کون رسول؟ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان کوئی عہد ہے نہ پیمان۔ یہ سن کر وہ لوگ واپس آگئے اور اشارتاً کہا: عضل اور قارہ۔ مقصود یہ تھا کہ جیسے عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی کی اسی طرح یہود بھی عہد شکنی پر اترے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان صحابہؓ نے رازداری اور اخفائے حقیقت کی کوشش کی تھی پھر بھی عام لوگوں کو صورتِ حال کا علم ہو گیا اور ایک خوفناک خطرہ، مجسم ہو کر انکے سامنے آگیا۔

درحقیقت اس وقت مسلمان واقعی ایک نازک موڑ پر آکھڑے ہوئے تھے۔ سامنے مشرکین کا لشکرِ جرار تھا جنہیں چھوڑ کر پیچھے ہٹنا تو درکنار پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی موزوں نہیں تھا۔ کسی وقت بھی کوئی خندق عبور کر سکتا تھا۔ پیچھے بنو قریظہ تھے جن کے بھروسے مسلمان عورتوں اور بچوں کو مدینہ چھوڑ آئے تھے

اور اپنی پشت سے بھی بے فکر تھے، مگر یہود کی عہد شکنی کے باعث بنو قریضہ کا متوقع حملہ کو روکنے کیلئے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی حائل نہیں تھا۔ اس لئے لوگوں میں سخت اضطراب پیدا ہوگیا۔ مسلمانوں کی اس کیفیت کو سورۃ احزاب میں یوں بیان فرمایا گیا:۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا(۱۰) هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا(۱۱) (سورۃ:احزاب)

''اور جب نگاہیں کج ہوگئیں دل حلق میں آ گئے، اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے(۱۰) اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی اور انہیں شدت سے جھنجوڑ دیا گیا'' (احزاب:۱۰/۱۱)

پھر اس موقع پر بعض منافقین کے نفاق نے بھی سر نکالا، چنانچہ وہ کہنے لگے کہ محمدؐ تو ہم سے وعدے کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے پائیں گے اور یہاں یہ حالت ہے کہ رفع حاجت کیلئے نکلنے میں بھی جان کی خیر نہیں۔ کچھ منافقین نے اپنے اشراف کے سامنے یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارے گھر دشمن کے سامنے کھلے پڑے ہیں اسلئے ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں، کیونکہ ہمارے گھر شہر سے باہر ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بنو سلمہ کے قدم اکھڑ رہے تھے اور وہ پسپائی کی سوچ رہے تھے۔ انہی لوگوں کے بارے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا(۱۲) وَ اِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۛۚ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا(۱۳) (سورۃ:احزاب)

''اور جب منافقین اور وہ لوگ جنکے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اسکے رسول نے جو وعدہ کیا ہے وہ فریب کے سوا کچھ نہیں'' (۱۲) ''اور جب انکی

ایک جماعت نے کہا: اے اہل یثرب! تمہارے لئے ٹھہرنے کی گنجائش نہیں لہٰذا واپس چلو اور انکا ایک فریق نبی سے اجازت مانگتا ہوا کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ خالی نہیں پڑے تھے بلکہ یہ لوگ محض فرار چاہتے تھے'' (۱۳) (سورۃ: احزاب)

ایک طرف لشکر کا یہ حال تھا تو دوسری طرف آنحضرتؐ نے بنوقریظہ کی عہد شکنی کی خبر سن کر اپنا سر اور چہرہ کپڑے سے ڈھانپ لیا اور دیر تک چت لیٹے رہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر لوگوں کا اضطراب اور بھی بڑھ گیا۔ لیکن اسکے بعد (آپؐ پر) امید کی روح غالب آ گئی اور آپؐ اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے مسلمانوں اللہ کی مدد اور فتح کی خوشخبری سن لو۔

آپؐ نے پیش آمدہ حالات سے نمٹنے کا پروگرام بنایا اور اس کے ایک جزو کے طور پر مسلمانوں کی فوج میں سے کچھ محافظ مدینہ بھیجتے رہے تا کہ مسلمانوں کو غافل دیکھ کر یہود کی طرف سے عورتوں اور بچوں پر کوئی حملہ نہ ہو جائے۔ لیکن یہ کوئی مستقل حل نہیں تھا اس موقع پر کسی فیصلہ کن اقدام کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپؐ نے بنی غطفان کے دونوں سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف سے مدینہ کی ایک تہائی پیداوار پر مصالحت کرنے کا سوچا تا کہ یہ اپنے اپنے قبیلے لے کر واپس چلے جائیں اور یوں مسلمان تنہا قریش پر (جنکی جنگی طاقت کا اندازہ بار بار لگایا جا چکا تھا) کاری ضرب لگانے کیلئے فارغ ہو سکیں۔ جب اپنے اس خیال کے بارے گفت وشنید ہوئی اور حضرت سعدؓ بن معاذ اور سعد بن عبادہؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بیک زبان عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تو یہ اللہ کا حکم ہے تو بلا چون و چرا تسلیم ہے اور اگر آپؐ یہ سب ہمارے لئے کر رہے ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ واللہ ہم تو انہیں اپنا مال ہرگز نہ دیں گے، انکے لئے تو ہماری تلواریں ہیں۔ آپؐ نے بھی اقرار فرمایا کہ ہاں جب میں نے دیکھا کہ سارا عرب ہی کمان کھینچ کر تم پر پل پڑا ہے تو مجھے تم لوگوں کی خاطر ایسا سوچنا پڑا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کے طریق بھی عجیب عجیب ہیں۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ بنوغطفان کے ایک شخص جن کا نام نُعیمؓ بن مسعود بن عامر اشجعی تھا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم میں مسلمان ہو چکا ہوں لیکن میری قوم کو میرے اسلام لانے کی خبر نہیں ۔ مجھے خدمت کا موقع عطا فرمائیں کہ میں کسی کام آسکوں۔آپؐ نے فرمایا تم محض اکیلے شخص ہو اس لئے کوئی فوجی اقدام تو نہیں کر سکو گے البتہ جس قدر ممکن ہو انکی حوصلہ شکنی کرو کیونکہ جنگ تو حکمت عملی کا نام ہے۔اس پر حضرت نُعیمؓ اسی وقت اٹھے اور بنو قریظہ کے ہاں جا پہنچے۔ان کی بنو قریظہ سے پرانی میل ملاقات اور دوستی تھی۔جاتے ہی ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ: میں حیرت زدہ ہوں کہ بھلا اتنے سمجھدار ہوتے ہوئے آپ لوگ کس طرح قریش کے چنگل میں پھنس گئے ۔وہ حیران ہو کر پوچھنے لگے نُعیم : کیسا پھنسنا؟ اس پر نعیمؓ نے کہا دیکھئے: قریش کا معاملہ آپ لوگوں سے مختلف ہے۔ یہ علاقہ آپکا اپنا ہے' آپ لوگوں کا گھربار یہاں ہے' کاروبار ہے مال و دولت ہے آپکے بال بچے یہاں ہیں۔آپ یہ سب کچھ چھوڑ کر کہیں جا بھی نہیں سکتے۔ جب قریش اور غطفان محمدؐ سے جنگ کرنے یہاں آئے تو آپ لوگوں نے بلا سوچے سمجھے محمدؐ کے خلاف ان کا ساتھ دیا۔ظاہر ہے ان لوگوں کا نہ یہاں گھربار ہے نہ مال و دولت' نہ بال بچے۔تم لوگوں کی مدد سے انہیں موقع ملا تو کوئی قدم اٹھائیں گے ورنہ بوریا بستر باندھ کر چلتے بنیں گے۔ پھر آپ ہونگے اور محمدؐ ہونگے۔کیونکہ رہنا تو انہیں بھی یہیں ہے پھر وہ جس طرح چاہیں گے اپنا بدلہ لیں گے' بلکہ قریش کا بدلہ بھی آپ سے لینے پر انہیں کون روکے گا۔؟ اس پر بنو قریظہ کے لوگ سخت چونک گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگے کہ اس نقطہ پر انکی نظر کیوں نہ گئی۔پھر ملتجی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے: اے مسعود بن عامر کے بیٹے ہمیں رائے دو کہ اب ہم کیا کریں۔؟ نُعیمؓ بولے دیکھئے! قریش جب تک اپنے کچھ لوگ یرغمال کے طور پر آپ لوگوں کے حوالے نہ کریں آپ انکے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں۔قریظہ نے کہا: واللہ تم نے بڑی مناسب رائے دی ہے۔

اسکے بعد حضرت نُعیمؓ سیدھے قریش کے پاس پہنچے اور بولے: ''آپ لوگوں سے مجھے جو محبت اور ہمدردی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں''۔انہوں نے کہا: جی ہاں۔تو نُعیمؓ بولے ''اچھا تو سنئے کہ یہود نے محمدؐ اور انکے رفقاء سے جو عہد شکنی کی تھی وہ اس پر نادم ہیں اور اب ان میں یہ مراسلت ہوئی ہے کہ وہ قریش سے کچھ لوگ بطور یرغمال حاصل کر کے محمدؐ کے حوالے کر دیں گے اور محمدؐ سے اپنا معاملہ استوار کر لیں گے۔

لہٰذا یہودا اگر تم لوگوں سے یرغمال طلب کریں تو ہرگز نہ دیں"۔ اسکے بعد غطفان کے پاس جا کر بھی یہی بات دھرائی تو انکے بھی کان کھڑے ہو گئے۔

اس کے بعد قریش نے یہود کی مدد سے مسلمانوں پر آگے اور پیچھے سے بیک وقت حملے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ جمعہ اور سنیچر کی درمیانی شب قریش نے یہود کے پاس یہ پیغام بھجوایا کہ ہمارا قیام کسی سازگار اور موزوں جگہ پر نہیں ہے۔ تیراندازی سے ہمارے گھوڑے اور اونٹ مر رہے ہیں۔ اس لئے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اِدھر سے آپ اور اُدھر سے ہم لوگ اٹھیں اور محمدؐ پر حملہ کر دیں۔ یہود نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آج سبت کا دن ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہم سے پہلے بھی جس کسی نے اس دن کے بارے حکم شریعت کی خلاف ورزی کی تھی انہیں کیسے عذاب سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ علاوہ ازیں جب تک آپ اپنے کچھ آدمی بطور یرغمال ہمیں نہیں دیں گے ہم لڑائی میں شریک نہیں ہونگے۔

قاصد جب یہ جواب لے کر واپس آیا تو قریش اور غطفان نے کہا: واللہ نُعیمؓ نے سچ ہی کہا تھا۔ تاہم انہوں نے یہود کو پھر پیغام بھیجا کہ خدا کی قسم ہم آپکو اپنا کوئی آدمی نہیں دیں گے، بس آپ ہمارے ساتھ ہی نکل پڑیں تا کہ دونوں طرف سے محمدؐ پر ہلہ بول دیا جائے۔ یہ پیغام ملتے ہی قریظہ کے سرداروں نے بیک زبان کہا: واللہ نُعیمؓ نے سچ ہی کہا تھا۔ اس دوران مسلمان بارگاہِ ایزدی میں دعا کر رہے تھے کہ: "اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون کر دے"۔ اور آنحضرتؐ یہ دعا فرما رہے تھے: "اے اللہ! کتاب اتارنے والے اور جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دے۔ اے اللہ انہیں شکست دے اور جھنجھوڑ کر رکھ دے"۔

بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دعائیں شرف قبولیت سے نواز دیں۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دشمن ایک دوسرے کی نظروں میں مشکوک و ذلیل ہو گئے انکی جمعیت ٹوٹ گئی اور انکی ہمت جواب دینے لگی۔ مشرکین کی صفوں میں پھوٹ پڑ جانے اور ان میں بددلی و پست ہمتی سرائیت کر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن پر تند ہواؤں کا طوفان بھیج دیا، جس نے انکے خیمے اکھیڑ دئے، انکے کھانے پکانے والے برتن الٹ گئے یہاں تک کہ طنابوں کی کھونٹیاں تک اکھڑ کر بکھر گئیں۔ ریت

اور کنکر اس زور سے اُڑیں کہ انسانوں اور جانوروں کے آنکھ' کان اور نتھنے اس سے بھر گئے۔قدرت کی طرف سے آنے والی اس آندھی کے سبب اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں میں ایسا خوف اور رعب ڈال دیا کہ انہوں نے اسی لمحہ جنگ کا ارادہ ترک کر دیا۔یہ قدرت کی طرف سے آخری ضرب تھی جس کے بعد مختلف گروہ مدینہ چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے اور بنو قریظہ کے گروہ اپنے اپنے قلعوں کو لوٹ گئے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے اس سرد اور کڑکڑاتی رات میں حضرت حذیفہؓ بن یمان کو کفار کی خبر لانے کیلئے بھیجا۔موصوف جب انکے محاذ تک پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بھی ٹھیک یہی حالت تھی اور کفار واپسی کیلئے لوٹ رہے تھے۔صبح ہوئی تو حضورؐ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو کسی کامیابی کا موقع دیئے بغیر انکے غیض وغضب سمیت انہیں واپس لوٹا دیا ہے۔اللہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو کافی ہو گیا' مسلمانوں کو عزت عطا فرمائی اور اپنا وعدہ پورا فرمایا اور کوئی شک نہیں کہ وہ ذاتِ کبریاء ہمیشہ اپنا وعدہ پورا فرمانے والی ہے۔

غزوۂ خندق شوال ۵ھ میں پیش آیا اور مشرکین نے تقریباً ایک ماہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے ساتھیوں کا محاصرہ جاری رکھا۔جنگِ احزاب درحقیقت جان و مال کی جنگ نہیں تھی بلکہ اعصاب کی جنگ تھی۔اگرچہ اس میں کوئی خاص خون ریز معرکہ پیش نہیں آیا تاہم یہ اسلامی تاریخ کی ایک فیصلہ کن جنگ تھی جس کے نتیجہ میں مشرکین کے حوصلے یوں ٹوٹ گئے کہ پورے جزیرۃ العرب میں یہ یقین پھیل گیا کہ عرب کی کوئی بھی قوت مسلمانوں کی اس چھوٹی سی طاقت کو جو مدینہ میں نشوونما پا رہی ہے' ختم نہیں کرسکتی۔کیونکہ جنگ احزاب میں جتنی بڑی طاقت فراہم ہوگئی تھی اس سے بڑی طاقت کا فراہم کرنا عربوں کے بس کی بات نہیں تھی۔اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کی واپسی کے بعد فرمایا:۔"اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے اور ہمارا لشکر اُن کی طرف جائیگا"۔

غزوۂ احزاب کا ایک اہم ترین پہلو یہ ہے کہ کفار کی اس ناکامی کے بعد اور غالباً قدرتِ الٰہیہ کے اس نازل شدہ طوفان کے بعد خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص جیسے جرنیلوں پر اسلام اثر کر گیا تھا'

اگر چہ قبولیتِ اسلام کا واضح اظہار صلح حدیبیہ کے بعد عمل میں آیا اور تاریخ گواہ ہے کہ بعد ازاں یہ اصحاب ملتِ اسلامیہ کے شہرۂ آفاق سپہ سالار بنے۔

صلح حدیبیہ تک کے کچھ واقعات

غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی آبادی کے تمام گروہوں کے مابین ''صحیفہ'' نامی ایک معاہدہ کرادیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ شہر کے داخلی صلح و امن و امان میں کوئی خلل نہ آنے پائے اور باہر سے کوئی خطرہ نمودار ہو تو تمام گروہ متحدہ طور پر مل کر اسکا مقابلہ کریں۔ اس معاہدہ میں یہودیوں کی مساوی حیثیت کو برقرار رکھا گیا تھا اور انکے تمام شہری اور مذہبی حقوق کی حفاظت کا انتظام کردیا گیا تھا۔ تاہم یہودیوں کی فطرت میں شامل تھا کہ وہ جھوٹ‘ مکاری‘ خیانت‘ غداری اور عہد شکنی سے باز نہیں رہ سکتے تھے۔ انہوں نے اس معاہدہ کی آڑ میں ایذا رسانیوں اور سازشوں کا ایک منظّم سلسلہ شروع کردیا۔ مثلاً اوس و خزرج قبائل میں تفرقہ ڈال کر خانہ جنگی کی وہی آگ بھڑکانے کی کوشش کی جو چند سال پیشتر تک دونوں گروہوں کی بربادی کا باعث بن چکی تھی اور وہ یہود کے دستِ نگر بن کر رہ گئے تھے۔

اسلام کے خلاف عداوت کے جنون نے یہود کو انتہائی پستی میں گرا دیا تھا اور اہل کتاب ہونے کا انکا دعویٰ بھی برائے نام رہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود مشرکین کے مسلک کو پیروان اسلام کے طور طریقوں سے بہتر اور قابل ترجیح بتاتے۔ اہل کتاب ہونے کے باوجود اسلام قبول کرنے پر تیار نہیں تھے۔ انہیں پیغمبرِ اسلام کی ذاتِ بابرکات کی جان و مال کے خلاف منصوبہ بندی کرنے میں بھی کوئی تامل نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ حضورؐ اگر رات کے وقت گھر سے نکلتے تو مومنین کو یہودیوں کے ہاتھوں آپکی جان کا خطرہ رہتا۔ منافقینِ مدینہ بھی جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا یہودیوں کے حلیف اور معاون تھے۔ معاہدۂ صحیفہ کی مخالفت میں یہودی پیش پیش تھے اور کشمکش کی ابتداء بھی قبیلہ بنو قنیقاع ہی سے ہوئی۔ انکی شرارتوں کا حال یہ کہ ایک عرب عورت کسی یہودی کی دکان پر سودا لینے گئی

حدیبیہ کا قدیم کنواں۔ جس کے نام پر اس جگہ کا نام حدیبیہ پڑ گیا۔ اسی کے قریب لشکر اسلام نے پڑاؤ کیا اور یہاں فوائد و لطائف پر مشتمل ایسے واقعات پیش آئے جن سے عامۃ المسلمین کو عموماً اور مجاہدین کو خصوصاً عہد کی پابندی، امیر کی کامل اطاعت اور آخر سانس تک میدان میں ڈٹے رہنے جیسے قیمتی سبق ملتے ہیں۔

جہاں اور بھی چند یہودی بیٹھے تھے کہ ان میں سے ایک نے خاتون کی بیخبری میں اسکے لباسِ زیریں کا ایک گوشہ کانٹے کے اوپر والے کپڑوں میں ٹانک دیا۔ جب وہ چلی تو برہنہ ہوگئی اور اس نے چیخ ماری تو یہودی اس پر ہنسنے لگے۔ ایک مسلمان نے یہ کیفیت دیکھی تو شرارت کرنے والوں پر حملہ کردیا۔ اسی کشمکش میں یہودی دکاندار مارا گیا تو دوسرے یہودیوں نے مل کر اس غیور مسلمان کو شہید کرڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس افسوس ناک واقعہ کی خبر ملی تو آپؐ نے بنوقنیقاع کے رؤسا و اکابرین کو جمع کر کے نرمی سے سمجھایا، لیکن وہ نرمی سے ماننے والے کہاں تھے انہوں نے اپنی غلطی تسلیم نہ کی اور بگڑ کر چلے گئے۔ آنحضرتؐ ۲۳۔ ذیقعد ۵ھ کو غزوۂ خندق سے مدینہ واپس تشریف لائے تھے اور ایک سال تک اس قسم کے چھوٹے موٹے واقعات پیش آتے رہے۔ جس میں غزوہ بنی مصطلق بھی ایک اہم غزوہ تھا جس کا اختصاراً ذکر کیا جا چکا ہے۔ البتہ اس دوران واقعہ اِفک پیش آیا جو قابل ذکر ہے۔

واقعہ اِفک

اگرچہ غزوۂ مصطلق جنگی نقطہ نظر سے کوئی بھاری بھرکم غزوہ نہیں تھا البتہ اس حیثیت سے اسکی بڑی اہمیت ہے کہ اسکے دوران چند واقعات ایسے رونما ہوئے جنکی وجہ سے اسلامی معاشرے میں بہت اضطراب اور ہل چل مچ گئی اور جس کے نتیجے میں ایک طرف منافقین کا پردہ فاش ہوا تو دوسری طرف ایسے تعزیری قوانین نازل ہوئے جن سے اسلامی معاشرے کو شرف وعظمت اور پاکیزگی نفس کی ایک خاص شکل عطا ہوئی۔ ان واقعات میں سے زیرتذکرہ ایک واقعہ جو واقعہ اِفک کے نام سے مشہور ہے اور اسے بیان کرنا اہم ہے۔

اس واقعہ کا ماحصل یہ ہے کہ حضورؐ کا دستور تھا کہ سفر میں جاتے ہوئے ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے اور جس کا نام قرعہ میں نکلتا اسے اپنے ہمراہ لے جاتے۔ اس غزوہ میں قرعہ حضرت عائشہؓ کے نام نکلا اور آپؐ انہیں اپنے ہمراہ لے گئے۔ غزوہ سے واپسی پر ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا اور حضرت عائشہؓ حاجت کیلئے کچھ دُور چلی گئیں، جب واپس لوٹیں تو کارواں واپسی کیلئے تیار ہو رہا تھا۔ مگر

انہیں احساس ہوا کہ اپنی بہن کا ہار جسے عاریتاً لے گئی تھیں گلے میں موجود نہیں۔ اس کا احساس ہوتے ہی فوراً اسی جگہ واپس لوٹیں جہاں ہار گم ہونے کا اندیشہ تھا۔ اسی دوران میدان میں وہ لوگ آئے جو آپکا ہودج اٹھا کر اونٹ پر سوار کرواتے تھے اور انہوں نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ آپؓ ہودج میں تشریف فرما ہو چکی ہیں آپکا ہودج اٹھایا اور اونٹ پر لاد دیا۔ ان لوگوں نے ہودج کے ہلکے پن کو بھی محسوس نہ کیا کیونکہ آپؓ اس وقت نوعمر تھیں اور بدن بھی فربہ یا بھاری نہیں تھا۔

بہر حال حضرت عائشہؓ ہار ڈھونڈ کر قیام گاہ واپس پہنچیں تو میدان خالی تھا اور تمام لشکر جا چکا تھا۔ وہ اس خیال سے وہیں بیٹھ گئیں کہ لوگ انہیں نہ پائیں گے تو پلٹ کر اسی جگہ تلاش کرنے آئیں گے۔ مگر اللہ اپنے امر پر غالب ہے اور جو چاہے تدبیر فرماتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے حضرت عائشہؓ کی آنکھ لگ گئی اور آپؓ وہیں سو گئیں۔ صبح دم صفوانؓ بن معطل کی آواز کان میں پڑی ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' رسولؐ اللہ کی بیوی۔۔۔؟ وہ پچھلی رات سے سفر کرتے ہوئے صبح دم یہاں پہنچے تھے۔ انہوں نے اپنی سواری کو بٹھا کر حضرت عائشہؓ کے قریب کر دیا حضرت عائشہ اس پر سوار ہو گئیں اور وہ نکیل پکڑے پیدل چلتے ہوئے لشکر کے اگلے پڑاؤ تک پہنچ گئے۔ تمام راستے صفوانؓ نے سوائے اناللہ کے زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالا۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اور لشکر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔

ان دونوں کو اس کیفیت میں آتا دیکھ کر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں اس پر تبصرہ کیا۔ اللہ کے دشمن عبداللہ بن ابی کو اپنے نفاق کو ظاہر کرنے اور اپنی دلی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ اس نے ایک پاکباز ناموسِ رسولؐ پر بدکاری کی تہمت جڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ اسکے ساتھی بھی اسی بات کو بنیاد بنا کر اس کا تقرب حاصل کرنے کیلئے اس خاکے میں گندے رنگ بھرنے لگ گئے۔ مدینہ پہنچ کر ان تہمت تراشوں نے خوب جم کر پروپیگنڈا کیا۔ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے اور کچھ بول نہیں رہے تھے، لیکن جب مہینہ بھر کے لمبے عرصہ تک وحی نہ آئی تو آپؐ نے عائشہؓ سے علیحدگی کے بارے سوچنا شروع کر دیا اور پھر اپنے خاص صحابہ سے مشورہ کیا۔ پراپیگنڈے کا اثر اس قدر شدید تھا کہ حضرت علیؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشاروں کنائیوں میں علیحدگی اختیار کرنے اور کہیں اور نکاح کر لینے کی

رائے دے ڈالی۔ لیکن حضرت اسامہؓ اور دوسرے کچھ صحابہؓ نے رائے دی کہ آپ ﷺ انہیں اپنی زوجیت میں برقرار رکھیں اور عبداللہ بن ابی جیسے منافقوں کی باتوں پر کان نہ دھریں۔

اُدھر حضرت عائشہؓ اس غزوہ سے واپس آتے ہی ایسی بیمار پڑ گئیں کہ ایک ماہ تک مسلسل بیمار رہیں۔ انہیں اس تہمت کے بارے ابھی تک کچھ معلوم نہ تھا۔ البتہ انہیں یہ بات ضرور کھٹکتی تھی کہ بیماری کی حالت میں حضورؐ کی طرف سے جو لطف وعنایت ہوا کرتی تھی وہ کیوں نظر نہیں آرہی۔ بیماری ختم ہوئی تو اُمِّ مسطح کے ہمراہ قضائے حاجت کیلئے میدان میں گئیں جہاں اتفاق سے امِّ مسطح اپنی چادر میں الجھ کر گر پڑیں تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی' گویا انکے گرنے میں انکے بیٹے کا ہاتھ ہو۔ حضرت عائشہؓ نے اِس حرکت پر انہیں ٹوکا' تو انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو (یہ بتلانے کیلئے کہ میرا بیٹا بھی اس بہتان تراشی کے پروپیگنڈے میں شامل ہے) تہمت جڑنے کا تمام واقعہ کہہ سنایا۔

حضرت عائشہؓ نے واپس آکر اس واقعہ کا ٹھیک ٹھیک پتا لگانے کیلئے آنحضرتؐ سے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت طلب کی' پھر اجازت پاکر والدین کے پاس تشریف لے گئیں۔ جب صورتِ حال کا یقینی طور پر علم ہو گیا تو بے اختیار رونے لگیں اور مسلسل ایک دن اور دو راتیں روتے روتے گزر گئیں۔ اس دوران نہ سوئیں نہ آنسوؤں کی جھڑی رکی۔ انہیں بار بار یوں محسوس ہوتا جیسے ابھی انکا کلیجہ شق ہو جائیگا۔

اسی حالت میں آنحضرتؐ تشریف لائے۔ کلمہ شہادت پر مشتمل خطبہ پڑھا اور امابعد کہہ کر فرمایا: ''اے عائشہؓ مجھے تمہارے متعلق ایسی کسی بات کا پتا چلا ہے کہ اگر تم اس سے بَری ہو تو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری برأت ظاہر فرمادے گا' اور اگر خدانخواستہ تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو' تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگو اور توبہ کرو۔ کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ اسکی توبہ قبول کر لیتا ہے''۔

یہ سنتے ہی حضرت عائشہؓ کے آنسو یک دم رک گئے اور انہوں نے اپنے والدین سے کہا: آپ جواب دیں' لیکن انکو سمجھ ہی نہ آرہا تھا کہ کیا جواب دیں۔ اسکے بعد حضرت عائشہ نے خود ہی کہا: واللہ میں

جانتی ہوں کہ یہ بات سنتے سنتے آپ لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے بالکل سچ سمجھ لیا ہے۔اس لئے اگر میں یہ کہوں کہ میں بَری ہوں ۔۔۔اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بَری ہوں۔تو آپ لوگ میری بات سچ نہ سمجھیں گے اور اگر میں کسی بات کا اعتراف کرلوں (حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بَری ہوں) تو آپ لوگ اسے صحیح مان لیں گے۔ایسی صورت میں واللہ میرے لئے اور آپ لوگوں کیلئے وہی مثل ہے جیسے یوسفؑ کے بھائیوں کو انکے والد نے کہا تھا کہ ''صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم لوگ کہتے ہو اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے''۔(۱۸:۱۲۱)

اسکے بعد حضرت عائشہ دوسری طرف جا کر لیٹ گئیں اور اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔پھر جب آپؐ سے وصولِ وحی کی شدت و کیفیت ختم ہوئی تو حضورؐ مسکرا رہے تھے۔اس مسکراہٹ میں یک گنا اطمینان اور اللہ کی شکر گزاری پنہاں تھی اور آپؐ نے جو پہلی بات فرمائی وہ یہ تھی کہ:اے عائشہ اللہ نے تمہیں بَری کر دیا۔اس پر خوشی سے ان کی ماں بولیں: عائشہ! حضورؐ کی جانب اٹھو۔انہوں نے اللہ کی جانب سے اپنے دامن کی بَرأت اور حضورؐ کی محبت پر اعتماد و وثوق کے سبب قدرے ناز کے انداز میں کہا:'' واللہ میں تو انکی طرف نہ اٹھوں گی اور صرف اللہ کی حمد کروں گی''۔اس موقع پر واقعہ اِفک سے متعلق جو آیات نازل ہوئیں وہ سورۃ نور کی گیارہ تا بیس نمبر آیات یہ ہیں:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّکُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ؕ لِکُلِّ امْرِیٴٍ مِّنْهُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ(۱۱) لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْکٌ مُّبِیْنٌ(۱۲) لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ(۱۳) وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّکُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ(۱۴) اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِکُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِکُمْ مَّا لَیْسَ لَکُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ(۱۵) وَ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَکُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَکَلَّمَ

بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (١٦) يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ (١٧) وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (١٨) اِنَّ الَّذِيْنَ
يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ
الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (١٩) وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ
وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۧ (٢٠) (سورۃ:نورترجمہ ۱۱تا۲۰)

''بیشک وہ کہ یہ بڑا بہتان لگاتے ہیں تم ہی میں کی ایک جماعت ہے تم اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کیلئے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور ان میں سے جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کیلئے بڑا عذاب ہے (۱۱) کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان ہے (۱۲) اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے اور جب گواہ ہی نہ لائے تو اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں (۱۳) اور اگر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتی تو جس چرچے میں تم پڑے اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا (۱۴) جب تم ایسی بات ایک دوسرے سے سن کر اپنی زبانوں پر لاتے تھے اور اپنے منہ سے وہ نکالتے تھے جس کا تمہیں علم نہیں اور اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے (۱۵) اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا ہمیں (حق) نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کریں الٰہی پاکی ہے تجھے یہ بہت بڑا بہتان ہے (۱۶) اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب ایسا کبھی نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو (۱۷) اور اللہ تمہارے لئے آیتیں صاف بیان فرماتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے (۱۸) اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں برا چرچا پھیلے ان کیلئے دردناک عذاب ہے دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۱۹) اور اگر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت تم پر نہ ہوتی تو اسکا مزہ چکھتے اور یہ کہ اللہ تم پر نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے (۲۰)

اسکے بعد تہمت تراشی کے جرم میں مسطح بنؓ اثاثہ‘ حسانؓ بن ثابت اور ہمنہؓ بنت جحش کو اسّی اسّی کوڑے مارے گئے۔ البتہ عبداللہ بن ابی کسی طرح اس سزا سے بچ گیا حالانکہ وہی اس سازش کا سرغنہ اور تہمت تراشوں میں سرِ فہرست تھا۔ غالباً اس میں حضورؐ کی کوئی مصلحت تھی اور اس کیلئے عذاب اُخروی میں دردناک عذاب کی وعید آ ہی چکی تھی اور دنیا میں گناہ کی سزا مل جانا گناہ کا کفارہ ہوتا۔

یوں ایک ماہ تک مدینہ کی فضا شک وشبہات اور قلق واضطراب کے بادلوں سے صاف ہو چکی تھی اور تہمت گھڑنے والا منافق اس طرح رسوا ہوا کہ اپنے لوگوں سمیت کسی کے سامنے سر نہیں اٹھا سکا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: اسکے بعد ابی جب بھی کوئی گڑبڑ کرتا‘ خود اسکی قوم کے لوگ اسکی گرفت کرتے اور اسکو عتاب ومخالفت کا سامنا کرنا پڑتا‘ کیونکہ اسکی پوری قوم ہی اسے نگاہِ نفرت سے دیکھنے لگی تھی۔ اس کیفیت کو دیکھ کر آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: ”اے عمرؓ اب بتاؤ کیا خیال ہے۔؟ دیکھو! واللہ اگر تم نے اس شخص کی اسی دن گردن ماردی ہوتی جس دن تم نے اس کو قتل کرنے کی بات کی تھی تو اس کے بہت سے ہمدرد اٹھ کھڑے ہوتے اور ایک فساد کھڑا ہو جاتا۔ آج اگر اسکے ان ہی ہمدردوں کو اس کے قتل کا حکم دیا جائے تو وہی لوگ بخوشی اسکو قتل کر ڈالیں گے“۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا ”واللہ مجھے خوب سمجھ میں آ گیا کہ آپکا معاملہ میرے معاملے سے بدرجہا بہتر اور بابرکت ہے“۔

بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ

ذیقعد ۶ ھ کو حضورؐ نے ادائے عمرہ کا قصد فرمایا۔ کچھ مورخین کا خیال ہے مدینہ میں عبداللہ بنؓ امّ مکتوم کو اپنا جانشین بنایا جبکہ ابن ہشام کا خیال ہے کہ نمیلہ بن عبداللہ اللیثی کو جانشین بنایا گیا تھا۔ ذیقعد کی یکم تاریخ تھی اور ازواج مطہرات میں سے امّ سلمہؓ ساتھ تھیں۔ قربانی کیلئے ستر اونٹ تھے جن میں سے ایک اونٹ ابوجہل کا تھا‘ جسکے ناک میں چاندی کا حلقہ تھا اور یہ غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں سے تھا۔ آپؐ نے ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کی رسمیں ادا کیں اور احتیاطاً بشیر بن صفیان الکعبی کو قریش کے عزائم کی خبر لانے کیلئے آگے بھیج دیا۔ حضورؐ عصفان کے قریب پہنچے تو بشیر بن صفیان نے واپس آ کر اطلاع دی

کہ قریش کو آپکی تشریف آوری کی خبر مل چکی ہے اور انہوں نے آس پاس کے تمام قبیلوں کو کہہ دیا ہے کہ آپکو روکا جائے۔ وہ خود بھی لاؤ لشکر کے ساتھ طویٰ میں آ بیٹھے ہیں کہ آپکو ہرگز حرم میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ حضورؐ نے خون خرابے سے بچنے کیلئے اس راستہ سے جانے کی بجائے دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ قبیلہ بنو اسلم کے ایک فرد نے آپکی رہنمائی کی اور آپؐ ایک دشوار گزار راستہ سے ہوتے ہوئے ثنیۃ المراء پہنچے‘ جو حدیبیہ کے پاس واقع ہے۔ وہاں پہنچ کر آنحضرؐت کی سواری بیٹھ گئی اور ہر چند کوشش کرنے کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوئی۔ یہ خدا کی طرف سے نشان تھا کہ یہیں قیام ہونا چاہیئے چنانچہ آپؐ وہیں ٹھہر گئے۔ حدیبیہ وہی جگہ ہے جسے آجکل شمیسی کہتے ہیں۔ جدہ کی طرف سے مکہ مکرمہ جائیں تو یہ عین حدِ حرم پر واقع ہے‘ نام بدل گیا ہے جبکہ جگہ وہی ہے۔ مکہ سے اس کا فاصلہ تقریباً چودہ میل ہے اور اس جگہ جو بلند مینار ہیں اسی بات کے غماز اور نشان ہیں کہ آپؐ اسی جگہ ٹھہرے تھے۔

اسی مقام پر قریش کے نمائندے اور قاصد آ کر آپؐ سے ملے۔ سب سے پہلے قبیلہ خزاعہ کا رئیس بدیل بن ورقا اپنی قوم کے چند سواروں کے ساتھ حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ قریش نے لڑنے کا حلف اٹھایا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے صرف زیارت وطواف کی نیت سے آئے ہیں‘ اس لئے اگر کوئی ہمیں روکے گا تو مجبوراً اس سے لڑنا پڑے گا۔ بدیل نے واپس جا کر حقیقتِ حال قریش کے گوش گزار کر دی۔ پھر قریش کی طرف سے مکرز بن حفص اور حلیس بن علقمہ آئے‘ ان لوگوں کے نزدیک ہدی کے نشان زدہ جانوروں کا بہت احترام تھا‘ بطورِ خاص حلیس قربانی کے ستر اونٹ دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر قریش سے کہا تمہیں کسی کو کعبہ کی زیارت وطواف سے روکنے کا حق نہیں۔ وہ لڑنے نہیں آئے‘ انکے ساتھ ہدی کے ستر اونٹ ہیں‘ اگر تم لوگ انہیں عمرہ کی اجازت نہیں دیتے تو میں اپنا لشکر لے کر الگ ہو جاؤں گا۔ اس پر عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا: میں جا کر صورتِ حال کا اندازہ کرتا ہوں۔ اس نے آ کر بات چیت کا آغاز یہاں سے کیا کہ: قریش چیتے کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں اور انہوں نے عہد کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حرم میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ لڑائی کے وقت آپکے ساتھی آپکو تنہا چھوڑ جائیں۔ اس کا اتنا ہی کہنا تھا کہ حضرت صدیقؓ اکبر سخت مشتعل ہو کر اسے

ڈانٹنا شروع ہو گئے۔ عروہ واپس گیا تو خاصہ متأثر دکھائی دیتا تھا۔ جاتے ہی قریش سے کہنے لگا: میں نے قیصر و کسریٰ کے اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں' لیکن عقیدت و وارفتگی اور جاں نثاری کے ایسے منظر کبھی نہیں دیکھے جو محمدؐ کے ساتھیوں میں پائے جاتے ہیں۔ وہ کھنگار بھی پھینکتے ہیں تو مسلمان اسے اپنے ہاتھوں پر لے لیتے اور اپنے کپڑوں پر مَل لیتے ہیں۔ محمدؐ کے وضو کا پانی زمین پر گرنے سے قبل ہی وہ لوگ لے کر پی جاتے ہیں یا تبرک کیلئے ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو باقی سب کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں۔ انکے کسی بھی حکم پر سب لوگ یوں دوڑ پڑتے ہیں جیسے انکے درمیان ریس لگی ہو' اور وہ ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش میں ہوں۔ اس پر سردارانِ قریش سکتہ کی حالت میں آ گئے۔

اسی اثناء میں حضورؐ نے خراشؓ بن امیہ خزاعی کو فیصلہ کن جواب لانے کے لئے بھیجا اور سواری کیلئے ''ثعلب'' نامی اپنا ایک اونٹ مرحمت فرمایا۔ قریش نے دیکھتے ہی خراشؓ پر حملہ کر دیا اور اونٹ کو مار ڈالا' وہ انہیں بھی مار دینا چاہتے تھے مگر متحدہ گروہ نے ان کو بچا لیا۔ قریش برابر غیض و غضب میں تھے اور لڑائی کے بہانے ڈھونڈ رہے تھے۔ انہیں بدر میں شکست فاش ہوئی اور انکے چوٹی کے سردار مارے گئے' اُحد میں بھی انہیں فتح حاصل نہ ہو سکی اور حال ہی میں غزوۂ خندق میں ایک کثیر التعداد لشکر ہمراہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کو کوئی زَک تک نہ پہنچا سکے۔ اسی تلخی میں انہوں نے اپنے کچھ لوگ جن کی تعداد چالیس تا اسّی کے درمیان تھی اس مقام کی طرف روانہ کئے جہاں حضورؐ قیام فرما تھے۔ اس لشکر کو تاکید تھی کہ جہاں کہیں اکا دکا مسلمان پائیں اسے قتل کر ڈالیں۔ مگر جیسے ہی یہ لشکر وہاں پہنچا چوکس مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا۔ حضور رحمۃ العالمینؐ نے قیام امن کیلئے انہیں معاف فرما کر واپس جانے کی اجازت دیدی۔ کیونکہ آنحضرتؐ کا مقصد لڑائی نہیں صرف زیارت و طواف بیت اللہ تھا۔

بیعت رضوان

خراشؓ بن امیہ کے بعد آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ جا کر ان سے بات کریں۔ عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں میرے قبیلے بنو عدی بن کعب کا کوئی آدمی موجود نہیں جو

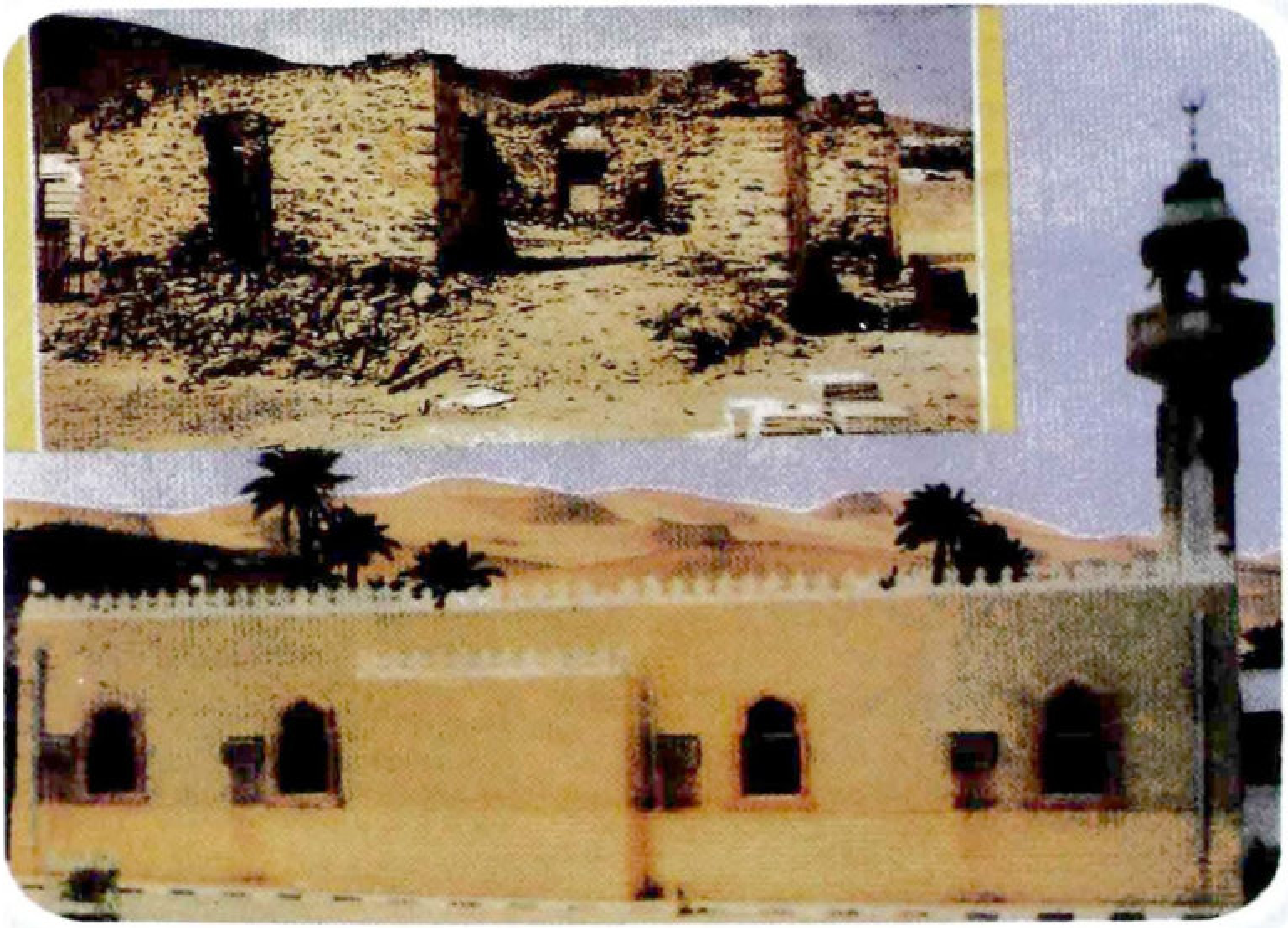

وہ مقام جہاں بیعت رضوان ہوئی

میری حمایت کر سکے اسلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو انکے ایک عزیز ابان بن سعید کے زیر حمایت بھیجا گیا جن کے قبیلے کو قریش میں اس وقت درجۂ ریاست وسالاری حاصل تھا۔حضرت عثمانؓ نے اشرافِ قریش کو یہ پیغام پہنچا دیا کہ ہم اس وقت صرف زیارت وطواف بیت اللہ کیلئے آئے ہیں۔انہوں نے کہا اگر آپؓ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہیں تو کر لیں۔مگر عثمانؓ نے تنہا طواف کرنا منظور نہ کیا اور فرمایا جب تک آنحضرتؐ سمیت تمام ساتھیوں کو طواف کرنے نہیں دیا جائیگا وہ بھی نہ کریں گے۔اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں گرفتار کر لیا گیا۔اسی دوران افواہ اُڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

اس وقت آنحضرتؐ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔آپؐ نے یہ بات سنتے ہی فرمایا کہ اب ہم یہاں سے اس وقت تک نہ ہٹیں گے جب تک قریش سے جنگ نہ کر لیں۔ساتھ ہی اپنے صحابہ کو بیعت کی دعوت دی۔ چنانچہ جاں نثاروں نے ایک دوسرے سے آگے بڑھ بڑھ کر اس بات پر بیعت کی کہ لڑنا پڑا تو ہر حال میں ثابت قدم رہیں گے۔حضورؐ نے اپنے داہنے ہاتھ میں اپنا بایاں ہاتھ لے کر اسے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیکر انکی طرف سے بھی بیعت کی۔یہی بیعت رضوان ہے جسے قرآن حکیم کی برکت سے ذکر دوام حاصل ہوا۔اس کا ذکر سورۃ فتح میں یوں فرمایا گیا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ (۱۸) (سورۃ: فتح)

”بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے تو اُن پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا“ (فتح:۱۸)

جب قریش کو اس بیعت کا علم ہوا تو ان پر عجیب قسم کا ہراس طاری ہو گیا' انہوں نے حضرت عثمانؓ کی فوری رہائی کا فیصلہ کیا اور دیکھا جائے تو یہ بیعت ہی انہیں صلح پر مائل کرنے کا باعث بھی بنی۔ آنحضرتؐ اس سے قبل فرما چکے تھے کہ: اگر قریش مجھ سے صلح کر لیں اور میرا معاملہ عربوں پر چھوڑ دیں' عرب مجھ پر غلبہ پالیں تو قریش کا مقصد خود ہی پورا ہو جائیگا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے غلبہ عطا فرمادے' تو عرب

گروہ درگروہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قریش نے صلح کی مستقل گفتگو کرنے کیلئے سہیل بن عمرو کو اپنا مختار بنا کر بھیجا اور پھر مندرجہ ذیل شرائط پر صلح طے ہو گئی۔

معاہدۂ حدیبیہ کی شرائط

(۱)۔دس سال تک لڑائی موقوف رہے گی' لوگ امن و امان کی زندگی بسر کریں گے اور اس اثناء میں ایک دوسرے کے ہاتھ رکے رہیں گے۔

(۲)۔۔مسلمان اس سال لوٹ جائیں آئندہ سال تین روز کیلئے آئیں اور طواف و زیارت کر لیں۔ شرط یہ ہو گی کہ وہ صرف تلواریں لا سکتے ہیں جو میانوں میں ہوں اور میانیں تھیلوں میں۔

(۳)۔۔قریش کا کوئی آدمی ولی کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس جائیگا تو قریش کے طلب کرنے پر اسے واپس کر دیا جائیگا اور اگر محمدؐ کا کوئی آدمی قریش کے پاس آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائیگا۔

(۴)۔۔فریقین ایک دوسرے سے بدعہدی یا خیانت نہیں کریں گے' دلوں کی کدورتیں دلوں ہی میں (دفن) رہیں گی' ظاہر نہ کی جائیں گی۔

(۵)۔۔جو کوئی فرد یا قبیلہ چاہے محمدؐ سے اور جو چاہے قریش سے معاہدہ کر سکتا ہے۔ گویا وہ لوگ فریقین کی طرف سے شامل معاہدہ سمجھے جائیں گے۔

اسکے بعد آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا تا کہ تحریر لکھ دیں اور خود املا کروانے لگے۔ تحریر لکھی جا رہی تھی تو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھا دیکھ کر سہیل نے کہا ہم نہیں جانتے کہ رحمان یا رحیم کیا ہے؟ آپؐ یوں لکھوائیں 'باسمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے) آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم فرمایا: علیؑ یہی لکھ دو۔ اس کے بعد املا کرائی کہ یہ وہ بات ہے جس پر محمد الرسولؐ اللہ نے مصالحت کی۔ اس پر سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ اگر ہم جانتے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپکو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے لہٰذا آپ محمدؐ بن عبداللہ لکھوایئے۔ آپؐ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ۔ پھر حضرت علی رضی اللہ کو حکم فرمایا کہ: محمد بن عبداللہ لکھ دیں اور رسول اللہ کے الفاظ

مٹا دیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے کسی صورت گوارا نہ کیا کہ اس لفظ کو مٹا دیں لہٰذا حضورؐ نے خود یہ الفاظ مٹا دیئے۔ یہ چند تحریری رکاوٹیں دُور ہونے کے بعد اس معاہدہ پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔ ابن ہشام کے مطابق جن حضرات نے دستخط فرمائے ان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ بن خطاب، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو، مکرزؓ بن حفص، ہودؓ بن مسلم، اور حضرت علیؓ بن ابو طالب شامل ہیں۔

اس معاہدہ کے بعد بنو خزاعہ نے اعلان کر دیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ بعد ازاں آپؐ نے وہ اونٹ قربان کئے جو اسی مقصد کیلئے ساتھ لائے تھے۔ صحابہؓ نے حضورؐ کی پیروی کی بعض نے حلق کرایا اور بعض نے قصر پر اکتفاء کیا اور پھر معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق عمرہ ادا کئے بغیر واپس لوٹ گئے۔ واپسی پر راستہ میں سورۃ فتح نازل ہوئی جس میں اُن نشانیوں کا ذکر فرمایا گیا تھا جن کے ظہور کی ساعت اب قریب آن پہنچی تھی۔

معاہدہ حدیبیہ ذیقعد ۶ ھ کو ہوا تھا اس لئے آئندہ سال یعنی ذی قعد ۷ ھ کو آنحضرتؐ عمرہ کی نیت سے دوبارہ تشریف لائے۔ اس مرتبہ آپکے ساتھ دو ہزار صحابہ کرامؓ تھے، اونٹوں کے علاوہ کچھ گھوڑے بھی ساتھ تھے اور ہدی کیلئے سات اونٹ الگ سے ساتھ لے لئے تھے۔ آپؐ مرالظہر ان میں اترے، اسلحہ بطن یاجج میں بھیج دیا جہاں سے حرم کے بت نظر آتے تھے۔ چونکہ تلواروں کے علاوہ اور کوئی اسلحہ ساتھ نہیں لینا تھا اس لئے اوسؓ بن خولی انصاری کو ایک سو رفیقوں کے ساتھ اسلحہ کی حفاظت کیلئے متعین فرمایا، اور باقی اصحابؓ کے ہمراہ مکہ میں داخل ہوئے۔ آنحضرتؐ قصواء پر سوار تھے جس کی مہار عبداللہ بن رواحہؓ نے تھام رکھی تھی۔ اسی حالت میں طواف وسعی سے فارغ ہو کر مروَہ کے قریب قربانی ادا فرمائی۔ اہل مکہ آس پاس کے پہاڑوں پر چلے گئے تھے۔ اس دوران آپکے حکم سے حضرت بلالؓ نے مسجد حرام میں اذان بھی کہی۔ حضورؐ کیلئے چمڑے کا ایک خیمہ نصب کر دیا گیا تھا جہاں آپؐ نے قیام مکہ کے تین روز گزارے۔ پھر حفاظتِ اسلحہ کیلئے ایک اور جماعت کو یاجج روانہ فرمایا تا کہ محافظین بھی عمرہ ادا کر سکیں۔ یاجج مکہ مکرمہ سے آٹھ میل دُور ایک مقام ہے جہاں ایک قول کے مطابق حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو

سولی دیکر شہید کر دیا گیا تھا۔ وہاں ایک مسجد بن گئی تھی جو مسجد شجرہ کہلاتی تھی اور وہ مسجد تیغم سے دو میل دُور ہے۔ تین روز قیام کے بعد آنحضرتؐ نے مکہ سے روانہ ہو کر ''سرف'' میں قیام فرمایا جو شمال میں آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اسی سفر میں آپؐ نے حضرت میمونہ بنت حارث سے نکاح فرمایا۔ یہ نکاح حضرت عباسؓ کے کہنے پر فرمایا جن کی اہلیہ امّ الفضل میمونہؓ کی ہمشیرہ تھیں۔

آپؐ مدینہ منورہ پہنچے تو حج کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ یہی دَور تھا جس میں صلح حدیبیہ کے بعد ۸ھ میں حضرت عثمانؓ بن طلحہ ایمان لائے اور تاریخ کے دو ممتاز سالاروں عَمروؓ بن عاص اور خالدؓ بن ولید نے اسلام قبول کیا۔ جب یہ لوگ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔

مہاجرہ عورتوں کی واپسی سے انکار

معاہدۂ حدیبیہ کی شرط نمبر ۳۔ کی رُو سے یہ طے تھا کہ ''قریش کا کوئی آدمی ولی کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس جائیگا تو قریش کے طلب کرنے پر اسے واپس کر دیا جائیگا اور اگر محمدؐ کا کوئی آدمی قریش کے پاس آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائیگا۔ اس پر معمول کے مطابق عمل ہوتا رہا لیکن اس کے بعد کچھ مومنہ عورتیں ہجرت کر کے مدینہ آگئیں تو انکے ولیوں نے مطالبہ کر دیا کہ حدیبیہ کی صلح کی شرائط کے مطابق انہیں واپس کیا جائے۔ لیکن آنحضرتؐ نے انکا مطالبہ اس دلیل کی بناء پر ردّ فرما دیا کہ معاہدہ میں جو لفظ لکھا گیا تھا وہ ''رجل'' ہے یعنی آدمیوں کے بارے ہے نا کہ عورتوں کے بارے۔ پھر انہیں معاہدہ کی اِس شق کو پڑھوایا گیا جو یہ تھا:۔

> ''اور یہ معاہدہ اس شرط پر کیا جا رہا ہے کہ ہمارا جو آدمی آپؐ کے پاس جائیگا آپؐ اسے لازماً واپس دیں گے خواہ وہ آپکے دین پر ہی کیوں نہ ہوں''۔

لہٰذا عورتیں تو اس معاہدہ میں سرے سے داخل ہی نہ تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے اسی مد میں سورۃ الممتحنہ کی یہ آیت نازل فرمائی:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

بِاِیۡمَانِہِنَّ ۚ فَاِنۡ عَلِمۡتُمُوۡہُنَّ مُؤۡمِنٰتٍ فَلَا تَرۡجِعُوۡہُنَّ اِلَی الۡکُفَّارِ ؕ لَا ہُنَّ حِلٌّ لَّہُمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحِلُّوۡنَ لَہُنَّ ؕ وَ اٰتُوۡہُمۡ مَّاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ تَنۡکِحُوۡہُنَّ اِذَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ ؕ وَ لَا تُمۡسِکُوۡا بِعِصَمِ الۡکَوَافِرِ وَ سۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ وَ لۡیَسۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ ذٰلِکُمۡ حُکۡمُ اللّٰہِ ؕ یَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ (۱۰)
(الممتحنہ:۱۰)

یعنی:۔ ’’اے اہل ایمان جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو اُن کا امتحان لو۔ اللہ اُن کے ایمان کو بہتر جانتا ہے پس اگر انہیں مومنہ جانو تو کفار کی طرف نہ پلٹاؤ نہ وہ کفار کیلئے حلال ہیں نہ کفار انکے لئے حلال ہیں البتہ انکے کافر شوہروں نے ان کو جو مہر ادا کیے تھے اسے واپس کردو اور پھر تم پر کوئی حرج نہیں کہ ان سے نکاح کرلو جبکہ انہیں انکے مہر ادا کرو اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو اور مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور کفار کو دیدو جو انہوں نے خرچ کیا یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے‘‘ (الممتحنہ :۱۰)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب کوئی مومنہ عورت ہجرت کر کے آتی تو آپؐ اللہ کے اس ارشاد کی مطابق اس کا امتحان لیتے اور سورۃ الممتحنہ ہی میں آگے آنے والی آیت (۱۲:۶۰) کے موافق اُن سے مندرجہ باتوں پر بیعت لیتے:۔

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الۡمُؤۡمِنٰتُ یُبَایِعۡنَکَ عَلٰۤی اَنۡ لَّا یُشۡرِکۡنَ بِاللّٰہِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡرِقۡنَ وَ لَا یَزۡنِیۡنَ وَ لَا یَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَہُنَّ وَ لَا یَاۡتِیۡنَ بِبُہۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ وَ اَرۡجُلِہِنَّ وَ لَا یَعۡصِیۡنَکَ فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَایِعۡہُنَّ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَہُنَّ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (۱۲) (سورۃ:الممتحنہ)

یعنی:۔ ’’اے نبیؐ جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی‘ چوری نہ کریں گی‘ زنانہ

کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی معروف بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو اُن سے بیعت لے لو اور اُن کے لئے اللہ سے دعاء مغفرت کرو، یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے" (الممتحنہ:۱۲)

چنانچہ جو عورتیں اس آیت میں مذکور شرائط کی پابندی کا عہد کرتیں، آپؐ ان سے فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔ پھر انہیں واپس نہ کرتے۔ اس حکم کے مطابق مسلمانوں نے اپنی کافرہ بیویوں کو طلاق دیدی۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی زوجیت میں دو عورتیں تھیں جو شرک پر قائم تھیں (یعنی اب بھی اسلام قبول کرنے سے انکاری تھیں) جنہیں آپؓ نے طلاق دیدی۔ پھر ایک سے معاویہ نے شادی کر لی اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے۔

معاہدۂ حدیبیہ کی دفعات کا ماحصل

معاہدہ حدیبیہ کی شرائط میں مسلمان بظاہر کمزور اور قریش سے دبے نظر آتے ہیں اور بطورِ خاص ان دفعات میں دو باتیں بظاہر اس قسم کی تھیں کہ جن کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت غم و الم لاحق ہوا۔ ایک تو یہ کہ آپؐ نے بتایا تھا کہ آپؐ بیت اللہ تشریف لیجا رہے ہیں اور طواف بھی کریں گے لیکن آپؐ بغیر طواف کیے واپس ہو رہے تھے۔ دوسرے یہ کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور حق پر ہیں اور اللہ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا وعدہ کیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپؐ نے قریش کا دباؤ قبول کیا اور ایسی شرائط پر صلح کی۔ یہ دونوں باتیں طرح طرح کے شبہات کو جنم دے رہی اور وسواس و گمان پیدا کر رہی تھیں۔

مسلمانوں کے احساسات اس قدر مجروح تھے کہ وہ ان شرائط کی گہرائی اور مآل پر غور کرنے کی بجائے غم و حزن سے نڈھال پڑے تھے۔ بطورِ خاص حضرت عمرؓ غالباً سب سے زیادہ دل آزردہ تھے۔ انہوں نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر پوچھا: یارسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں اور ہمارے شہدا جنت میں نہیں اور کیا انکے مقتولین دوزخی نہیں۔ آپؐ فرمایا کیوں نہیں۔ تو عمرؓ نے عرض کیا: پھر کیا وجہ کہ ہم اپنے دین کے بارے کسی کا دباؤ قبول کریں۔ اور کیا آپؐ نے ہم سے نہ کہا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں

گے۔آپؐ نے فرمایا میں نے یہ کہاں کہا تھا کہ ہم اسی سال طوافِ بیت اللہ کریں گے۔؟انہوں نے کہا: نہیں۔تو آپؐ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: بہر حال تم بیت اللہ تک پہنچو گے اور طواف بھی کرو گے۔ پھر بھی عمرؓ غصے میں بپھرے ہوئے اٹھ کر چل دیئے۔اسکے بعد آیت" اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (۱/ سورۃ: فتح) نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے عمرؓ بن خطاب کو بلا کر سنائی اور فرمایا دیکھو: اللہ نے اس صلح کو ہماری فتح مبین قرار دیا ہے۔وہ کہنے لگے: یارسول اللہ کیا واقعی یہ صلح ہماری فتح ہے۔آپؐ نے فرمایا: ہاں۔اس سے انکے دل کو سکون ہو گیا اور وہ واپس چلے گئے۔بعدازاں انہیں اپنی تقصیر کا احساس ہوا تو وہ سخت نادم و شرمسار ہوئے اور اللہ کے حضور معافی کے طالب ہوئے۔تو آیئے صلح حدیبیہ کی شرائط کی گہرائی اور اسکے انجام خیر سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اسکے ماحصل کی کھوج کریں۔

جو شخص صلح حدیبیہ کی دفعات کا انکے پس منظر سمیت جائزہ لے گا اسے کوئی شبہ نہ رہے گا کہ یہ معاھدہ مسلمانوں کی فتح عظیم تھا۔کیونکہ قریش نے مسلمانوں کا وجود اب تک تسلیم نہ کیا تھا اور انہیں نیست و نابود کرنے کا تہیّہ کیے بیٹھے تھے۔انہیں یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دیگی۔اس کے علاوہ قریش (دینی پیشوا اور دنیاوی سرداری کے حاملین ہونے کی حیثیت سے)اسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان دیوار کی مانند پوری قوت سے حائل رہنے کیلئے کوشاں رہتے تھے۔

اس پس منظر میں دیکھئے تو قریش کا صلح کی جانب جھک جانا بھی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف ہے اور قریش نے اندر سے یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ وہ مسلمانوں کی قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔پھر تیسری دفعہ کے پیچھے صاف طور پر یہ نفسیاتی کیفیت کارفرما نظر آتی ہے کہ قریش کو دنیاوی صدرنشینی اور دینی پیشوائی کا جو منصب حاصل تھا اسے انہوں نے بالکل بھلا دیا تھا اور اب انہیں صرف اپنی پڑی تھی۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ انکے بقیہ لوگوں کا کیا بنتا ہے۔انکی طرف سے سارا جزیرۃ العرب بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے تو قریش کو اسکی پروا نہیں تھی۔اس وقت تو وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ عقیدے اور دین کے بارے لوگوں کو مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو جائے۔یعنی اپنی آزاد مرضی سے کوئی شخص

مسلمان ہونا چاہے یا کوئی شرک و کفر پر کھڑا رہے' کوئی طاقت ان کے سامنے دیوار بن کر کھڑی نہ ہو۔اور انہیں یہ میسر آ گیا تھا۔

قریش کے مقاصد اور عزائم کے لحاظ سے صلح حدیبیہ کیا انکی شکست فاش نہیں ہے۔؟ آخر اعدائے اسلام اور مسلمانوں کے درمیان جو خون ریز جنگیں پیش آئیں وہ کیا اسی مقصد براری کیلئے نہیں تھیں کہ انہیں انکے کفر و شرک پر کوئی روک ٹوک لگانے والا نہ رہے۔اور اگر کوئی باز نہ آئے تم ہم اسے نابود کر ڈالنے کیلئے تلوار کا استعمال کریں۔مسلمانوں کو تو بالجبر تلوار اٹھانے پر مجبور کیا گیا وگرنہ کفار کے عزائم کے عین مطابق وہ تو اسلام کے نو پید پیڑ کو جڑ سے نکال پھینکنے کیلئے جان تک کی بازی لگا چکے تھے۔جبکہ مسلمانوں کا جنگی کاروائیوں میں شامل ہونا انکا شوق نہیں مجبوری تھا۔مسلمانوں کا یہ مقصد تو ہرگز نہ تھا کہ دشمن کے مال ضبط کئے جائیں' اموال چھیننے یا زبردستی اسلام قبول کروانے کیلئے تلوار کا استعمال کیا جائے۔

؎ شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

میں بحیثیت مؤلف' دنیا کے دانشوروں' عالموں' حق شناس مورخوں اور حق بیان راویوں سے سادہ اور عام سا سوال کرتا ہوں کہ کیا ''اللہ کا پیغام پہنچانے والوں کو بزور تلوار روکا جائے پھر اُن پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جائیں اور وہ تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مصداق اپنے بچاؤ میں اپنی جانوں کا نذرانہ لئے میدان جنگ میں اترنے پر مجبور ہو جائیں تو کیا پھر بھی ان کے سینوں پر ''تلوار سے اسلام پھیلانے والے'' کا تمغہ لگایا جانا' کیا درست فیصلہ ہوگا۔؟

شاید نہیں! کیونکہ ''اُتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے'' کے اصول کے مطابق مسلمان کرّہ ارض پر پھیلے ہوئے بحمد للہ موجود ہیں۔جہاں تک مسلمانوں کی طلایہ گردیوں اور فوجی گشتوں کا تعلق ہے تو اُن کا مقصد صرف یہ تھا کہ مشرکینِ قریش اپنے احمقانہ غرور اور اللہ کی راہ سے روکنے سے باز آجائیں اور مساویانہ بنیاد پر معاملہ طے کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔یعنی ہر فریق اپنی اپنی ڈگر پر گامزن رہنے پر آزاد ہو جائے۔اب غور کیجئے کہ دس سال جنگ بند رکھنے کا معاہدہ اس غرور اور اللہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے سے باز رہنے ہی کا تو معاہدہ ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ کا آغاز کرنے والا کمزور و بے دست و پا ہو کر اپنے مکروہ مقاصد میں ناکام ہو گیا۔

جہاں تک دفعہ اوّل کا تعلق ہے تو یہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی شکست یا ناکامی کے بجائے انکی کامیابی کی علامت ہے۔ کیوں کہ یہ دفعہ درحقیقت اس پابندی کے خاتمہ کا اعلان ہے جسے قریش نے مسلمانوں پر مسجد حرام میں داخلے پر پابندی سے متعلق عائد کر رکھا تھا۔ البتہ اس دفعہ میں قریش کی تشفی کیلئے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ وہ مسلمانوں کو ایک سال تک حدودِ حرم میں داخل ہونے سے روکنے میں کامیاب رہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وقتی اور بے حیثیت فائدہ تھا۔

اس صلح میں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو یہ تین رعایتیں دیکر صرف ایک رعایت حاصل کی جو دفعہ نمبر ۴ میں مذکور ہے: لیکن یہ رعایت حد درجہ معمولی اور بے وقعت تھی اور مسلمانوں کا اس میں کوئی نقصان نہ تھا۔ کیوں کہ یہ معلوم تھا کہ جب تک مسلمان اسلام پر ہے وہ اللہ اسکے رسول اور مدینہ نبوی سے بھاگ نہیں سکتا۔ اسکے بھاگنے کی صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ مرتد ہوجائے۔ خواہ ظاہراً خواہ در پردہ: اور ظاہر ہے کہ جب کوئی مرتد ہوجائے تو مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں ایسے مرتد کی موجودگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ الگ ہوجائے۔ باقی رہے مکہ کے وہ باشندے جو مسلمان ہوچکے تھے یا ہونے والے تھے تو انکے لئے اگرچہ اس معاہدہ کی رُو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی گنجائش نہیں تھی لیکن اللہ کی زمین تو بہرحال کشادہ تھی۔ کیا حبشہ کی زمین نے ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کیلئے اپنی آغوش وا نہیں کردی تھی اور دُور کیوں جائیں کیا یثرب نے اپنی زمین مسلمانوں کیلئے نہ کھول دی تھی جبکہ وہاں کے باشندے ابھی اسلام کا نام تک نہ جانتے تھے۔

پھر اس قسم کے تحفظات سے بظاہر اگرچہ قریش نے عزت و وقار حاصل کرلیا تھا مگر درحقیقت یہ قریش کی سخت نفسیاتی گھبراہٹ، پریشانی، اعصابی دباؤ اور شکستگی کی علامت تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس کڑوی حقیقت سے آگاہ ہوچکے تھے کہ اُن کا یہ سماجی گھروندا کھائی کے ایک ایسے کنارے پر کھڑا ہے جس کے کنارے اندر سے کٹ چکے ہیں اور وہ کسی بھی وقت ٹوٹ کر گر سکتا ہے۔ لہٰذا اسکی حفاظت کیلئے اس قسم کے تحفظات حاصل کرلینا ضروری ہیں۔ اِدھر آنحضرتؐ کو اپنے سماج کی ثابت قدمی اور پختگی پر پورا اعتماد تھا اور ایسی شرائط آپکے لئے ہرگز کسی اندیشے کا باعث نہ تھیں۔

صلح حدیبیہ دراصل اسلام اور مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ چونکہ اسلام کی عداوت و دشمنی میں قریش سب سے زیادہ مضبوط، ہٹ دھرم اور لڑاکا قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ جب وہ جنگ کے میدانوں سے پسپائی اختیار کر کے معاہدہ حدیبیہ کے بعد امن و سلامتی کی طرف آ گئے تو احزاب کے تین بازوؤں غطفان، قریش اور یہود میں سے سب سے مضبوط ایک بازو (قریش) گویا ٹوٹ گیا تھا۔ یوں بھی پورے جزیرۃ العرب میں چونکہ قریش ہی بت پرستی کے نمائندے اور سربراہ تھے اسلئے میدانِ جنگ سے ہٹتے ہی بت پرستوں کے جذبات سرد پڑ گئے اور انکی دشمنانہ روش میں بڑی حد تک تبدیلی آ گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس صلح کے بعد غطفان کی طرف سے بھی کسی بڑی تگ و دو کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ انہوں نے اگر تھوڑا بہت کچھ کیا بھی! تو محض یہود کے بھڑکانے پر۔

جہاں تک یہود کا تعلق ہے وہ یثرب سے جلا وطنی کے بعد خیبر کو اپنی دسیسہ کاریوں اور سازشوں کا گڑھ بنا چکے تھے۔ وہاں ان کے شیطان انڈے بچے دے رہے تھے اور مسلسل فتنوں کی آگ بھڑکانے میں مصروف تھے۔ وہ مدینہ کے گرد و پیش آباد بدّوؤں کو بھڑکاتے رہتے اور بشمول آنحضرتؐ تمام مسلمانوں کے خاتمے یا کم از کم انہیں ہر طرح کی زَک پہنچانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ انکی یہ کاروائیاں بالآخر جنگ خیبر تک پہنچ گئیں۔ تاہم جنگ خیبر کی تفصیلی صورت حال کا تذکرہ کرنے سے قبل بتاتا چلوں کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرتؐ کو امن و آشتی کا کچھ وقت میسر آیا تو آپؐ نے اسے تبلیغ و ارشاد پر صرف کرتے ہوئے اقوام عالم کے بادشاہان کو اسلام سے رُوشناس کرانے کی ٹھانی۔

حضورؐ کے بادشاہوں اور امرائے ریاست کے نام خطوط

امن کے اس مرحلہ پر جو صلح حدیبیہ کے بعد شروع ہوا تھا مسلمانوں کو اسلامی دعوت و تبلیغ کا موقع میسر آ گیا تھا۔ اس میدان میں ان کی سرگرمیاں تو جنگی سرگرمیوں پر بھی غالب رہیں، یعنی مسلمانوں کی سرگرمیاں دو قسم کی ہو گئیں۔

ا۔ سرگرمی سے دعوت و تبلیغ اسلام۔

۲۔ اسلام دشمنوں کے دفاع میں جنگی سرگرمیاں۔

یوں بھی طبعی طور پر مسلمانوں کے نزدیک دنیا کو اسلامی دعوت دینا ہی مقدم ہے بلکہ یہی وہ اصل مقصد ہے جس کیلئے مسلمانوں نے ہر طرح کے مصائب و مشکلات جھیلیں، جنگیں لڑیں، فتنے، ہنگامے اور اضطرابات برداشت کئے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے حدیبیہ میں قریش سے صلح ہوتے ہی عالمی دعوت و تبلیغ کا کام شروع فرمادیا اور سلاطین و امرا اور رؤسائے اقوام کو دعوتِ اسلام پہنچانے کیلئے خطوط ارسال فرمائے اور زبانی پیغامات بھی بھجوائے۔ جب آپؐ نے ان خطوط کے لکھوانے اور بھجوانے کا ارادہ فرمایا تو دوستوں کی رائے کے مطابق آپؐ سے عرض کیا گیا کہ بادشاہوں کو بھیجی جانے والی دستاویزات کو بادشاہ لوگ اسی وقت قبول کریں گے جب اُن پر ارسال کرنے والے کی مُہر لگی ہو۔ اس لئے آنحضرتؐ نے چاندی کی ایک اُبھرے الفاظ والی انگوٹھی بنوائی جس پر محمد الرسول اللہ کے الفاظ کندہ تھے۔ محمد ایک سطر میں اسکے بیٹ میں رسول اور تاج کی طرح اوپر کی سطر میں اللہ کندہ کروایا گیا تھا۔

پھر آپؐ نے تجربہ رکھنے والے صحابیوںؓ کو بطورِ قاصد منتخب کیا اور انہیں بادشاہوں کے نام خطوط دے کر روانہ فرمایا۔ ہر خط بسم اللہ سے شروع کیا جاتا اور اختتام میں اسے کندہ شدہ انگوٹھی سے مُہر زدکیا جاتا۔ علامہ منصور پوری نے وثوق سے بیان کیا ہے کہ آپؐ نے یہ قاصد خیبر روانگی سے چند یوم قبل یکم محرم ۷ھ کو روانہ فرمائے تھے۔ ہمیں خوشی ہے کہ وہ خطوط اور انکے مرتب ہونے والے منفی یا موافق اثرات اختصاراً پیش خدمت کئے جا رہے ہیں۔

ا۔شاہِ حبش نجاشی کے نام خط

نجاشی کا نام اصحمہ بن الجبر تھا' اسے عَمر و بن اُمیہ کے ہاتھ ۶ھ کے آخر یا ۷ھ کے اوائل میں روانہ کیا گیا۔طبری نے اس خط کی عبارت وہ بیان کی ہے جو ہجرت حبشہ کے موقع پر حضرت جعفرؓ کے ہاتھ خط کی صورت میں روانہ کی گئی تھی۔البتہ اِس مرتبہ جو خط روانہ فرمایا گیا اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

"یہ خط اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی اصحمہ شاہِ حبش کے نام' اس پر سلام جو ھدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔میں اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اسکا رسول ہوں لہٰذا اسلام لاؤ سلامت رہو گے"۔

"اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض' بعض کو اللہ کے علاوہ رب نہ بنائے۔پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔اگر تم نے یہ دعوت قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم کے نصاریٰ کا بھی گناہ ہے"۔

ڈاکٹر حمید اللہ (پاریس) نے ایک اور خط کی عبارت درج فرمائی ہے جو ماضی قریب میں دستیاب ہوا ہے اور یہی خط علاّمہ ابن قیم کی معروف کتاب "زادالمعاد" میں بھی موجود ہے۔اس خط کا ترجمہ یہ ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی عظیم حبشہ کے نام!

اس شخص پر سلام جو ھدایت کی پیروی کرے۔اما بعد" میں تمہاری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو قدوس اور سلام ہے' امن دینے والا محافظ و نگران ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابنؑ مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔اللہ نے انہیں پاک روح اور پاکدامن مریمؑ بتول کی طرف ڈال دیا اور اسکی روح اور پھونک سے مریمؑ عیسیٰ کیلئے حاملہ ہوئیں' جیسے اللہ نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔میں اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی جانب اور اس کی اطاعت پر ایک دوسرے کی مدد کی جانب دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے اس پر ایمان لاؤ۔کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں' تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔میں نے تبلیغ و نصیحت کر دی لہٰذا میری نصیحت قبول کرو اور اس شخص پر سلام جو ھدایت کی پیروی کرے"۔

جب عَمرو بن اُمیہؓ نے آنحضرتؐ کا یہ خط نجاشی کے حوالے کیا اور اس نے پڑھا تو وہ اسی لمحہ ادباً تخت سے نیچے اتر کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔ پھر فرطِ محبت سے حضورؐ کے خط کو آنکھوں سے لگایا۔ دراصل وہ مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے دوران ہی خفیہ طور پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر ایمان قبول کر چکا تھا اور مہاجرین کو بھی عزت کے ساتھ حبشہ میں ٹھہرا رکھا تھا۔ آنحضرتؐ نے نجاشی کو یہ پیغام بھی بھجوایا تھا کہ مہاجرین حبشہ کو واپس بھجوانے کا انتظام کر دے۔ چنانچہ اس نے عَمرؓو بن امّیہ ضمری کو رخصت کرتے وقت دو کشتیوں میں مہاجرین کو بھی روانہ کر دیا اور آنحضرتؐ کے خط مبارک کا جواب بھی انکے حوالہ کیا جو درجِ ذیل ہے:۔

محمدؐ الرسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصحمہ کی طرف سے جواب:۔

اے اللہ کے نبی آپؐ پر اللہ کی طرف سے سلام اور اسکی رحمت و برکت ہو۔ وہ اللہ جس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں۔ اما بعد:۔ ''اے اللہ کے رسولؐ مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا جس میں آپؐ نے عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ ذکر کیا ہے خدائے آسمان وزمین کی قسم! آپؐ نے عیسیٰؑ کے بارے جو کچھ فرمایا ہے وہ اس سے ایک تنکا بھی بڑھ کر نہیں تھے۔ آپؐ نے جو کچھ بھیجا ہم نے اسے جانا۔ آپکے چچازاد بھائی اور صحابہ کی مہمان نوازی کی۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچے اور پکے رسول ہیں۔ میں نے آپکے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر آپؐ سے بیعت کی اور انکے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لئے اسلام قبول کیا''۔

نجاشیؒ نے جن دو کشتیوں میں حضرت عَمرؓو اور دیگر صحابہؓ کرام کو روانہ کیا ان میں سے ایک کشتی میں حضرت جعفرؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کے ساتھ کچھ اور صحابہؓ تھے جو حبشہ سے سیدھے خیبر میں پہنچے اور دوسری کشتی میں زیادہ تر انکے بال بچے تھے جو سیدھے مدینہ منورہ پہنچے۔ نجاشیؒ نے غزوۂ تبوک کے بعد ۹ھ میں جس روز وفات پائی اسی روز آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے دورانِ گفتگو اچانک خاموشی اختیار فرمالی اور پھر انا للہ پڑھ کر نجاشی کی وفات کی خبر دی اور پھر آپؐ نے اُس خوش بخت کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ اسکی وفات کے بعد دوسرا بادشاہ اسکا جانشین ہو کر سریرآرائے سلطنت ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی ایک خط روانہ فرمایا' لیکن یہ علم نہ ہوسکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔

۲۔مقوقس شاہِ مصر کے نام خط

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گرامی نامہ جریج بن متی کے نام روانہ فرمایا جس کا لقب مقوقس تھا اور جو مصر و اسکندریہ کا بادشاہ تھا۔نامہ گرامی پہنچانے کیلئے حاطبؓ بن ابی بلتہ کا انتخاب کیا گیا' خط کا متن یہ تھا:۔

"بسم الله الرحمٰن الرحيم"

اللہ کے بندے اور اسکے رسول محمد کی طرف سے مُقَوقس عظیم قِبط کی جانب۔

اس پر سلام جو ھدایت کی پیروی کرے۔امابعد!

''میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہلِ قِبط کا بھی گناہ ہوگا۔اے اہل قِبط !ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو(اہل کتاب ہونے کے ناطے) ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض' بعض کو اللہ کی بجائے رب نہ بنائے۔اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں''۔

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتہ یہ نامہ گرامی پہنچانے کیلئے جب مقوقس کے دربار میں پہنچے تو زبانی گفتگو بھی ہوئی۔حاطبؓ نے فرمایا:۔''اس خطہ زمین میں تم سے پہلے بھی ایک شخص گزرا ہے جو اپنے آپ کو ربِ اعلیٰ کہلواتا تھا۔اللہ نے اسے آخر و اوّل کیلئے عبرت بنا دیا۔پہلے تو اس کے ذریعہ لوگوں سے انتقام لیا پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنا دیا۔لہٰذا عبرت پکڑو ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں''۔

مقوقس نے جواباً کہا: ہمارا ایک دین ہے جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے بہتر دین نہ مل جائے۔حضرت حاطبؓ نے فرمایا:۔''ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جسے اللہ نے ماسوا تمام ادیان کیلئے کافی بنا دیا ہے۔دیکھو اس نبیؐ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو اس کے خلاف قریش سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے اور یہود نے بھی سب سے بڑھ کر دشمنی کی جبکہ نصاریٰ سب

سے زیادہ قریب رہے۔ میری عمر کی قسم! جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے بشارت دی تھی، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بشارت دی تھی۔ ہم قرآن کی دعوت اسی طرح دیتے ہیں جس طرح تم اہل تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو۔ جو نبی جس قوم میں مبعوث ہوتا ہے وہ قوم اسکی امت ہو جاتی ہے اور اس قوم پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کرے، اور تم نے اس نبی کا عہد مبارک پالیا ہے! اور ہم تمہیں مسیح علیہ السلام کے سچے دین سے (قطعی) نہیں روکتے بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں"۔

مقوقس نے کہا:۔ "میں نے اس نبی کے معاملے پر غور کیا تو میں نے پایا کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے اور کسی پسندیدہ بات سے منع نہیں کرتے۔ نہ وہ گمراہ جادوگر ہیں اور نہ جھوٹے کاہن، بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے ساتھ نبوت کی نشانی ہے کہ وہ پوشیدہ کو نکالتے اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں۔ اس لئے میں اس پر مزید غور کروں گا"۔ پھر مقوقس نے آپ ؐ کے خط کو ادب سے تہہ کر کے احترام کے ساتھ ہاتھی دانت کی ایک ڈبیہ میں رکھ دیا اور ڈبیہ پر مہر لگا کر اپنی ایک لونڈی کے حوالہ کر دیا کہ وہ اسے محفوظ جگہ رکھ دے۔ پھر عربی زبان کے کاتب کو بلوا کر آنحضرتؐ کو حسب ذیل خط لکھوایا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمد بن عبداللہ کے لئے مقوقس عظیم قبط کی طرف سے:۔

آپؐ پر سلام! امابعد "میں نے آپکا خط پڑھا اور اس میں لکھی ہوئی بات اور دعوت کو سمجھا۔ مجھے علم تھا کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے نمودار ہوگا۔ میں نے آپکے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا۔ آپکی خدمت میں (بطورِ تحفہ) دو لونڈیاں بھیج رہاں ہوں جنہیں قبطیوں میں بڑا مقام حاصل ہے۔ کچھ کپڑے اور آپکی سواری کیلئے ایک خچر بھی ہدیہ کر رہا ہوں۔ آپؐ پر سلام"۔

مقوقس نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور اسلام نہیں لایا۔ دونوں لونڈیوں کے نام ماریہؓ قبطیہ اور سیرینؓ تھے جن میں سے حضرت ماریہؓ کو آپؐ نے اپنے پاس رکھا جن کے بطن سے آپؐ کے صاحب زادے "ابراہیم" پیدا ہوئے اور سیرینؓ کو حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری کے حوالے کر دیا۔ خچر کا نام

دُلدُل تھا جو حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ تک باقی رہا۔

۳۔شاہِ فارس خسرو پرویز کے نام خط اور اسکی جوابی کاروائی

حضور نبی کریمؐ نے ایک خط شاہِ فارس کسریٰ (خسرو) کے پاس روانہ کیا جو یہ تھا۔

"بسم الله الرحمٰن الرحيم"

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کی جانب!

''اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اسکے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا فرستادہ ہوں تاکہ جو شخص زندہ ہے اسے انجام بد سے ڈرایا جائے اور کافرین پر حق بات ثابت ہو جائے (یعنی حجت تمام ہو جائے) پس تم اسلام لاؤ سلامت رہو گے اور اگر انکار کرو گے تو تم پر مجوسیوں کا بھی بارِ گناہ ہو گا''۔

اس خط کو لیجانے کیلئے آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہی کو منتخب فرمایا۔ انہوں نے یہ خط شاہ کسریٰ کو پہنچانے کیلئے سربراہِ بحرین کے حوالے کیا۔ جب یہ خط کسریٰ کو پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے تکبر سے اس خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور نہایت متکبرانہ انداز میں یہ کہتے ہوئے خط کے ٹکڑوں کو پھینک دیا کہ میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔

آنحضرتؐ کو جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: اللہ اس کی بادشاہت کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے' اور بعین وہی ہوا جیسا آپؐ نے فرمایا تھا۔ کسریٰ نے ایسا خط لکھنے والے کو اپنے رُوبرُو حاضر کروانے کیلئے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ یہ شخص جو حجاز میں ہے اس کے پاس اپنے دو توانا آدمی بھیج دو کہ وہ اسے میرے پاس لا حاضر کریں۔ باذان نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دو آدمی منتخب کئے اور انہیں ایک خط دیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کیا جس میں حضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ ان دونوں کے ساتھ شاہِ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں۔ جب وہ دونوں مدینہ پہنچے اور آنحضرتؐ کے رُوبرو حاضر ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا: ''شہنشاہ کسریٰ نے باذان کو ایک مکتوب کے ذریعہ حکم دیا ہے

کہ دو لوگ بھیج کر آپکو کسریٰ کے رُو برو حاضر کریں اور باذان نے اس کام کیلئے ہمیں بھیجا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں، وگرنہ۔۔۔' اور اسکے ساتھ ہی دھمکی آمیز باتیں شروع کر دیں۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ کل آ کر ملاقات کریں''۔

اُدھر عین اسی وقت جبکہ مدینہ میں یہ دلچسپ ''مہم'' درپیش تھی خسرو پرویز کے گھر کے اندر اُس کے خلاف ایک زبردست بغاوت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ اگرچہ یہ ایک پرانی لڑائی کا سلسلہ تھا جس میں قیصر کی فوج کے ہاتھوں فارسی فوج کی پے در پے شکستیں ہو رہی تھیں۔ بالآخر آج کسریٰ کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ پر بھڑک اٹھا اور طیش میں آ کر اسے قتل کر ڈالا اور پھر خود بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ منگل کی رات دس جمادی الاوّل ۷ھ کا واقعہ ہے جسکا علم آنحضرتؐ کو وحی کے ذریعہ ہو گیا۔ چنانچہ جب صبح ہوئی اور دونوں نمائندے حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں اس واقعہ کی خبر دی۔ وہ دونوں کہنے لگے آپکو کچھ ہوش بھی ہے۔ آپؐ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم نے تو آپکی پہلی اور اس سے معمولی بات بھی قابل اعتراض شمار کی ہے، تو کیا آپکی یہ بات بھی ہم بادشاہ کو لکھ بھیجیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، اسے میری اس بات کی بھی خبر کر دو اور یہ بھی بتا دو کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچنے والی ہے جہاں تک کسریٰ پہنچ چکا ہے اور یہ بھی سن لو کہ میری حکومت اس جگہ تک پہنچ کر رکے گی جس سے آگے اونٹ اور گھوڑوں کے قدم جا ہی نہیں سکتے۔ تم دونوں اس سے یہ بھی کہہ دینا اگر تم اسلام قبول کر لو تو جو کچھ تمہارے زیر اقتدار ہے تمہیں سونپ دونگا اور تمہیں تمہاری ابنائے قوم کا بادشاہ بنا دونگا۔ اس کے بعد یہ دونوں مدینہ سے واپس لوٹ کر یمن کے گورنر باذان کے پاس پہنچے اور اسے ساری تفصیلات سے آگاہ کیا۔ چند دنوں بعد ہی باذان کو شیرویہ کا خط موصول ہوا کہ اس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے اور اب سلطنت پر اس کا قبضہ ہے۔ شیرویہ نے اس خط میں بطورِ خاص یہ ھدایت کی کہ جس شخص کے بارے میں میرے باپ نے تمہیں لکھا تھا اسے تاحکم ثانی بر انگیختہ نہ کرنا۔ باذان کیلئے یہ بات سخت حیرت انگیز تھی کہ جس واقعہ کی اطلاع اسے آج موصول ہوئی وہ چند روز قبل ہی مدینہ سے لوٹنے والے اپنے دو سپاہیوں کی زبانی سن چکا تھا۔ وہ آنحضرتؐ سے دلی طور پر اس قدر متأثر ہوا کہ اپنے فارسی رفقاء سمیت جو یمن میں موجود تھے، مسلمان ہو گیا۔

۴۔ قیصر شاہِ روم کے نام خط

حضورؐ نے ہرقل (قیصر) شاہِ روم کے پاس جو گرامی نامہ ارسال فرمایا تھا وہ مکتوب یہ ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

اللہ کے بندے اور اسکے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہرقل عظیم روم کی طرف:

"اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تم اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔ اسلام لاؤ گے تو اللہ تمہیں تمہارا اجر دوبار دیگا۔ اور اگر تم نے رُوگردانی کی تو تم پر اریسیوں (رعایا) کا بھی گناہ ہوگا۔ اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ کے سوا ہمارا بعض' بعض کو رب نہ بنائے۔ پس اگر لوگ رُخ پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں"۔

اس گرامی نامہ کو پہنچانے کیلئے دحیہؓ بن خلیفہ کلبی کا انتخاب ہوا جنہیں حکم تھا کہ وہ یہ خط سربراہ بصریٰ کے حوالہ کردیں اور وہ اسے قیصر روم تک پہنچا دے۔ جن دنوں میں یہ خط ہرقل کو موصول ہوا انہی دنوں ابوسفیان کی سربراہی میں قریش کی ایک جماعت بھی تجارت کیلئے شام گئی ہوئی تھی۔ ہرقل نے انہیں اپنے دربار میں بلایا اور پوچھا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے اس سے تم لوگوں میں کون ہے جو اس کا قریبی نسبت دار اور اسے بخوبی جاننے والا ہو۔ ابوسفیان نے کہا کہ میں اس کا قریب النسب ہوں۔ تو اسے اپنے قریب بلالیا اور اس کے باقی ساتھی اس کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئے۔ ہرقل نے ابوسفیان کو جھوٹ بولنے سے قطعی طور پر منع کردیا اور پھر اپنے مترجم کو قریب بلا کر اس سے سوال جواب کرنے لگا۔

اسکے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ تم اس شخص ابوسفیان سے کہو کہ میں نے تم سے اس نبی کا نسب پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ اونچے نسب کا ہے اور دستور یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کے اونچے نسب میں بھیجے جاتے ہیں۔

میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بات اس پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟۔ تو تم نے جواب

میں کہا کہ نہیں اس سے پہلے ہم میں سے کسی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔اگر تم ہاں کہتے تو میں کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے پہلے بھی کی جا چکی ہے۔

اور میں نے دریافت کیا کہ اس کے باپ دادوں میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تم نے کہا کہ نہیں۔میں کہتا ہوں اگر اس کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے بڑوں کی بادشاہت کا طالب ہے۔اور میں نے دریافت کیا کہ کیا جو بات اس نے کہی ہے' اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اس پر جھوٹا ہونے کی تہمت جڑتے تھے؟ تو تم نے کہا نہیں۔تو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولے۔

میں نے یہ بھی پوچھا کہ کیا اس کے پیروکار بڑے لوگ ہیں یا کمزور؟ تم نے بتایا کہ کمزور لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔میں نے تم سے پوچھا کہ کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہوا؟ تو تم نے بتلایا کہ نہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ جب ایمان کی بشاشت دلوں میں گھس جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا وہ بدعہدی بھی کر لیتا ہے؟ تو تم نے کہا نہیں۔اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں وہ بدعہدی نہیں کرتے۔پھر میں نے یہ بھی پوچھا کہ وہ کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ تو تم نے بتایا کہ وہ اللہ کی عبادت کرنے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے' بت پرستی سے منع کرتا ہے اور نماز' سچائی اور پاکدامنی کا حکم کرتا ہے۔

تو جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ صحیح اور سچ ہے تو یہ شخص بہت جلد (جہاں میرے قدم ہیں) اس جگہ کا مالک ہو جائیگا۔'' مجھے علم تھا اور میں جانتا تھا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہوگا۔اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اسکے پاس پہنچ سکوں گا تو اس سے ملنے کی ہر زحمت اٹھاتا' اور کاش اگر اس کے پاس ہوتا تو اسکے دونوں پاؤں دھوتا''۔

اس کے بعد قیصر روم ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگوا کر مترجم سے پڑھوایا تو وہاں آوازیں بلند ہوئیں اور بہت شور مچ گیا۔ہرقل نے ہمارے بارے حکم دیا اور ہم حفاظت سے باہر

کردیے گئے۔ ابوسفیان کا کہنا ہے کہ جب ہم باہر نکل آئے تو میں نے متعجب ہوتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا: ابوکبشہ (نبیؐ) کے بیٹے کا معاملہ تو بڑا زور پکڑ گیا' اس سے تو بنواصفر (رومیوں) کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے یقین ہوتا جارہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین غالب آکر رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ نے میرے اندر اسلام کو جاگزیں کردیا۔

بہرحال یہ روم کے بادشاہ کا ڈرنا نہیں تھا بلکہ اس پر آپسی باتوں اور خط مبارک کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے اس نامۂ مبارک پہنچانے والے دِحیہ کلبی رضی اللہ کو بہت سے مال اور پارچہ جات سے نوازا۔ لیکن حضرت دِحیہ یہ تحائف لے کر واپس ہوئے تو حسمیٰ میں قبیلہ جزام کے لوگوں نے ڈاکہ زنی کرکے ان کا سارا مال اور جو کچھ انکے پاس تھا سب لوٹ لیا۔ حضرت دُحیہؓ مدینہ پہنچے تو اپنے گھر جانے کی بجائے سیدھا حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور قیصر روم سے ملاقات کی تمام تفصیلات سے مطلع کیا اور اسکے انعامات وتحائف کے بارے بھی بتایا جو حسمیٰ کے علاقہ میں قبیلہ بنی جزام کے ڈاکوؤں نے ان سے لوٹ لئے تھے۔ تفصیل سن کر آنحضرتؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں پانچ صد صحابیوںؓ کی ایک جماعت حسمیٰ روانہ فرمائی جنہوں نے قبیلہ جزام پر شب خون مارا اور ڈاکہ زنی کرنے والوں کی خاصی تعداد کو قتل کرڈالا پھر انکے چوپایوں اور لوگوں کو انکی عورتوں سمیت ہانک لائے۔ چوپایوں میں ایک ہزار اونٹ' پانچ ہزار بکریاں اور قیدیوں کی تعداد عورتوں بچوں سمیت ایک سو کے قریب تھی۔

چونکہ آنحضرتؐ اور قبیلہ جزام میں پہلے سے مصالحت کا عہد چلا آرہا تھا اور قبیلہ جزام سے کچھ لوگ اسلام بھی قبول کرچکے تھے اور انہوں نے دِحیہؓ پر ڈاکہ پڑتے وقت انکی جان بچانے میں انکی مدد بھی کی تھی اسلئے جب زید بن رفاعہ جزامی نے آنحضرتؐ کی خدمت میں احتجاج اور فریاد کی' تو آنحضرتؐ نے انکا احتجاج قبول کرتے ہوئے مال غنیمت اور انکے قیدی واپس فرمادیئے۔

یادرہے' شاہ روم قیصر کو خط روانہ فرمانے اور اس متصل واقعہ کے پیش آنے کا وقت صلح حدیبیہ کے بعد کا اور غزوۂ خیبر سے پہلے کا ہے۔

۵۔حاکمِ بحرین، منذر بن سادی کے نام خط

آنحضرتؐ نے منذِر بن سادی کو بھی ایک خط لکھوا کر علاءؓ بن الحزری کے ہاتھوں روانہ فرمایا۔ جس کے جواب میں منذِر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا، اے اللہ کے رسولؐ: میں نے آپکا خط پڑھ کر اہل بحرین کو سنا یا دیا۔ بعض لوگوں نے اسلام کو محبت اور پاکیزگی کی نظر سے دیکھا اور اس کے حلقہ بگوش ہو گئے اور بعض نے پسند نہیں کیا۔ میری زمین میں یہودی اور مجوس بھی ہیں لہٰذا آپؐ اس بارے میں اپنا حکم صادر فرمائیے۔ اس کے بعد حضورؐ نے یہ خط بھیجا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے منذر بن سادی کی طرف:

تم پر سلام ہو۔ میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اسکے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد!

میں تمہیں اللہ عزّ وجل کی یاد دلاتا ہوں۔ یاد رہے جو شخص خیر خواہی اور بھلائی کرے گا وہ اپنے ہی لیے بھلائی کریگا۔ جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت اور ان کے حکم کی پیروی کرے، اس نے میری اطاعت کی اور جو انکی خیر خواہی کرے اس نے میری خیر خواہی کی۔ میرے قاصدوں نے تمہاری اچھی تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کے بارے تمہاری سفارش قبول کر لی ہے۔ اس لئے مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں انہیں اسی پر چھوڑ دو۔ اور میں نے خطا کاروں کو معاف کر دیا ہے لہٰذا ان کو قبول کر لو۔ جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کیے رہو گے ہم تمہیں تمہارے عمل سے معزول نہ کریں گے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔

۶۔ہوذہ بن علی حاکم یمامہ کے نام خط

نبی کریمؐ نے صاحب یمامہ ہوذہ بن علی کے نام حسب ذیل خط لکھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کی جانب:

''اس شخص پر سلام جو ھدایت کی پیروی کرے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میرا دین اونٹوں اور گھوڑوں کی رسائی تک غالب آ کر رہے گا' لہٰذا اسلام لاؤ سالم رہو گے اور تمہارے تحت جو کچھ ہے اسے تمہارے لئے برقرار رکھوں گا''۔

اس خط کو پہنچانے کیلئے بحیثیت قاصد سلیطؓ بن عمرو عامری کا انتخاب فرمایا گیا۔ حضرت سلیطؓ اس مہر لگے ہوئے خط کو لے کر ہوذہ کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے انہیں مہمان بنایا اور مبارک باد دی۔ پھر جب حضرت سلیطؓ نے اسے خط پڑھ کر سنایا تو اس نے درمیانی قسم کا جواب دیا اور حضورؐ کی خدمت میں یہ لکھا: آپؐ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اسکی بہتری اور عمدگی کا کیا پوچھنا۔ عرب پر میری ہیبت چھائی ہوئی ہے اس لئے میری کارپردازی میرے ذمہ کر دیں میں آپکی پیروی کروں گا۔ اس نے حضرت سلیط رضی اللہ کو تحائف بھی دیئے اور حجر کا بنا ہوا کپڑا بھی دیا۔ سلیطؓ یہ تحائف لے کر آنحضرتؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ خط پڑھ کر نبی کریمؐ نے فرمایا: ''اگر وہ زمین کا ایک ٹکڑا بھی مجھ سے طلب کریگا تو میں اسے نہیں دوں گا' اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہوگا''۔

پھر جب آنحضرتؐ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت جبریلؑ نے خبر دی کہ ہوذہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ پھر حضورؐ نے صحابہؓ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ سنو! یمامہ میں ایک کذاب نمودار ہونے والا ہے جو میرے بعد قتل کیا جائیگا۔ ایک کہنے والے نے کہا' یارسولؐ اللہ اسے کون قتل کریگا؟ تو حضورؐ نے فرمایا: تم اور تمہارے ساتھی' اور ایسا ہی ہوا''۔

۷۔ حاکم دمشق حارث بن ابی شمر کے نام خط

آنحضرتؐ نے حارث بن ابی شمر حاکم دمشق کے نام یہ خط لکھوایا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی طرف:

''اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے' ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤ جو تنہا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں' اور تمہارے لئے تمہاری بادشاہت برقرار رہے گی''۔

یہ خط قبیلہ اسد بن خزیمہ کے ایک صحابی حضرت شجاع بن وہبؓ کے ہاتھوں روانہ کیا گیا۔ جب انہوں نے خط حارث کے حوالہ کیا تو اس نے کہا: ''مجھ سے میری بادشاہت کون چھین سکتا ہے' میں اس پر یلغار کرنے ہی والا ہوں''۔ اور وہ ایمان نہ لایا۔

۸۔ شاہِ عمان کے نام خط اور آپؐ کے ایلچی سے گفتگو

نبی کریمؐ نے ایک خط شاہِ عمان ''جیفر'' اور اس کے بھائی ''عبد'' کے نام لکھوایا اُن دونوں کے والد کا نام جلندی تھا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا:۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

محمدؐ بن عبداللہ کی جانب سے جلندی کے دونوں صاحبزادوں جیفر اور عبد کے نام:

اس شخص پر سلام جو ھدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد! ''میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں' اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔ کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا رسول ہوں' تاکہ جو زندہ ہے اسے انجام کے خطرہ سے آگاہ کردوں اور کافرین پر قول برحق ہوجائے۔ اگر تم دونوں اسلام کا اقرار کر لوگے تو تم ہی دونوں کو والی اور حاکم بناؤں گا اور اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کرنے سے گریز کیا تو تمہاری بادشاہت ختم ہوجائیگی اور تمہاری زمین پر گھوڑوں کی یلغار ہوگی اور میری نبوت تمہاری بادشاہت پر غالب آجائیگی''۔

اس خط کے ایلچی حضرت عمروؓ بن العاص تھے۔ انہوں نے بتایا جب میں عمان پہنچ کر عبد سے ملا۔ جو دونوں بھائیوں میں زیادہ دُوراندیش اور نرم خو تھا۔ تو میں نے اسے بتایا کہ میں نبیؐ کا ایلچی ہوں اور انکا ایک خط لے کر حاضر ہوا ہوں۔ عبد کہنے لگا کہ میرا بھائی عمر اور بادشاہت دونوں میں مجھ سے بڑا ہے میں تمہیں اس تک پہنچا دیتا ہوں کہ وہ تمہارا خط پڑھ لے۔ اسی اثناء میں اس نے مجھ سے گفتگو شروع

کردی جو چندروز تک جاری رہی کہ تم کس بات کی دعوت دیتے ہو۔؟

میں نے کہا:۔ ''ہم ایک اللہ کی طرف بلاتے ہیں' جواکیلا ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔اس کے علاوہ جس کی بھی پوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دواور یہ گواہی دو کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں''۔

عبد نے کہا:۔اے عمروؓ! تم اپنی قوم کے سردار کے صاحبزادے ہو' بتاؤ تمہارے والد نے کیا اختیار کیا؟ ہمارے لئے ان کا طرزِ عمل لائق اتباع ہوگا۔ میں نے بتایا کہ وہ تو محمدؐ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گئے' لیکن مجھے حسرت ہے کہ کاش انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہوتا۔ میں خود بھی انہی کی رائے پر تھا لیکن اللہ نے مجھے اسلام کی ھدایت دیدی۔

عبد کہنے لگا:۔تم نے کب انکی پیروی اختیار کی اور کس جگہ ایمان لائے۔؟

میں نے کہا:۔ابھی جلد ہی ایمان نصیب ہوا اور میں اس وقت نجاشی کے پاس تھا وہ بھی اسلام لا چکا ہے۔

اس نے پوچھا:۔پھر اسکی قوم نے اسکی بادشاہت کا کیا کیا۔؟

میں نے کہا:۔اسکی قوم نے اسکی بادشاہت برقرار رکھی اور اسکی پیروی کی۔

اس نے پوچھا:۔کیا اسقفوں اور راہبوں نے بھی اس کی پیروی کی۔؟

میں نے کہا:۔ہاں۔

عبد کہنے لگا:۔اے عمرو! دیکھو کیا کہہ رہے ہو۔آدمی کی کوئی بھی خصلت جھوٹ سے زیادہ رسوا کن نہیں۔

میں نے کہا:۔میں جھوٹ نہیں کہہ رہا اور نہ ہم اس کو حلال سمجھتے ہیں۔

عبد نے کہا:۔میں سمجھتا ہوں کہ ہرقل کو نجاشی کے اسلام لانے کا علم نہیں۔

میں نے کہا:۔کیوں نہیں۔

اس پر عبد نے کہا:۔تمہیں یہ بات کیسے معلوم۔؟ کہ نجاشی کے اسلام لانے کا علم ہرقل کو ہو چکا تھا۔

میں نے کہا:۔نجاشیؒ ہرقل کو خراج ادا کرتا تھا' جب اس نے اسلام قبول کرلیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو اس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ:۔خدا کی قسم اب میں ہرقل کو ایک درہم بھی ادا نہیں کرونگا۔جب ہرقل کو اس بات کا علم ہوا' تو اس کے بھائی یناق نے کہا کہ کیا تم اپنے غلام کو چھوڑ دوگے کہ وہ تمہیں خراج

نہ دے اور تمہارے بجائے کسی دوسرے شخص کا دین اختیار کرے۔؟ ہرقل نے اپنے بھائی کو جواب دیتے ہوئے کہا: یہ ایک آدمی ہے جس نے اپنے لئے ایک دین پسند کیا اور اسے اختیار کرلیا۔ اب میں اسکا کیا کرسکتا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر مجھے اپنی بادشاہت کی حرص نہ ہوتی تو میں بھی وہی کرتا جو اس شخص نے کیا۔

عبد کہنے لگا:۔ عمرو! دیکھو یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟

میں نے کہا:۔ واللہ میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں۔

عبد کہنے لگا:۔ اچھا مجھے بتاؤ وہ کس بات کا حکم دیتے اور کس بات سے منع کرتے ہیں۔؟

میں نے کہا:۔ ہمارے نبیؐ صرف اللہ جل جلالہ' کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اسکی نافرمانی سے منع کرتے ہیں۔ وہ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم و زیادتی' زنا کاری' شراب نوشی کی مذمت کرتے اور پتھر' بت اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔

عبد کہنے لگا:۔ یہ کتنی اچھی باتیں ہیں جس طرف وہ بلاتے ہیں۔ اگر میرا بھائی بھی میری متابعت کرتا تو ہم لوگ (ابھی) سوار ہوکر چل پڑتے یہاں تک کہ محمدؐ پر ایمان لاتے اور انکی تصدیق کرتے! لیکن میرا بھائی اپنی بادشاہت کا اس سے کہیں زیادہ حریص ہے کہ اسے چھوڑ کر کسی کا تابع فرمان بن جائے۔

میں نے کہا:۔ اگر وہ اسلام قبول کرلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قوم پر اسکی بادشاہت برقرار رکھیں گے۔ البتہ اس کی قوم کے مالداروں سے صدقہ لے کر فقراُ و ضرورت مندوں پر خرچ کردیں گے۔

عبد نے کہا:۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اچھا! بتاؤ یہ صدقہ کیا ہوتا ہے۔؟

میں نے کہا:۔ مختلف اموال میں رسولؐ اللہ کے مقرر فرمائے ہوئے صدقات الگ الگ ہیں پھر میں نے انکی تفصیل اسے بتائی۔ جب اونٹ کی باری آئی تو کہنے لگا: اے عمرو! ہمارے اُن مویشیوں میں سے بھی صدقہ لیا جائیگا جو خود ہی درخت چر لیتے ہیں۔؟

میں نے کہا:۔ ہاں۔

اس پر عبد نے کہا:۔ واللہ میں نہیں سمجھتا کہ میری قوم اپنے ملک کی وسعت اور جانوروں کی کثرت کے باوجود اس کو مان لے گی۔

حضرت عمرؓو بن العاص کا بیان ہے کہ میں اسکی ڈیوڑھی میں چندروز ٹھہرا رہا اور عبد جا کر میری ساری باتیں اپنے بھائی کو بتا تا رہا۔ پھر ایک دن بادشاہ (جیفر بن بلندی) نے مجھے اندر بلایا اور میں اندر داخل ہوا تو چوبداروں نے میرے بازو پکڑ لئے ۔اس نے کہا چھوڑ دو اور مجھے چھوڑ دیا گیا۔لیکن جب میں نے بیٹھنا چاہا تو چوبداروں نے مجھے بیٹھنے نہیں دیا تب میں نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔اس نے میرا دیکھنا نظر انداز کر دیا اور بولا اپنی بات کہو۔ میں نے سر بمہر خط اسکے حوالے کر دیا اس نے کھول کر پڑھا اور پھر اپنے بھائی کے حوالے کر دیا۔عبد نے بھی اسی طرح پڑھا' مگر میں نے دیکھا کہ اس کا بھائی عبد زیادہ نرم دل ہے۔

بادشاہ نے پوچھا:۔ مجھے بتاؤ قریش نے کیا روش اختیار کی۔؟

میں نے کہا:۔سب انکے اطاعت گزار ہو گئے ہیں۔ کچھ دین کو پسند کر کے اور کچھ تلوار کے خوف سے۔

بادشاہ نے پوچھا:۔ان کے ساتھ کون لوگ ہیں۔؟

میں نے کہا:۔سادے لوگ ہیں انہوں نے اسلام کو برضا و رغبت قبول کیا ہے اور اسے تمام دوسری چیزوں پر ترجیح دی ہے۔انہیں اللہ کی ھدایت اور اپنی عقل کی رہنمائی سے علم ہو گیا تھا کہ وہ گمراہی پر تھے۔اب اس علاقے میں میں نہیں جانتا کہ تمہارے سوا کوئی اور باقی رہ گیا ہو۔ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کی تو سوار تمہیں روند ڈالیں گے اور تمہاری ہریالی کا صفایا کر دیں گے۔اس لئے بہتر ہے اسلام قبول کر لو' سلامت رہو گے اور رسولؐ اللہ تمہیں تمہاری قوم پر حکمران بنادیں گے' پھر تم پر نہ سوار داخل ہونگے نہ پیادے۔

بادشاہ نے کہا:۔آج مجھے غور کرنے دو اور کل پھر آؤ۔اسکے بعد میں اس کے بھائی کے پاس واپس آ گیا۔

میں اسکے بھائی عبد کے پاس واپس آیا تو اس نے کہا: عمرو! مجھے امید ہے اگر بادشاہ پر حرص غالب نہ آئی تو وہ اسلام قبول کر لے گا۔ پھر میں دوسرے دن بادشاہ کے پاس گیا لیکن اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔اس لئے میں اسکے چھوٹے بھائی کے پاس واپس آ گیا اور بتایا کہ بادشاہ تک میری رسائی نہ ہو سکی۔تو عبد نے کہا: چلو! اور مجھے ہمراہ لے جا کر اپنے بھائی سے ملوا دیا۔

بادشاہ کہنے لگا:۔ ''دیکھو! اگر میں بادشاہت ایک ایسے شخص کے حوالے کردوں جس کے شہسوار یہاں تک پہنچے بھی نہیں تو میں تمام عرب میں نہایت کمزور سمجھا جاؤں گا۔ پھر اگر اسکے شہسوار یہاں تک پہنچ بھی گئے تو ایسا رن پڑے گا کہ پہلے انہیں کبھی اس سے سابقہ نہ پڑا ہوگا''۔

میں نے کہا:۔ اچھا تو میں کل صبح واپس جا رہا ہوں۔ جب اسے میری واپسی کا یقین ہوگیا تو اس نے خلوت میں اپنے بھائی سے مشورہ کیا اور کہا: دیکھو یہ پیغمبرؐ وہ ہیں جن کا دین غالب آچکا ہے انہوں نے جس کسی کے پاس بھی پیغام بھیجا ہے اس نے انکی دعوت قبول کرلی ہے۔ انکے مقابل ہماری حیثیت کچھ نہیں۔ تو بتاؤ کیا کرنا چاہئے۔؟

عبد تو پہلے ہی اس بات کا آرزومند تھا کہ اسلام جیسا پاکیزہ دین قبول کرلیا جائے چنانچہ اس نے اسی پر زور دیا کہ اسلام جیسا دین قبول کرنے میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ یوں آپکی بادشاہت کو بھی خطرہ نہ ہوگا اور بصورت جنگ ہم بلا فائدہ اپنے بہت سے لوگوں کو قتل کروانے سے بچ رہیں گے۔ جبکہ معلوم ہے کہ ہم فتح یاب نہیں ہوسکیں گے۔ چنانچہ دوسرے روز میری واپسی سے قبل صبح ہی مجھے بلوالیا گیا اور دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کرلیا اور نبیؐ کے برحق ہونے پر گواہی دی۔ اب انکی قوم کو سمجھانے' صدقہ وصول کرنے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کیلئے مجھے آزاد چھوڑ دیا۔ پھر جس کسی نے میری مخالفت کی اسکے خلاف بھی دونوں بھائی میرے مددگار ثابت ہوئے۔

نوٹ:۔ گمان غالب ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے' کیونکہ ان دونوں بھائیوں کے پاس خط کی روانگی دوسرے بادشاہوں کی نسبت خاصی تاخیر سے عمل میں آئی۔ بہرحال ان خطوط کے ذریعہ آپؐ نے اپنی دعوت رُوئے زمین کے شاہوں تک پہنچادی۔ پھر کوئی ایمان لایا تو کوئی کفر پر اڑا رہا' تاہم اتمامِ حجت سمیت یہ ضرور ہوگیا کہ کفر کرنے والوں کی توجہ بھی آپکی جانب مبذول ہوگئی اور آپکا دین اور آپکا نام مانندِ آفتاب ایک جانی پہچانی چیز بن گیا۔

غزوۂ خیبر

صلح حدیبیہ سے مسلمان واپس مدینہ منورہ لوٹے تو مشرکین کی طرف سے کچھ اطمینان تو میسر آ گیا' مگر یہود کی فتنہ انگیزی سے ابھی تک انہیں چھٹکارا نہیں ملا تھا۔ غزوۂ خیبر کی تفصیلات بیان کرنے سے قبل خیبر کے تعارف اور اس وقت کے حالات کے بارے جاننا ضروری سمجھتے ہوئے اختصاراً بتاتا چلوں کہ خیبر مدینہ منورہ کے شمال میں کم وبیش ایک سومیل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں ہر طرف لاوے کی جلی ہوئی پہاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں جن کے درمیان سات وادیاں ہیں اور اِن وادیوں میں ایک سو کے قریب چشمے تھے اور انکے علاوہ کنویں بھی تھے۔ پورا خطہ نہایت سر سبز و شاداب تھا جہاں کھجوریں' ترنج' لیموں اور انجیر کے باغات تھے اور فصلیں بھی خوب ہوتی تھیں۔

یہودی غالباً اسی زمانے سے خیبر میں آ کر بس گئے تھے جب انہیں فلسطین سے نکالا گیا تھا۔ انکی آبادیاں فدک' قریٰ اور تیما میں بھی تھیں' تین قبیلے یثرب میں تھے لیکن انکی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر ہی تھا۔ بنونضیر بھی مدینہ سے بے دخل کیئے جانے پر خیبر میں آباد ہو گئے تھے اور یہاں انہوں نے ممتاز ترین حیثیت حاصل کر لی تھی۔

پہلے حُیی بن اخطب کو رئیس مان لیا گیا تھا وہ مارا گیا تو ابو رافع بن الحقیق ان کا رئیس بن گیا۔ یہی وہ یہودی تھے جنہوں نے ۵ھ میں بنی غطفان اور قریشِ مکہ وغیرہ کو برانگیختہ کر کے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے اکسایا تھا اور مسلمانوں کو دفاع کیلئے خندق کھودنا پڑی تھی۔ پھر دورانِ محاصرہ بھی انہوں نے بنی قریظہ کو عہد شکنی پر آمادہ کر کے نہایت نازک صورتِ حال پیدا کر دی تھی۔ اب وہ دوبارہ ساز باز کر کے ایک بڑی فوج کے ساتھ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ سے مراجعت فرمائے ابھی ایک ماہ سے بھی کم عرصہ ہوا تھا کہ خیبر کے یہود کے عزم یورش کی خبر آنحضرتؐ کو ملی' کہ وہ جنگ خندق کی ناکامی کا بدلہ لینے اور اپنی

کھوئی ہوئی عزت بحال کرنے کیلئے ایک نئی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور یہ کہ انہوں نے بنو غطفان کے چار ہزار جنگ جُو بہادروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ خیبر کے یہودیوں نے بنو غطفان سے معاہدہ کیا کہ اگر وہ جنگ جیت گئے اور مدینہ فتح ہوگیا تو خیبر کی پیداوار کا نصف حصہ ہمیشہ بنو غطفان کو دیتے رہیں گے۔

یہودیوں کے رئیس نے خود جا کر بنی غطفان اور اردگرد کے قبیلوں کو اسلام کے مقابلے کیلئے آمادہ کیا۔ اسی دوران جب یہود نے رافع بن الحقیق کی بجائے اسیر بن زرام کو مسند ریاست پر بٹھا دیا تو اسیر نے بھی قبائل میں دَورہ کر کے کافی بڑا لشکر تیار کرلیا۔ یہاں تک کہ ایک عظیم الشان فوج اکٹھی کر کے مدینہ پر حملہ کی تیاری کرلی۔

آنحضرتؐ نے یہ باتیں سنیں مگر افواہوں پر اعتماد نہ کرتے ہوئے عبداللہ بن رواؓحہ کو بھیجا کہ خود خیبر جا کر اصل معاملے کی تحقیقات کریں۔ چنانچہ وہ چند ساتھیوں کو لے کر خیبر گئے اور چھپ کر تمام معاملات کا جائزہ لیتے رہے۔ اسی دوران انہیں یہ موقع بھی ملا کہ انہوں نے خود وہ باتیں سنیں جو اسیر اور اسکے ساتھی مسلمانوں کے خلاف جنگی تدبیروں اور جنگی مصلحتوں کے بارے کر رہے تھے۔

ایک طرف تو غطفان کے یہودی اسلام کش جنگ کی سازش کر رہے تھے دوسری طرف مدینہ کے منافقین بھی یہاں کی خبریں انہیں پہنچاتے رہتے تھے۔ آنحضرتؐ قریش سے معاہدہ حدیبیہ کی طرح یہود سے بھی معاہدہ امن کے خواہاں تھے مگر وہ بدگمان قوم تھی اور عین موقع پر عہد شکنی کے مرتکب ہوجانے کے باعث قابل اعتماد نہیں تھے۔ اُدھر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے انہیں کہلا بھیجا کہ مسلمانوں سے مت ڈرنا، مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ڈھنگ کے ہتھیار بھی نہیں۔

غطفان کی ایک اہم ''قوت'' قبیلہ بنو فزارہ بھی تھی، وہ بھی یہود کے ساتھ حملہ میں شریک ہونے پر آمادہ ہوگئے تھے۔ آنحضرتؐ نے بنو فزارہ کو تحریری پیغام بھجوایا کہ خیبر کی مدد سے باز آجائے مگر اُن لوگوں نے انکار کردیا۔ بات حد سے بڑھتی جارہی تھی اور اہل خیبر کی تیاری مکمل ہونے اور انکے حملہ آور ہونے سے پیشتر ہی اپنی دھاک بٹھانے کیلئے مسلمانوں کو کسی کاروائی کی ضرورت درپیش تھی۔ چنانچہ آپؐ نے

سولہ سو صحابہ کا لشکر تیار کیا جس میں سے دو سو سوار تھے۔ یہ تعداد خیبر کی فوج کے مقابل نہایت قلیل اور بہت ناکافی تھی مگر اس کی وجہ یہ رہی کہ آنحضرتؐ نے اس معرکہ میں صرف اُن اصحاب کو شرکت کی اجازت تھی جو حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شامل تھے۔ آپؐ نے مدینہ میں نمیلہؓ بن عبداللہ اللیثی کو قائم مقام مقرر فرمایا اور تین بڑے جھنڈے تیار کروائے‘ جبکہ اس سے پیشتر سرایا اور غزواۃ میں چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں تیار کروائی جاتی تھیں۔

جس رات آنحضرتؐ خیبر کی حدود میں داخل ہوئے تو فرمایا کہ: ’’کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ بھی اس سے محبت رکھتے ہیں‘‘۔ صبح ہوئی تو تمام صحابہ کرامؓ یہ امید لئے حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے کہ جھنڈا اسے مل جائے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا: علیؓ بن ابی طالب کہاں ہے۔؟ صحابہؓ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکی آنکھیں آئی ہوئی ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا اسے بلا کر لاؤ۔ وہ لائے گئے تو آپؐ نے انکی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگا کر انکے لئے دعا فرمائی۔ وہ اسی آن شفایاب ہو گئے‘ گویا انہیں یہ تکلیف تھی ہی نہیں۔

اِن جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا حضورؐ نے حبابؓ بن منذر کو دوسرا سعدؓ بن عبادہ کو اور تیسرا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمایا جس کا رنگ سفید تھا اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے تیار ہوا تھا۔ محرم ۷ھ مطابق ۱۱ مئی ۶۲۸ء کو لشکر نے کوچ کیا اور ابن ہشام کے مطابق صہبا کے مقام پر جو خیبر کے قریب تھا عصر کے وقت پہنچ کر قیام کیا۔ رسد میں صرف ستّو تھے جو بشمول آنحضرتؐ سب نے گھول کر پیئے اور وہاں سے چل کر وادئ رجیع میں نزول فرمایا‘ جو خیبر اور غطفان کی پہاڑیوں کے درمیان ہے اور اسی مقام کو مستقل اپنی لشکر گاہ قرار دیا اور حضرت عثمانؓ کو اس لشکر کا کمانڈار مقرر فرمایا۔

اس جگہ کو لشکر گاہ قرار دینے کا بدیہی فائدہ یہ ہوا کہ غطفان اگر خیبر کی امداد کو نکلیں تو اسلامی لشکر راستہ میں پڑتا تھا چنانچہ وہ حامی بھر لینے کے باوجود انکی مدد کرنے سے باز رہے۔ البتہ مسلمانوں کے مقابل خیبر کے چھ قلعے اپنے منہ کھولے کھڑے تھے جو سالم‘ قموص‘ نطاۃ‘ شق اور مربطہ کے ناموں سے موسوم تھے۔ ان سب میں ناعم کے بعد قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔

خیبر میں موجود یہودیوں کے قلعوں کا نقشہ

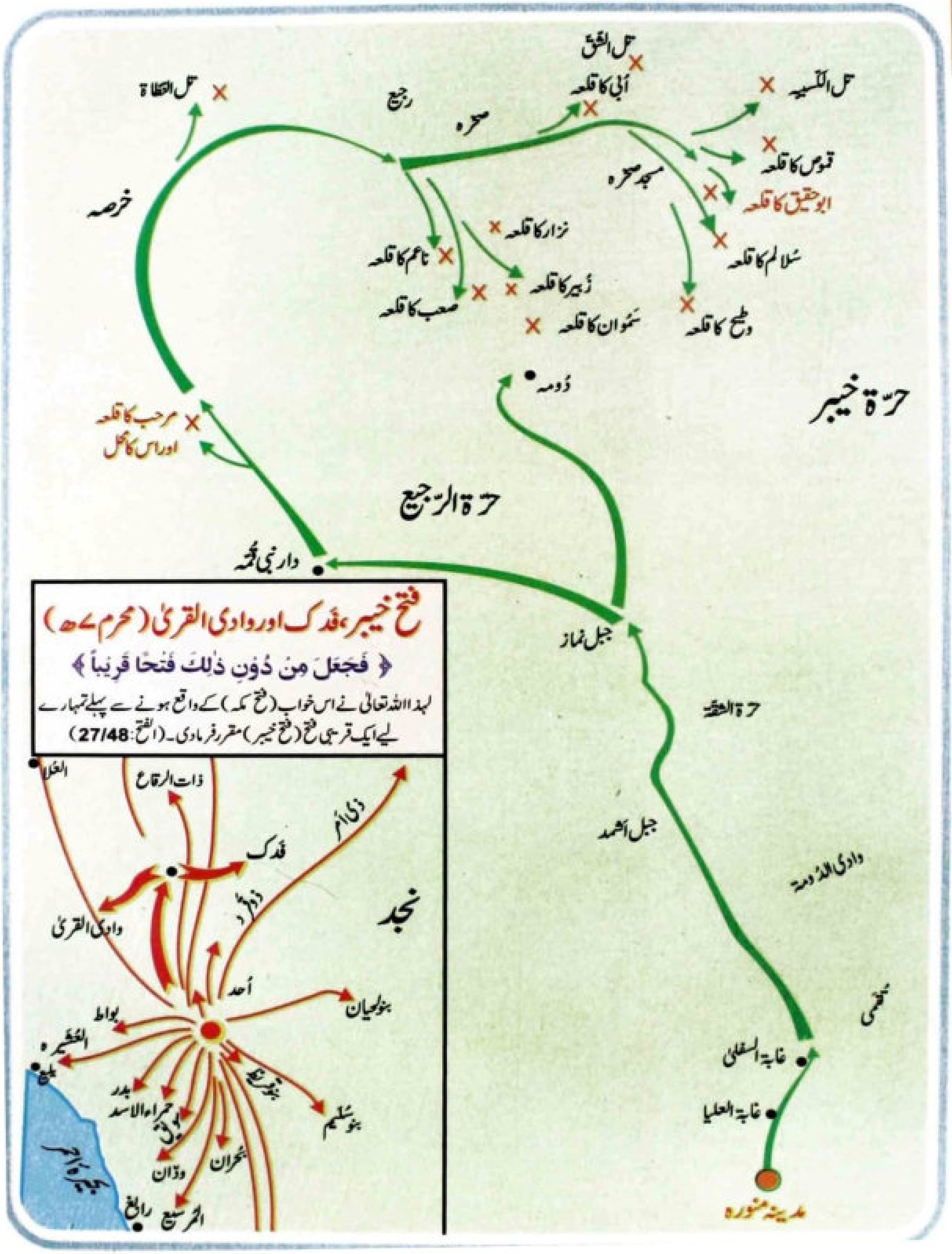

متذکرہ بالا آٹھ قلعوں میں سے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا جو کہ اسلامی لشکر کے قریب پڑتا تھا اور عرب کا مشہور پہلوان ''مرحب'' جو ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا اس قلعے کا رئیس تھا جو اَبی الحقیق کا قلعہ کہلاتا تھا۔ ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلاوطنی کے بعد خیبر کی ریاست حاصل کر لی تھی وہ اسی قلعے میں رہتا تھا۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے ان قلعوں کی تعداد دس بیان کی ہے اور اِن قلعوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے' جو آبادی کے دائیں بائیں واقع تھے۔

(حصہ اول) قلعہ ناعم۔ قلعہ نطاۃ۔ قلعہ صعب بن معاذ اور قلعہ الزبیر ہیں جو النطاۃ کہلاتے تھے۔

(حصہ دوم) قلعہ شق۔ قلعہ النزار اور قلعہ ابی' جنہیں الشق کہا جاتا تھا۔

(حصہ سوئم) قلعہ قموص۔ قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم' یہ کتیبہ کے نام سے مشہور تھے۔

''ارض القرآن'' میں خیبر کی وادی سے ملحق ایک میدانِ جنگ بجانب شمال دکھایا گیا ہے کہ جنگ یہاں ہوئی تھی۔ اس میدان میں ''البشر'' نامی ایک آبادی ہے۔ اسکے شمال میں قلعہ ناعم' مشرق میں وطیح' شمال مغرب میں نطاۃ و کتیبہ' مغرب میں شق اور جنوب مغرب میں سلالم نامی قلعے واقع تھے۔

سب سے پہلے جنگ قلعوں کے اس حصہ پر ہوئی جسے نطاۃ کہتے ہیں جس میں نطاۃ کے علاوہ قلعہ ناعم' قلعہ زبیر اور قلعہ صعب شامل تھے۔ یہودیوں نے اپنے اہل وعیال کو ایک پرانے قلعہ میں رکھا۔ غذائی اجناس وسامان قلعہ ناعم اور صعب میں جمع کیں اور افواج نطاۃ میں تھیں۔ اسلامی افواج پہلے ناعم کی طرف بڑھیں اور محمودؓ بن مسلمہ نے بڑی دلیری سے ناعم کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی اندر سے پتھر اور تیر چلا رہے تھے اور مسلمان وہی پتھر اور تیر اٹھا کر واپس انہی پر چلا رہے تھے۔ محمودؓ بن مسلمہ تیروں اور پتھروں کی اس بارش کی پرواہ کئے بغیر اپنے کچھ ساتھیوں سمیت قلعے کے نزدیک پہنچ کر اسکے سائے میں بیٹھے تھے کہ اسی اثناء میں ابی الحقیق کے ایک بیٹے نے چکی کا ایک پاٹ انکے سر پر گرا دیا جس سے انکی شہادت واقع ہوگئی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں کے جوش وجذبہ میں ایسا ولولہ انگیز اضافہ دیکھنے میں آیا کہ چند روز کے محاصرے اور لڑائی میں ناعم اور نطاۃ پر اسلامی لشکر کا قبضہ ہوگیا۔ محمودؓ بن مسلمہ کی شہادت کے بعد جنگ کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔

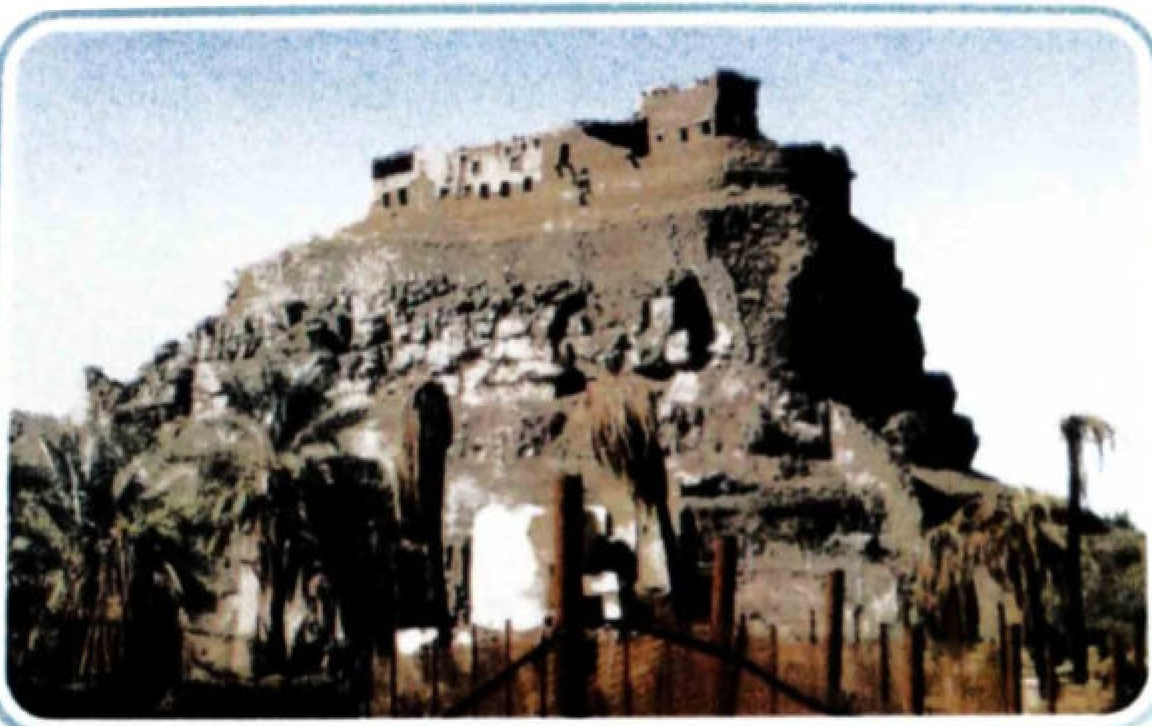

خیبر کے یہودیوں کے قلعے
جن کا حضور ﷺ اور صحابہؓ نے محاصرہ کر کے یہودیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا

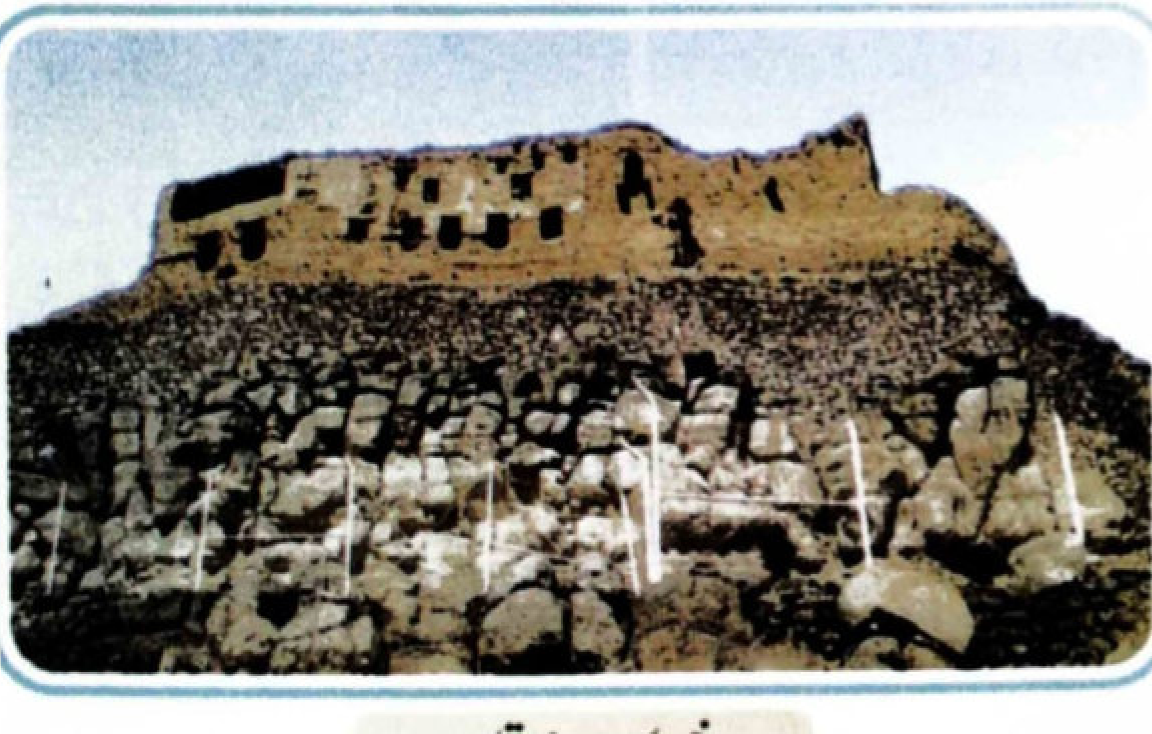

خیبر کا یہودی قلعہ

جنگ کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب اپنا لشکر لے کر قلعہ کے سامنے پہنچے اور انہیں اسلام کی دعوت دی تو یہود نے اسے مسترد کر دیا اور اپنے بادشاہ مرحب کی کمان میں مسلمانوں کے مقابل صف آراء ہو گئے ۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع کہتے ہیں' میدانِ جنگ میں اتر کر پہلے مرحب نے دعوتِ مبارزت دی اور بڑے ناز اور تکبر سے اٹھلاتا ہوا اور یہ کہتا ہوا چلا آ رہا تھا کہ :۔

''خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں' ہتھیار پوش' بہادر اور تجربہ کار حُب جنگ و پیکار کا شعلہ زن ہوں''۔

سلمہؓ بن اکوع کا کہنا ہے :۔اس کے للکارنے پر میرے چچا عامرؓ میدان میں نکلے پھر دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے ۔ایک زوردار وار کرنے پر عامرؓ کی تلوار مرحب کی ڈھال میں جا چبھی اور پھر انہوں نے مرحب کی پنڈلی پر وار کیا تو تلوار کا دوسرا سرا اُنکے اپنے گھٹنے میں آ لگا اور وہ زخمی ہو گئے ۔ بعدازں اسی زخم کی وجہ سے انکی موت واقع ہو گئی ۔ آنحضرتؐ نے اپنی دو انگلیاں اکٹھی کر کے فرمایا: ان کیلئے دُھرا اَجر ہے وہ بڑے جانباز مجاہد تھے ۔ بہر حال اسکے بعد حضرت علیؓ جنہیں علم عطا ہوا تھا' مرحب کے مقابلے کیلئے میدان میں نکلے ۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع کا کہنا ہے کہ اس وقت حضرت علیؓ نے یہ اشعار کہے :۔

''میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے ۔ میں اِنہیں صاع

کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کرونگا''۔

اور پھر جاتے ہی مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا ۔اس کے بعد مرحب کا بھائی یاسر غصے سے کھولتا ہوا میدان میں نکلا کہ کون ہے جو میرا مقابلہ کرے گا ۔ اسکے للکارنے پر حضرت زبیرؓ میدان میں نکلے تو انکی ماں حضرت صفیہؓ نے فکر مندی سے حضورؐ سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میرا بیٹا قتل کیا جائیگا ۔ تو آپؐ نے فرمایا: نہیں ! بلکہ تمہارا بیٹا اسے قتل کرے گا ۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے کچھ ہی دیر میں یاسر کو قتل کر کے ڈھیر کر دیا ۔

اس کے بعد دُو بدو نہایت زوردار جنگ شروع ہو گئی جو کئی روز تک جاری رہی ۔اس میں یہود کے کئی سر برآوردہ سردار اور جنگجو مارے گئے اور پھر بتدریج بقیہ یہودی لشکر میں مقابلہ کی تاب دم توڑتی دکھائی دینے لگی ۔اس میں اگرچہ مسلمانوں کو بھی بہت شدید مقاومت کا سامنا ہوا تاہم جب یہود

مسلمانوں کو زیر کرنے سے مایوس ہو گئے تو وہ چپکے چپکے اس قلعہ سے منتقل ہو کر قلعہ صعب میں جانے لگے اور اسلامی لشکر نے قلعہ سالم پر قبضہ کر لیا۔

قلعہ صعب بن معاذ کی فتح

قلعہ ناعم کے بعد قلعہ صعب قوت و حفاظت کے لحاظ سے سب سے بڑا اور مضبوط قلعہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے حضرت حبابؓ بن منذر کی کمان میں اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا جو تین روز جاری رہا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کی شاخ بنو سہم کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کی حالت بھوک پیاس اور مسلسل اتنے روز سے جنگ میں مصروفیت کے باعث دگرگوں ہے اور ہم تھک کر چُور ہو چکے ہیں۔

پھر آنحضرتؐ نے اس قلعہ کی فتح کیلئے خصوصی دعا فرمائی کہ: ''یا اللہ تجھے اِن کا حال معلوم ہے۔ تو جانتا ہے کہ ان کے اندر قوت نہیں اور میرے پاس بھی کچھ نہیں کہ میں انہیں دوں۔ لہٰذا اِنہیں یہود کے ایسے قلعے کی فتح سے سرفراز فرما جو انکے لئے سب سے زیادہ کارآمد ہو اور جہاں سے انہیں زیادہ چربی اور خوراک دستیاب ہو''۔

دعا فرمانے کے بعد جب حضورؐ نے مسلمانوں کو قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو حملہ کرنے میں بنو اسلم ہی پیش پیش تھے۔ اس قلعے میں بھی مبارزت اور مار کاٹ ہوئی لیکن اللہ عزّ وجل نے اپنے کرم سے مسلمانوں کو سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے قلعہ صعب بن معاذ کی فتح عطا فرما دی۔ خیبر میں کوئی قلعہ ایسا نہیں تھا جس میں اس قلعے سے زیادہ خوراک اور چربی موجود ہو۔ نہ صرف یہی بلکہ یہاں سے کچھ منجنیقیں اور دبابے بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ دبابہ لکڑی کے اس گاڑی نما بند ڈبے کو کہا جاتا تھا جس کے نیچے سے گھس کر کئی آدمی قلعے کی فصیل تک جا پہنچتے تھے اور دشمن کی زد سے محفوظ رہتے ہوئے فصیل میں شگاف کر دیتے تھے۔ گویا اُس وقت موجودہ زمانے کے ٹینک کو دبابہ کہا جاتا تھا۔

ابن اسحاق کی روایت میں جس شدید بھوک کا ذکر کیا گیا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ فتح حاصل

ہوتے ہی لوگوں نے گدھے ذبح کر کے چولہوں پر ہنڈیاں چڑھا دیں۔ جب آنحضرتؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے گھریلو گدھے کے گوشت سے منع فرمادیا۔

قلعہ زبیر کی فتح

قلعہ ناعم اور قلعہ صعب کی فتح کے بعد یہود نطاۃ کے سارے قلعوں سے نکل کر قلعہ زبیر میں جمع ہو گئے۔ یہ ایک ایسا محفوظ قلعہ تھا جو پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ وہاں تک پہنچنے کا راستہ اتنا پُر پیچ اور مشکل تھا کہ سواری تو کیا پیدل بھی اس تک رسائی سخت دشوار تھی۔ آنحضرتؐ تین روز تک اس کا محاصرہ کیئے رہے مگر کوئی ٹس سے مس ہوتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ چوتھے روز ایک یہودی نے آ کر کہا: اے ابوالقاسم آپؐ اگر ایک مہینہ بھی محاصرہ جاری رکھیں گے تو بھی انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ انہیں پانی کا مسئلہ ہے کہ پانی کے چشمے نیچے ہیں' یہ رات کو نیچے اترتے ہیں پانی پی بھی لیتے ہیں اور ضرورت کے مطابق پانی بھر لاتے ہیں۔ اگر آپ لوگ انکا پانی بند کر دیں تو یہ گھٹنے ٹیک دیں گے۔ چنانچہ آپؐ نے اسکی رائے پر عمل کرتے ہوئے چشموں پر پہرہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد یہود نے باہر نکل کر لڑنے مرنے کو ترجیح دی اور پھر زبردست لڑائی ہوئی جس میں کئی مسلمان شہید ہوئے اور دس یہودی بھی ہلاک ہو گئے لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔

قلعہ ابی کی فتح

قلعہ زبیر سے شکست کھا کر جو یہود بھاگے تھے وہ قلعہ ابی میں جمع ہو گئے تھے۔ قلعہ ابی پر حملہ کرنے کیلئے اسلامی لشکر نے کمر باندھی اور محاصرہ کر لیا تو انہیں مبارزت دی گئی۔ اس بار دو شہ زور جانباز میدان میں اتر کر مبارزت طلب کرنے لگے تو دو مسلمان جانبازوں نے جاتے ہی انہیں ڈھیر کر دیا۔ دوسرے یہودی کو قتل کرنے والے سرخ پٹی والے مشہور جانباز ابودجانہؓ تھے۔ وہ دوسرے یہودی کو قتل کرتے ہی قلعہ میں جا گھسے اور ساتھ ہی اسلامی لشکر بھی قلعے میں داخل ہو گیا اور اسے فتح کر لیا۔

قلعہ نزار کی فتح

اب سارے یہود قلعہ نزار میں اکٹھے ہو گئے تھے' پھر اسلامی لشکر نے قلعہ نزار پر حملہ کیا مگر یہ

قلعہ بھی چونکہ پہاڑی پر واقع تھا اس لئے اسے فتح کرنے میں سخت دشواری پیش آرہی تھی جبکہ یہود اوپر سے تیراندازی اور پتھروں کی بارش سے مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکنے میں کامیاب ہورہے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے منجنیق استعمال کرنے کا حکم فرمایا اور پھر مسلمان قلعہ میں شگاف کرنے میں کامیاب ہوگئے اور قلعہ میں گھس گئے۔قلعہ کے اندر بھی زبردست جنگ ہوئی مگر یہود نے فاش اور بدترین شکست کھائی۔کیونکہ حسب سابق یہ قلعوں سے چپ چاپ نکل کر فرار ہوجانے اور آرام آرام سے کھسک کر نکل جانے کی بجائے اپنی جانیں بچانے کی کوشش میں ایسے بے محابہ بھاگے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ نہ لے جاسکے اور انہیں مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔

اس مضبوط قلعے کی فتح کے ساتھ ہی خیبر کا نصف اوّل یعنی نطاۃ اور شق کا علاقہ فتح ہوگیا۔اس حصہ میں اگرچہ کچھ چھوٹے چھوٹے قلعے اور بھی تھے مگر اس قلعے کی شکست خوردگی کے بعد یہودیوں نے باقی ماندہ قلعوں کو بھی خالی کردیا اور شہر خیبر کے دوسرے منطقے (یعنی کتیبہ) کی طرف بھاگ گئے۔

خیبر کے نصف ثانی کی فتح

نطاۃ اور شق کا علاقہ فتح ہوچکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتیبہ' وطیح اور سلالم کے علاقے کا رُخ کیا۔سلالم بنونضیر کے ایک مشہور یہودی ابوالحقیق کا قلعہ تھا۔اسلامی لشکر کے ہاتھوں نطاۃ' شق اور فتح شدہ تمام قلعوں کے یہودی اب اسی قلعہ میں جمع ہوگئے تھے۔وہ سخت تلملائے ہوئے ہونے اور اپنی پے درپے شکستوں سے سخت آزردہ ہونے کے باوجود ہوش گنوانے پر تیار نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کیلئے نہایت ٹھوس قلعہ بندی کرلی تھی۔بعض مورخین کے نزدیک ان تینوں قلعوں میں جنگ ہوئی تھی لیکن واقدی نے دوٹوک الفاظ میں اختلاف کیا ہے کہ ان قلعوں میں جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی۔اس کا کہنا ہے کہ اس علاقے کے تینوں قلعے بات چیت کے ذریعے مسلمانوں کے حوالے کردیئے گئے تھے۔ہاں: البتہ قلعہ قموص کی حوالگی کیلئے کسی قدر ضرور جنگ ہوئی اور جلد ہی انکا سب سے محفوظ و مضبوط ''قموص'' نامی قلعہ حضرت علیؓ نے فتح کرلیا تھا۔اس کی تسخیر کے بعد جب آنحضرتؐ کتیبہ کے

علاقے میں تشریف لائے تو متذکرہ بالا تین قلعوں کا محاصرہ کرلیا گیا جو چودہ دن جاری رہا۔ یہودی اپنے قلعوں سے باہر نکلنے پر آمادہ ہی نہ تھے جس پر حضورؐ نے منجنیق نصب کروائی۔ جب یہودیوں کو اپنی تباہی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی بات چیت کیلئے کوششیں شروع کردیں۔

صلح کی بات چیت

پہلے ابی الحقیق کے بیٹے نے حضورؐ کو پیغام بھجوایا کہ کیا میں آپؐ کے پاس حاضر ہو کر بات چیت کرسکتا ہوں۔؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ یہ جواب پا کر وہ صلح کیلئے آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور اِن شرائط پر صلح کر لی کہ: قلعے میں موجود فوج کی جان بخشی کردی جائیگی اور انکے بال بچے انکے پاس رہیں گے۔ یعنی انہیں لونڈی یا غلام نہیں بنایا جائیگا اور وہ انہیں ہمراہ لے کر خیبر کی سرزمین سے نکل جائیں گے۔ اپنے اموال، سونا چاندی، زمینیں، گھوڑے اور زِرہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردیئے جائیں گے اور پارچات کی مد سے بھی صرف اتنے کپڑے ساتھ لے جائیں گے جتنے ایک آدمی اپنی پشت پر اٹھا کر لیجاسکتا ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اور اگر تم لوگوں نے مجھ سے کچھ چھپایا تو پھر اللہ اور اسکا رسولؐ بری الذمہ ہوں گے''۔ اس کے بعد تینوں قلعے بھی خالی کردیئے گئے اور یوں پورا خیبر مکمل فتح ہو گئی۔

صلح کے اس معاہدہ کی رُو سے تمام یہودی خیبر سے جلاوطن ہونے والے تھے مگر کچھ یہودی قائدین اور سربراہان نے آنحضرتؐ سے پھر درخواست کی کہ انکے قلعے اور جگہ انہیں بخش دی جائے۔ اس ضمن میں انکا کہنا تھا کہ اس سرزمین کی ہم اسی طرح دیکھ ریکھ کریں گے جیسا کہ کرتے آئے ہیں کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے زیادہ معلومات ہیں اور آپ لوگ اس کا انتظام اور زمین داری کا اتنا تجربہ نہیں رکھتے کہ ان زمینوں کو آباد رکھ سکیں یا انکی دیکھ بھال کرسکیں۔ اس کے عوض ہم اپنی پیداوار کا نصف آپکے حضور پیش کردیا کریں گے۔

آپؐ نے بھی یہی بہتر جانا کیونکہ نہ تو صحابہ کے پاس ہی اتنے غلام تھے جو اس زمین کی دیکھ بھال اور جوتنے بونے کا کام سنبھال سکیں نہ ہی انکے پاس ایسے کاموں کیلئے وقت میسر تھا اس لئے

آپؐ نے انکی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے انکی اس شرط کو بھی منظور فرمالیا کہ ہم جب تک چاہیں گے تم کو برقرار رکھیں گے اور جب چاہیں گے جلاوطن کردیں گے۔اس کے بعد حضرت رواحہؓ اس مجموعی پیداوار کا حساب کتاب رکھا کرتے اور نصف آمدن کا تخمینہ لگایا کرتے تھے۔

بعدازاں ابی الحقیق کے دو بیٹوں نے بدعہدی کرتے ہوئے بہت سا مال اور بنونضیر کا وہ خزانہ غائب کردیا جو بنونضیر یثرب سے جلاوطنی کے وقت اپنے ہمراہ لائے تھے۔جب انہیں پوچھا گیا؟ تو وہ صاف مکر گئے مگر جب اس جگہ کی کھدائی کی گئی تو وہ برآمد ہوگیا تو ان میں سے ایک بھائی کو اسی وقت قتل کر دیا گیا اور دوسرے کو محمودؓ بن مسلمہ کے قصاص کے طور پر انکے بھائی محمدؓ بن مسلمہ کے حوالے کردیا گیا جنہیں چکی کا پاٹ گرا کر شہید کردیا گیا تھا اور پھر انہوں نے اس کی گردن ماردی۔

المختصر! دورانِ معرکہ بہت سے قیدی بھی مسلمانوں کی حراست میں آگئے تھے جن میں حیٔ بن اخطب کی صاحبزادی صفیہ بھی شامل تھیں، جو ابھی نئی نویلی دلہن تھیں اور کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی تھیں اور جو اب بیوہ ہوچکی تھیں۔صحابہ کے کہنے پر حضورؐ نے انہیں نکاح کا پیغام دیا جو انہوں نے بخوشی قبول کرلیا تو آپؐ نے اُن سے عقد فرمالیا۔یوں حضرت صفیہؓ (جو رئیسہ بنوقریظہ و بنونضیر تھیں اب) اُمُّ المومنین بھی بن گئیں۔آنحضرتؐ نے انکے چہرے پر ایک نشان دیکھ کر پوچھا کہ یہ نشان کیسا ہے؟۔اس پر حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکے خیبر تشریف لانے سے پہلے میں نے ایک شب خواب دیکھا کہ چاند اپنی جگہ سے ٹوٹ کر میری آغوش میں آگرا ہے۔بخدا مجھے آپکے معاملے کا کوئی تصور تک نہیں تھا لیکن جب یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا تو اس نے میرے چہرے پر زور سے تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا' یہ جو بادشاہ یثرب میں ہے کیا تم اسکی آرزو کررہی ہو۔؟ یہ نشان اسی کا ہے''۔

یہ بات برسبیل تذکرہ پیش کردی گئی۔بہرحال موضوع کلام کو اختتام پذیر کرتے ہوئے بتاتا چلوں کہ خیبر کی جنگ میں ترانوے یہودی کام آئے جن میں انکے بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے اور انکے مقابلے میں پندرہ صحابیوںؓ نے جام شہادت نوش کیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

خیبر کے مال غنیمت کو یوں تقسیم کیا گیا کہ اسے ۳۶ حصوں میں بانٹ دیا گیا۔ ہر حصہ سو حصوں کا جامع تھا یوں کل تین ہزار چھ سو حصے ہوئے۔ اس میں سے نصف یعنی اٹھارہ سو حصے تمام مسلمانوں بشمول آنحضرتؐ کے تھے یعنی جو حصہ کسی عام مسلمان کو ملا وہی ایک حصہ حضورؐ کو بھی ملا۔ باقی دوسرا نصف یعنی اٹھارہ سو حصے آپؐ نے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات اور حوادث وغیرہ کیلئے مختص کر دیئے تھے۔ اٹھارہ سو حصوں پر خیبر کی تقسیم اس لئے کی گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ حدیبیہ کیلئے ایک عطیہ تھا جو موجود تھے انکے لئے بھی اور جو موجود نہیں تھے انکے لئے بھی۔

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور موسیٰ اشعریؓ کی آمد

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بیان کے مطابق یہ روداد کچھ یوں ہے کہ یمن میں ہمیں رسولؐ اللہ کے ظہور کا علم ہوا، تو میں میرے دو بھائی اور ہماری قوم کے پچاس لوگ ہجرت کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے ایک کشتی میں روانہ ہوئے لیکن ہماری کشتی نے ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں لا پھینکا۔ وہاں حضرت جعفرؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ یہ نظام خداوندی ہے جو تم لوگ یہاں آ پہنچے۔ ہمیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھیجا ہے اور تا حکم ثانی یہیں رکنے کا حکم دیا ہے۔ آپ لوگ بھی یہیں ہمارے ساتھ رک جایئے۔ چنانچہ ہم لوگ بھی وہیں رک گئے اور جب روانہ ہوئے تو اس وقت تک مسلمان خیبر فتح کر چکے تھے۔ مال غنیمت میں سوائے شرکائے خیبر اور کسی کا حصہ نہیں لگایا گیا تھا لیکن جب ہم لوگ حضرت جعفرؓ کے ساتھ وہاں پہنچے تو ہم سب کو بھی غنیمت کے حصوں میں شامل کر لیا گیا۔ جب ہم لوگ آپکی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے ہمارا نہایت والہانہ استقبال فرمایا۔ ہم تو خیر نو مسلم تھے البتہ حضرت جعفرؓ پر نظر پڑتے ہی آپؐ نے فرمایا: واللہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہے؟ خیبر کی فتح کی یا جعفرؓ کے یہاں آنے کی۔

غزوۂ فتح مکہ

فتح خیبر کے بعد غزوۂ فتح مکہ کی طرف چلتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے کہ جس حرم میں مسلمانوں کو داخل ہونے سے بزورِ شمشیر روک دیا گیا' اُن پر طرح طرح کی من پسند شرائط عائد کی گئیں اور احسان رکھتے ہوئے محض تین دنوں کیلئے عمرہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ نہ صرف یہی بلکہ ماضی قریب میں انہیں اس قدر مجبور کر دیا گیا کہ وہ اپنا شہر اور گھر بار چھوڑ کر یثرب ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر موجودہ صورتِ حال میں وہ معاہدہ حدیبیہ کی رُو سے اسی مجبوری میں بندھے ہوئے تھے کہ اپنے دینی فرائض و مذہبی عبادات کی رسوم کی ادائیگی کیلئے بھی انہیں قریش سے اجازت درکار تھی۔

سبب غزوہ مکہ

صلح حدیبیہ کے عنوان تلے عرض کر چکا ہوں کہ اس معاہدے کی ایک دفعہ یہ تھی کہ جو کوئی محمدؐ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکتا ہے اور جو کوئی فریق ثانی یعنی قریش کے عہد و پیمان میں شامل ہونا چاہے وہ بھی ہو سکتا ہے۔ یوں جو کوئی قبیلہ جس فریق کے عہد و پیمان میں داخل ہوگا' اس فریق کا حصہ سمجھا جائیگا۔ لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی حملے یا زیادتی کا شکار ہوگا تو یہ خود اس فریق پر حملہ یا زیادتی تصور کیا جائیگا۔

اِس دفعہ کے تحت بنو خُزاعہ علی الاعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے تھے اور قبیلہ بنو بکر' قریش کے عہد و پیمان میں۔ اس طرح دونوں قبیلے باوجود باہمی عداوت و دشمنی کے ایک دوسرے سے مامون اور بے خطر ہو گئے تھے۔ اِن دونوں قبیلوں میں دورِ جاہلیت سے عداوت و دشمنی چلی آ رہی تھی' اس لئے جب اسلام کی آمد آمد ہوئی اور صلح حدیبیہ ہو گئی تو قریش کے عہد و پیمان میں داخل قبیلہ بنو بکر مغلوبِ خیانت ہو گیا اور اس نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے چاہا کہ بنو خزاعہ سے پرانا بدلہ چکایا جائے۔ چنانچہ نوفل بن معاویہ ویلی نے بنو بکر کی ایک جماعت کے ساتھ شعبان ۸ھ میں

مکّہ مکرّمہ
﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے جو تمام دنیا کے لیے برکت اور ہدایت والا ہے۔'' [آل عمران: 96/3]
مکہ مکرمہ کے نام: مکة، بکة، ام القری، البیت الحرام، البیت العتیق، البلد الامین، بیت اللّٰہ الحرام
یہ نام بھی ہیں: النساسة، ام رحم، معاد، الحاطمة، الرأس، صلاح، العرش، القادس، المقدسہ، الناسہ، الباسہ، کوثیٰ (معجم البلدان 181:5)
پیمانہ: 1 سنٹی میٹر = 3,335 میٹر
عراق کا راستہ
محصّب
منیٰ اور عرفات کا راستہ
المعلاۃ
آبار
جبل الاحمر
قبور
وادی فاطمہ کا راستہ
کداء
آبار
شعب بنی عامر
جبل ابی قبیس
جبل قعیقعان
الحجون
جدے کا راستہ
کدی
شعب ابی طالب
مروہ
غار حرا
جبل الخندمہ
دار ارقم
اجیاد
قدیم قلعہ
مکّہ مکرّمہ
رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں
(شیخ محمد سعید فارس کی کاوش سے ماخوذ نقشہ)

بنوخزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ بنوخزاعہ (جو آنحضرتؐ کے عہد و پیمان میں شامل تھے) اس وقت وتیر نامی ایک چشمہ پر خیمہ زن تھے' کہ اس اچانک حملے میں انکے متعدد افراد مارے گئے۔ کچھ لڑائی بھی ہوئی لیکن بنوخزاعہ کا بہت نقصان ہوا۔ اس میں اہم بات یہ ہے کہ قریش نے بھی بدعہدی کا ارتکاب کرتے ہوئے نہ صرف ہتھیاروں سے انکی مدد کی' بلکہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قریش کے کچھ لوگ بھی اس لڑائی میں شریک ہو گئے۔ حملہ آوروں نے بنوخزاعہ کو کھدیڑ کر حرم تک پہنچا دیا۔ حرم پہنچ کر بنوبکر نے کہا: اے نوفل' اب تو ہم حرم میں داخل ہو گئے ہیں۔ تمہارا الٰہ۔۔۔ تمہارا الٰہ۔۔۔؟ یہ سن کر نوفل نے ایک بری بات کہی' کہنے لگا: اے بنوبکر آج کوئی الٰہ نہیں۔ میری عمر کی قسم' تم لوگ حرم میں چوری کر سکتے ہو' تو کیا یہاں اپنا بدلہ نہیں لے سکتے۔ چنانچہ حرم میں بھی بنوخزاعہ کو زیادتی کا نشانہ بنانے سے نہ رکے۔ یہاں تک کہ بنوخزاعہ کے عَمرو بن سالم خزاعی اور اسکے کچھ لوگوں کو مکہ پہنچ کر بُدیل ورقاؑ خزاعی اور اپنے ایک آزاد کردہ غلام رافع کے ہاں پناہ لینا پڑی۔

پھر عَمرو خزاعی وہاں سے موقعہ پا کر سیدھے مدینہ پہنچا۔ حضورؐ صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ وہ آپکی بارگاہ میں پہنچ کر آپؐ کے رُوبرو کھڑا ہو گیا اور آہ وزاری کرتے ہوئے مدد کی درخواست کرنے لگا۔ اس نے درجِ ذیل منظوم اشعار میں جو کچھ عرض کیا' بمع ترجمہ یہ ہے:۔

یارب انی ناشد محمدا — حلفنا و حلف ابیه الاتلدا

قد کنتم ولداوکناوالدا — ثمةأسلمنا ولم تنزع یدا

فانصرهداک الله نصراایدا — وادع عبادالله یا ئوامددا

فیهم رسول الله قد تجردا — ابیض مثل البدریسموصعدا

ان سیم خسفاوجهه تربدا — فی فیلق کا لبحریجری مزبدا

ان قریشا اخلفوک الموعدا — و نقضوامیثاقک المؤ کدا

وجعلوالی فی کداء رسدا — وزعمواان لست ادعو احدا

وهم اذل و اقل عددا — هم بیتونابالوتیرهجدا

وقتلونا رکعاو سجدا

''اے پروردگار! میں محمدؐ سے انکے عہد اور انکے والد کے قدیم عہد کی دہائی دیتا ہوں۔آپ لوگ اولاد تھے اور ہم جننے والے۔پھر ہم نے تابعداری اختیار کی اور کبھی دست کش نہیں ہوئے۔اللہ آپ کو ھدایت دے' آپ پُر زور مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں کو پکاریئے وہ مدد کو آئیں گے۔جن میں اللہ کے رسولؐ ہونگے' ہتھیار پوش اور چڑھے ہوئے چودھویں کے چاند کی طرح گورے اور خوبصورت۔اگر اُن پر ظلم ہو یا انکی توہین کی جائے تو انکا چہرہ تمتما اٹھتا ہے۔آپؐ ایک ایسے لشکر جرار کے اندر تشریف لائیں گے جو جھاگ بھرے سمندر کی طرح تلاطم خیز ہوگا۔یقیناً قریش نے آپؐ سے کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی ہے اور پختہ عہدو پیمان توڑا ہے۔انہوں نے میرے لئے کداُ میں گھات لگائی اور یہ سمجھا کہ میں کسی کو (مدد کیلئے) نہ پکاروں گا۔ حالانکہ وہ بڑے ذلیل اور تعداد میں قلیل ہیں۔انہوں نے وتیر پر رات کی تاریکی میں ہم پر حملہ کیا اور ہمیں رکوع وسجود کی حالت میں قتل کیا''۔یعنی ہم مسلمان تھے اور ہمیں قتل کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''اے عُمرو بن سالم تیری مدد کی گئی''۔اس کے بعد آپؐ نے آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا دیکھا تو فرمایا: یہ بادل بنوکعب کی مدد کی بشارت سے دمک رہا ہے۔ اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی کی سرکردگی میں بنوخزاعہ کی ایک اور جماعت بھی مدینہ آئی۔جنہوں نے حضورؐ کو اس واقعہ کی تفصیل سے آگاہ کیا کہ کون کون سے لوگ مارے گئے اور کس طرح قریش نے اپنے حلیفوں کی پشت بانی کر کے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کی۔ اس کے بعد یہ لوگ مکہ واپس چلے گئے۔طبری کا بیان ہے کہ ''عکرمہ بن ابوجہل' صفوان بن امیہ اور سہیل بن عُمرو نے بذاتِ خود بھی بھیس بدل کر بنوبکر کے ساتھ تلواریں چلائیں''۔

یہ سب سن کر آنحضرتؐ کو سخت رنج ہوا۔صلح حدیبیہ کے دس سالہ معاہدہ کو ابھی صرف سترہ ماہ ہی گزرے تھے کہ یہ دراڑ پیدا ہوگئی۔ یہ صریح بدعہدی تھی جس کے ذمہ دار قریش تھے۔خواہ بنوبکر کی طرف

سے یہ شرانگیزی قریش کی ایماء کا نتیجہ تھی یا خود بنی بکر کے کسی رئیس کا ذاتی فعل تھا۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاصد قریش کی طرف بھیجا اور تین شرطیں تجویز فرمائیں۔

۱۔مقتولوں کا خون بہادلایا جائے۔

۲۔قریش بنوبکر کی حمایت سے دست کشی کا اعلان کردیں۔

۳۔صاف صاف کہہ دیں کہ معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

قرطبہ بن عمر نے قریش کی طرف سے جواب بھیجا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے۔یعنی معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔اپنی بڑائی کی غلط گمانی اور بے بنیاد کبر ونخوت کی سرمستی میں ایسے الفاظ کہہ دینا آسان تھا مگر مسلمانوں سے مقابلہ کرنا ازبس مشکل اور جان ومال کے سخت زیاں کا باعث تھا۔

اس میں شک نہیں کہ قریش اور ان کے حلیفوں نے جو کچھ کیا' وہ کھلی بدعہدی اور پیمان شکنی تھی جس کی کوئی وجہ جواز نہ تھی۔طرّہ یہ کہ انہوں نے تیسری شرط کو منظور کر کے مزید ایک بڑی حماقت کا ثبوت فراہم کردیا تھا۔تاہم قریش نے جب تیسری صورت کی منظوری کے نتائج وعواقب پر غور کیا تو انہیں بھی جلد اس معاملہ کی نزاکت کا احساس ہوگیا اور اُن پر سخت پشیمانی کی حالت طاری ہوگئی۔پھر انہوں نے اسکی سنگینی اور نتائج کو مدّنظر رکھتے ہوئے اپنی مجلس مشاورت منعقد کی۔جس میں یہ طے پایا کہ معاہدۂ صلح حدیبیہ کی تجدید کیلئے اپنے سپہ سالار ابوسفیان کو نمائندہ بنا کر تجدید صلح کیلئے مدینہ روانہ کریں۔

تجدید صلح کیلئے ابوسفیان کی مدینہ آمد

اِدھر آنحضرتؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اس بدعہدی اور اتنی جانوں کے زیاں کے بعد اور بطورِ خاص تیسری شرط کی منظوری کے بعد قریش کیا کریں گے' میں تو گویا ابوسفیان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ معاہدے کو پھر سے پختہ کرنے اور مدتِ صلح کو بڑھانے کیلئے آرہا ہے۔

بُدیل بن ورقاء حضورؐ سے ملاقات کر کے واپس لوٹا تو عُسفان تک پہنچا تھا کہ ادھر ابوسفیان بھی طے شدہ قرارداد کے مطابق مکہ سے نکل کر عُسفان تک پہنچ گیا' تو ان دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ابوسفیان

سمجھ گیا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہو کر آرہا ہے۔ پوچھنے لگا بدیل! کہاں سے آرہے ہو۔؟ بدیل نے کہا: میں خزاعہ کے ہمراہ اس ساحل اور وادی میں گیا ہوا تھا اب واپس مکہ جا رہا ہوں۔ پوچھنے لگا کیا تم محمدؐ سے ملنے نہیں گئے تھے؟ تو بُدیل نے کہا: نہیں اور پھر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ تو ابوسفیان نے کہا: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ محمدؐ کے پاس گیا تھا۔

بہر حال ابوسفیان مدینہ پہنچا تو اپنی صاحبزادی اُم المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کے گھر گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگا تو انہوں نے جلدی سے بڑھ کر بستر لپیٹ دیا اور فرمایا: ابا جان یہ بستر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ مشرک ہونے کی بناء پر ناپاک ہیں اس لئے آپ اس پر نہیں بیٹھ سکتے۔ ابوسفیان کہنے لگا: خدا کی قسم میرے بعد تمہیں شر پہنچ گیا ہے۔

ابوسفیان اسی لمحہ باہر نکل گیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر گفتگو کرنے لگا، مگر آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور انہیں رسول اکرمؐ سے بات کرنے کیلئے کہا۔ آپؓ نے کہا: میں اس بارے حضورؐ سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس سفارش کی غرض سے پہنچا تو انہوں نے کہا: ابوسفیان! بھلا میں تم لوگوں کیلئے حضورؐ سے سفارش کرونگا۔؟ خدا کی قسم اگر مجھے لکڑی کی ایک چھڑی کے علاوہ کوئی ہتھیار دستیاب نہ ہو، تو میں اسی سے تم لوگوں کے خلاف جہاد کروں گا۔ اسکے بعد ابوسفیان حضرت علیؓ کے پاس پہنچا جہاں آپؓ کی زوجہ حضرت فاطمہؓ اور انکا گھٹنوں چلتا بیٹا حسنؓ بھی موجود تھے۔ ابوسفیان کہنے لگا: اے علیؓ میری بات سنو! میرے ساتھ تمہارا سب سے قریبی نسبی تعلق ہے۔ میں تمہارے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ میں جیسا آیا ہوں ویسا ہی نامراد واپس جاؤں۔ تم کسی طرح میرے لئے محمدؐ سے سفارش کر دو۔ حضرت علیؓ نے کہا: ابوسفیان! تم پر افسوس، کہ آنحضرتؐ نے جب ایک بات کا عزم کر لیا ہے، تو ہم اس بارے اُن سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔ پھر وہ حضرت فاطمہؓ سے بھی التجاء کرنے لگا۔ تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا۔ سوائے خود حضورؐ کے کوئی بھی اس ضمن میں بات کرنے کا مجاز نہیں اور نہ کوئی کر سکتا ہے۔

ان کوششوں اور ناکامیوں کے بعد ابوسفیان کی آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی۔ اس

نے ناامیدی اور مایوسی سے گھبرا کر حضرت علیؑ بن ابی طالب سے کہا: ابوالحسن! میں دیکھتا ہوں کہ معاملات سخت سنگین ہو گئے ہیں لہٰذا مجھے کوئی راستہ ہی بتاؤ۔ حضرت علیؑ نے کہا: خدا کی قسم! میں تمہارے لئے کوئی کارآمد بات نہیں جانتا۔ البتہ چونکہ تم بنو کنانہ کے بھی سردار ہو لہٰذا کھڑے ہو کر لوگوں میں امن کا اعلان کردو اسکے بعد اپنی سرزمین میں واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا: کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ میرے لئے کچھ کارآمد ہوگا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا: نہیں، خدا کی قسم میں اسے کارآمد تو نہیں سمجھتا، مگر اس کے سوا کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے بعد ابوسفیان نے مسجد میں کھڑا ہو کر اعلان کیا کہ: میں لوگوں کے درمیان امان اور تجدید صلح حدیبیہ کا اعلان کر رہا ہوں اور پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ چلا گیا۔

جب قریش کے پاس پہنچا تو وہ بے تابی سے پوچھنے لگے کہ پیچھے کا کیا حال رہا۔؟ کہنے لگا کہ میں نے محمدؐ سے بات کی مگر انہوں نے جواب تک نہیں دیا۔ پھر ابوقحافہ کے بیٹے کے پاس پہنچا اور بات کی تو واللہ اس کے اندر بھی کوئی بھلائی نہیں پائی کیونکہ اس نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں خطاب کے بیٹے کے پاس گیا تو اسے سب سے کٹّر دشمن پایا۔ اس نے کہا کہ وہ بے ہتھیار بھی ہم لوگوں سے جنگ کرے گا۔ پھر آخر میں ابوطالب کے بیٹے علیؑ کے پاس گیا تو اسے سب سے نرم پایا۔ اس نے مجھے ایک رائے دی کہ لوگوں میں جاؤ اور ان کے درمیان کھڑا ہو کر امان کا اعلان کردو اور میں نے ایسا ہی کیا۔

قریش نے امید کے جگنو آنکھوں میں بھرتے ہوئے جلدی سے پوچھا: کیا محمدؐ نے اسے نافذ العمل قرار دیا۔ ابوسفیان نے مایوسی سے کہا: نہیں۔ قریش نے کہا: تیری تباہی ہو اس شخص (علیؑ) نے تیرے ساتھ محض مذاق کیا ہوگا۔ ابوسفیان نے کہا: واللہ! میرے پاس اس کے علاوہ کوئی صورت نہ تھی۔

غزوے کی خفیہ تیاری

طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد شکنی کی خبر آنے سے تین روز قبل ہی آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اپنا ساز و سامان تیار کرنے اور اس بات کو خفیہ رکھنے کے بارے فرمادیا تھا۔ اسی دوران حضرت ابوبکرؓ نے دیکھ کر پوچھا: بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے۔؟ تو آپؓ نے جواب دیا واللہ! مجھے نہیں

معلوم۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: یہ بنواصفر یعنی رومیوں سے جنگ کا وقت بھی نہیں، پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کدھر کا ارادہ ہے۔؟ حضرت عائشہؓ نے پھر وہی جواب دیا کہ انہیں کچھ معلوم نہیں۔ پھر ٹھیک تین دن بعد جب علی الصبح عَمرو بن سالم خزاعی اپنے ساتھیوں سمیت بارگاہِ نبوی میں پہنچ گیا اور ''یارب انی ناشد محمدا۔۔ والے اشعار سنائے تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے۔ اسکے بعد بُدیل آیا اور پھر ابوسفیان بھی آیا، تو انہیں حالات کی نزاکت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوگیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ مکہ چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ دعا فرمائی کہ: ''اے اللہ! جاسوسوں اور خبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک لے تاکہ ہم ان کے علاقہ میں انکے سروں پر ایک دم جا پہنچیں''۔

پھر اخفاء وراز داری کی غرض سے آنحضرتؐ نے شروع رمضان ۸ھ کو حضرت ابوقتادہؓ بن ربعی کی قیادت میں آٹھ لوگوں کو بطن اضم کی طرف روانہ فرمادیا۔ یہ مقام ذی خشب اور ذی المرہ کے درمیان مدینہ سے قریباً چھتیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ مقصد یہ تھا کہ سمجھنے والا یہ سمجھے کہ آپؐ اسی علاقے کا رُخ کرنے والے ہیں۔ اور واقعی یہی خبریں اِدھر اُدھر پھیلیں۔ جب ابوقتادہ کے لوگ اپنے مقام تک پہنچ گئے تو انہیں یہ خبر ملی کہ حضورؐ مکہ کیلئے روانہ ہوچکے ہیں چنانچہ یہ لوگ بھی آپؐ سے جاملے۔

اُدھر حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے ایک عورت کے ذریعے قریش کو ایک رقعہ لکھ کر بھیجا کہ محمدؐ حملہ کرنے والے ہیں۔ آنحضرتؐ کو بذریعہ وحی حاطب کی اس حرکت کی اطلاع ہوگئی تو حضورؐ نے حضرت علیؓ حضرت مقدادؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ اور حضرت ابومرثدؓ غنوی کو یہ فرما کر بھیجا کہ جاؤ روضۂ خاخ پہنچو۔ وہاں ایک ہودج نشین عورت ملے گی جس کے پاس قریش کے نام ایک رقعہ ہوگا۔ یہ حضرات گھوڑوں پر سوار تیز رفتاری سے وہاں پہنچے تو عورت موجود تھی۔ اسے ہودج سے اتار کر کہا گیا، کہ تمہارے پاس جو خط ہے وہ ہمیں دیدو۔ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں۔ اس پر ہودج کی اچھی طرح تلاشی لی گئی مگر کوئی ایسا خط یا رقعہ دستیاب نہ ہوا۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا: دیکھو! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نبیؐ نے جھوٹ نہیں کہا اور نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ یا تو خود ہی خط نکال کر دیدو یا پھر ہمیں تم کو برہنہ کرنا پڑے گا۔ جب اس نے یہ پختگی دیکھی تو کہنے لگی! اچھا منہ اُدھر پھیرو، جب انہوں نے رُخ پھیرا تو اس نے اپنی چوٹی

سے رقعہ نکال کر انہیں دیدیا۔ یہ لوگ خط لے کر حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچے اور خط کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا۔ (ابی بلتعہ کی طرف سے قریش کی جانب) پھر قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی خبر دی گئی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو بلا کر پوچھا: کہ تم نے یہ کیا حرکت کی؟ تو وہ عاجزی کرنے اور معافی مانگتے ہوئے کہنے لگا کہ یا رسولؐ اللہ میں نہ تو مرتد ہوا ہوں نہ ہی قریش سے میرا کچھ تعلق ہے۔ میں نے یہ حرکت صرف اس لئے کی کہ میرے بال بچے انکے پاس ہیں اور میں یہ کام انجام دے کر صرف ان پر احسان کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ میرے بال بچوں سے بہتر سلوک کریں۔ اس لئے میں معافی کا طلب گار ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے عرض کی: یارسول اللہ مجھے اجازت دیں کہ اس منافق کی گردن ماردوں۔ حضورؐ نے فرمایا: دیکھو! یہ جنگ بدر میں شامل و حاضر تھا اور عمرؓ! تمہیں کیا پتہ؟ ہوسکتا ہے اللہ نے اہل بدر کو دیکھ کر کہا ہو کہ تم لوگ جو مرضی کرو' میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ سن کر عمرؓ کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ یہ کہتے ہوئے الگ ہو گئے کہ اللہ اور اسکے رسول بہتر جانتے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی کہ جاسوسوں کو بھی پکڑ لیا گیا اور کہیں اور سے بھی کوئی خبر قریش تک نہ پہنچ سکی۔

مرّ الظہران میں اسلامی لشکر کا پڑاؤ

۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو آنحضرتؐ نے ابورھمؓ غفاری کو مدینہ میں قائم مقام مقرر فرما کر دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ کی طرف کوچ کیا۔ جحفہ کے قریب آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ملے۔ وہ مسلمان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کرتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ رسولؐ اللہ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ آپؐ اور صحابہؓ روزے سے تھے لیکن عسفان اور قُدید کے درمیان کدید نامی چشمے پر پہنچ کر آپؐ نے روزہ توڑ دیا اور صحابہؓ نے بھی یہی کیا۔ اسکے بعد پھر سفر جاری فرمایا یہاں تک کہ مرّ الظہران اور پھر وادی فاطمہ پہنچ کر نزول فرمایا۔ وہاں آپؐ کے حکم سے لوگوں نے الگ الگ چولہوں میں آگ جلائی۔ اس طرح دس ہزار چولہوں میں آگ جلائی گئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی لشکر کا اتنا بڑا پھیلاؤ دیکھ کر دشمن دہل جائے اور مقابلہ کی ہمت کھو دے' تاکہ اس پاک شہر میں بلاوجہ خون خرابے سے بچا

جائے۔ پھر بنگاہِ احتیاط آپؐ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو یہاں پہرے پر مقرر فرمایا۔

ابوسفیان خدمتِ نبویؐ میں

مرالظہر ان میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد حضرت عباسؓ اس ارادہ سے رسولؐ اللہ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے کہ کوئی شخص مل جائے تو اس کے ہاتھ قریش کے پاس خبر بھیج دیں تا کہ وہ آنحضرتؐ کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے پہلے آپؐ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے قریش پر تمام خبر رسانی روک دی تھی اس لئے انہیں حالات کا کچھ علم نہ تھا۔ البتہ وہ خوف واندیشے سے دوچار تھے اور ابوسفیان باہر جا جا کر خبروں کی کھوج میں چکر لگاتا رہتا تھا اور اس وقت بھی وہ اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء سمیت خبریں اکٹھی کرنے نکلے ہوئے تھے کہ جلتے ہوئے چولہوں کے اِس سمندر کی طرف آ نکلے۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا بیان ہے کہ حسب سابق میں حضورؐ کے خچر پر سوار جا رہا تھا کہ مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی پڑی۔ وہ ایک دوسرے سے ردّ وقدح کر رہے تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ واللہ: میں نے آج رات جیسی بڑی آگ اور اتنا بڑا لشکر کبھی دیکھا ہی نہیں۔ جواب میں بدیل نے خیال ظاہر کیا کہ ہو نہ ہو یہ بنوخزاعہ ہونگے! جنہیں جنگ نے چھیل کر رکھ دیا ہے۔ اس پر ابوسفیان نے اس خیال کو ردّ کرتے ہوئے کہا: بدیل! خزاعہ اس سے کہیں کم تر اور ذلیل وقلیل ہیں کہ یہ انکی آگ ہو یا یہ لشکر خزاعہ کا ہو۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کی آواز پہچان لی اور کہا: ابوحنظلہ! اس پر اس نے بھی میری آواز پہچان کر کہا: ابوالفضل کیا یہ تم ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ تو اس نے کہا میرے ماں باپ تجھ پر قربان یہ سب کیا ہے؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ! ہائے قریش کی تباہی۔ واللہ! اس کے بعد اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا: اب کیا حیلہ ہے؟ میں نے کہا: واللہ اگر وہ تمہیں پا گئے تو کوئی شبہ نہیں کہ تمہاری گردن ماردی جائیگی۔ اس لئے میرے پیچھے خچر پر بیٹھ جاؤ! میں

تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلتا ہوں اور تمہارے لئے امان طلب کئے دیتا ہوں۔ میرا یہ مشورہ سنتے ہی ابوسفیان میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ابوسفیان کو لے کر چل پڑا۔ پھر جب کسی آلاؤ کے پاس سے ہمارا گزر ہوتا تو وہ لوگ پوچھتے کہ کون ہے اور جب مجھے دیکھتے تو ہمیں جانے دیتے کہ آنحضرتؐ کے چچا ہیں جو آنحضرتؐ کے خچر پر سوار ہیں۔ جب ہم حضرت عمرؓ کے چولہے پر سے گزرے تو وہ یہ پوچھتے ہوئے ہمارے نزدیک آ گئے کہ کون ہے؟ اور جب میرے پیچھے ابوسفیان کو بیٹھا دیکھا تو دیکھتے ہی کہنے لگے۔ ابوسفیان؟ اللہ کا دشمن؟ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے اللہ اور اسکے رسول کے دشمن کو بغیر تجدید عہد و پیمان ہمارے قابو میں دیدیا۔ اسکے بعد وہ آنحضرتؐ کی طرف دوڑے تو میں نے بھی خچر کو ایڑھ لگا کر تیزی سے بھگایا اور ان سے آگے بڑھ گیا پھر خچر سے کود کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا گھسا۔ اتنے میں عمرؓ بن خطاب بھی آ گئے اور بولے کہ اے اللہ کے رسولؐ یہ ابوسفیان ہے مجھے اجازت دیں کہ میں ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔ حضورؐ کے کچھ فرمانے سے پہلے ہی میں نے عرض کر دیا کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اسے پناہ دی ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: عباسؓ اسے اپنے ڈیرے پر لے جاؤ اور صبح میرے پاس لاو۔ پھر میں دوسری صبح اسے لے کر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔

ابوسفیان کو دیکھ کر آپؐ نے فرمایا' ابوسفیان تم پر افسوس! کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ ابوسفیان کہنے لگا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر حلیم' کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ مگر میرے دل میں اس معاملہ کے بارے ابھی تک کچھ کھٹک ہے۔ اس پر میں نے اس کے نزدیک ہو کر کہا: ارے احمق! حالت کفر میں قتل کر دئے جاؤ گے تو اگلی زندگی بھی غارت ہو جائیگی۔ اس پر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔ پھر میں نے گزارش کی کہ ابوسفیان اعزاز پسند ہے لہٰذا اسے کوئی اعزاز عطا فرما دیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ جو کوئی ابوسفیان کے گھر گھس جائے اسے امان ہے' جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے بھی اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔

اسلامی لشکر کا مکہ کی جانب کوچ

بروز منگل ۱۷۔ رمضان المبارک ۸ ھ کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہر ان سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو وادی تنگنائے پر پہاڑ کے ناکہ کے پاس روکے رکھیں تاکہ وہاں سے گزرنے والی خدائی فوجوں کو دیکھ کر ابوسفیان عبرت حاصل کرے۔ حضرت عباسؓ نے ایسا ہی کیا۔ جیسے جیسے مختلف قبائل اپنے اپنے پھریرے لئے وہاں سے گزرتے تو ابوسفیان انکا تعارف طلب کرتا رہا اور پھر کہتا کہ میرا اس قبیلہ سے کیا لینا دینا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ اپنے جلو میں یہاں سے گزرے تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انصار و مہاجرین کا ایک بیکراں سمندر آپؐ کے گرداگرد لوہے کی باڑ کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ کہنے لگا: عباسؓ یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے بتایا کہ یہ انصار و مہاجرین کے جلو میں رسولؐ اللہ تشریف لا رہے ہیں۔ تو ابوسفیان کہنے لگا: بھلا اِن سے محاذ آرائی کی طاقت کس کو ہے؟ پھر مزید کہا: اے ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو خدا کی قسم بہت بڑی اور زبردست ہوگئی ہے۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں نے کہا: ابوسفیان یہ بادشاہت نہیں ہے نبوّت ہے۔ تو اس نے جواب میں کہا: ہاں! اب تو یہی کہا جائیگا۔

اسلامی لشکر اچانک قریش کے سر پر

جب حضورؐ آگے بڑھ گئے تو حضرت عباسؓ نے ابوسفیان سے کہا: اسلامی لشکر کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے دوڑ کر اپنی قوم میں واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان تیزی سے مکہ پہنچا اور جاتے ہی بلند آواز سے پکارا: قریش کے لوگو! یہ محمدؐ ہیں جو تمہارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں جس سے مقابلہ کی تاب کسی میں نہیں۔ البتہ مجھے اور جو میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے۔ یہ سن کر اس کی بیوی ہند بنت عتبہ سخت طیش میں آ گئی اس نے سرِ بازار اسکی مونچھ پکڑ لی اور کہنے لگی: اے بنو کنانہ' مار ڈالو اس کم بخت کو۔ اس مَشک کی طرح چربی سے بھرے پتلی پنڈلیوں والے کو قتل کر دو۔ برا ہو ایسے پیشرو خبر رساں کا۔ مگر ابوسفیان یہی کہتا رہا کہ مجھے اور جو میرے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔

لوگ بھی مشتعل ہونے لگے تو ابوسفیان نے کہا: تمہاری بربادی ہو' دیکھو تمہاری جانوں کے بارے یہ عورت تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے اور پھر اپنی بات کو دُہرایا کہ محمدؐ واقعی اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ ہم مقابلہ کرنے کی تاب نہیں رکھتے۔ جو کوئی میرے گھر میں گھس جائے اسے امان ہے۔اس پر ہجوم نے کہا: تجھ پر اللہ کی مار! تیرا گھر ہمارے کتنے لوگوں کے کام آ سکتا ہے۔؟ ابوسفیان دھائی دیتے ہوئے کہنے لگا: جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسکو بھی امان ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔ یہ اعلان سنتے ہی لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔ البتہ کچھ ڈھیٹ النسل لوگوں نے اپنے کچھ اوباشوں کو اس بات پر لگا دیا کہ اگر قریش کو کچھ کامیابی ملی تو ہم انکے ساتھ ہو جائیں گے اور اگر انکو ضرب لگی یا وہ مار دیئے گئے تو ہم سے جو مطالبہ کیا جائیگا وہ منظور کر لیں گے۔

قریش کے یہ احمق اوباش اسلامی لشکر سے لڑنے کیلئے عکرمہ بن ابی جہل' صفوان بن امیہ اور سہیل بن عَمرو کی کمان میں خندمہ کے اندر جمع ہوئے۔اُن میں بنو بکر کا ایک آدمی حماس بن قیس بھی تھا جو اس سے پہلے ہتھیار ٹھیک ٹھاک کرتا رہتا تھا۔جس پر اسکی بیوی نے ایک روز کہا کہ یہ کاہے کی تیاری ہے جو میں دیکھتی رہتی ہوں؟ تو کہنے لگا محمدؐ اور اس کے ساتھیوں سے مقابلے کی تیاری ہے۔اس کی بیوی بولی' خدا کی قسم! محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کے مقابل کوئی چیز ٹھہرنے والی نہیں۔اس پر حماس کہنے لگا: واللہ میں تو اس کے ساتھیوں میں سے کچھ کو تمہارا خادم بنا کر رہوں گا۔خندمہ میں پیش آنے والی لڑائی میں یہ شخص بھی شامل تھا۔

مکہ میں اسلامی لشکر کا داخلہ

جب حضورؐ مرالظہر ان سے ذی طویٰ پہنچے تو یہاں آپؐ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ خالدؓ بن ولید کو داہنے پہلو پر رکھا جس میں اسلم۔سُلیم۔غِفار۔مُزینہ۔جُہینہ اور کچھ دیگر قبائل شامل تھے۔ خالدؓ بن ولید کو حکم دیا کہ وہ مسفلہ یعنی مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں۔ اگر کوئی آڑے آئے تو اسے کاٹ کر پھینک دیں' یہاں تک کہ صفا پر مجھ سے آملیں۔

حضرت زبیرؓ بن عوام بائیں پہلو پر تھے۔ان کے ہاتھ میں آنحضرتؐ کا پھریرا تھا اور انہیں حکم تھا کہ وہ مکہ کے بالائی حصہ یعنی کدأ سے داخل ہوں اور حجون میں آپؐ کا جھنڈا گاڑھ کر آنحضرتؐ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔حضرت ابوعبیدہؓ پیادے پر مقرر تھے اور آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بطن وادی کا راستہ پکڑیں یہاں تک کہ مکے میں ہم سے آگے اُتریں۔

اس طرح شہر میں داخل ہونے والے تمام راستوں پر قبضہ کرلیا گیا' تا کہ خون ریزی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ان انتظامات کے ساتھ حکیمؓ بن حزام کے گھر کو بھی جائے امن قرار دیدیا گیا۔پھر ھدایات کے مطابق تمام دستے اپنے مقررہ راستوں پر چل پڑے۔خالدؓ بن ولید حسب ھدایت مسفلہ کی طرف سے ہوتے ہوئے خندمہ پہنچے تو قریش کے اوباشوں کے ایک گروہ سے مڈبھیڑ ہوئی۔قریش کے اوباشوں پر مشتمل اس گروہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کے دستہ پر اچانک تیر برسانے شروع کردیئے۔ جس سے خالدؓ کے رفقاء میں سے کرزؓ بن جابر فہری اور خُنیسؓ بن خالد بن ربیعہ شہید ہوگئے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مجبوراً خالدؓ بن ولید کو بھی جوابی حملہ کرنا پڑا' اور پھر جو انکے راستہ میں آیا کاٹ ڈالا گیا۔

اس جھڑپ میں جب تیرہ مشرکین اپنی گردنوں کے خون سے نہلا دیئے گئے تو اچانک ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ان بھاگنے والوں میں حماس بن قیس بھی شامل تھا (جو صحابہؓ میں سے کچھ کو اپنی بیوی کا خادم بنانے کا خواہاں اور مسلمانوں سے مقابلہ کیلئے ہتھیار مرمت کرتا رہتا تھا) وہ سرپٹ دوڑتا ہوا' اپنے گھر جا گھسا' اور اپنی بیوی کو کہنے لگا! جلدی سے دروازہ بند کرلو۔اس نے کہا: تمہاری وہ ڈینگیں کہاں گئیں جو تم ہانکا کرتے تھے۔تو وہ سراسیمہ حال پھٹی آنکھوں اور دہشت زدہ کھلے منہ سے یہ اشعار پڑھنے لگا:۔

انک لو شھدت یوم الخندمه — اذ فر صفوان وفر عکرمة

واستقبلنابالسیوف المسلمة — یقطعن کل ساعد و جمجمه

ضربافلایسمع الا غمغمه — لھم نھیت خلفنا و ھمھمه

لم تنطقی فی اللوم ادنیٰ کلمه

''اگر تم نے جنگ خندمہ کا حال دیکھا ہوتا (جب کہ صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوئے اور سونتی ہوئی تلواروں سے ہمارا استقبال کیا گیا' جو کلائیاں اور کھوپڑیاں اس طرح کاٹتی جارہی

تھیں کہ پیچھے سوائے انکے شور وغوغہ اور ہمہمہ کے کچھ سنائی نہیں پڑتا تھا) تو تم ملامت کی ایسی ادنیٰ بات نہ کہتی"۔

اوباشوں کے اس گروہ سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید مکہ کے گلی کوچوں کو روندتے ہوئے کوہِ صفا پر رسولؐ اللہ سے جا ملے۔ اُدھر حضرت زبیرؓ نے آگے بڑھ کر حجون میں مسجد فتح کے پاس آنحضرتؐ کا جھنڈا گاڑا پھر آپکے لئے ایک قبّہ نصب کیا اور مسلسل وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ رسولؐ تشریف فرما ہو گئے۔

مسجد حرام میں داخلہ اور کعبۃ اللہ کی بتوں سے تطہیر

اسلامی لشکر ۲۰۔ رمضان المبارک ۸ھ مطابق ۱۱۔ فروری ۶۳۰ء کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ جمعہ کا مبارک دن تھا۔ آنحضرتؐ کے مکہ میں داخل ہونے کی کیفیت بھی عجیب تھی، آپؐ ناقہ پر سوار تھے اور آپکے پیچھے اسامہؓ بن زید تھے۔ آپکا سر مبارک اللہ کے حضور عاجزی وشکر گزاری میں یوں جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک اکثر ناقہ کے کجاوے کی لکڑی سے چھو جاتی تھی اور آپؐ سورۃ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔

اس وقت انصار کا پھریرا حضرت سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ جب یہ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو اسے دیکھتے ہی پکار کر کہنے لگے: آج اللہ نے قریش کی ذلت مقدر کر دی ہے۔ پھر شعر پڑھتے ہوئے کہا:۔ "آج خون ریزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت حلال کر لی جائیگی"۔

یہ محض یک گونہ تعریض تھی، جس سے ایک پُر جوش مجاہدِ حق اپنے قدیم دشمن کو دیکھ کر باز نہ رہ سکا تھا۔ اور غالباً سعدؓ بن عبادہ کو اس وقت تک ابوسفیان کے اسلام لا چکنے کا بھی علم نہ تھا۔ اس کے بعد جب وہاں سے رسولؐ اللہ گزرے تو ابوسفیان جگہ بناتے ہوئے قریب ہو کر آپؐ سے عرض کرنے لگا کہ: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپنے سعدؓ کی وہ بات نہیں سنی جو اس نے کہی۔ آپؐ نے فرمایا سعدؓ نے کیا کہا۔؟ تو ابوسفیان نے بتایا کہ اس نے یہ بات کہی اور یہ شعر کہا ہے۔ یہ بات سن کر حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی خطرہ بھانپتے ہوئے حضورؐ سے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعدؓ بن عبادہ اجازت لئے بغیر قریش میں مار دھاڑ نہ مچا دیں۔ رسولؐ اللہ نے ابوسفیان کو

مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''نہیں! آج کا دن وہ ہے جس میں کعبۃ اللہ کی تعظیم کی جائیگی۔ آج کا دن وہ ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا''۔ اس کے بعد آپؐ نے آدمی بھیج کر حضرت سعدؓ سے جھنڈا لے کر انکے بیٹے قیس کو عطا کر دیا۔ گویا جھنڈا پھر بھی انہیں کے گھرانے میں رہا۔

پھر آنحضرتؐ اپنے گرد و پیش انصار و مہاجرین کا ایک سمندر جلو میں لئے وہاں سے شانِ عبودیت کے ساتھ سیدھے کعبۃ اللہ پہنچے۔ آپؐ کے ہاتھ عصاء مبارک تھا جس سے آپؐ اردگرد موجود بتوں کو گراتے جاتے۔ آپکی ٹھوکر سے بت منہ کے بل گرتے اور ان میں اکثر ٹوٹ کر بکھر جاتے۔ ایسی حالت میں یہ آیات آپکی زبان مبارک سے جاری تھیں:۔

" قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ مَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيدُ(۴۹)" (سورۃ: سبا)

''حق آ گیا اور باطل کی چلت پھرت ختم ہوگئی'' (سبا:۴۹)

اور پھر یہ دوسری آیۃ مبارکہ تو تسلسل سے پڑھتے ہوئے سنے گئے:۔

" وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا(۸۱)"

(سورۃ: بنی اسرائیل)

''اور آپ فرما دیجئے حق آ گیا اور باطل چلا گیا اور باطل جانے والی چیز ہے''

(بنی اسرائیل:۸۱)

کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد اس کے اندر کے بتوں کو بھی گرایا گیا اور دیواروں پر لگی ہوئی حضرت ابراہیم خلیلؑ اللہ حضرت اسمٰعیلؑ اور فرشتوں کی تصویروں کو بھی ہٹا دیا۔ پھر کعبہ کا طواف کیا، جو آپؐ نے اونٹنی پر بیٹھ کر کیا اور اسی حالت میں حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد کعبۃ اللہ کے اندر جا کر نماز ادا فرمائی۔ اس وقت آپکے ہمراہ صرف اسامہؓ بن زید اور بلالؓ بن رباح تھے۔ پھر بیت اللہ کی کلید عثمان بن طلحہؓ کے حوالے کر دی اور فرمایا کہ اب یہ کنجی قیامت تک تمہارے ہی پاس رہے گی۔ حضرت بلالؓ نے اس موقعہ پر پہلی مرتبہ مستقل حیثیت میں اذان دی۔ قریش باہر صحنِ مسجد میں صفیں باندھے آنحضرتؐ کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر حضورؐ بیت اللہ کے اندر سے باہری دروازہ پر تشریف لائے اور کعبہ کے دونوں

بازؤں کو پکڑ کر یوں خطاب فرمایا:۔

''خدا کے بندو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یگانہ و یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا' اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور تمام مخالف جتھوں کو تنہا توڑ ڈالا۔ ہاں تمام مخافر تمام انتظامات' تمام خون بہا میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبۃ اللہ کی تولیت اور حجاج کیلئے پانی کا انتظام مستثنیٰ ہیں۔ اے قریش! جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدمؑ سے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں''۔

''اس میں تمام مخافر انتظامات اور خون بہا میرے قدموں تلے ہیں'' سے مراد انکی یہ تفصیل ہے کہ دورِ جاہلیت کے دستور اب نہیں چلیں گے کہ کسی کو بھی قتل کر دیا جائے کسی کا بھی مال لوٹ لیا جائے اب اُن پرانے رواجات کو ترک کرنا ہوگا اور میں جو شرعی قوانین نافذ کروں گا تم سب کو ان پر عمل کرنا اور خود کو اسلامی شریعہ کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ پھر اسی خطبہ میں یہ وضاحت بھی فرمادی گئی کہ قتل خطا شبہ عمد میں جو کوڑے یا ڈنڈے سے ہو مغلظ دیت ہے۔ یعنی دیت میں اگر سو اونٹ ہوں تو ان میں چالیس اونٹنیاں ایسی ہوں جن کے پیٹوں میں بچے ہوں۔ پھر حضورؐ نے سورۃ حجرات کی یہ آیت مبارکہ پڑھی:۔

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (۱۳) (سورۃ: حجرات)

ترجمہ:۔ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو تم میں اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے (حجرات:۱۳)

اس کے بعد آپؐ نے سال ہا سال سے ظلم وتشدد روا رکھنے والے قریش کو مخاطب فرما کر پوچھا: قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا: یقیناً

اچھا' کیونکہ آپؐ ایک کریم بھائی ہیں اور ایک کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ!

''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط'' (سورۃ یوسف:۹۲) یعنی آج تم پر کوئی سرزنش نہیں' ''انتم الطلقاء'' جاؤ تم سب آزاد ہو۔

کعبۃ اللہ کی کنجی (حق بحقدار رسید)

اس کے بعد حضورؐ مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔حضرت علیؓ نے جن کے ہاتھ میں کعبہ کی چابی تھی یہ درخواست کی کہ ہمیں حاجیوں کو پانی پلانے کے ساتھ ساتھ کعبۃ اللہ کی کلید برداری کا اعزاز بھی جمع فرما دیجئے۔ایک دوسری روایت کے مطابق یہ درخواست حضرت عباسؓ نے کی تھی۔آپؐ نے فرمایا: عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ انہیں بلایا گیا۔آپؐ نے فرمایا: عثمانؓ یہ لو اپنی کنجی اب اسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے لے لو۔تم لوگوں میں سے اسے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔پھر فرمایا: ''اے عثمان! اللہ نے تم لوگوں کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے اس لئے جو رزق بیت اللہ سے تمہیں ملے اسے معروف کے ساتھ کھانا''۔

فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق آنحضرتؐ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہوئے اسلام قبول کرنے لگے۔مردوں کے بعد عورتوں کی باری آئی جس میں ہند بنت عتبہ بھی تھی جس نے غزوۂ اُحد میں حضرت امیر حمزہؓ کا قتل کروایا تھا اور پھر ان کا کلیجہ چبایا تھا۔بعد از قبولِ اسلام بھی جب وہ سامنے آتی تو آنحضرتؐ کو اس قدر تکلیف ہوتی کہ اسے سامنے آنے سے منع فرما دیا گیا۔

اربابِ سیر کی تصریح کے مطابق آنحضرتؐ نے اگرچہ اہل مکہ کو امان بخش دی تھی' تاہم دس ایسے افراد تھے جنہیں واجب القتل مانتے ہوئے ان کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ان دس لوگوں میں سے سات افراد نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا تو معافی کے طلبگار ہونے پر انہیں معاف فرما دیا گیا اور باقی تین کو قتل کر دیا گیا۔قتل ہونے والوں میں دو مرد اور ایک عورت تھی یعنی عبداللہ بن خطل' مقیس بن صبابہ اور ابن خطل کی دو لونڈیوں میں سے ایک لونڈی قریبہ' پہلے دونوں مرد قتل کے قصاص میں مارے گئے اور

عورت مکہ کی مغنّیہ تھی جو آنحضرتؐ کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی اور کسی فعل میں واجب القتل تھی۔

اس میں شک نہیں کہ کچھ لوگ محض اس لئے اسلام لے آئے کہ اب اسکے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ کچھ طوعاً و کرہاً اسلام قبول کرنے والے بھی موجود تھے اور ایسے بھی جو محض جان بچانے کیلئے دکھاوے کے کلمہ کا ڈھنڈورا پیٹتے پھر رہے تھے۔ البتہ ایسے خوش بختوں کی بھی کمی نہیں تھی جنہیں انصار و مہاجرین کی طرح حضورؐ سے محبت نصیب ہو گئی اور انہوں نے صدقِ دل سے اسلام قبول کر کے تادم مرگ اسے نبھایا۔ اسلام لانے والوں کی کیفیات کے ضمن میں سورۃ حجرات کی درجِ ذیل آیات نازل ہوئیں:۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۴) (سورۃ: حجرات)

''گنوار بولے ہم ایمان لائے آپ فرما دیں تم ایمان تو نہ لائے' ہاں یوں کہو ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی کہاں ہوا' اگر تم اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو تمہارے کسی عمل کا تمہیں نقصان نہ دیگا' بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے'' (حجرات:۱۴)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (۱۵) (سورۃ: حجرات)

''ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں'' (حجرات:۱۵)

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ (۱۶) (سورۃ: حجرات)

''آپ فرماؤ کہ کیا تم اللہ کو اپنا دین بتاتے ہو؟ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے'' (حجرات:۱۶)

یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ ۚ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۱۷) (سورۃ: حجرات)

''اے محبوب وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے تم کہہ دو کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو' بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ھدایت دی' اگر تم سچے ہو'' (حجرات:۱۷)

اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ؑ (۱۸)

(سورۃ: حجرات)

''بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے'' (حجرات:۱۸)

فتح مکہ کے بعد انصار کے اندیشے

جب مکہ فتح ہو گیا تو انصار اس اندیشے میں سخت پریشان تھے اور ایک دوسرے سے قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ رسول اللہؐ کی جھولی میں ڈال دیا ہے اور معروف ہے کہ یہ آپکا آبائی شہر ہے' آپکی جائے پیدائش ہے اور آپکا اپنا وطن ہے۔ تو کیا اب وہ یہیں قیام فرمالیں گے۔؟ اور ہم یثرب والوں کو چھوڑ دیں گے۔؟

اس وقت آنحضرتؐ کوہِ صفا پر اللہ بزرگ و برتر کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے مصروفِ دعا تھے۔ آپؐ دعا سے فارغ ہوئے تو انہیں قریب بلا کر پوچھا تم لوگوں نے کیا بات کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ خاص بات نہیں۔ آپؐ نے اصرار فرمایا تو انہیں بتانا پڑا کہ ہم اس فکر و اندیشے میں مبتلا ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: خدا کی پناہ! ''اب زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے''۔

دوسرے دن کا خطبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام

فتح مکہ کے موقع پر آنحضرتؐ دوسرے دن بھی خطبہ دینے کیلئے لوگوں کے بیچ کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے اللہ کی حمد و ثنا اور اس کے شایانِ شان اسکی تمجید کی پھر فرمایا: ''لوگو! اللہ نے جس دن آسمان کو

پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام (حرمت والا شہر) ٹھہرایا۔ اس لئے جو کوئی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کیلئے حلال نہیں کہ اس میں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی یہ سوچ کر رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہ نے یہاں قتال کیا تو اسکو کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی تھی اور وہ قتال بھی صرف ایک دن کی ایک ساعت میں حلال کیا گیا۔ آج پھر اسکی حرمت اسی طرف پلٹ آئی ہے جس طرح پہلے تھی۔ اب چاہیئے کہ جو حاضر ہے غائب کو یہ بات پہنچا دے"۔

آنحضرتؐ نے مکہ میں انیس (۱۹) روز قیام فرمایا۔ اس دوران آپؐ شعائر اسلام کی تجدید کرتے رہے اور لوگوں کو ہدایت و تقویٰ کی تلقین فرماتے رہے۔ اسی دوران حضرت ابو اُسید خزاعیؓ نے آپؐ کے حکم سے از سر نو حدودِ حرم کے کھمبے نصب کئے۔ انہی دنوں آپؐ نے اندرونِ مکہ اور شہر کے ارد گرد جہاں کہیں بتوں کا وجود پایا جائے انہیں نابود کروانے اور اسلام کی دعوت دینے کیلئے صحابہؓ کے وفود روانہ کئے اور یوں تمام بت توڑ ڈالے گئے۔ آپؐ کے منادی نے اعلان کیا کہ جو کوئی اللہ اسکے رسولؐ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اپنے گھر میں کوئی بت نہ چھوڑے بلکہ اسے توڑ ڈالے۔

سرایا اور وفودِ صحابہ کی کارگردگی

(۱)۔ فتح مکہ سے یکسو ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ رمضان المبارک ۸ھ کو حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں "عُزّیٰ" کے انہدام کیلئے ایک سریہ روانہ فرمایا' یہ بت نخلہ میں تھا۔ قریش اور تمام بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے' اور بنو شیبان اس کے مجاور تھے۔ خالدؓ بن ولید نے پچاس سواروں کے ساتھ نخلہ جا کر اس بت کو ڈھا دیا اور واپس لوٹ آئے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا خالد! کیا تم نے وہاں کچھ دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا یا رسولؐ اللہ میں نے وہاں کوئی خاص چیز نہیں دیکھی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: پھر تم نے حقیقت میں عُزّیٰ کو ڈھایا ہی نہیں۔ واپس جاؤ اور اسے ڈھا دو۔ اس پر حضرت خالدؓ نے بپھرتے ہوئے تلوار سونتی اور دوبارہ نخلہ روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ انہوں نے اس بت کی باقیات کو مزید توڑنا شروع کیا تو ایک کالی' ننگی اور پراگندہ سر عورت نکل کر غصے میں انہیں گھورنے لگی' مجاور اسے چیخ

چیخ کر پکارنے لگے کہ ان لوگوں کو ختم کردو۔ لیکن اتنے میں حضرت خالدؓ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس عورت کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر واپس آ کر خالدؓ نے حضورؐ کو خبر دی تو آپؐ نے فرمایا: ہاں! وہی عُزّیٰ تھی۔ اپنے قتل کے بعد اب وہ مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے ملک میں کبھی بھی اس کی پوجا ہو۔

(۲)۔ اس کے بعد اسی مہینے میں عَمروؓ بن العاص کو ''سواع'' نامی بت ڈھانے کیلئے روانہ کیا۔ یہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر رہاط میں بنو ہذیل کا ایک بت تھا۔ جب حضرت عَمروؓ اسے ڈھانے وہاں پہنچے تو مجاور نے پوچھا: کیا چاہتے ہو۔ حضرت عَمروؓ نے بتایا کہ مجھے رسولؐ اللہ نے اسے ڈھانے کیلئے حکم دیا ہے۔ تو کہنے لگا تم اسے ڈھا نہیں سکو گے کیونکہ قدرتاً روک دیئے جاؤ گے۔ حضرت عَمروؓ نے کہا! تم ابھی تک باطل پر ہو؟ تم پر افسوس! کیا یہ سنتا یا دیکھتا ہے؟ پھر ''سواع'' پر حملہ کر کے اسے پاش پاش کر دیا اور بت کے خزانہ والے مکان کو بھی منہدم کر دیا اگرچہ اس میں سے کوئی خزانہ وغیرہ دستیاب نہیں ہوا۔ پھر اس مجاور کی طرف متوجہ ہوئے جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ آپؓ نے اس سے کہا بتاؤ کیسا رہا۔؟ اس نے کہا: ہمارا یہ خدا تو نہایت بے بس نکلا' میں اللہ کیلئے اسلام قبول کرتا ہوں۔

(۳)۔ اسی ماہ حضرت سعدؓ بن زید اشہلی کو بیس سوار دیکر ''مناۃ'' کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ بت قدید کے پاس مُشلّل میں اوس وخزرج اور غسّان وغیرہ کا بت تھا۔ جب حضرت سعدؓ وہاں پہنچے تو انہیں بھی وہاں کے مجاور نے پوچھا کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم مناۃ کو ڈھانے کیلئے آئے ہیں۔ مجاور کسی زعم کا شکار تھا کہنے لگا تم جانو اور تمہارا کام۔ حضرت سعدؓ مناۃ کی طرف بڑھنے لگے تو اس میں سے بھی ایک برہنہ کالی بدصورت اور پراگندہ بالوں والی عورت باہر نکلی۔ وہ اپنا سینہ پیٹ پیٹ کر ہائے ہائے کر رہی تھی۔ مجاور نے اس سے کہا: مناۃ! اپنے ان نافرمانوں کو پکڑ لے۔ اتنے میں سعدؓ نے اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر ڈالا۔

(۴)۔ حضورؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو پھر سے بنو جزیمہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس مرتبہ مقصود حملہ نہیں تھا بلکہ اسلام کی دعوت دینا تھا۔ خالدؓ مہاجرین وانصار اور بنو سلیم کے ساڑھے تین سو افراد کو لے کر روانہ ہوئے اور بنو جزیمہ کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کی بجائے

صبأ نا (ہم نے اپنا دین چھوڑا) کہا۔ اس پر خالدؓ نے انہیں گرفتار کرنا اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ ہر ہر قیدی کو اپنے ساتھ آئے ہر ہر ساتھی کے حوالے کر دیا۔ پھر ایک روز حکم دیا کہ جس جس کے پاس جو جو قیدی ہے وہ اسے قتل کر دے۔ لیکن ابن عمرؓ نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ جب حضورؐ کے پاس واپس آئے اور ابن عمرؓ نے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دو بار فرمایا: ''یا اللہ خالدؓ نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف برأت اختیار کرتا ہوں''۔

اس موقع پر انصار و مہاجرین نے بھی اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ البتہ بنو سلیم نے اپنے قیدیوں کو بموجب حکم قتل کر دیا تھا۔ چنانچہ رسولؐ اللہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیج کر بنو جزیمہ کے مقتولین کی دیت اور انکے نقصانات کا معاوضہ ادا فرمایا۔

اسی معاملے میں حضرت خالدؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے درمیان کچھ سخت کلامی اور کشیدگی ہو گئی تھی۔ جب اسکی خبر آنحضرتؐ کو ہوئی تو انہوں نے خالدؓ بن ولید کو فرمایا: خالد! میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ خدا کی قسم اگر اُحد پہاڑ سونے کا ہو جائے اور تم سارے کا سارا خدا کی راہ میں خرچ کر دو، تب بھی میرے رفقاء میں سے کسی ایک کی صبح کی عبادت یا شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔

یہ تھی فتح مکہ جس کی بنیاد دراصل صلح حدیبیہ میں رکھ دی گئی تھی۔ معاہدہ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ میں جو خفیہ مسلمان تھے وہ بھی کھل کر سامنے آ گئے اور انہیں بھی کھل کر بات کرنے اور دعوت اسلام کو دوسروں تک پہنچانے کا موقع میسر آ گیا تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بہت سے لوگ فتح مکہ سے قبل ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے، اُدھر اسلامی جنگوں کے شکست خوردہ لوگوں میں سے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تھا یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد جو اس سے قبل تین ہزار سے نہ بڑھی تھی غزوۂ مکہ کے موقع پر دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

غزوۂ حنین

فتح مکہ نے لوگوں کی آنکھیں کھول دی تھیں اور اُن پر پڑا ہوا وہ آخری پردہ ہٹا دیا تھا جو قبولِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اس فتح کے بعد جزیرۃ العرب کے سیاسی اور دینی افق پر مسلمانوں کا آفتاب چمک رہا تھا اور اب دینی سربراہی اور دنیوی قیادت کی زمام انکے ہاتھ میں آ چکی تھی۔

گویا صلح حدیبیہ کے بعد سے مسلمانوں کے حق میں جو مفید تغیر شروع ہوا تھا' اس فتح کے ذریعہ مکمل اور تمام ہو گیا۔ اس کے بعد ایک دوسرا دَور شروع ہوا جو پورے طور پر مسلمانوں کے حق میں تھا اور جس میں صورتِ حال مسلمانوں کے قابو میں تھی۔ عرب اقوام کے سامنے صرف ایک ہی راستہ بچا تھا کہ وہ وفود کی شکل میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیں اسلام کی تعلیم حاصل کریں اور آپکی دعوت لے کر چاردانگ عالم میں پھیل جائیں۔ اگلے دو برسوں میں اسی کی تیاری کی گئی۔

یہ آنحضرتؐ کی پیغمبرانہ زندگی کا آخری مرحلہ ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے اور حضورؐ کی اسلامی دعوت کے اُن نتائج کی نمائندگی کرتا ہے جنہیں آپؐ نے بائیس ۲۲ سال کی طویل جدوجہد' سخت مشکلات' شدید مشقت' فتنوں' ہنگاموں' فسادات' جنگوں اور خونریز معرکوں کے بعد حاصل کیا تھا۔

اس طویل عرصے میں فتح مکہ سب سے اہم ترین کامیابی تھی جو مسلمانوں نے حاصل کی۔ اسکی وجہ سے حالات کا دھارا بدل گیا اور عرب کی فضا میں ایک تغیر آ گیا۔ چونکہ قریش' تمام اہل عرب کی نگاہ میں انکے (مشرکانہ) دین کے محافظ و مددگار تھے اسی لئے پورا عرب انکے تابع بھی تھا' اور فتح مکہ کے بعد قریش کے ہتھیار پھینک دینے کے سیدھے سیدھے معنی یہ تھے کہ جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستانہ دین کا نظام اب تمام ہونے کو ہے۔

آنحضرتؐ کا یہ آخری مرحلہ (مجاہدہ اور قتال) اور (قبولِ اسلام کیلئے قوموں اور قبیلوں کی دوڑ) جیسے دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پچھلے صفحات میں فتح مکہ کا تذکرہ تو ہو چکا۔ لیکن اگلی جنگ بھی چونکہ اسی سے

منسلک یا اسی کا ایک حصہ ہے چنانچہ ''جنگ حنین'' کا تذکرہ کیا جانا بھی ضروری ہے۔

مکہ کی فتح جس طرح اچانک حاصل ہوگئی تھی اس پر عرب نہایت ششدر و پریشان تھے۔ مکہ کے ہمسایہ قبائل میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس ناگہانی امر واقع کو دفع کر سکیں۔ بعض اڑیل' طاقت ور اور متکبر قبائل کو چھوڑ کر قریش سمیت بقیہ تمام قبیلوں نے سپر ڈال دی تھی۔ اڑیل قبیلوں میں ہوازن اور ثقیف سرِ فہرست تھے۔ انکے ساتھ مضر' جشم' سعد بن بکر اور بنو ہلال کے لوگ بھی شامل ہو گئے۔ ان سبھی قبیلوں کا تعلق قیسِ عیلان سے تھا اور انہیں یہ بات اپنی خودی اور عزت نفس کے خلاف معلوم ہوتی تھی کہ وہ مسلمانوں کے سامنے خواہ مخواہ سپر انداز ہو جائیں۔ اس لئے ان قبائل نے مالک بن عوف نصری کے پاس جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانوں پر یلغار کر کے انہیں سبق سکھایا جائے۔

یہاں تک کہ اس فیصلے کے بعد مسلمانوں پر یلغار کرنے کیلئے ان کی روانگی بھی عمل میں آ گئی۔ وادیٔ اوطاس میں اترنے کے بعد یہ لوگ اپنے جنرل کمانڈر مالک بن عوف کے پاس جمع ہوئے جن میں ایک عمر رسیدہ جنگ جو بھی شامل تھا جس کا نام دُرید بن صَمہ تھا۔ وہ صرف جنگی مشورہ جات ہی دے سکتا تھا اور بذات خود لڑنے کے لائق نہ رہا تھا۔ اس نے پہلے دریافت کیا تم لوگ کس جگہ پر ہو؟ تو اسے بتایا گیا کہ یہ جگہ وادی اوطاس ہے۔ اس نے اس جگہ کو پسند کیا' مگر جب گدھوں کی ڈھینچ اونٹوں کا بلبلانا بچوں کا گریہ اور بکریوں کی ممیاہٹ سنی تو کہنے لگا یہ سب کیا ہے اور جنگ میں عورتوں بچوں اور بھیڑ بکریوں کا کیا کام۔؟ اسے بتایا گیا کہ مالک بن عوف' فوجیوں کے ساتھ انکے بچے عورتیں اور مال مویشی بھی ہمراہ لے آیا ہے تا کہ یہ لوگ اپنے اہل وعیال کی فکر میں جی جان سے لڑیں۔ تو اس نے اس کی مخالفت کی اور کہنے لگا۔ جب شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے تو کوئی بال بچوں کی فکر میں کھڑا نہیں رہ سکتا۔ اس لئے انہیں واپس بھجوا دو۔ مگر جنرل کمانڈر مالک نے یہ مشورہ مسترد کر دیا اور کہنے لگا: واللہ! یا تو ہوازن میری اطاعت کریں گے یا پھر میں اپنی تلوار پر ٹیک لگا دونگا تا کہ وہ میری پیٹھ سے آر پار نکل جائے۔ اس پر ہوازن نے اسکی اطاعت کا اعلان کر دیا' جس پر دُرید کہنے لگا یہ ایک ایسی جنگ ہے جس میں نہ تو میں صحیح طور سے شریک ہوں' نہ آپ لوگوں سے بالکل الگ ہوں۔

اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دشمن کی روانگی کی خبر مل گئی تھی۔ آپؐ نے ابو حدردؓ اسلمی کو حکم دیا کہ جا کر تحقیق کریں اور دشمنوں میں گھل مل کر صحیح حالات کا پتہ لگائیں۔

آنحضرتؐ مکہ سے حنین کی طرف

ابو حدردؓ اسلمی کی طرف سے اطلاعات پہنچ رہی تھیں اور آپؐ اس کے مطابق تیاری کر رہے تھے۔ مگر بنا بر ایں حرم میں بیٹھ کر حضورؐ جنگجوؤں کا انتظار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس صورت میں حدودِ حرم کے اندر خون ریزی ہوتی جو اس مقدس مقام کی عزت و حرمت کے منافی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے ابو جہل کے سوتیلے بھائی عبداللہ بن ربیعہ سے مصارف جنگ کیلئے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) درہم قرض لئے اور صفوان بن امیہ سے (جس نے قبولِ اسلام کیلئے مہلت لے رکھی تھی) سو زِرہیں مع آلات و ہتھیار ادھار لیں۔ مدنی لشکر میں اب مکہ کے دو ہزار لوگ مزید شامل ہو گئے تھے اور اُن میں سے اکثر نو مسلم تھے۔ آپؐ نے عتّابؓ بن اسید کو اپنے پیچھے مکہ کا گورنر مقرر فرمایا اور کوچ کا ارادہ فرمالیا۔

مکہ میں حضورؐ کو تشریف لائے انیسواں دن تھا کہ سنیچر ۶ شوال ۸ھ کو بارہ ہزار فوج ہمراہ لے کر آپؐ نے مکہ سے کوچ کیا۔ دوپہر کے بعد ایک سوار نے آ کر اطلاع دی کہ اس نے فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا کہ بنو ہوازن سب کے سب ہی آ گئے ہیں یعنی انکی عورتیں' انکے جانور اور بھیڑ بکریاں وغیرہ سب ساتھ ہیں۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: یہ سب انشا اللہ کل مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہوگا۔

حنین جاتے ہوئے راستے میں لوگوں نے بیر کا ایک بڑا سا ہرا بھرا درخت دیکھا جسے ذاتِ انواط کہا جاتا تھا (مشرکینِ) عرب یہاں اپنے ہتھیار لٹکاتے اور جانور ذبح کیا کرتے تھے اور وہاں اکثر میلہ لگا کرتا تھا۔ کچھ فوجیوں نے رسولؐ اللہ سے کہا' یا رسولؐ اللہ آپؐ ہمارے لئے بھی ذاتِ انواط بنا دیں جیسا کہ ان لوگوں کیلئے ہے۔ تو آپؐ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اللہ اکبر! واللہ تم نے ویسی ہی بات کہی جیسی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ "اِجعَل لَّنَا اِلٰهاً کَمَا لَهُم اٰلِهَة"

(یعنی ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے جس طرح انکے لئے معبود ہیں) اس سے گزرے تو کچھ لوگوں نے راستہ میں اپنی کثرتِ تعداد کے پیش نظر کہا کہ آج ہم مغلوب نہیں ہو سکتے۔ آنحضرتؐ پر یہ بات بھی گراں گزری کہ اللہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے انہوں نے اپنی کثرتِ تعداد کو شمار کیا۔

اسلامی لشکر پر تیراندازوں کا اچانک حملہ

اسلامی لشکر منگل اور بدھ کی درمیانی رات ۱۰ شوال کو حنین پہنچا اُدھر دشمنوں کا کمانڈر مالک بن عوف اپنا لشکر پہلے ہی رات کی تاریکی میں وادی میں اتار چکا اور انہیں گزرگاہوں' گھاٹیوں اور درّوں کی پوشیدہ جگہوں میں پھیلا اور چھپا چکا تھا۔ انہیں ہدایات تھیں کہ جونہی اسلامی لشکر نمودار ہو ان کو تیروں سے چھلنی کر دینا اور پھر یک دم ان پر اکٹھے ٹوٹ پڑنا۔

اُدھر سحر کے وقت آنحضرتؐ نے لشکر کی ترتیب و تنظیم فرمائی اور پرچم باندھ کر لوگوں میں تقسیم فرمائے اور پھر صبح کے جھٹپٹے میں اسلامی لشکر نے وادئ حنین میں قدم رکھا۔ وہ دشمن کی موجودگی سے بے خبر تھے اور نہیں جانتے تھے کہ ثقیف و ہوازن کے جیالے تنگ گھاٹیوں اور درّوں میں چھپے انکی گھات میں بیٹھے ہیں۔ مسلمان بے خبری میں اطمینان سے میدان میں اتر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ پھر فوراً ہی دشمن کے جتھوں کے جتھے ایک دم اکٹھے ہو کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس اچانک حملے سے مسلمان سنبھل نہ سکے اور ان میں ایسی بھگدڑ مچی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ ابوسفیان بن حرب (جو ابھی نیا نیا مسلمان ہوا تھا) کہنے لگا: اب انکی بھگدڑ سمندر سے پہلے رکنے والی نہیں۔ کلدہ یا جبلہ بن جنید نے چیخ کر کہا: آج ان کا جادو باطل ہو گیا۔

حضرت انسؓ نے جو بیان دیا وہ یوں ہے کہ: ''پہلے ہم نے مکہ فتح کیا پھر حنین پر چڑھائی کی۔ مشرکین اتنی عمدہ صفیں بنا کر آئے تھے جو میں نے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ پہلے سواروں کی صف پھر پیادوں کی صف پھر انکے پیچھے عورتیں' پھر بھیڑ بکریاں' پھر اونٹ وغیرہ اور دوسرے چوپائے تھے۔ ہم بھی بڑی تعداد میں تھے اور ہمارے سواروں کے میمنہ پر خالدؓ بن ولید تھے' مگر ہمارے سوار دشمن کی اچانک تیراندازی

کے باعث پیدل فوج کی پیٹھ پیچھے پناہ گیر ہونے لگے۔اور کچھ ہی دیر میں بھاگ کھڑے ہوئے۔پہلے بنو سلیم پلٹے پھر مکہ کے اعراب نے راہِ فرار اختیار کی۔بعدازاں عام ابتری پھیل گئی''۔

کفار کے اس اچانک اور غیر متوقع حملہ سے ایسی ابتری پھیلی کہ کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہ رہی۔نہ کوئی صورتِ حال کا اندازہ کرنے کی حیثیت میں رہا اور نہ کسی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔جو اصحاب حضورؐ کے ساتھ موجود اور ثابت قدم رہے وہ اتنے تھوڑے تھے کہ انکے نام روایتوں میں محفوظ ہو گئے۔ یعنی ابوبکرؓ۔عمرؓ۔علیؓ۔عباسؓ۔فضلؓ بن عباس۔قثمؓ بن عباس۔اسامہؓ بن زید۔ایمنؓ بن عبید۔مغیرہؓ بن حارث بن عبدالمطلب اور انکے فرزند جعفرؓ اور ربیعہ۔گویا ابوبکرؓ اور عمرؓ کے علاوہ تمام ثابت قدم افراد رسولؐ اللہ کے اہل خاندان تھے۔حضرت انسؓ کی والدہ بھی ثابت قدم رہنے والوں میں شامل تھیں جو اپنے شوہر ابوطلحہ کے ہمراہ آئی تھیں۔

بہر حال جب بھگدڑ مچی تو آنحضرتؐ نے دائیں طرف ہو کر پکار لگائی:''لوگو! میری طرف آؤ میں عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہوں''۔اس وقت آپکے ساتھ چند مہاجرین اور اہل خاندان کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔اُن نازک ترین حالات میں حضورؐ کی بے نظیر شجاعت دیکھنے کو ملی کہ آپؐ اپنے خچر کو ایڑ ھ لگاتے ہوئے دشمنوں کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور فرما رہے تھے!

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

جہاں آپؐ دشمنوں کے قریب پہنچنے کی حتی الوسع کوشش کر رہے تھے وہاں مغیرہؓ بن حارث نے اور حضرت عباسؓ نے آپؐ کے خچر کو روکنے کیلئے خچر کی لگام اور رکاب سختی سے پکڑ لی کہ کہیں وہ تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے اور آپؐ اِس تگ ودَو میں تنہا دشمن کے قریب نہ ہو جائیں۔پھر آنحضرتؐ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا (جن کی آواز خاصی بلند تھی) کہ: صحابہ کرامؓ کو پکاریں۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں: میں نے نہایت بلند آواز سے پکار لگائی کہ: اے مسلمانوں! اے بیت رضوان والو۔کہاں ہو۔؟ واللہ! میری آواز سن کر وہ لوگ یوں واپس مُڑے جیسے گائے اپنے بچوں پر مُڑتی

ہے۔اور جواباً کہنے لگے: ہاں' ہاں ہم آئے ہم آئے۔جن کی سواری اس تنگ جگہ سے نہ مڑسکی انہوں نے اونٹوں پر سے چھلانگیں لگا دیں اور ڈھال وتلواریں لئے پیدل ہی دوڑ پڑے۔اس طرح آناً فاناً جاں نثاروں کا ایک گروہ آپؐ کے گرد جمع ہو گیا جو ایک سو افراد پر مشتمل تھا۔اسکے بعد انصار کی پکار شروع ہوئی۔ او۔۔۔انصاریو! او۔۔۔انصاریو! اور پھر یہ پکار بنو حارث بن خزرج کے اندر محدود ہو گئی۔اُدھر مسلمان دستوں نے جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اسی تیزی کے ساتھ جتھوں کی صورت ایک کے پیچھے ایک آتے چلے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنے لوگ جمع ہو گئے کہ فریقین میں دھواں دھار جنگ شروع ہو گئی۔

آنحضرتؐ نے میدان جنگ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔آپؐ نے فرمایا:۔''اب چولہا گرم ہو گیا ہے''۔پھر آپؐ نے غزوۂ بدر کی طرح ایک مشتِ خاک اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:۔''شاھت الوجوہ ''یعنی''چہرے بگڑ جائیں''۔یہ مٹھی بھر مٹی اس طرح پھیلی کہ دشمن کا کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں اس سے بھر نہ گئی ہوں۔اس کے بعد انکی قوت ٹوٹتی چلی گئی اور یہ صریح مدد الٰہی ہے' جیسا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر نازل ہونے والی آیت مبارکہ میں وضاحت الٰہی یوں ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ص وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۱۷) (سورۃ: انفال)

ترجمہ: پس تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور (اے محبوب) وہ خاک جو تم نے پھینکی تھی وہ تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی اور اسلئے کہ مسلمانوں کو اس سے اچھا انعام عطا فرمائے بیشک اللہ (سب کچھ) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے (انفال:۱۷)

دشمن کی شکست فاش

دراصل واپس پلٹ آنے والے محض سو کے قریب مجاہدوں نے ایسا زوردار حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑنے لگے۔انکے لشکر کے دلوں میں ایک عجیب سی ہیبت نے گھر کر لیا تھا پھر مزید آنے والے

جتھوں نے انکی رہی سہی ہمت بھی ختم کردی اور آخری ضرب انکی آنکھوں میں مٹی پڑ جانے سے لگی کہ وہ شکست فاش کھا کر سر سیمہ وار ہر طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور لمحوں میں میدان خالی ہو گیا۔

اس غزوہ میں قبیلہ ثقیف کے ستر کے قریب بہادر جنگجو مارے گئے اور انکے پاس جو کچھ مال مویشی، ہتھیار، عورتیں اور بچے وغیرہ تھے سب مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

غزوۂ حنین میں اچانک تیروں کے حملوں اور دوبدو لڑائی کے دوران سات صحابہ نے جامِ شہادت نوش کیا جن کے نام یہ ہیں۔(۱) ایمنؓ بن عبید (۲) یزیدؓ بن رمعہ (۳) سراقہؓ بن حارث (۴)۔ ابو عامر اشعریؓ (۵) حویرثؓ بن عبداللہ (۶) مرۃ بنؓ سراقہ (۷) سراقہ بنؓ حباب۔

حنین کی جنگ میں جہاں فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد فرمانے کو بیان فرمایا گیا وہیں اس غفور الرحیم نے میدان جنگ سے بھاگ اٹھنے جیسے گناہِ عظیم کی معافی طلب کرنے والوں کو معاف فرمادینے کی بھی نوید عطا فرمائی۔قرآن نے فرمایا:۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ (۲۵) ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ (۲۶) ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۷) (سورۃ:توبۃ)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ نے تمہاری بہت جگہ مدد کی اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ (کثیر تعداد) تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر (بھی) تم پر تنگ ہو گئی اور پھر تم پیٹھ کے بل پھر گئے (۲۵) پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا اور منکروں کی یہی سزا ہے (۲۶) پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا توبہ (معافی) دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (سورۃ توبہ/۲۷)

دشمن کا تعاقب

شکست کھا کر دشمن کے ایک گروہ نے طائف کا رُخ کیا' ایک نخلہ کی طرف بھاگا اور ایک نے اوطاس کی راہ لی۔ آنحضرتؐ نے واپس جانے کی بجائے دشمنوں کا تعاقب کرنے کا قصد فرمایا۔ ابو عامرؓ اشعری کی سرکردگی میں ایک جماعت کو اوطاس روانہ فرمایا۔ وہاں بھی جھڑپ ہوئی اور اوطاس کی طرف بھاگنے والے پھر سے شکست کھا کر اپنی کچھ لاشیں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ البتہ اس جھڑپ میں اسلامی دستے کے کمانڈر ابو عامر اشعری رضی اللہ بھی شہید ہو گئے۔ مسلمان شہسواروں کی ایک دوسری جماعت نے نخلہ کی طرف بھاگنے والے مشرکین کا پیچھا کیا اور انہیں مزید مار بھگایا۔ اس میں دُرید بن صمہ کو بھی پکڑ لیا گیا جسے ربیعہؓ بن رفیع نے قتل کیا۔ شکست خوردہ مشرکین کے اس تیسرے اور سب سے بڑے جتھے کے تعاقب میں جس نے طائف کی راہ لی تھی آنحضرتؐ خود روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل مال غنیمت جمع فرمانے کا حکم دیا۔ پھر اسے جعرانہ میں روک کر حضرت مسعودؓ بن عمر کی نگرانی میں دیدیا اور جب تک طائف سے فارغ نہ ہو گئے اسے تقسیم نہ فرمایا۔ مال غنیمت میں چھ ہزار قیدی' چوبیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں' اور چار ہزار اوقیہ چاندی جمع ہوئی۔ قیدیوں میں آپکی دایہ حلیمہ سعدیہ کی بیٹی ''شیما'' بنت حارث بھی شامل تھیں جو آنحضرتؐ کی رضاعی بہن تھیں۔ جب انہیں آنحضرتؐ کے حضور پیش کیا گیا کہ: یارسولؐ اللہ یہ کہتی ہے کہ وہ آپکی بہن ہے۔ آنحضرتؐ انہیں تقریباً چالیس سال بعد دیکھ کر پہچان نہ پائے' اس لئے فرمایا: اس کی دلیل کیا ہے؟ تو شیما نے اپنی والدہ حلیمہ سعدیہ کا نام بتایا اور اپنے جسم پر دانت کاٹنے کا وہ نشان دکھاتے ہوئے کہا کہ: یہ دیکھیں جب میں بچپن میں آپکو گودوں اٹھا کر کھلایا کرتی تھی تو ایک مرتبہ آپنے مجھے دانت کاٹ لیا تھا۔ جس سے حضورؐ کو سب یاد آ گیا اور آپؐ نے اسے پہچان لیا۔ پھر انکی بڑی عزت وقدر افزائی فرمائی۔ اپنی چادر بچھا کر انہیں بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انہیں انکی قوم میں واپس بھجوا دیا۔

غزوۂ طائف

غزوۂ طائف دراصل غزوۂ حنین ہی کا ایک پھیلاؤ ہے۔ کیونکہ ہوازن وثقیف کے بیشتر شکست خوردہ افراد اپنے جنرل کمانڈر مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر طائف میں آئے تھے اور یہیں قلعہ بند ہوکر دوبارہ جنگی تیاریوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ طائف اپنے دفاع کے لحاظ سے ایک مضبوط قلعے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے گرد شہر پناہ کے طور پر ایک مضبوط چار دیواری تھی۔ بنوثقیف کا جو قبیلہ یہاں آباد تھا اپنی شجاعت و دلیری کی بناء پر قریش کی ہمسری کا دم بھرتا تھا۔ اُس قبیلے کا سردار ابوسفیان کا داماد عروہ بن مسعود تھا۔ اہل شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس قلعہ کی مرمت کر کے اس کے چاروں طرف منجنیقیں نصب کردی تھیں اور خود اس میں پناہ گزین ہوگئے تھے۔ حضورؐ نے غزوۂ حنین سے فارغ ہوکر اور جعرانہ میں مال غنیمت جمع فرما کر اسی ماہ یعنی شوال ۸ ھ میں طائف کا رُخ فرمایا۔

اس مقصد کیلئے حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں ایک ہزار فوج کا ہراول دستہ روانہ کیا گیا' پھر آپؐ خود طائف روانہ ہوگئے۔ راستہ میں نخلۂ یمانیہ پھر قرنِ منازل پھر لیہ سے گزر ہوا۔ لیہ میں مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا جسے آپؐ نے منہدم کروادیا۔ پھر سفر جاری رکھتے ہوئے طائف پہنچے اور قلعۂ طائف کے قریب خیمہ زن ہوکر اس کا محاصرہ کرلیا۔

طائف کا محاصرہ طول پکڑ رہا تھا اور قریباً بیس بائیس دنوں تک بدستور جاری رہا۔ محاصرہ کے دوران مجاہدین کو شدید مزاحمت کا بھی سامنا رہا۔ اہل قلعہ فصیلوں سے لوہے کی گرم آگ ہوئی سلاخیں اور پتھر پھینکتے رہتے اور سنگین تیر اندازی تو مسلسل جاری رہتی۔ پھر مسلمانوں نے دبابہ استعمال کرنے کا انتظام کیا اور اس سے قلعہ میں سوراخ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن اس دوران بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور تیرہ صحابہ شہید ہوگئے۔ زخمیوں میں حضرت عبداللہ بن ابوبکر بھی شامل تھے' اور زخم مندمل بھی ہوگیا تھا مگر بعد میں پھر بگڑ گیا جس سے انکی شہادت واقع ہوگئی۔

دورانِ محاصرہ مسلمانوں کی تکلیف اور ناگفتہ بہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی لشکر کو پیچھے ہٹ کر اپنا محاصرہ موجودہ مسجد طائف کے پاس لے جانا پڑا۔ پھر دبابہ کو استعمال کرنے کیلئے اس کا انتظام کیا گیا اور کسی قدر کامیابی حاصل ہوگئی اور مسلمانوں نے فصیل میں سوراخ کر کے اسے آگ لگانے کی کوشش کی۔ مگر فصیل کے اوپر سے گرم سلگتی سلاخوں کی بارش شروع ہوگئی جس سے مجاہدین دبابہ سے باہر نکلنے پر مجبور ہوگئے اور انکے باہر نکلتے ہی پھر سے انہیں تیروں کی زد میں لے لیا گیا' جس سے بہت سے مسلمان پھر سے زخمی ہوگئے۔

آنحضرتؐ نے نوفل بن معاویہ ویلمی کو بلا کر مشورہ کیا کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔ انہوں نے دربارِ رسالت میں عرض کیا: لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رکھیں تو پکڑی جائیگی۔ اگر چھوڑ دی جائے تو پھر بھی اُس سے مسلمانوں کو کوئی اندیشہ نہیں۔ نوفل کے اس مشورے پر آپؐ نے محاصرہ اٹھا کر واپسی کا فیصلہ کرلیا اور حضرت عمرؓ بن خطاب کے ذریعہ اعلان کروادیا کہ ہم انشااللہ کل واپس ہوجائیں گے۔ اس پر کچھ صحابہؓ نے اہل ثقیف کیلئے بددعا کرنے کی استدعا کی تو آپؐ نے بارگاہِ ایزدی میں یہ گزارش کی کہ: یااللہ ثقیف کو ہدایت نصیب کر اور انہیں توفیق عطا فرما کہ خود ہی میرے پاس حاضر ہوجائیں۔

اور پھر ایسا ہی ہوا کہ چند دن بعد ہی ثقیف نے اپنے قبیلے سمیت حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔ بہرحال اس کے ساتھ ہی آپؐ نے محاصرہ اٹھانے اور واپس چلنے کی تیاری کرنے کا حکم دیدیا۔ پھر جب سب نے اپنا سامان باندھ لیا اور چلنے کی تیاری ہوگئی تو آنحضرتؐ نے سب کو فرمایا کہ یوں کہو:۔

اٰئِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ

''ہم پلٹنے والے' توبہ کرنے والے' عبادت گزار ہیں اور اپنے رب کی حمد کرتے ہیں''۔

پھر آپؐ طائف سے محاصرہ ختم کر کے جعرانہ تشریف لے آئے۔ جہاں غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم کی جانے والی تھی۔ چنانچہ آپؐ اس فرض سے سبکدوش ہوکر مدینہ واپس جانے کی تیاری کرنے لگے۔

عمرہ اور مدینہ کو واپسی

رسول اللہ نے مالِ غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر جعرانہ ہی سے عمرہ کی نیت کا احرام باندھ لیا تھا۔ چنانچہ عمرہ ادا فرمایا پھر عتّابؓ بن اُسید کو مکہ کا والی مقرر فرما کر ۲۴ ذیقعد ۸ھ کو مدینہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ شہر مکہ تو فتح کر ہی چکے تھے جو آپکا آبائی شہر تھا آپکی جائے پیدائش تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی مقہور و مجبور ہو کر انہیں یہاں سے نکلنا پڑا تھا' پھر آخر یہاں قیام کرنے کی بجائے مدینہ میں قیام کرنا کیوں پسند فرمایا۔؟

اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ اہل یثرب کے چند لوگوں نے آٹھ سال قبل حجاج کے ہمراہ مکہ پہنچ کر جب پہلی مرتبہ مسلمانوں سے ملاقات کی تو انکی تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے کسی مسلمان کو یثرب آنے اور ایسے عمدہ خیالات سے لوگوں کو آگاہ کرنے کی دعوت دی۔ پھر آئندہ سال وہ چند ہم خیال ساتھیوں کے ہمراہ حج کے موقع پر پھر آئے تو انہوں نے پہلی بیعت عقبہ میں شرکت کی اور واپس جاتے ہوئے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اپنے ہمراہ یثرب آنے کی دعوت دی' جنہوں نے وہاں اسلامی سفیر کی حیثیت سے خوب کام کیا اور بہت سے لوگوں کو اسلام کی خوبیوں کی طرف مائل کر لیا۔ پھر جب حج کے اگلے موسم میں دوسری بیعت عقبہ منعقد ہوئی تو اہل یثرب کی کافی تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ لوگ پیغمبر اسلام سے نہ صرف متعارف ہو چکے تھے' بلکہ انکے افکار اور اسلامی تعلیمات کے سبب آنحضرتؐ کو نہایت عقیدت سے یاد کرنے اور اپنے پاس بلانے لگے۔ پھر جب آنحضرتؐ ہجرت فرما کر یثرب تشریف لے گئے تو انکا شاندار استقبال کیا گیا۔ پھر جوں جوں آپکی فتوحات کا سلسلہ بڑھتا گیا تو جہاں اہل مدینہ بہت خوش تھے وہیں انہیں یہ احساس بھی ستانے لگا کہ اگر اللہ نے انہیں کوئی بڑا عہدہ عطا فرما دیا تو کیا وہ ہمیں چھوڑ تو نہ جائیں گے۔؟ پھر دبے لفظوں یہ خدشہ حضورؐ کی بارگاہ میں پیش بھی کر دیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان کو عہد دیا کہ میں (انشا اللہ) اب آپکے ساتھ ہی رہوں گا۔

دوسرے یہ کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو اس وقت بھی اہل مدینہ میں فکرمندی جھلکنے لگی اور وہ متفکر ہو کر آپس میں اسی موضوع پر بات چیت کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ یہ بات آنحضرتؐ تک بھی پہنچ گئی تو آپؐ نے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا: اللہ اکبر! اب تو جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔

غور کریں کہ آج کے اِن فاتحانہ اوقات میں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے سر پر فتح مبین کا تاج رکھا اور آج سے آٹھ سال قبل اس عظیم شہر میں جس حالت میں تشریف لے گئے تھے، کتنی صدیوں کا فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔ آج جس شہر کا والی آپؐ خود مقرر کرتے ہیں وہاں سے آٹھ سال قبل اسی شہر نے آپکو کھدیڑ کر رکھ دیا تھا اور ظلم وستم کے پہاڑ کھڑے کر دیئے تھے۔ آپؐ امان کے طالب تھے، وحشت زدہ تھے مگر اس وقت جنہوں نے آپکو اپنے گھروں میں پناہ دینے کی دعوت دی۔ یثرب کے لوگوں میں اجنبی ہونے کے باوجود انہوں نے آپؐ سے جس محبت کا دم بھرا، آپکی خوب قدرومنزلت کی یہاں تک کہ اپنی جانیں تک آپکی ذات اقدس پر نثار کرنے سے گریز نہیں کیا اور آپکی خاطر ساری دنیا کی عداوت کو ہیچ سمجھا۔ پھر جو انہوں نے پایا وہ بھی بڑی سے بڑی دولت وعیش کے مقابل ہیچ تھا۔ کیونکہ انہوں نے وہ نور حاصل کیا جو آنحضرتؐ کے ساتھ پیدائشی طور پر موجود تھا اور تسلسل کے ساتھ نازل من جانب اللہ بھی ہو رہا تھا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ انہیں ایک ایسی ہستی سے محبت نصیب ہوئی جس ہستی سے محبت کا داعی خود اس کائنات کو بنانے اور چلانے والا تھا۔

آج پھر وہی شہر آپکے استقبال کیلئے اپنے بازو پھیلائے آپؐ کے انتظار میں آنکھیں بچھائے کھڑا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ آٹھ سال قبل اہل یثرب نے جس خوف زدہ بے زور پر مہاجر کا استقبال کیا تھا۔ آج وہ ہمارے لئے مکہ کو ایسی حالت میں چھوڑ کر واپس آ رہے ہیں کہ مکہ انکے زیر نگیں ہے اور اس شہر نے اپنے تمام تکبر اور جاہلیت کو آپؐ کے پیروں تلے ڈال دیا ہے۔ پھر بھی اس ہستی کی وسعتِ قلبی کا عالم یہ کہ اسکی پچھلی تمام خطائیں معاف کر کے اسے اسلام کے ذریعے سرفرازی بخش رہے تھے۔ اس تعارف کے بعد یہ سوال لاینحل نہیں رہ جاتا کہ آپؐ نے اپنے آبائی شہر کو چھوڑ کر مدینہ کو کیونکر ترجیح دی اور آج آپؐ وہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ اس مرتبہ مدینہ پہنچ کر آپؐ خاصی دیر تک وہیں تشریف فرما اور تبلیغ کے

کاموں میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ معرکہ موتہ کے پرانے زخم پھر سے تازہ ہونے لگے، جب مملکت روم نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور یہ چھیڑ خانی جو اسلامی قاصد کو قتل کر دینے سے شروع ہو کر معرکہ موتہ تک پہنچ کر رکی تھی اب پھر سے چھڑ گئی اور غزوۂ تبوک کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

غزوۂ تبوک

غزوۂ فتح مکہ حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اس معرکہ کے بعد اہل عرب نبیؐ کے رسولِ خدا ہونے کے بارے شکوک و شبہات سے نجات پا چکے تھے اور آنحضرتؐ کی رسالت میں کوئی ابہام انکے اندر باقی نہیں رہا تھا۔ اسی لئے حالات یکسر بدل گئے تھے اور مختلف قبائل جو رسولؐ اللہ کو زندہ چلتا پھرتا دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے تھے اب جتھوں کی صورت جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے کیلئے آپؐ کے حضور حاضر ہونے لگے۔ مسلمان ہونے والوں کی اس تعداد کا اندازہ حجۃ الوداع میں جمع ہونے والی تعداد سے لگایا جا سکتا ہے۔ بہر حال اب اندرونی مشکلات کا تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا اور مسلمان شریعت الٰہی کی تعلیمات عام کرنے اور اسلام کی دعوت پھیلانے کیلئے یکسو ہو گئے تھے۔

غزوۂ تبوک کا سبب

مگر اب ایک ایسی طاقت کا رُخ مدینہ کی طرف ہو چکا تھا جو بلا جواز مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ پر آمادہ ہو گئی تھی۔ یہ طاقت کوئی معمولی طاقت نہیں تھی بلکہ اُس وقت رُوئے زمین پر سب سے بڑی فوجی قوت کی حیثیت رکھتی تھی۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ اس چھیڑ خانی کی ابتداء شرجیل بن عَمر و غسانی کے ہاتھوں رسولؐ اللہ کے ایک سفیر حارثؓ بن عُمیر ازدی کی شہادت سے ہوئی۔ جبکہ وہ آنحضرتؐ کا پیغام لے کر بصریٰ کے حکمران کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا تھا جس نے رومیوں کی سرزمین موتہ میں رومیوں سے خوفناک ٹکر لی تھی۔ اگر چہ یہ لشکر اُن متکبر ظالموں سے انتقام لینے میں کامیاب تو نہ ہو سکا لیکن اس ٹکراؤ نے دور و نزدیک کے عرب باشندوں پر نہایت بہترین اثرات ضرور مرتب کر دیئے۔ قیصر روم ایسے اثرات کو

اور انکے نتیجے میں عرب قبائل کے اندر روم سے آزادی اور مسلمانوں کی ہم نوائی جیسے پیدا ہونے والے جذبات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔اس کیلئے یقیناً یہ ایک خطرہ تھا جو قدم بہ قدم اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

قیصر روم کو اندازہ تھا کہ عرب سے ملحقہ سرحد شام کیلئے چیلنج بن سکتی ہے۔اسلئے اس سے پہلے کہ مسلمانوں کی قوت ایک عظیم اور نا قابل شکست خطرہ کی صورت اختیار کر لے' اسے کچل دینا ضروری ہے' تا کہ روم سے متصل عرب علاقوں میں فتنے اور ہنگامے سر نہ اٹھا سکیں۔ایسی مصلحتوں کے پیش نظر جبکہ جنگ موتہ کو ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ قیصر نے رومی باشندوں اور اپنے ماتحت عربوں یعنی ال غسان وغیرہ پر مشتمل فوج کی فراہمی شروع کر دی اور ایک فیصلہ کن معرکہ کی تیاری میں لگ گیا۔

روم اور غسان کی تیاریوں کی عام خبریں

ادھر مدینہ میں بھی پے در پے ایسی خبریں پہنچ رہی تھیں کہ رومی مسلمانوں پر ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ہر وقت ایک کھٹکا لگا رہتا تھا اور انکے کان کسی بھی نامانوس آواز کو سن کر کھڑے ہو جاتے کہ شاید رومیوں کا ریلہ آ گیا۔اس سے صورت حال کی سنگینی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو مسلمانوں کو درپیش تھی۔اس میں مزید اضافہ منافقین کی ان ریشہ دوانیوں سے ہوا' جو انہوں نے رومیوں کی فوجی تیاریوں جیسی خبریں سن کر شروع کر دیں تھیں۔

حالانکہ منافقین دیکھتے آئے تھے کہ رسولؐ اللہ ہر میدان میں کامیاب ہوتے آ رہے ہیں اور رُوئے زمین کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے اور جو رکاوٹیں بھی آپکی راہ میں حائل ہوتی ہیں وہ پاش پاش ہو جاتی ہیں۔مگر دنیا کی ایک بڑی فوجی طاقت کی تیاری کا سن کر انہوں نے امید باندھ لی کہ انکی دیرینہ آرزویں پوری ہونے والی ہیں۔اپنے اسی تصور کے پیش نظر انہوں نے ایک مسجد تیار کی (جو مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہوئی) جسے اپنی دسیسہ کاریوں اور سازشوں کا بھٹ بنا لیا۔جس کی بنیاد اہل ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے اور مسلمانوں سے لڑنے والوں کیلئے گھات کی جگہ فراہم کرنے جیسے ناپاک مقاصد پر رکھی گئی تھی۔انہوں نے حضورؐ سے بھی درخواست کی کہ اس میں نماز پڑھا دیں۔اس میں بھی انکی

سازش کا دخل تھا کہ اہل ایمان کو فریب میں رکھیں اور انہیں یہ شک نہ ہونے دیں کہ اس مسجد میں ان کے خلاف دسیسہ کاریاں جاری ہیں۔ یوں بھی آنحضرتؐ کے نماز پڑھانے کے بعد کوئی مسلمان اس مسجد میں آنے جانے والوں پر نظر نہیں رکھے گا اور یوں یہ مسجدٗ منافقین اور انکے بیرونی دوستوں کیلئے ایک پُر امن گھونسلے اور بھٹ کا کام دیگی۔ رسولِ اکرمؐ نے اس مسجد میں نماز کی ادائیگی کو جنگ سے واپسی تک کیلئے مؤخر فرما دیا کیونکہ آپؐ اس وقت جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس طرح منافقین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے اور اللہ تعالیٰ نے جنگ سے واپسی سے قبل ہی انکا پردہ چاک فرمایا۔ چنانچہ آپؐ نے غزوہ سے واپس آ کر اس مسجد میں نماز پڑھانے کی بجائے اسے مسمار کروا دیا۔

روم اور قبیلہ غسّان کی خاص خبریں

مسلمان ایسے حالات اور ایسی خبروں کا سامنا کر ہی رہے تھے کہ انہیں اچانک ملک شام سے تیل لے کر آنے والے بنطیوں سے معلوم ہوا کہ ہرقل نے چالیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر جرار تیار کر لیا ہے اور روم کے ایک عظیم کمانڈر کو اسکی کمان سونپی گئی ہے جس نے اپنے جھنڈے تلے عیسائی قبائل لخم و جذام وغیرہ کو بھی داخل کر لیا ہے اور اس کا ہراول دستہ بلقاء پہنچ چکا ہے۔ اس طرح ایک بڑا خطرہ مجسّم ہو کر مسلمانوں کے سامنے آ گیا۔

پھر جس سے صورتِ حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا وہ یہ کہ موسم سخت گرمی کا تھا اور لوگ قحط سالی کی آزمائش کا شکار تھے۔ سواریاں بھی کم تھیں اور پھل پک چکے تھے اس لئے لوگ پھل دار پیڑوں کے سایہ میں رہنا چاہتے تھے اور فی الفور روانگی پر آمادہ نہیں تھے۔ اس پر مستزاد کہ راستہ کی طوالت اور پیچیدگی بھی الگ سے ایک دشواری تھی۔

آنحضرتؐ کی طرف سے ایک قطعی اقدام

لیکن رسولؐ اللہ ان حالات و تغیرات کا مطالعہ کہیں زیادہ دقیق نظری اور دُور اندیشی سے فرما رہے تھے۔ آنحضرتؐ سمجھ رہے تھے کہ اگر ہم نے اِن فیصلہ کن لمحات میں رومیوں سے جنگ لڑنے میں

کاہلی یاسستی سے کام لیا اور انہیں مسلمانوں کے زیر اثر علاقوں میں گھسنے دیا اور وہ مدینہ تک چڑھ آئے تو اسلامی دعوت پر اسکے نہایت برے اثرات مرتب ہونگے۔ مسلمانوں کی ساکھ اُکھڑ جائیگی اور وہ جاہلیت جو جنگِ حنین میں کاری ضرب لگنے کے بعد آخری سانسیں لے رہی ہے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی۔ اور منافقین جو مسلمانوں پر گردش زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں اور ابھی تک ابو عامر فاسق کے ذریعہ شاہِ روم سے رابطہ میں ہیں پیچھے سے عین اُس وقت مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیں گے جب سامنے سے رومیوں کا ریلہ اُن پر خونخوار حملے کر رہا ہوگا۔ اس طرح وہ طویل عرصہ اور تمام پُر مشقت کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی جو آپؐ اور آپکے صحابہؓ نے اسلام کی نشرو اشاعت میں صرف کی تھیں اور بہت ساری ایسی کامیابیاں جو طویل خونریز جنگوں اور مسلسل فوجی دوڑ دھوپ کے بعد حاصل کی تھیں، ناکامیوں میں بدل کر رہ جائیں گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نتائج کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے، اسلئے ہر عسرت وشدت کے باوجود آپؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ رومیوں کو دارالاسلام کی طرف پیش قدمی کی مہلت دیئے بغیر خود انکے علاقے اور انکی حدود میں گھس کر انکے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔

رومیوں سے جنگ کی تیاری کا اعلان

یہ طے کر لینے کے بعد آپؐ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ میں اعلان فرمادیا کہ لڑائی کی تیاری کریں، قبائل عرب اور اہل مکہ کو بھی پیغام بجھوادیا کہ لڑائی کیلئے نکل پڑیں۔ آپکا دستور تھا کہ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو کسی اور ہی جانب سے روانہ ہوتے لیکن صورتِ حال کی نزاکت اور تنگی کی شدت کے باعث اس بار صاف صاف اعلان فرمادیا کہ اب رومیوں سے جنگ کا ارادہ ہے، تاکہ لوگ انکے مطابق اچھی طرح اپنی تیاری کرلیں۔ آپؐ نے اس موقع پر جہاد کی ترغیب دی اور وحی الٰہی کے ذریعہ سورۃ توبہ کا ایک ٹکڑا بھی نازل ہوگیا۔ ساتھ ہی آپؐ نے صدقہ وخیرات کی فضیلت بیان فرمائی اور اللہ کی راہ میں اپنا نفیس مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی۔

غزوے کی تیاری کیلئے مسلمانوں کی دوڑ دھوپ

صحابہؓ نے جونہی آنحضرتؐ کا ارشاد سنا کہ آپؐ رومیوں سے جہاد کی دعوت دے رہے ہیں تو جھٹ اسکی تعمیل کے لئے دوڑ پڑے اور نہایت تیز رفتاری سے اسکی تیاری شروع کر دی۔ برادریاں اور قبیلے ہر چہار جانب سے مدینہ میں اترنا شروع ہو گئے اور سوائے منافقوں کے کسی نے اس غزوہ سے پیچھے رہنا گوارہ نہ کیا۔ البتہ تین مسلمان اس سے مستثنیٰ ہیں کہ صحیح الایمان ہونے کے باوجود انہوں نے غزوہ میں شرکت نہ کی۔ اپنی حالتِ محتاجی اور فاقہ مستی کے باوجود انہوں نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر گزارش کی: یارسولؐ اللہ ہمیں کوئی سواری عنایت فرما دیں تا کہ ہم بھی اس غزوہ میں شرکت کر سکیں۔ جب آپؐ ان سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں خود اس حالت میں نہیں کہ تمہارے لئے کسی سواری کا انتظام کر سکوں۔ تو اس پر وہ دل گرفتہ اور اشک بار ہوتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔

قرآن نے سورۃ توبہ میں اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا:۔

وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ص تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ط (۹۲) (سورۃ:توبۃ)

''اور نہ ان لوگوں پر (مؤاخذہ ہے) جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انہیں (کوئی) سواری عطا فرماؤ (اور جب) تم سے یہ جواب پائیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں (تو) اس پر وہ یوں واپس جائیں کہ انکی آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوں اس غم سے کہ (مفلسی کی وجہ سے انہوں نے) خرچ (کرنے) کا مقدور نہ پایا'' (التوبۃ:۹۲)

پھر ایسے لوگوں سے (جو صاحب استطاعت ہوتے ہوئے بھی نہ تو جہاد میں حصہ لیتے نہ مجاہدین کی مالی استعانت کرتے) اظہارِ ناراضگی فرماتے ہوئے فرمان الٰہ یوں ہے:۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَ هُمْ اَغْنِيَآءُ ج رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ لا وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۹۳) (سورۃ:توبۃ)

''مؤاخذہ تو اُن سے ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں اور وہ دولت مند ہیں انہیں پسند آیا کہ عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہیں اور اللہ نے انکے دلوں پر مہر کردی تو وہ کچھ نہیں جانتے'' (التوبۃ:۹۳)

اس کے برعکس مسلمانوں نے صدقہ وخیرات کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔ حضرت عثمانؓ بن عفّان نے ملک شام جانے کیلئے ایک ایسا قافلہ تیار کیا' جس میں پالان اور کجاوے سمیت دوسو اونٹ تھے اور دوسو اوقیہ (ساڑھے انتیس کلو کے قریب) چاندی تھی جو آپؓ نے صدقہ کردیا۔ اس کے بعد پھر کجاوے اور پالان سمیت ایک سو اونٹ صدقہ کیا۔ بعدازاں ایک ہزار دینار (ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) لے کر حاضر خدمت ہوئے اور انہیں حضورؐ کی آغوش میں بکھیر دیا۔ جامع ترمذی: مناقب عثمانؓ بن عفان میں ہے کہ آنحضرتؐ انہیں اُلٹتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ: ''آج کے بعد عثمانؓ جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا''۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے پھر صدقہ کیا' پھر صدقہ کیا اور پھر صدقہ کیا' یہاں تک کہ ان کے صدقات کی مقدار نقدی کے علاوہ نوسو اونٹ اور ایک سو گھوڑوں تک جا پہنچی۔

اُدھر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف دوسو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کلو) چاندی لے آئے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے چار ہزار درہم اور اپنے گھر کے سازوسامان سمیت جو کچھ انکے پاس موجود تھا' سب لا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کردیا۔ جب حضورؐ نے گھر کا سامان وغیرہ دیکھ کر پوچھا: ابوبکرؓ اپنے بال بچوں کیلئے بھی کچھ چھوڑا۔؟ تو انہوں نے جواب دیا اللہ اور اسکا رسولؐ انکے لئے کافی ہیں۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے اپنے کل مال کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ لاکر خدمت اقدسؐ میں پیش کیا۔

حضرت عباسؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور محمدؓ بن مسلمہ بھی کافی سارا مال لائے۔ حضرت عاصمؓ بن عدی ساڑھے تیرہ ٹن کھجور لے آئے۔ باقی صحابہؓ نے بھی جو جو توفیق پائی سب لے آئے یہاں تک کہ کسی کسی نے تو ایک مُد یا دو مُد صدقہ کیا۔ کیونکہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے

تھے۔ مسلمان خواتین نے بھی اپنے ہار، بازوبند، پازیبیں، بالیاں اور انگوٹھیاں وغیرہ جو کچھ انکے پاس تھا سب حضورؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔ کسی نے بھی بخل سے کام نہ لیا۔

صرف منافقین اس کارِ خیر سے محروم رہے، بلکہ صدقات و خیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں پر طنز کرتے کہ یہ ریاکار لوگ ہیں۔ اور مسلمانوں میں سے جو لوگ خرچ کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، اُن بیچاروں پر ہنستے کہ یہ لوگ دو چار کھجوریں ہمراہ لیجا کر قیصر روم جیسی بڑی قوت اور عظیم مملکت فتح کرنے اٹھے ہیں۔ اس پر سورۃ توبہ میں فرمان قرآن ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (توبة: ۷۹)

"اور وہ جو (ریاکاری کا) عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں (پر جو) کہ دل سے خیرات کرتے ہیں اور جو اپنی محنت کی کمائی کے سوا کچھ (اضافی مال و دولت) نہیں پاتے تو ان پر ہنستے ہیں، اللہ (انہیں) انکی ہنسی کی سزا دیگا اور اُن (منافقوں) کیلئے دردناک عذاب ہے" (التوبۃ: ۷۹)

اسلامی لشکر تبوک کی راہ میں

اس دھوم دھام، مسلمانوں کے جوش و خروش اور انکی بھاگ دوڑ کے نتیجے میں لشکر تیار ہو گیا تو رسولؐ نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو (یا) سباعؓ بن عرفطہ کو مدینہ کا گورنر بنایا اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کیلئے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا۔ لیکن بعدازاں منافقین کی طعنہ زنی کے باعث آپؓ وہاں سے نکل پڑے اور حضورؐ سے جا ملے۔ مگر حضورؐ نے انہیں پھر واپس روانہ کر دیا اور فرمایا:۔ "کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمہیں وہی نسبت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت ہارونؑ کو تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا"۔ چنانچہ آپؓ واپس لوٹ گئے۔

بہر حال جنگی تیاریوں اور انتظامات کے بعد آپؐ نے شمال کی جانب کوچ فرمایا۔ منزل تبوک تھی جس کا فاصلہ زیادہ تھا۔ ادھر مسلمانوں کا لشکر بھی کافی بڑا تھا جو تیس ہزار مردانِ جنگی پر مشتمل تھا۔ اس

سے پہلے کبھی مسلمانوں کو اتنا بڑا لشکر فراہم نہ ہوا تھا اور اب اتنے بڑے لشکر کا انتظامِ خورد ونوش آسان نہیں تھا۔ ہر چند مسلمانوں نے مال جمع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اسکے باوجود لشکر کو سواریوں اور توشے کی سخت کمی سے سابقہ تھا۔ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ آیا جسے وہ باری باری استعمال کرتے ہوئے سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔ اسی طرح کھانے کیلئے بسا اوقات درختوں کے پتے استعمال کرنے پڑتے جس سے ہونٹوں پر ورم آ گیا تھا۔ اونٹوں کی قلت کے باوجود اونٹوں کو ذبح کرنا پڑا تا کہ انکے معدوں اور انتڑیوں میں ذخیرہ شدہ پانی اور تری فوج کے پینے کیلئے استعمال ہو سکے۔ اسی لئے اس لشکر کا نام جیش عسرت (تنگی کا لشکر) پڑ گیا۔

تبوک کی راہ میں لشکر کا گزر حجر یعنی قوم ثمود کے دیار سے ہوا۔ یہ وہی قوم تھی جس نے وادیٔ القریٰ میں چٹانیں تراش تراش کر اپنے مکانات بنائے تھے۔ صحابہ نے وہاں کے کنویں سے پانی لے لیا تھا لیکن جب لوگ چلنے لگے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ''تم لوگ یہاں کا پانی نہ پینا اور نہ اس سے نماز کیلئے وضو کرنا اور جو آٹا تم لوگوں نے اس پانی سے گوندھ رکھا ہے اسے جانوروں کو کھلا دو، خود نہ کھاؤ''۔ البتہ یہ اجازت عطا فرما دی کہ تم لوگ صرف اس کنویں کا پانی استعمال کر سکتے ہو جس کنویں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

صحیحین میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ حجر یعنی دیارِ ثمود سے گزرے تو آپؐ نے فرمایا: ''اِن ظالموں کے گھروں میں داخل نہ ہونا کہ کہیں تم کو بھی وہی مصیبت نہ چھو جائے جو اُن پر آئی تھی، ہاں! مگر روتے ہوئے''۔ پھر آپؐ نے اپنا سر ڈھانپا اور تیزی سے چلتے ہوئے وادی پار کر گئے۔ راستے میں لشکر کو پانی کی سخت ضرورت پڑی یہاں تک کہ لوگوں نے آنحضرتؐ سے اسکا شکوہ کیا۔ آپؐ نے بارگاہِ الٰہی میں التجاء کی تو بادل آ گئے اور بارش ہونے لگی۔ جس سے تمام لشکر نے سیراب ہو کر پانی پیا اور جمع کر کے اونٹوں پر بھی لاد لیا۔

پھر جب تبوک کے قریب پہنچے تو آپؐ نے فرمایا: ''انشاء اللہ کل تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچو گے لیکن چاشت سے پہلے نہیں پہنچو گے۔ لہٰذا جو کوئی پہلے پہنچ جائے اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے یہاں

تک کہ میں وہاں پہنچ جاؤں"۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو دو لوگ اس چشمے پر پہلے ہی موجود تھے اور چشمے سے بہت تھوڑا تھوڑا پانی آ رہا تھا (گویا رِس رہا ہو)۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کیا تم دونوں نے اس پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ تو انہوں نے کہا جی ہاں! پھر آپؐ نے ان دونوں سے وہی کہا جو کچھ اللہ نے چاہا۔ پھر چشمے کا پانی چلو چلو کر کے اکٹھا فرمایا اور اس میں ہاتھ اور چہرہ مبارک دھویا' پھر اس پانی کو چشمے میں ڈال دیا۔ اس کے بعد چشمے میں اس قدر پانی آیا کہ تمام لوگوں نے سیر ہو کر پیا۔

پھر حضورؐ نے فرمایا: "اے معاذؓ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس مقام کو باغات سے ہرا بھرا دیکھو گے"۔ پھر تبوک کے قریب سب کو مخاطب فرمایا کہ: "آج رات تم سب پر سخت آندھی چلے گی لہٰذا کوئی نہ اٹھے اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی رسی مضبوطی سے باندھ دے"۔ چنانچہ رات کو سخت تیز آندھی چلی' ایک شخص اٹھ کر کھڑا ہوا تو آندھی نے اسے اٹھا کر طی کی دو پہاڑیوں کے پاس پھینک دیا۔

راستہ بہت طویل اور تکلیف دہ تھا پچاس روزہ سفر میں آپؐ نے بیس روز تبوک میں قیام فرمایا اور تیس روز آنے جانے میں صرف ہوئے۔ راستے میں آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ نمازوں کی ادائیگی میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر بھی کرتے تھے۔ یعنی ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی اور مغرب وعشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے۔ جمع تقدیم سے مراد ہے کہ ظہر کے وقت ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھتے اور مغرب وعشاء کی دونوں نمازیں مغرب کے وقت ہی پڑھ لیتے۔ اور جمع تاخیر سے مراد ہے کہ ظہر وعصر کی نمازیں عصر کی نماز کے ساتھ پڑھتے اور اسی طرح مغرب وعشاء کی دونوں نمازیں عشاء کے ساتھ پڑھتے۔

اسلامی لشکر تبوک میں

اسلامی لشکر تبوک میں اتر کر خیمہ زن ہو گیا جو رومیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے بالکل تیار تھا۔ حضورؐ نے اہل لشکر کو مخاطب کر کے تبلیغی خطبہ دیا اور انہیں دین و دنیا کی بھلائی سے رُوشناس کرایا اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اسکے انعامات کی خوشخبری سنائی۔ اس طرح ایک تھکی ہوئی فوج کا حوصلہ بلند ہو گیا اور اُن میں ایسا جوش و ولولہ پیدا ہو گیا کہ راستے میں کھانے پینے اور ضروریات کی کمی کے سبب جو خلل

پیدا ہو گیا تھا اس کا بھی ازالہ ہو گیا۔

ادھر رومیوں اور انکے حلیفوں نے جیسے ہی رسول اللہ کی آمد کی خبر سنی تو حیرت زدہ رہ گئے اور اُنکے دلوں میں خوف کی ایسی لہر دوڑ گئی کہ انہیں آگے بڑھ کر ٹکر لینے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ اپنے حلیفوں کو چھوڑ چھاڑ کر اندرونِ ملک مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ یہ سب دیکھتے ہوئے قیصر کے حلیفوں کے اکثر قبائل اور سرداروں نے مسلمانوں کے آگے سپر ڈالنے میں ہی عافیت سمجھی اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر امان طلب کی۔ پھر آنحضرتؐ کی شرائط پر مختلف معاہدات طے کیے گئے۔

ایلہ کے حاکم یحنہ بن روبہ نے آپکی خدمت میں حاضر ہو کر جزیہ کی ادائیگی منظور کر لی اور صلح کا معاہدہ کیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو چارسو کے لگ بھگ سوار دیکر دومۃ الجندل کے حاکم اُکیدر کے پاس روانہ فرمایا تو وہ اُکیدر کو گرفتار کر لائے۔ اس نے دو ہزار اونٹ' آٹھ سو غلام' چارسو زِرہیں اور چارسو نیزے دینے کی شرط پر صلح کر لی اور جزیہ ادا کرنے کا بھی اقرار کیا۔

ان حالات کو دیکھ کر وہ قبائل بھی جو کہ اب تک رومیوں کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے سمجھ چکے تھے کہ اب پرانے سرپرستوں پر اعتماد کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔ چنانچہ وہ بھی مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔ اس طرح اسلامی مملکت کی سرحدیں وسیع تر ہو کر براہِ راست رومی سرحد سے جاملیں اور رُومی آلہ کاروں کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا۔

تبوک سے مدینہ کو واپسی

اسلامی لشکر کامیاب و فتح یاب ہو کر واپس لوٹا۔ تمام جزیرۃ العرب کے اندر اور باہر مسلمانوں کی فوجی ساکھ میں بہت اضافہ ہو گیا اور اجتماعی لحاظ سے اس کا نہایت عمدہ اثر مرتب ہوا۔ مسلمانوں نے ایسے ایسے اہم سیاسی فوائد حاصل کیے کہ خون ریز جنگ کی صورت میں اس کا حصول آسان نہ ہوتا۔ آپؐ اپنے دشمنوں سے تو نمٹتے آئے تھے مگر اپنی آستینوں میں چھپے منافقوں سے نقصان اٹھانے کا اندیشہ ضرور لگا رہا۔ تبوک سے مدینہ واپس آتے ہوئے بھی آٹھ تا بارہ منافقوں نے حضورؐ کو قتل کر ڈالنے کی سازش کی۔

آپؐ ایک گھاٹی سے گزر رہے تھے اور آپکے ہمراہ صرف آپکے دو ساتھی تھے۔ حضرت عمارؓ نے اونٹنی کی نکیل تھام رکھی تھی اور حضرت حذیفہؓ بن یمان پیچھے سے اونٹنی کو ہانک رہے تھے۔ جیسے ہی پچھلی طرف سے کسی سواری کے قدموں کی مشکوک آواز حضورؐ کے کان میں پڑی اور آپؐ نے مڑ کر دیکھا تو کچھ لوگوں کو اپنے چہرے چھپائے نزدیک آتے پایا جو تقریباً آپؐ پر چڑھ ہی آئے تھے کہ آپؐ نے حضرت حذیفہؓ کو ان لوگوں کی جانب بھیجا کہ دیکھو یہ کون لوگ ہیں: مگر وہ تو حملے کیلئے پر تول رہے تھے۔

چنانچہ حضرت حذیفہؓ نے اپنی ڈھال سے انکی سواریوں کے چہروں پر ضربیں لگانی شروع کر دیں جس سے اللہ نے انہیں مرعوب کر دیا۔ انکی سواریاں بھی پے در پے ضربیں لگنے سے مڑ کر واپس پلٹ گئیں تھیں اور وہ بھی پکڑے جانے کے خوف سے بھاگ کر اور اپنے چہروں سے ٹھاٹھے اتار کر لوگوں میں جا گھسے۔ اس کے بعد آپؐ نے ان لوگوں کے نام اور انکے ارادوں کے بارے حضرت حذیفہؓ کو مطلع بھی فرما دیا تھا مگر خاموش ہی رہنے کا حکم دیا۔ اسی لئے انہیں حضورؐ کا ''رازداں'' کہا جاتا ہے۔ بعد میں جب منافقین سے استفسار کیا گیا تو وہ قسمیں کھاتے ہوئے ایسی کسی بھی بات سے مکر گئے۔ جبکہ اس راز سے پردہ ہٹاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ط وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ج وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ج فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ج وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا لا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ج وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ (۷۴) (سورۃ:توبۃ)

''اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہ کہا اور بیشک انہوں نے کفر کی بات کی اور اسلام میں داخل ہو کر کافر ہو گئے اور انہوں نے وہ چاہا جو انہیں نہ ملا اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا تو اگر وہ توبہ کریں تو انکا ہی بھلا ہے اور اگر منہ پھیریں تو اللہ انہیں سخت عذاب کریگا دنیا و آخرت میں اور زمین میں نہ کوئی اُنکا حمایتی ہوگا اور نہ مددگار'' (توبہ: ۷۴)

اسی صورتِ حال کی بناء پر اب اسکی ضرورت بھی نہیں رہ گئی تھی کہ مسلمان منافقین کے ساتھ دوستی اور نرمی کا معاملہ کریں: لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انکے خلاف سخت رویہ اپنانے کا حکم صادر فرمایا۔ یہاں تک کہ اب انکے صدقے قبول کرنے' انکی نماز جنازہ پڑھنے' ان کیلئے دعائے مغفرت کرنے اور انکی قبروں پر کھڑے ہونے سے روک دیا۔

اور انہوں نے مسجد کے نام پر سازش اور دسیسہ کاری کا جو گھونسلہ تیار کیا تھا اسے ڈھا دینے کا حکم فرمایا۔ پھر انکے بارے ایسی ایسی آیات نازل ہوئیں کہ وہ بالکل ننگے ہو گئے اور انہیں پہچاننے میں کوئی ابہام نہ رہا۔ گویا اہل مدینہ کیلئے ان آیات نے منافقین پر انگلیاں رکھ دیں۔

اختتام سفر پر جب مدینہ کے نقوش دکھائی پڑے تو آنحضرتؐ نے فرمایا "یہ رہا طابہ اور یہ رہا اُحد' یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں"۔ اُدھر جب شہر مدینہ میں آپؐ کے بخیریت تشریف لے آنے کی مبارک خبر پہنچی تو تمام موجودِ مدینہ کی عورتیں اور بچے بچیاں سب استقبال کیلئے دیوانہ وار گلیوں بازاروں میں نکل پڑیں اور بڑے زبردست اعزاز کے ساتھ لشکر سمیت آپؐ کا استقبال کرتے ہوئے یہ مشہور نغمہ گانے لگیں۔

طلع البدر علینا من ثنیّات الوداعِ

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داعِ

"ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا' جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے ہم پر شکر واجب ہے"۔

یہ آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ ہے جس میں آپؐ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ یہ آخری غزوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت آزمائش بھی تھا جس سے اہل ایمان اور دوسرے (مخالفین ومنافقین) لوگوں میں تمیز ہو گئی اور ایسے مواقع پر اللہ جل جلالہٗ کا دستور بھی یہی ہے اور ماضی کے ادوارِ انبیاء وپیغمبران میں بھی یہی رہا ہے جس پر قرآن ناطق ہے۔ جیسا کہ فرمان ھذا میں ہے:۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ج وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (١٧٩)

(سورۃ:ال عمران)

''اللہ مومنوں کو ایسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتا جس پر تم لوگ ہو' یہاں تک کہ خبیث کو پاکیزہ سے علیحدہ نہ کر دے اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دیدے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسولوں پر۔ پس اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے'' (ال عمران:۱۷۹)

اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا' غزوۂ فتح مکہ ایک فیصلہ کن معرکہ تھا جس نے بت پرستی کا کام تمام کر دیا اور سارے عرب کیلئے حق و باطل کی پہچان ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے ان کے شبہات جاتے رہے اور انہوں نے بڑی تیزی سے اسلام قبول کیا۔

حضرت عَمروؓ بن سلمہ کا بیان ہے کہ: ہم لوگ ایک ایسے چشمے پر آباد تھے جو تجارت پیشہ لوگوں کی گزرگاہ تھا اور ہمارے ہاں سے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ہم اُن سے لوگوں کا حال احوال پوچھتے رہتے تھے کہ فلاں فلاں لوگوں کا کیا حال ہے؟ اور وہ (نبیؐ) کیسا ہے؟ جواباً لوگ کہتے! بھئی وہ سمجھتا ہے کہ اسے وحی آتی ہے اور اللہ نے اسے پیغمبر بنایا ہے۔ اکثر کہتا ہے اسے یہ وحی آئی ہے' یہ وحی بھی آئی ہے۔ بہرحال مجھے سن کر وہ ایسے یاد ہو جاتیں' گویا وہ میرے سینے سے چپک کر رہ جاتیں۔ عرب کہتے وہ مکہ میں پیدا ہونے کے باوجود اپنی مرضی سے مکہ میں داخل بھی نہیں ہو سکتا تو اللہ کا پیغمبر کیسے ہوا۔؟ پھر بھی کچھ غیر عرب لوگ کہتے اسے اور اسکی قوم کو (پنجہ آزمائی کیلئے) چھوڑ دو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو ہم سمجھیں گے وہ اللہ کا کوئی نزدیکی ہے۔

پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو حلقہ بگوش اسلام ہونے کے منتظرین کا مدینہ کی طرف رجحان ہو گیا اور

وہ جتھوں اور اپنے پورے پورے قبیلوں کی شکل میں اس پیغمبر کی طرف پیش رفت کرنے لگے۔ پھر میرے والد بھی اپنی قوم سمیت تشریف لے گئے اور جب (خدمت نبویؐ سے) واپس آئے تو کہنے لگے: خدا کی قسم! میں ایک نبی برحق کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ فلاں فلاں نماز کیسے اور کس کس وقت پڑھنی ہے۔ اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان پکارے اور تم میں سے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہ باقی لوگوں کا امام بن کر سب کو نماز پڑھائے۔ پھر ہر نماز مسلسل پڑھنے کی تاکید کی۔ یوں ہمارا تمام قبیلہ نماز ادا کرنے لگا۔

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''فتح مکہ'' حالات کو بدل ڈالنے' اسلام کو قوت دینے' عربوں کا مؤقف متعین کرانے اور انہیں اسلام کے آگے سپر انداز کرانے میں کتنے گہرے اور دور رس اثرات رکھتا تھا۔ یہ کیفیت غزوۂ تبوک کے بعد پختہ سے پختہ تر ہو گئی۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ۹۔۱۰ ھ میں اسلام کو لبیک کہنے مدینہ آنے والے وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اسلامی لشکر جو فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار تھا صرف ایک سال بعد غزوۂ تبوک کے موقع پر تیس ہزار کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں تبدیل ہو گیا۔ پھر حجۃ الوداع کے موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار اہل اسلام کا ایک سیلاب اُمڈ پڑا' جو رسولؐ اللہ کے گرد اگرد اپنے رب کو'' لبیک اللھم لبیک'' پکارتا ہوا اسکی حمد و تسبیح اور اسکی بڑائی کا اقرار یوں کر رہا تھا کہ حرم سمیت تمام آفاق میں انکی گونج تھی' اور دُور دُور تک وادیاں اور کوہسار توحید کے نغمہ جاں فزاء سے معمور تھیں۔

قبول اسلام کیلئے وفود کی آمد

جتھوں (وفود) کی شکل میں اللہ کے دین میں داخل ہونے والوں کی تعداد ستر کے قریب ہے جسے اہل مغازی نے بیان کیا ہے۔ مگر بخوف طوالت یہاں صرف ان وفود کا تذکرہ کیا جائیگا جو تاریخی لحاظ سے اہمیت و ندرت کے حامل ہوں۔ قارعین کرام کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ جہاں عام قبائل کے وفود فتح مکہ کے بعد خدمت نبویؐ میں حاضر ہونا شروع ہوئے وہیں بعض قبائل ایسے بھی تھے جو فتح مکہ سے قبل

بھی وفود کی شکل میں حاضر خدمت ہوتے رہے۔ نہ صرف بصورت وفد ہی بلکہ فرداً فرداً بھی اور بصورت نامہ و پیام بھی۔ چنانچہ قابل ذکر ناموں کی ترتیب درج ذیل ہے۔

۱۔وفد عبدالقیس	۲۔وفد دَوس	۳۔فردہ بن عَمرؓو	۴۔وفد صداءٔ
۵۔کعب بن زہیر	۶۔وفد بنو عذرہ	۷۔وفد بلی	۸۔وفد ثقیف
۹۔شاہان یمن کا خط	۱۰۔وفد ہمدان	۱۱۔وفد بنی فزارہ	۱۲۔وفد نجران
۱۳۔وفد بنی حنفیہ	۱۴۔وفد بنی عامر	۱۵۔وفد تجیب	۱۶۔وفد طَی

۱۔وفد عبدالقیس

اس قبیلے کا منقذ بن حبان نامی ایک شخص سامان تجارت لے کر یثرب آیا جایا کرتا تھا۔ حضورؐ کے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد جب یہاں آیا اور اسے اسلام کے بارے علم ہوا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر واپس جاتے ہوئے نبیؐ کا ایک خط ہمراہ لے کر اپنی قوم کے پاس گیا۔ اُن لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور پھر وہ اپنے تیرہ مسلمان ساتھیوں کو ہمراہ لیکر ۵ھ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ منقذ بن حبان نامی یہ تاجر اس مرتبہ جس وفد کو ساتھ لایا' اس وفد کا سربراہ الاشج العصری تھا جس نے حضورؐ سے ایمان اور دیگر مشروبات کے متعلق سوال پوچھا تھا۔ آپؐ نے اسے فرمایا تھا کہ تم میں دو ایسی خصلتیں ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے۔ (۱) دُور اندیشی اور (۲) بُردباری۔

دوسری بار اس قبیلہ (عبدالقیس) کا وفد فتح مکہ کے بعد عام الوفود ۹ھ میں آیا۔ اس وقت انکی تعداد چالیس تھی' جن میں علاءؓ بن جارود عبدی نامی ایک عیسائی بھی تھا جس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا اسلام بہت خوب رہا۔

۲۔وفد دَوس

یہ وفد ۷ھ کے اوائل میں مدینہ حاضر ہوا جبکہ آنحضرتؐ اس وقت خیبر میں تھے۔ گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ قبیلہ دَوس کے سربراہ حضرت طفیلؓ بن عَمرو دوسی اس وقت ہی مسلمان ہو گئے تھے جب ابھی آنحضرتؐ مکہ ہی میں تھے۔ پھر اپنی قوم میں جا کر اسلام کی دعوت و تبلیغ میں مسلسل

کوشاں رہے مگر انکی قوم برابر ٹال مٹول سے کام لیتی رہی یہاں تک کہ حضرت طفیلؓ مایوس ہو گئے۔ آپ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ قبیلہ دَوس کیلئے بددعا کریں تا کہ انہیں سبق ملے۔

مگر رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا کہ: ''اے اللہ! دَوس کو ہدایت نصیب فرما''۔ آنحضرتؐ کی اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ حضرت طفیلؓ ۷۰ تا ۸۰ گھرانوں کو اسلام قبول کروا کر آپکی خدمت میں لائے اگرچہ اُس وقت حضورؐ خیبر میں تھے۔ اس کے بعد حضرت طفیلؓ نے بھی خیبر کی راہ لی اور وہیں آپؐ سے جا ملے۔

۳۔ فردہ بن عَمروؓ

فردہؓ بن عَمرو جذامی، رومی سپاہ میں ایک عربی کمانڈر تھے اور رُومیوں نے انہیں اپنی سرحدوں سے متصل عرب علاقوں کا گورنر بنا رکھا تھا۔ ان کا مرکز معان (جنوبی اُردن) تھا اور گردوپیش کے تمام علاقہ پر انکی عملداری تھی۔ انہوں نے جنگ موتہ (۸ھ) کے موقع پر مسلمانوں کی شجاعت و جنگی پختگی کے باوجود دشمنوں کے ساتھ احسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور ایک قاصد کے ذریعہ حضورؐ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی اور بطورِ تحفہ ایک سفید خچر بھی بھجوایا۔ اُدھر رُومیوں کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے ان کو قید کر لیا اور آزادی کیلئے یہ شرط عائد کی کہ یا تو اسلام سے مرتد ہو جائیں یا مرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ انہوں نے ترکِ اسلام پر موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ انہیں فلسطین میں عفراء نامی ایک چشمے پر سولی چڑھا کر شہید کر دیا گیا۔

۴۔ وفد صدائ

یہ وفد ۸ھ میں جعرانہ سے حضورؐ کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ اس وفد کے حاضر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرتؐ نے قبیلہ صداء کی شرارتوں کی بناء پر چار سو مسلمانوں کی ایک مہم تیار کر کے اسے حکم دیا کہ یمن کا وہ گوشہ اپنے پیروں تلے روند آئیں جہاں قبیلہ صداء رہائش پذیر ہے۔ یہ مہم ابھی وادیٔ قناۃ کے سرے پر پہنچ کر خیمہ زن تھی کہ حضرت زیادؓ بن حارث صدائی کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ بھاگم بھاگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے پیچھے جو لوگ ہیں میں انکے نمائندے

کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں ۔ میں آپؐ کے لئے اپنی قوم کا ضامن ہوں لہٰذا لشکر کو واپس بلا کر ہم پر احسان فرمائیں۔آپؐ نے وادی ُقناۃ ہی سے لشکر واپس بلا لیا۔اس کے بعد حضرت زیادؓ نے اپنی قوم میں جا کر انہیں ترغیب دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کریں۔انکی ترغیب پر پندرہ لوگ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کر کے بیعت کر لی۔پھر ان لوگوں نے بھی واپس جا کر قوم کو اسلام سے رُوشناس کرایا تو انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور پھر حجۃ الوداع کے موقع پر قبیلہ صداء کے سو لوگوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف باز یابی حاصل کیا۔

۵۔کعب بن زہیر

کعب بن زہیر بن ابی سلمہ ایک شاعر خانوادے کا چشم و چراغ تھا اور بذات خود بھی عرب کا عظیم شاعر تھا۔یہ کافر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا اور بقول امام حاکم فتح مکہ کے موقع پر اُن مجرموں کی فہرست میں شامل تھا جن کے متعلق حکم تھا کہ اگر وہ کعبۃ اللہ کے پردہ میں بھی چھپے ہوئے پائے جائیں تو بھی انکی گردن ماردی جائے۔بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا گیا مگر کعب بھاگ نکلا۔اُدھر ۸ھ کو جب آنحضرؐت غزوۂ طائف سے واپس تشریف لائے تو کعب کے بھائی بجیر بن زہیر کو اسکی زندگی کی فکر ہوئی۔چنانچہ اس نے زہیر کو لکھا کہ محمدؐ نے مکہ کے ان کئی افراد کو قتل کروا دیا ہے جو انکی ہجو کر کے انکو ایذائیں پہنچایا کرتے تھے۔قریش کے ایسے شعرا جو کسی طرح بچ رہے تھے ان میں سے جس کے جدھر سینگ سمائے نکل بھاگے ہیں۔اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو میری مانو! اُڑ کر نبیؐ کے پاس پہنچو۔کیونکہ کوئی بھی شخص توبہ کر کے آپکے پاس آجائے تو وہ اسے قتل نہیں کرتے۔اگر یہ بات منظور نہ ہو تو جہاں نجات مل سکتی ہو وہاں جا چھپو۔اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔آخر کار وہ مدینہ آ گیا اور قبیلہ جُہینہ کے ایک آدمی کے پاس مہمان ہوا۔پھر اسی کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔نماز سے فارغ ہوئے تو جہینی نے اشارہ کیا اور کعب اٹھ کر نبیؐ کے قریب آ بیٹھا اور اپنا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رکھ کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول کعب بن زہیر ادھر آیا ہے جو مسلمان ہو چکا ہے اور اپنی سابقہ حرکتوں پر سخت شرمندہ بھی ہے۔وہ آپکے پاس امان کا طلب گار بن کر آیا ہے۔اب فرمائیں: اگر وہ آپؐ کے حضور حاضر ہو جائے تو

کیا آپؐ اس کا اسلام قبول فرمالیں گے؟۔اس پر آنحضرؐت نے فرمایا: ہاں! تو اس نے کہا: یارسولؐ اللہ میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ یہ سنتے ہی ایک انصاری صحابی اس پر جھپٹ پڑے اور اس کی گردن مارنے کی اجازت طلب کرنے لگے۔آپؐ نے فرمایا!''چھوڑ دو' یہ شخص تائب ہو کر اور پچھلی باتوں سے دست کش ہو کر آیا ہے''۔جب اس کی جان خلاصی ہوگئی تو اس نے حضوؐر کے حسنِ کردار سے متاثر ہو کر اسی موقع پر اپنا یہ مشہور قصیدہ پڑھا' جس کی ابتداء یوں ہے:۔

بانت سُعاد فقلبی الیوم متبول متیم اِثر ھا لم یفد ' مکبول

۶۔وفد بنو عذرہ

یہ وفد صفر ۹ھ میں مدینہ آیا جو بارہ لوگوں پر مشتمل تھا اور اس میں حمزہؓ بن نعمان بھی تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ تو ان کے نمائندے نے کہا: ہم بنو عذرہ ہیں۔قُصی کے اخیافی بھائی۔ہم ہی نے قصی کی تائید کی تھی اور خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکالا تھا۔یہاں ہمارے رشتے اور قرابت داریاں ہیں۔اس پر آنحضرؐت نے خوش آمدید کہا اور ملک شام کے فتح کئے جانے کی بشارت دی۔اس وفد نے حضوؐر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور چند روز ٹھہر کر واپس گیا۔آپؐ نے انہیں کاہنہ عورتوں سے سوال پوچھنے سے منع فرمایا اور اُن ذبیحوں سے روکا جنہیں یہ لوگ حالت شرک میں ذبح کیا کرتے تھے۔

۷۔وفد بلی

یہ وفد ربیع الاوّل ۹ھ میں مدینہ آیا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر تین روز مقیم رہا۔قیام کے دوران وفد کے رئیس ابو الضبیب نے دریافت کیا کہ کیا ضیافت میں بھی اَجر ہے؟ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! کسی مالدار یا فقیر کے ساتھ جو بھی اچھا سلوک کرو گے وہ صدقہ ہے۔اس نے پوچھا: مدت ضیافت کتنی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تین دن۔اس نے پوچھا: کسی لاپتہ شخص کی بھیڑ بکری مل جائے تو کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ تمہارے لئے ہے یا تمہارے بھائی کیلئے ہے یا پھر بھیڑیئے کیلئے ہے۔اس کے بعد اس نے گمشدہ اونٹ کے بارے سوال کیا۔آپؐ نے فرمایا: تمہیں اس سے کیا واسطہ؟ اسے چھوڑے

رکھو یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پا جائے۔

۸۔وفد ثقیف

یہ وفد رمضان ۹ھ میں آنحضرتؐ کی تبوک سے واپسی کے بعد حاضر ہوا۔ دراصل جب ذیقعد ۸ھ میں حضورؐ غزوۂ طائف سے واپس ہوئے تو آپؐ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اس قبیلے کے ایک سردار عُروہؓ بن مسعود نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے واپس جا کر اپنے قبیلے کے لوگوں کو بھی دعوت دی۔ چونکہ وہ اپنی قوم کا بہت مقبول اور محبوب سردار تھا اس لئے اس کا گمان تھا کہ میرے لوگ میری اطاعت کریں گے۔ لیکن جب اس نے اسلام کی دعوت دی تو خلاف توقع لوگوں نے اسے تیروں سے چھلنی کر کے شہید کر دیا۔ اس کے بعد چند ماہ تک تو لوگ اپنے معمولات کے مطابق مقیم رہے لیکن پھر انہیں احساس ہوا کہ ہمارے گردو پیش کا علاقہ تو مسلمان ہو چکا ہے جس سے ہم مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ لہٰذا انہوں نے باہم مشورہ کیا کسی کو رسولؐ اللہ کی خدمت میں بھیجا جائے اور اسلام کے بارے معلومات کی جائیں۔ اگر ہم اسلام قبول نہ کرنا چاہیں تو بھی اُن سے ایسا کوئی معاہدہ کر لیا جائے جس سے ہم اپنے معمولات پر کاربند بھی رہیں اور مسلمانوں سے بھی کسی خطرے کا سامنا نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے چھ لوگوں کا وفد روانہ کیا جس میں عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی بھی شامل تھے جو کہ اس وفد میں سب سے کم عمر تھے۔

ان کے یہاں آنے کا مقصد جان کر آپؐ نے انکے لئے مسجد کے ایک گوشہ میں ایک قبہ لگوا دیا تا کہ یہ لوگ قرآن سن سکیں، صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھتے دیکھ سکیں۔ پھر یہ لوگ حضورؐ سے ملتے بھی رہتے اور آنحضرتؐ انہیں اسلام کی دعوت بھی دیتے رہتے۔ آخر ایک دن ان کے سردار نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر کہا کہ: آپؐ اپنے اور ثقیف کے مابین صلح کا ایک معاہدہ لکھ دیں جس میں زناکاری، شراب نوشی اور سود خوری کی اجازت ہو۔ انہیں نماز سے معاف رکھا جائے۔ ہمارے بت ہمارے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں اور ''لات'' کو برقرار رہنے دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے ان میں سے کوئی بات بھی منظور نہ کی۔ پھر انہوں نے تنہائی میں مشورہ کیا مگر انہیں حضورؐ کے سامنے سپر ڈالنے کے سوا کوئی راستہ دکھائی نہ

دیا۔آخرانہوں نے یہی کیا کہ اپنے آپ کو حضوؐر کے حوالے کرتے ہوئے اسلام قبول کرلیا۔البتہ یہ شرط پیش کی کہ لات کوڈھانے کا انتظام آپکوخود کرنا ہوگا ثقیف یہ کام خودنہیں کرسکیں گے۔آپؐ نے انکی یہ شرط مان لی اور ایک نوشتہ لکھ دیا۔

آپؐ نے عثمانؓ بن ابی العاص کواُن کا امیر بنادیا کیونکہ وہی اسلام کو سمجھنے اور دین وقرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کوشاں اور حریص تھے۔عثمانؓ بن العاص کی گورنری بڑی بابرکت ثابت ہوئی کیونکہ آنحضرؐت کی وفات کے بعد دَورِ صدیقی میں جب ارتداد کی لہر چلی اور قبیلہ ثقیف نے بھی مرتد ہونے کا ارادہ کرلیا تو انہیں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے مخاطب کرکے کہا: ثقیف کے لوگو! ''تم سب سے اخیر میں اسلام لائے ہو اب سب سے پہلے مرتد نہ ہوجانا''۔یہ نصیحت سن کر لوگ ارتداد سے رک گئے اور پھر اسلام پر ثابت قدم رہے۔

بہرحال ان چھ افراد کے وفد نے واپس آکر قوم سے بات چھپائے رکھی اور قوم کو کہا کہ نبیؐ نے دھمکی دی ہے کہ اگر زنا' شراب نوشی اور سودخوری ترک نہ کی تو بزورِ تلوار تم سب کو نابود کرڈالا جائیگا۔ پہلے دو تین روز تک تو قومِ ثقیف کھوکھلی اکڑ پھوں اور نخوتِ جاہلیہ دکھاتی رہی مگر مسلمانوں کی فتوحات اور موجودہ حقائق سے زیادہ دیر آنکھیں پھیر کرنہیں رہا جاسکتا تھا۔اللہ نے انکے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ وفد سے کہنے لگے کہ وہ پھر مدینہ جائے اور انکے مطالبات تسلیم کرآئے۔اس پر وفد نے اصل حقیقت بیان کی اور جن شرائط پر معاہدہ صلح طے ہوا تھا بیان کیا۔ثقیف نے اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔

اُدھر رسولؐ اللہ نے خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں چند صحابہ کرامؓ کی چھوٹی سی نفری روانہ فرمائی کہ جاکر''لات'' کومسمار کرآئیں۔وہاں پہنچ کر حضرت مغیرہؓ نے گرز اٹھایا اور دوستوں سے کہا میں ذرا تم کو ثقیف پر ہنساؤں گا اور پھر دیوی پر ہلکا سا گرز مار کر خود ہی گر پڑے اور ایڑیاں پٹخنے اور چیخنے لگے۔ثقیف پر یہ بناوٹی منظر دیکھ کر ہول طاری ہوگیا۔کہنے لگے اللہ مغیرہؓ کو ہلاک کرے' دیوی نے اسے مارڈالا۔اتنے میں مغیرہؓ اچھل کر کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے اللہ تمہارا برا کرے' یہ تو مٹی اور پتھر سے کیا ہوا تمہارا تماشہ ہے۔پھر آپؓ نے ایک زوردار ضرب سے دروازہ توڑ ڈالا اور پھر سب سے اونچی دیوار پر چڑھ گئے۔

انکے ساتھ کچھ اور صحابہؓ نے بھی ساتھ دیا اور اُوپر سے نیچے تک لات کی مورتی کو زمین کے برابر کر دیا۔حتیٰ کہ اسکی بنیاد بھی کھود ڈالی اور اس کا زیور اور لباس نکال لیا۔ یہ دیکھ کر ثقیف دم بخود رہ گئے اور خالدؓ بن ولید دیوی کے زیور اور لباس سمیت اپنی ٹیم کو لے کر واپس ہو گئے۔حضورؐ نے سب کچھ اسی دن تقسیم فرما دیا اور اپنے نبیؐ اور اس کے دین کی نصرت پر اللہ تعالیٰ کے حضور اسکی حمد وثناء کر کے اس کا شکر ادا کیا۔

۹۔شاہان یمن کا خط

غزوۂ تبوک سے آنحضرتؐ کی واپسی کے بعد شاہان حمیر (حارث بن عبد کلال ۔نعیم بن عبد کلال ۔اور رعین، ہمدان، اور معافر کے سر براہ نعمان بن قیل) کا ایک خط حضورؐ کی خدمت میں پہنچا۔ ان بادشاہوں نے اپنے اسلام لانے اور شرک واہل شرک سے علیحدگی اختیار کرنے کی اطلاع دیکر نامہ بر مالک بن مرّہ رہادی کے ہاتھوں روانہ کیا تھا۔رسولؐ اللہ نے انہیں جوابی خط لکھ کر واضح فرمایا کہ اہل ایمان کے حقوق اور انکی ذمہ داریاں کیا ہیں۔آپؐ نے ان بادشاہوں سے معاہدہ فرماتے ہوئے جزیہ کی باقاعدہ ادائیگی کی شرط عائد فرمائی اور معاہدین کیلئے اللہ اور اسکے رسول کا ذمہ دیا تھا۔آنحضرتؐ نے شاہوں کی اعانت کیلئے کچھ صحابہ کو یمن روانہ فرمایا اور حضرت معاذؓ بن جبل کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔

۱۰۔وفد ہمدان

یہ وفد بھی ۹ھ میں آنحضرتؐ کی تبوک سے واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔انہوں نے جو کچھ مانگا آپؐ نے انہیں تحریر لکھ کر عطا فرما دیا اور مالک بن نمط کو ان کا امیر مقرر کیا۔انکی قوم کے جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے انکا گورنر بنایا اور باقی لوگوں کے پاس اسلام کی دعوت دینے کیلئے پہلے خالدؓ بن ولید کو بھیجا جو چھ ماہ تک کوشش کرتے رہے مگر وہ لوگ ایمان نہ لائے تو پھر حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا اور حکم فرمایا کہ وہ خالدؓ بن ولید کو واپس بھیج دیں۔حضرت علیؓ نے ہمدان پہنچ کر اہل قبیلہ کو حضورؐ کا خط دکھایا اور اسلام کی دعوت دی تو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔آپؓ نے رسولؐ اللہ کو انکے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی بشارت بھیجی ۔حضورؐ نے جب خط ملاحظہ فرمایا تو شکرِ خداوندی کیلئے سجدہ ریز ہو گئے پھر اٹھ کر فرمایا: ہمدان پر سلام ۔۔ہمدان پر سلام۔

۱۱۔وفد بنی فزارہ

یہ وفد ۹ ھ میں تبوک سے آنحضرتؐ کی واپسی کے بعد آیا۔ یہ دس لوگ تھے جو اسلام لا چکے تھے۔اس وفد نے اپنے علاقے کی قحط سالی کی شکایت کی۔ رسولؐ اللہ منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ اٹھا کر بارش کیلئے دعا کی اور یہ فرمایا: اے اللہ! اپنے ملک اور اپنے چوپایوں کو سیراب کر' اپنی رحمت پھیلا' اپنے مردہ شہر کو زندہ کر۔اے اللہ! ہم پر ایسی بارش برسا جو ہماری فریاد رسی کر دے' راحت پہنچا دے' خوشگوار ہو' پھیلی ہوئی ہمہ گیر ہو' جلد آئے اور دیر نہ کرے' نفع بخش ہو نقصان رساں نہ ہو۔اے اللہ! رحمت کی بارش' عذاب کی بارش نہیں اور نہ ڈھانے والی' نہ غرق کرنے والی اور نہ مٹانے والی بارش۔اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب کر اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

۱۲۔وفد نجران

نجران مکہ سے یمن کی جانب سات مرحلے پر ایک بڑا علاقہ تھا جو تہتر ۷۳ بستیوں پر مشتمل تھا۔ اس علاقہ میں ایک لاکھ مردانِ جنگی تھے جو سب عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔نجران کا یہ وفد ۹ ھ میں آیا۔ یہ ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ چوبیس ۲۴ آدمی اشراف سے تھے جن میں تین آدمیوں کو اہل نجران کی سربراہی و سرکردگی حاصل تھی۔ایک عاقب جس کے ذمہ امارت وحکومت کا کام تھا اور اسکا نام عبدالمسیح تھا۔دوسرا سید جو ثقافی جس کا نام ائہم یا شرجیل تھا وہ سیاسی امور کا نگران تھا۔تیسرا اسقف (لاٹ پادری) جو دینی سربراہ اور روحانی پیشوا تھا اور اس کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔

اس وفد نے مدینہ پہنچ کر آپؐ سے ملاقات کی اور دورانِ ملاقات طرفین سے سوال و جواب ہوتے رہے۔آپؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور متعلقہ قرآنی آیات پڑھ کر سنائیں۔مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا اور دریافت کیا: آپؐ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے کیا کہتے ہیں؟۔اس کے جواب میں آپؐ نے اس روز دن بھر توقف کیا یہاں تک کہ آپؐ پر ال عمران کی یہ آیات نازل ہوئیں:۔

اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰی عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ(۵۹) اَلۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ(۶۰) فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ

مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمۡ وَ اَنۡفُسَنَا وَ اَنۡفُسَکُمۡ قف ثُمَّ نَبۡتَہِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ(۶۱) (سورۃ:ال عمران)

''بیشک عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ جیسی ہے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ پھر تمہارے پاس علم آجانے کے بعد جو کوئی تم سے اس (عیسیٰ) کے بارے حجت کرے تو کہہ دو آؤ ہم اور تم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو پھر مباہلہ کریں (اللہ سے گڑ گڑا کر دعا کریں) پس اللہ کی لعنت ٹھہرائیں جھوٹوں پر''۔(ال عمران ۵۹ تا ۶۱)

صبح ہوئی تو آنحضرتؐ نے انہی آیات کی روشنی میں انہیں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اپنے قول سے آگاہ کیا اور پھر انہیں دن بھر غور وفکر کرنے کیلئے آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے آپکی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر جب اگلی صبح ہوئی تو حضورؐ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی اور خود اپنے نواسوں کے ساتھ تشریف لے آئے آپؐ کے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہؓ چلی آرہی تھیں۔ جب وفد نے یہ دیکھا کہ آپؐ بالکل تیار ہو کر آگئے ہیں تو انہوں نے تنہائی میں جا کر باہم مشاورت کی۔ عاقب اور سید نے ایک دوسرے سے کہا:'' دیکھو مباہلہ بالکل نہ کرنا۔ خدا کی قسم اگر یہ واقعی نبی ہے اور ہم نے اس سے ملاعنت کر لی تو ہم اور ہمارے پیچھے ہماری اولاد کبھی کامیاب نہ ہو سکے گی اور رُوئے زمین پر ہمارا کوئی بال اور ناخن بھی تباہی سے نہ بچ سکے گا''۔ آخر کار انکی یہ صلاح ٹھہری کہ رسولؐ ہی کو اپنے بارے حکم بنا لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپکا جو بھی مطالبہ ہو ہم اسے ماننے کیلئے تیار ہیں۔ اس پیشکش پر آپؐ نے اُن سے جزیہ لینا منظور کیا اور دو ہزار جوڑے کپڑوں پر مصالحت فرمائی۔ جو کہ دو ماہ میں یعنی ایک ہزار جوڑے ماہِ رجب میں اور ایک ہزار ماہِ صفر میں ادا کرنے ہونگے۔ پھر ہر جوڑے کے ساتھ ایک سو باون گرام چاندی بھی ادا کرنی ہوگی۔ اس کے عوض آپؐ نے

انہیں اللہ اور اسکے رسولؐ کا ذمہ عطا فرمایا اور انہیں انکے دین کے بارے مکمل آزادی عطا فرمائی۔ اس سلسلے میں آپؐ نے انہیں باقاعدہ نوشتہ لکھ کر دیا۔ اس پر انہوں نے کہا آپؐ اپنا کوئی امین شخص ہمارے ساتھ روانہ فرمادیں تو آپؐ نے مصالحت کا مال وصول کرنے کیلئے ابوعبیدہؓ بن جراح کو روانہ فرمایا۔

اسکے بعد نجران میں بھی اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ اہلِ سیَر کا بیان ہے کہ سید اور عاقب نجران لوٹنے کے بعد مسلمان ہو گئے۔ پھر نبیؐ نے جزیے اور صدقات لانے کیلئے حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا۔

۱۴۳۔ وفد بنی حنفیہ بمعہ مسیلمہ کذاب

یہ وفد ۹ھ میں مدینہ آیا۔ اس میں مسیلمہ کذاب سمیت سترہ لوگ تھے۔ یہ وفد ایک انصاری صحابی کے مکان پر اترا پھر خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ البتہ مسیلمہ اپنی اکڑ، تکبر اور امارت کی ہوس کے باعث وفد کے لوگوں کے سمیت حاضر نہ ہوا بلکہ بعد میں تنہا حاضر ہوا۔ آنحضرتؐ نے اس سے شریفانہ برتاؤ کر کے اسکی دلجوئی کرنی چاہی مگر آپؐ نے محسوس فرمایا کہ اس پر کلام نرم و نازک بے اثر ہے۔ آپؐ نے اپنی فراست سے تاڑ لیا کہ اس کے اندر شر موجود ہے۔

اس سے قبل حضورؐ یہ خواب دیکھ چکے تھے کہ آپؐ کے پاس رُوئے زمین کے خزانے لا کر رکھ دیئے گیے ہیں اور اُن میں سے سونے کے دو کنگن آپؐ کے ہاتھ میں آپڑے ہیں جو آپکو بڑے گراں اور رنج دہ محسوس ہوئے۔ خواب ہی میں آپکو وحی کی گئی کہ اِن دونوں پر (دم) پھونک دیجئے۔ آپؐ نے پھونکا تو دونوں کڑے اُڑ گئے۔ حضورؐ نے اس کی تعبیر یہ فرمائی کہ آپؐ کے بعد دو کذاب (پرلے درجہ کے جھوٹے) نکلیں گے۔

مسیلمہ نے آنحضرتؐ سے سودے بازی کا طریقہ اپناتے ہوئے اکڑ کا اظہار کیا۔ وہ کہتا تھا اگر محمدؐ نے اپنے بعد کاروبارِ حکومت کو میرے حوالے کرنا طے کیا تو میں انکی پیروکاری کرونگا۔ اس کی بات سن کر آپؐ اسکے پاس تشریف لے گئے وہ اپنے ساتھیوں میں موجود تھا۔ آپؐ نے اس سے گفتگو شروع فرمائی کہ اصلی بات کی تہہ تک اترا جا سکے۔ اس نے کہا: ''آپؐ چاہیں تو ہم حکومت کے معاملہ میں آپکو آزاد چھوڑ دیں لیکن اپنے بعد اس کو ہمارے لئے طے فرمادیں''۔ آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک

شاخ تھی آپؐ نے اسکی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اگر تم مجھ سے یہ ٹکڑا چاہو تو تمہیں یہ بھی نہ دونگا اور تم اللہ کے مقرر کیئے ہوئے فیصلے سے آگے نہیں جا سکتے۔ اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تمہیں توڑ کر رکھ دیگا۔ خدا کی قسم میں تمہیں وہی شخص سمجھتا ہوں جس کے بارے مجھے دکھلایا گیا ہے۔ اور یہ ثابت بن قیس ہیں جو تمہیں میری طرف سے جواب دیں گے''۔ اس کے بعد آپؐ واپس چلے آئے۔

بالآخر وہی ہوا جس کا اندازہ رسولؐ اللہ نے اپنی فراست سے کر لیا تھا۔ وہ یہ کہ مسیلمہ نے یمامہ جا کر پہلے اپنے بارے کچھ دن غور کیا پھر یہ دعویٰ کیا کہ اسے رسولؐ اللہ کے ساتھ کارِ نبوت میں شریک کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی حصے کی آدھی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور تکے بندیاں کرنے لگا۔ عیاش قسم کے لوگوں کو ساتھ ملانے کیلئے اپنی قوم میں زنا اور شراب حلال کر دی۔ اسکے باوجود رسولؐ اللہ کی نبوت کی بھی گواہی دیتا رہا۔ اس شخص کی وجہ سے اس کی قوم فتنے میں پڑ کر اسکی پیروکار اور ہم آواز بن گئی۔ اس کی اتنی قدر و منزلت ہوئی کہ اسے یمامہ کا رحمان کہا جانے لگا۔

اس نے رسولؐ اللہ کو خط لکھا کہ ''مجھے اس کام میں آپکے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے اس لئے آدھی حکومت ہمارے لئے ہے اور آدھی قریش کیلئے''، آنحضرتؐ نے جواب میں لکھا۔ ''زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام متقیوں کیلئے ہے''۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال' مسیلمہ کے قاصد بن کر حضورؐ کے پاس آئے تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا ''تم دونوں شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' انہوں نے جواب دیا' ہم شہادت دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ نبیؐ نے فرمایا؛ ''میں اللہ اور اسکے رسول محمدؐ پر ایمان لایا''۔ پھر فرمایا ''اگر میں کسی قاصد کو قتل کر سکتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا''۔

مسیلمہ کذاب نے ۱۰ھ کو نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور ۱۲ھ ربیع الاول میں بہ عہد خلافتِ صدیقی میں یمامہ کے اندر قتل ہو گیا۔ اس کا قاتل وہی وحشی تھا جس نے حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔

ایک مدعی نبوت تو یہ تھا جس کا یہ انجام ہوا۔ ایک دوسرا مدعی نبوت اسود عنسی تھا جس نے یمن میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات سے صرف ایک دن اور ایک رات قبل حضرت فیروزؓ دیلمی

نے اسے قتل کیا۔ پھراس کے متعلق وحی آئی تو آپؐ نے اپنے صحابہ کواس واقعہ سے اسی وقت باخبر کردیا' جبکہ اس کے چند دنوں بعد یمن سے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے دَور میں اسکی باقاعدہ خبر آئی۔

۱۴۔ وفد بنی عامر بن صعصہ

اس وفد میں دشمنِ خدا عامر بن طفیل' اربد بن قیس (یہ حضرت لبید کا اخیافی بھائی تھا) خالد بن جعفر اور جبار بن اسلم شامل تھے۔ یہ سب اپنی قوم کے سربرآوردہ اور شیطان تھے۔ عامر بن طفیل وہی شخص ہے جس نے بیَر معونہ پر ستر صحابہ کو شہید کرایا تھا۔ ابھی بھی یہ لوگ بدنیتی سے مدینہ آئے تھے۔ ان میں سے عامر اور اربد نے باہم سازش کی کہ موقع پاکر نبیؐ اکرم کو دھوکہ سے قتل کردیا جائے۔ چنانچہ عامر نے حضورؐ سے گفتگو شروع کردی اور اربد گھوم کر آنحضرؐت کی پشت پر پہنچ گیا اور وہ تلوار نکالنے کی کوشش کرتا رہا مگر ایک بالشت سے زیادہ تلوار میان سے باہر نکالنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ کہ عامر بن طفیل نے آنحضرؐت کے پاس حاضر ہوکر یہ تین شرطیں رکھیں۔ (۱) آپکے لئے وادی کے باشندے ہوں اور میرے لئے آبادی کے۔ (۲) یا' مجھے اپنے بعد اپنا خلیفہ ہونے کا اعلان کریں۔ (۳) یا پھر میں غطفان کو ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار گھوڑیوں سمیت آپؐ پر چڑھالاؤں۔

اپنی ایسی حرکتوں اور ایسی باتوں کی وجہ سے یہ بددعائے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واپسی پر اربد پر آسمانی بجلی گری جس سے وہ اپنے اونٹ سمیت جل کر مرگیا۔ عامر بن طفیل کسی عورت کے ہاں اترا۔ اسی دوران اس کی گردن میں طاعون کی ایک گلٹی نمودار ہوئی۔ وہ اسے ہاتھ سے چھوتا تھا اور کہتا: آہ! اونٹ کی گلٹی جیسی گلٹی اور وہ بھی سلولیہ عورت کے گھر میں موت؟۔ پھر وہ چیخ کر بولا: میرا گھوڑا لاؤ۔ پھر اس پر سوار ہوا' اور اپنے گھوڑے پر ہی مرگیا۔

۱۵۔ وفد تجیب

یہ وفد تیرہ افراد پر مشتمل تھا جو اپنی قوم کے فقرأ سے فاضل بچے ہوئے صدقات لے کر مدینہ

پہنچے۔ یہ لوگ قرآن اور سنن پوچھتے اور سیکھتے تھے۔ آپؐ نے انہیں شریعت سے متعلقہ کافی باتیں لکھوا کر بھی دیں۔ یہ وفد بھی زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرا۔ پھر جب انہوں نے واپسی کی اجازت طلب کی تو آنحضرتؐ نے انہیں تحائف سے نوازا۔ انہوں نے ایک اور نوجوان کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا جو ڈیرے میں پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ آپکی خدمت میں حاضر ہوا تو کہنے لگا۔ حضورؐ: مجھے آپکے پاس لانے والی اور کوئی چیز نہیں سوائے اس کے کہ آپؐ میرے لئے بخشش اور رحمت کی دعا فرمائیں۔ آپؐ نے اس کیلیئے دعا فرمائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص نہایت قناعت پسند بن گیا۔

جب ارتداد کی لہر چلی تو یہی نہیں کہ وہ اسلام پر کاربند رہا بلکہ اس نے اپنی قوم کو بھی ثابت قدم رہنے کی وعظ و نصیحت کی جس سے اسکی قوم بھی اسلام پر ثابت قدم رہی۔ پھر اسی وفد نے حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ھ میں آنحضرتؐ سے دوبارہ ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

۱۶۔ وفد طی

اس وفد کے ساتھ عرب کے مشہور شہسوار زید الخیل بھی تھے۔ ان لوگوں نے حاضر ہو کر آپؐ سے گفتگو کی اور جب ان پر اسلام پیش کیا گیا تو انہوں نے بخوشی قبول کرلیا اور بہت اچھے مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت زیدؓ کی تعریف کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھ سے عرب کے جس کسی کی خوبی بیان کی گئی تو میں نے اسے اسکی شہرت سے کم ہی پایا۔ اسکے برعکس زید الخیل کی شہرت انکی خوبیوں کو نہیں پہنچ سکی۔ پھر آپؐ نے انکا نام زیدؓ الخیر رکھ دیا۔

یوں تو اِن متذکرہ بالا وفود کے علاوہ بھی کافی وفود حاضر خدمت ہوئے اور ۱۱ھ میں حاضر ہونے والا نخع کا وفد آخری وفد تھا۔ تاہم اِن پے در پے وفود کی مدینہ آمد سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اہل عرب مدینہ کو کتنی قدر و تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ درحقیقت مدینہ جزیرۃ العرب کا دارالحکومت بن چکا تھا اور کسی کیلیئے اس سے صرف نظر ممکن نہ تھا۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان سب لوگوں کے دلوں میں بھی اسلام راسخ ہو چکا تھا۔ عرب کے بدو دو حصوں میں بٹے دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ ابھی تک بہت سے اکھڑ بدو ایسے بھی تھے جو محض اپنے سرداروں کی متابعت میں مسلمان ہو گئے تھے ورنہ ان

میں قتل و غارت گری کا جو رجحان جڑ پکڑ چکا تھا اس سے وہ پاک وصاف نہیں ہوئے تھے اور ابھی تک اسلامی تعلیمات نے انہیں پورے طور پر مہذب نہیں بنایا تھا۔سورۃ توبہ میں بدوؤں کے اِن بعض افراد کے اوصاف یوں بیان فرمائے گئے:۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۹۷) وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۹۸)

(سورۃ:التوبۃ)

''اعراب (بدو) کفر ونفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ نازل کیا ہے اس کے حدود کو نہ جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے'' (۹۷) ''اور بعض اعراب جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تم پر گردشوں کا انتظار کرتے ہیں' ان ہی پر بری گردش ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے'' (۹۸) (سورۃ:التوبۃ)

جبکہ کچھ لوگوں کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے بارے یہ فرمان ہوا:۔

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ع (۹۹) (سورۃ:التوبۃ)

''اور بعض اعراب (بدو) اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی قربت اور رسول کی دُعاؤں کا ذریعہ بناتے ہیں یاد رہے کہ یہ انکے لئے قربت کا ذریعہ ہے عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے''۔ (التوبۃ: ۹۹)

جہاں تک مکہ مکرمہ مدینہ منورہ' ثقیف' یمن اور بحرین کے بہت سے شہری باشندوں کا تعلق ہے تو ان کے

اندراسلام پختہ تھااوراُن ہی میں سے کبار صحابہ اور ساداتِ مسلمین ہوئے۔ اللھم جعلنا منھم ط

اسلام کی دعوت سے پہلے دنیا پر جاہلیت کی کارفرمائی تھی۔اس کا ضمیر متعفن اور روح بدبودار تھی۔ظلم وغلامی کا دَوردورہ تھا۔فاجرانہ خوشحالی اور تباہ کن محرومی نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

جب اس دعوت نے انسانی زندگی پر اثر دکھایا تو انسانی روح کو وہم وخرافات سے' غلامی سے' اور حکام کے ظلم وطغیان سے نجات میسر آئی۔اسلام کی اسی دعوت نے انسان کو کاہنوں کے رسوا کن تسلط سے چھٹکارادلایا۔ان تبدیلیوں کی بدولت جزیرۃ العرب نے ایک ایسی بابرکت اٹھان کا مشاہدہ کیا جس کی نظیر انسانی وجود کے کسی دَور میں نہیں دیکھی گئی۔اس جزیرے کی تاریخ اپنی عمر کے ان یگانہ روزگار ایام میں یوں روشن ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ جگمگائی تھی۔

حجۃ الوِداع

دعوت وتبلیغ کا کام پورا ہوگیا اور اللہ کی الوہیت کے اثبات اور ماسویٰ اللہ کی الوہیت کی نفی اور محمدؐ رسول اللہ کی رسالت کی بنیاد پر ایک نئے معاشرے کی تعمیر وتشکیل عمل میں آگئی۔اب گویا ہاتف غیبی آپکے قلب وشعور کو احساس دلارہا تھا کہ دنیا میں آپکے قیام کا زمانہ اختتام کے قریب ہے۔چنانچہ آپؐ نے حضرت معاذ بن جبل کو ۱۰ھ میں یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو رخصت فرماتے ہوئے دیگر منجملہ باتوں سمیت یہ بھی فرمایا: اے معاذ! غالباًتم آئندہ سال مجھ سے نہ مل سکو، بلکہ میری اس مسجد اور میری قبر پر سے گزرو گے۔حضرت معاذؓ یہ سن کر جدائی کے غم سے رونے لگے۔

ارادۂ ایزدی کے مطابق حضورؐ نے جب حج مبرور کیلئے اپنے ارادہ کا اعلان فرمایا تو مسلمانانِ عرب جوق درجوق پہنچنا شروع ہوگئے۔ ہرایک کی آرزو تھی کہ وہ آنحضورؐ کے نقشِ پا کو اپنے لئے نشانِ راہ بنالے اور آپکی اقتداء کرے۔دراصل اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ آپکو اس دعوت کے ثمرات دکھلائے جس میں آپؐ نے بیس سال سے زیادہ عرصہ طرح طرح کی مشکلات ومصائب اور مشقتیں برداشت کی تھیں۔

مشیّت الٰہی تھی کہ آپؐ حج کے موقع پر اطرافِ مکہ میں قبائل عرب کے افراد اوران کے سرداران ونمائندگان کے ساتھ جمع ہوں۔ پھروہ آپؐ سے دین کے احکام وشرائع حاصل کریں اورآپؐ ان سے یہ گواہی لیں کہ آپؐ نے انکو امانت ادا کردی پیغام رب کی تبلیغ فرمادی اور امت کی خیرخواہی کا حق ادا فرمادیا۔

پھرآنحضرتؐ نے سنیچر کے دن، جبکہ ذیقعد میں چاردن باقی تھے مکہ کی جانب کوچ کی تیاری فرمائی۔ بالوں میں تیل لگایا، کنگھی کی، تہبند پہنا، چادراوڑھی، قربانی کے جانوروں کوقلادہ پہنایااورظہر کے بعدکوچ فرمایا۔عصر کے وقت تک آپؐ ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ یہاں عصر کی دورکعت نمازادافرمائی اوررات بھرخیمہ زن رہے۔صبح صحابہ کرام سے فرمایا:''رات میرے پروردگار کی طرف سے آنے والے نے مجھے کہا!اس مبارک وادی میں نماز پڑھواورکہوحج میں عمرہ ہے''۔

پھرظہر کی نماز سے پہلے آپؐ نے احرام کی نیت سے غسل فرمایا۔پھرحضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے ہاتھ سے ذریرہ اورمشک آمیز خوشبوجسم اطہراورسرمبارک میں لگائی۔ جومانگ میں اورداڑھی مبارک میں چمکتی دکھائی دے رہی تھی۔ پھرتہبند پہنا چادراوڑھی اوردورکعت نمازظہرادافرمائی۔اسکے بعد مصلے پر ہی حج وعمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھااورصدائے لبیک بلندفرمائی۔ پھرباہرتشریف لائے قصواء اونٹنی پر سوارہوئے اوردوبارہ صدائے لبیک بلندکی۔ پھراونٹنی پرسواررہتے ہوئے کھلے میدان میں تشریف لائے اوروہاں بھی لبیک پکارا۔

اس کے بعدآپؐ نے سفرجاری رکھایہاں تک کہ آٹھ یوم بعدسرِشام مکہ کےقریب پہنچےتوذی طویٰ میں اترے۔رات وہیں گزاری اورصبح فجر کی نماز پڑھ کرغسل فرمایااورپھرمکہ میں داخل ہوگئے۔ ۸۔ذی الحجہ کومنیٰ تشریف لے گئے اور۹۔ذی الحجہ کی صبح تک وہیں قیام فرمایایعنی پانچوں نمازیں یہیں ادافرمائیں اورسورج طلوع ہونے کے کچھ دیربعدوہاں سے روانہ ہوکرعرفہ کی طرف چل پڑے۔وہاں پہنچےتو نمرہ میں آپکا قبہ لگا دیا گیا تھااسی میں نزول فرمایا۔ پھرسورج ڈھل گیاتو اپنی اونٹنی قصواء پرسوار ہوکروادی کےبطن میں پہنچے۔اس وقت آپؐ کے گرد ایک لاکھ چوبیس ہزارانسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا

سمندر جمع تھا۔ آپؐ نے اُن کے درمیان ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبہ حجۃ الودع کے نام سے مشہور ہے

خطبہ حجۃ الودع

لوگو! میری بات سن لو! میں نہیں جانتا کہ اگلے سال میں یہاں تم سے مل سکوں گا یا نہیں۔ تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے کیلئے اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کا دن' رواں مہینہ اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روندی گئی ہے۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیئے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارثؓ کے بیٹے کا خون ہے۔ یہ بچہ بنوسعد میں دودھ پی رہا تھا کہ انہی ایام میں قبیلہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا۔

جاہلیت کے تمام سود بھی ختم کر دیئے گئے اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود ہے جو سارے کا سارا ختم ہے۔

ہاں! عورتوں کے بارے اللہ سے ڈرو' کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے' اور اللہ کے کلمہ کے ذریعہ حلال کیا ہے۔ تمہاری عورتوں پر بھی یہ پابندی ہے اور تمہارا حق ہے کہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارا نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا۔ اور تم پر انکا حق ہے کہ تم انہیں معروف طریقہ سے کھلاؤ اور پہناؤ۔

اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

لوگو: یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرنا' پانچ وقت کی نماز پڑھنا' رمضان کے روزے رکھنا' خوشی خوشی اپنے مال کی زکوٰۃ دینا' اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل کئے جاؤ گے۔ اور تم سے میرے بارے پوچھا جانے والا ہے' تو تم لوگ کیا جواب دو گے۔؟ صحابہ نے جواب دیا' ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے ہمیں دعوت حق کی تبلیغ فرما دی اور خیر خواہی کا حق

ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپؐ نے انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھا کر تین مرتبہ لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے اللہ کو اس پر گواہ بنایا اور کہا: اے اللہ گواہ رہنا۔ (آپؐ کے ارشادات کو ربیعہؓ بن امیہ بن خلف اپنی بلند آواز سے لوگوں تک پہنچاتے رہے) جب آپؐ خطبہ سے فارغ ہو چکے تو یہ آیۃ مبارکہ نازل ہوئی جس میں سے مخصوص حصہ پیش ہے:۔

.....اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط ..... (مائدہ:۳)

"۔۔۔۔آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا۔۔۔۔ (المائدۃ:۳)

حضرت عمرؓ نے جب یہ آیۃ سنی تو رونے لگے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپؓ کیوں رو رہے ہیں؟ تو فرمایا: عروج کے بعد زوال ہی تو ہے۔

خطبہ کے بعد حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان کہی اور اقامت کہی پھر حضورؐ نے نماز پڑھائی پھر بلالؓ نے عصر کی اذان کہی اور اقامت کہی تو حضورؐ نے نمازِ عصر بھی ادا فرمائی۔ اسکے بعد آپؐ اپنی سواری قصوا پر سوار ہو کر جائے وقوف پر تشریف لے گئے اور قبلہ رُو ہو کر مسلسل اسی حالت میں وقوف فرمایا' یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر آپؐ نے اپنی اونٹنی پر حضرت اسامہ رضی اللہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور وہاں سے روانہ ہو کر مزدلفہ تشریف لائے۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ ادا فرمائیں۔ درمیان میں کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپؐ لیٹ گئے اور طلوع فجر تک لیٹے رہے۔ البتہ صبح نمودار ہوتے ہی فجر کی اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد قصواء پر سوار ہو کر مشعر حرام پہنچے اور قبلہ رُو ہو کر تکبیر و تحلیل اور کلماتِ توحید ادا فرماتے رہے یہاں تک کہ صبح کا اجالا ہو گیا۔ پھر سورج طلوع ہونے سے قبل ہی منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس بار قصواء پر اپنے پیچھے حضرت فضلؓ بن عباس کو سوار کیا۔ بطن محسّر میں پہنچے تو سواری کو ذرا تیز دوڑاتے ہوئے درمیانی راستہ سے جمرۂ کبریٰ پر پہنچے۔ اس زمانے میں وہاں ایک درخت بھی تھا اور جمرۂ کبریٰ اس درخت کی نسبت سے بھی

معروف تھا۔ جمرۂ کبریٰ کے علاوہ اسے جمرۂ عقبہ اور جمرۂ اولیٰ بھی کہتے ہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے جمرۂ کبریٰ کو سات کنکریاں ماریں۔ حضورؐ نے یہ کنکریاں بطن وادی میں کھڑے ہو کر ماری تھیں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنے دستِ مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح فرمائے۔ اس کے بعد یہ کام حضرت علیؓ کو سونپ دیا جنہوں نے بقیہ سینتیس اونٹ ذبح فرمائے یوں یہ سو اونٹوں کی تعداد پوری ہوگئی۔ اس کے بعد ہر اونٹ میں سے ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ایک ہنڈیا میں پکایا گیا۔ آپؐ اور حضرت علیؓ نے بھی اس گوشت میں سے کچھ تناول فرمایا اور اس کا شوربہ بھی پیا۔

بعدازاں رسولؐ اللہ سوار ہو کر مکہ تشریف لائے اور بیت اللہ کا طوافِ اضافہ بھی کہتے ہیں۔ یہیں نماز ظہر ادا فرمائی پھر چاہِ زمزم پر بنو عبدالمطلب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ حجاج کرام کو زمزم کا پانی پلا رہے تھے۔

آپؐ نے بنو عبدالمطلب کو پانی کھینچتے دیکھ کر فرمایا: "تم لوگ پانی کھینچو! اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ پانی پلانے کے اس کام میں لوگ تمہیں مغلوب کر دیں گے تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ پانی کھینچتا"۔ یعنی اگر صحابہ مجھے خود پانی کھینچتے ہوئے دیکھتے تو ہر صحابی خود پانی کھینچنے کی کوشش کرتا اور اس طرح پانی پلانے کا جو شرف بنو عبدالمطلب کو حاصل تھا اس کا نظم انکے قابو میں نہ رہ جاتا۔ چنانچہ بنو عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کو ایک ڈول پانی پیش کیا جس میں سے آپؐ نے حسب خواہش پیا۔

آج یوم النّحر تھا یعنی ذی الحجہ کی دس تاریخ تھی آج بھی حضورؐ نے دن چڑھے یعنی چاشت کے وقت ایک خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ کچھ صحابہ بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ کھڑے تھے۔ آنحضرتؐ خطبہ دیتے وقت ایک خچر پر سوار تھے اور حضرت علیؓ اس خطبے کے ارشادات دہراتے ہوئے بلند آواز سے صحابہ کو پہنچا رہے تھے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ہمیں یوم النّحر ۱۰۔ ذی الحجہ کو خطبہ دیا اور فرمایا:۔

"زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی دن کی ہیت پر پہنچ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین

و آسمان کو تخلیق فرمایا تھا۔ سال بارہ مہینوں کا ہے جن میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ تین پے در پے یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں اور چوتھا رجبِ مضر جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان ہے"۔

"اور تم لوگ بہت جلد اپنے پروردگار سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے پوچھے گا۔ دیکھو میرے بعد پلٹ کر گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ تم میں جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک میری باتیں پہنچا دے۔ کیونکہ بعض وہ افراد جن تک یہ باتیں پہنچائی جائیں گی وہ بعض موجودہ سننے والوں سے کہیں زیادہ اِن باتوں کے در و بست کو سمجھ سکیں گے"۔

ایک روایت کے مطابق اس خطبہ میں یہ بھی فرمایا: "یاد رکھو! کوئی بھی جرم کرنے والا اپنے سوا کسی پر جرم نہیں کرتا (یعنی اس جرم کی پاداش میں کوئی اور نہیں بلکہ خود مجرم ہی پکڑا جائیگا)۔

یاد رکھو: "شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائیگی۔ لیکن اپنے جن اعمال کو تم لوگ حقیر اور معمولی (گناہ) سمجھتے ہو اُن میں اس (شیطان) کی اطاعت کی جائیگی اور وہ اسی سے راضی ہوگا"۔

اس کے بعد آپؐ ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) منیٰ ہی میں مقیم رہے۔ اس دوران آپؐ مناسک حج بھی ادا فرما رہے تھے اور لوگوں کو شریعت کے احکام بھی سکھا رہے تھے اور اللہ کا ذکر بھی فرما رہے تھے۔ ملت ابراہیمی کے سنن ھدیٰ بھی قائم فرما رہے تھے اور شرک کے آثار و نشانات کا صفایا بھی فرما رہے تھے۔ حضورؐ نے یوم النّحر کے خطبے سے ملتا جلتا خطبہ بھی دیا اور یہ سورۂ نصر کے نزول کے بعد دیا۔

ایام تشریق کے بعد یعنی تیرہ ۱۳۔ ذی الحجہ کو آنحضرتؐ نے منیٰ سے کوچ فرمایا اور وادیٔ ابطح کے خیف بنی کنانہ میں فروکش ہوئے۔ دن کا باقی ماندہ حصہ اور رات وہیں گزاری پھر اگلے دن کی بھی ظہر عصر مغرب اور عشاء وہیں ادا فرمائیں البتہ عشاء کے بعد تھوڑا سا سو کر اٹھے اور سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور طوافِ وِداع بھی فرما آئے۔ پھر آپؐ نے سواری کا رُخ مدینہ منورہ کی طرف کر لیا۔

آخری فوجی مہم

رومن امپائر کی جانب سے خبریں آرہی تھیں کہ یہاں کی حکومت اسلام اور اہل اسلام کے زندہ رہنے کے حق کو تسلیم کرنے پر رضا مند نہیں۔ اس قلمرو میں رہنے والا جو کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا تو اس کی زندگی کی خیر نہ رہتی۔ جیسا کہ معان کے رومی گورنر حضرت فردہؓ بن عَمرو جذامی کے ساتھ پیش آچکا تھا۔ اس جرأتِ بے محابہ اور غرورِ بیجا کے پیش نظر حضورؐ نے صفر ۱۱ھ میں ایک بڑے لشکر کی تیاری شروع فرمادی اور حضرت اسامہؓ بن زید بن حارثہ کی سپہ سالاری میں انہیں حکم دیا کہ بلقاء کا علاقہ اور داروم کی فلسطینی سرزمین سواروں کے ذریعہ روند آؤ۔ یہ لشکر مدینہ سے تین میل دور خیمہ زن بھی ہو گیا۔ لیکن حضورؐ کی تشویش ناک بیماری کی خبروں کے باعث آگے نہ بڑھ سکا اور واپس آگیا تھا۔ پھر یہ دورِ صدیقی میں حضرت ابوبکرؓ کی پہلی مہم قرار پایا۔

رفیق اعلیٰ کی جانب سفر

جب دعوتِ دین مکمل ہوگئی اور عرب کی نکیل اسلام کے ہاتھ آچکی تو رسولؐ اللہ کے جذبات و احساسات اور گفتار و کردار سے ایسی علامات کا ظہور ہونا شروع ہو گیا جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپؐ اس حیات مستعار کو اور اس جہان فانی کے باشندگان کو الوداع کہنے والے ہیں۔ آپؐ نے ۱۰ھ میں ماہِ رمضان کے دنوں میں دس دن اعتکاف کرنے کی بجائے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ پھر حضرت جبریلؑ نے آپکو دو مرتبہ قرآن کا دَور کرایا جبکہ ہمیشہ ہر سال ایک ہی مرتبہ دَور کرایا کرتے تھے۔ آپؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ میں آئندہ سال تم لوگوں سے یہاں مل سکوں گا۔ جمرۂ عقبہ میں فرمایا: مجھ سے حج کے اعمال سیکھ لو کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہ کر سکوں۔ پھر جب ایام تشریق کے وسط میں سورۃ النصر نازل ہوئی تو آپؐ نے سمجھ لیا کہ اب دنیا سے روانگی کا وقت آن پہنچا ہے۔

اوائل صفر ۱۱ھ میں آپؐ دامن اُحد میں تشریف لے گئے اور شہدائے اُحد کیلئے اس طرح دعا

فرمائی جیسے زندوں اور مُردوں سے رخصت ہو رہے ہوں۔ پھر واپس آ کر منبر پر فروکش ہو کر فرمایا: میں تمہارا میر کارواں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ بخدا میں اس وقت اپنا حوض (کوثر) دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں' اور بخدا مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ تم دنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے۔

ایک روز نصف رات کو آنحضرتؐ بقیع تشریف لے گئے اور اہل بقیع کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے قبر والو! تم پر سلام! لوگ جس حال میں ہیں اسکے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو۔ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے چلے آ رہے ہیں اور بعد والا پہلے والے سے زیادہ برا ہے''۔ اس کے بعد یہ فرما کر اہل قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تم سے آ ملنے والے ہیں۔

مرض کا آغاز

۲۹ صفر ۱۱ھ کو آنحضرتؐ ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر راستے ہی میں سر درد شروع ہو گیا اور حرارت اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ سر پر بندھی پٹی کے اوپر سے بھی محسوس ہونے لگی۔ یہ مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپؐ نے اسی حالتِ مرض میں گیارہ دن نماز پڑھائی جبکہ مرض کی کل مدت تیرہ یا چودہ دن تھی۔

رسولؐ اللہ کی طبیعت روز بروز بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ اس دوران آپؐ ازواج مطہرات سے پوچھتے رہتے کہ میں کل کہاں رہونگا؟۔ اس سوال کا جو مقصود تھا' ازواج مطہرات اسے سمجھ گئیں چنانچہ انہوں نے اجازت دیدی کہ آپؐ جہاں رہنا چاہیں رہیں۔ اسکے بعد آپؐ حضرت عائشہؓ کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ منتقل ہوتے ہوئے حضرت فضلؓ بن عباس اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب کا سہارا لے کر دونوں کے درمیان چل رہے تھے کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس کیفیت کے ساتھ آپؐ حضرت عائشہؓ کے مکان میں تشریف لائے اور پھر حیاتِ مبارکہ کا آخری ہفتہ

یہیں گزارا۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ معوذات اور رسولؐ اللہ سے حفظ کی ہوئی دعائیں پڑھ کر آپؐ پر دم کرتی رہتی تھیں اور برکت کی امید میں حضورؐ کا ہاتھ انکے جسم پر پھیرتی رہتی تھیں۔

وفات سے پانچ دن پہلے

وفات سے پانچ دن پہلے چہارشنبہ (بدھ) کو جسم کی حرارت میں مزید شدت آ گئی۔ جس کی وجہ سے تکلیف بڑھ گئی اور غشی طاری ہونے لگ گئی۔ آپؐ نے فرمایا: مجھ پر سات مختلف کنوؤں کے سات مشکیزے بہاؤ تاکہ میں لوگوں میں جا کر وصیت کر سکوں۔ اس کی تکمیل کرتے ہوئے آپکو ایک لگن میں بٹھا دیا گیا اور اتنا پانی بہایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بس بس کہنے لگے۔

اس وقت آپؐ نے بخار میں کچھ تخفیف محسوس کی تو مسجد میں تشریف لے گئے۔ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اسی حالت میں منبر پر فروکش ہوئے اور بیٹھ کر خطبہ دیا۔ صحابہ کرام اردگرد جمع تھے۔ فرمایا: ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنا دینا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ پھر خود کو قصاص کیلئے پیش فرمایا کہ میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے وہ اپنا بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر کسی کی بے آبروئی کی ہو تو میری آبرو حاضر ہے وہ اپنا بدلہ لے لے۔ ایک شخص نے کہا! میرے تین درہم آپکے ذمہ باقی ہیں۔ آپؐ نے فضل بن عباسؓ سے فرمایا! انہیں ادا کر دو۔ پھر آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد پھر منبر پر تشریف لائے اور انصار کے بارے وصیت فرمائی:۔

''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ انصار میرے قلب و جگر ہیں انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی، مگر انکے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار گھٹتے جائیں گے یہاں تک کہ وہ آٹے میں نمک کے برابر رہ جائیں گے۔ لہٰذا تمہارا جو آدمی نفع اور نقصان پہنچانے والے کام کا والی ہو وہ انکے نیکوکاروں سے قبول کرے اور انکے خطاکاروں سے درگزر کرے''۔

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا! اللہ نے بندے کو اختیار دیا کہ یا تو وہ دنیا کی چمک دمک اور زیب

وزینت میں سے جو کچھ چاہے اللہ اسے دیدے، یا پھر جو اللہ کے پاس ہے اسے اختیار کرلے، تو بندے نے ''اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کرلیا''۔

پھر رسولؐ اللہ نے فرمایا: ''مجھ پر اپنی رفاقت اور مال میں سب سے زیادہ صاحبِ احسان ابوبکرؓ ہیں۔ اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ صدیق کو بناتا۔

وفات سے چار دن پہلے

وفات سے چار دن پہلے جمعرات کے روز جب کہ آپؐ سخت تکلیف سے دوچار تھے فرمایا: لاؤ میں تمہیں تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس وقت کئی لوگ گھر میں موجود تھے جن میں حضرت عمرؓ بن خطاب بھی تھے۔ عمرؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ: آپؐ اس وقت سخت تکلیف میں ہیں، تحریر موخر فرمائیں، تو حضورؐ نے فرمایا: ''تمہارے پاس قرآن ہے اور بس اللہ کی یہ کتاب تمہیں کافی ہے''۔ اس پر گھر میں موجود لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ کوئی کہہ رہا تھا: لکھنے کیلئے کچھ لاؤ: تاکہ رسولؐ اللہ لکھ دیں اور کوئی وہی کہہ رہا تھا جو بات حضرت عمرؓ نے کہی تھی۔ اس طرح جب لوگوں نے باہم اختلاف میں زیادت کی اور شور وشغب بڑھ گیا تو حضورؐ نے فرمایا: ''میرے پاس سے اٹھ جاؤ''۔

پھر اسی روز آنحضرتؐ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی کہ: یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا۔ دوسرے یہ کہ وفود کی اسی طرح نوازش کرنا جس طرح میں کرتا ہوں۔ تیسری بات کو راوی بھول گیا غالباً یہ کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی وصیت تھی یا اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کرنے کی وصیت تھی یا پھر آپکا ارشاد یہ تھا کہ نماز اور اپنے زیردستوں (یعنی غلاموں اور لونڈیوں) کا خیال رکھنا کہ اس میں کوتاہی نہ ہو۔

رسولؐ اللہ مرض کی شدت کے باوجود وفات سے چار دن پہلے (جمعرات) تک تمام نمازیں خود ہی پڑھاتے رہے اور اس روز بھی نمازِ مغرب آپؐ نے خود ہی پڑھائی اور اس میں سورۃ والمرسلات

عرفاً پڑھی۔لیکن عشاء کے وقت مرض کا ثقل اتنا بڑھ گیا کہ مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا کہنا ہے کہ حضورؐ نے پوچھا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟۔تو ہم نے کہا: نہیں یا رسولؐ اللہ! لوگ آپکا انتظار کر رہے ہیں۔آپؐ نے فرمایا: لگن میں پانی رکھو۔ہم نے ایسا ہی کیا تو آپؐ نے غسل فرمایا۔مسجد جانے کیلئے اٹھنا چاہا تو آپؐ پر غشی طاری ہوگئی۔پھر جب افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟۔تو عرض کیا گیا کہ: نہیں' بلکہ لوگ ابھی تک آپکا انتظار کر رہے ہیں۔اس کے بعد دوبارہ اور پھر سہ بارہ بھی وہی ہوا جو پہلی مرتبہ ہوا تھا۔بالآخر آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو کہلا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

وفات سے ایک یا دو دن قبل

ہفتہ یا اتوار کو نبی کریمؐ نے اپنی طبیعت میں قدرے تخفیف محسوس کی۔چنانچہ دو لوگوں کے درمیان چل کر ظہر کی نماز کیلئے تشریف لائے۔اس وقت جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکرؓ صدیق نماز پڑھا رہے تھے۔وہ آپکو تشریف لاتے دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے تو آپؐ نے اشارے سے منع فرما دیا اور سہارا دے کر لانے والوں کو فرمایا مجھے ابوبکرؓ کے بازو میں بٹھا دو۔اس کے بعد ابوبکرؓ رسولؐ اللہ کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگے البتہ پیچھے نمازیوں کو تکبیر سناتے رہے۔

وفات سے ایک دن قبل

وفات سے ایک دن پہلے بروز اتوار حضورؐ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا اور اپنے پاس موجود سات دینار صدقہ کر دیئے۔اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ کر دیئے۔جبکہ گھر کی حالت یہ تھی کہ رات چراغ جلانے کیلئے حضرت عائشہؓ نے تیل پڑوسن سے ادھار لیا۔آنحضرتؐ کی زِرہ ایک یہودی کے پاس پچھتر کلو جَو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی جسے بعد ازاں حضرت علیؓ نے واگزار کروایا۔

حیات مبارکہ کا آخری دن

دوشنبہ (پیر) کے روز مسلمان نمازِ فجر میں مصروف تھے اور حضرت ابوبکرؓ امامت کرا رہے تھے

کہ اچانک حضوؐر نے حضرت عائشہؓ کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور مسلمانوں پر نظر ڈالی جو صفیں باندھے نماز میں مصروف تھے تو آنحضرتؐ نے تبسم فرمایا۔حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ایڑی کے بل پیچھے ہٹنے کی کوشش کی۔ دراصل وہ سمجھے کہ حضوؐر نماز کیلئے تشریف لا رہے ہیں ۔حضرت انسؓ نے بیان فرمایا کہ:۔حضوؐر کے اس اچانک ظہور سے مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ چاہتے تھے مزاج پرسی کیلئے اپنی نمازیں توڑ دیں۔مگر آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرلو۔پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرالیا۔

اس کے بعد حضورؐ پر کسی نماز کا وقت نہیں آیا۔دن چڑھے چاشت کے وقت اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ الزہرہ کو قریب بلا کر سرگوشی میں کچھ فرمایا تو وہ رونے لگ گئیں۔آپؐ نے دوبارہ سرگوشی فرمائی تو وہ ہنسنے لگیں۔حضرت عائشہؓ صدیقہ کا بیان ہے کہ بعد میں ہمارے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ پہلی بار حضوؐر نے سرگوشی میں فرمایا کہ آپؐ اسی مرض میں وفات پاجائیں گے۔اسلئے میں رو پڑی اور جب دوسری مرتبہ سرگوشی فرمائی تو بتایا کہ میرے اہل عیال میں سب سے پہلے تم میرے پیچھے آؤ گی تو میں ہنس پڑی۔نیز آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ سے یہ بھی فرمایا کہ تم تمام خواتینِ عالم کی سردار ہو۔

اس وقت آنحضرتؐ جس شدید کرب سے دوچار تھے اسے دیکھ کر فاطمہؓ بے ساختہ پکار اٹھیں' (وَاکَربَ اَبَاہُ ') ہائے اباجان کی تکلیف۔آپؐ نے فرمایا: تمہارے ابا پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں۔ آنحضرتؐ نے حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چوما اور انکے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔ ازواجِ مطہراتؓ کو بلایا اور انہیں وعظ ونصیحت فرمائی۔صحابہ کرامؓ کو بھی وصیت کرتے ہوئے فرمایا: الصلاۃ الصلاۃ وماملکت ایمانکم ط یعنی نماز۔نماز۔اور تمہارے زِیردست (غلام اور لونڈیاں) مراد ہے انکے حقوق کی ادائیگی میں اور نماز میں کوتاہی نہ ہو۔

اُدھر لحہ بہ لحہ تکلیف بڑھتی جارہی تھی اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہوگیا تھا جسے آپکو خیبر میں کھلایا گیا تھا۔آپؐ نے حضرت عائشہؓ صدیقہ سے فرمایا: ''اے عائشہؓ: خیبر میں جو کھانا میں نے کھالیا تھا اس کی تکلیف برابر محسوس کررہا ہوں۔اِس وقت مجھے محسوس ہورہا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری رگِ جاں کٹی جارہی ہے''۔

حالتِ نزع

پھر نزع کی حالت شروع ہوگئی اور حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ کی ٹیک اپنے اوپر لگوادی۔
حضرت عائشہؓ صدیقہ کا بیان ہے کہ اللہ کی مجھ پر یہ ایک خاص نعمت ہے کہ رسولؐ اللہ نے میرے گھر میں میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے وفات پائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ میرے گھر تشریف لائے تو انکے ہاتھ میں مسواک تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضورؐ مسواک کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: کیا آپؐ مسواک استعمال کرنا چاہتے ہیں کہ میں ان سے لے لوں۔ آپؐ نے سر کے اشارے سے فرمایا: ہاں تو میں نے مسواک لے کر آپکو دی تو آپکو کڑوی محسوس ہوئی یا چبائی نہ گئی۔ میں نے کہا: اسے آپؐ کے لئے نرم کردوں؟ تو آپؐ نے پھر اشارہ فرمایا کہ: ہاں۔ میں نے مسواک چبا کر نرم کر کے دی تو آپؐ نے اچھی طرح مسواک کی۔ آپؐ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا۔ آپؐ پانی میں دونوں ہاتھ ڈبو کر چہرہ مبارک پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے: ''لاالٰہ الاالله'' یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر فرماتے موت کیلئے سختیاں ہیں۔

مسواک سے فارغ ہوتے ہی آپؐ نے دائیں ہاتھ کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی نگاہ بھی چھت کی جانب تھی اور زیرلب کچھ پڑھ رہے تھے۔ میں نے کان لگا کر سنا تو: حضورؐ فرمارہے تھے'' اُن انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر اور مجھے جوارِ رفیق اعلیٰ میں پہنچادے۔ اے اللہ رفیق اعلیٰ۔۔ اے اللہ رفیق اعلیٰ۔۔ اے اللہ رفیق اعلیٰ۔۔۔ آخری فقرہ تین بار دھرایا اور اسی کے ساتھ آپکا ہاتھ جھک گیا اور یوں آپؐ اپنے رفیق اعلیٰ سے جالاحق ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ یہ واقعہ جانکاہ ۱۲۔ ربیع الاوّل ۱۱ھ بروز پیروار کو چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا۔ اُس وقت آنحضرتؐ کی عمر مبارک ۶۳۔ سال اور چار دن تھی۔

غم ہائے بیکراں

اس حادثۂ دلفگار کی خبر فوراً پھیل گئی۔ اہل مدینہ پر توکوہِ غم ٹوٹ پڑا۔ آفاق واطراف تاریک

دکھائی دینے لگے۔ حضرت انسؓ اکثر فرمایا کرتے: ''جس دن رسولؐ اللہ ہمارے ہاں تشریف لائے اس سے بہتر اور تابناک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس دن رسولؐ اللہ نے وفات پائی اس سے زیادہ قبیح اور تاریک دن بھی میں نے کبھی نہ دیکھا''۔

حضرت فاطمہؓ: فرطِ غم سے نڈھال ہوکر یہ کہتی جارہی تھیں: ''ہائے اباجان! جنہوں نے اللہ کی پکار پر لبیک کہا۔ ہائے اباجان! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔ ہائے اباجان! ہم جبریلؑ کو آپکی موت کی خبر دیتے ہیں''۔

حضرت عمرؓ اس جانکاہ حادثہ کو برداشت نہ کرسکے اور انکے ہوش وحواس معطل ہوگئے۔ انہوں نے کھڑے ہوکر کہنا شروع کیا: کچھ منافقین سمجھتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کی موت واقع ہوگئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انکی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ موسیٰ بن عمرانؑ کی طرح واپس آئیں گے' جیسے وہ چالیس رات تک اپنی قوم میں واپس نہیں لوٹے تو انکی قوم کو بھی یہی مغالطہ لگا تھا۔ جبکہ انکی واپسی سے پہلے کہا جارہا تھا کہ وہ انتقال کرچکے ہیں۔ ''خدا کی قسم: رسولؐ اللہ بھی ضرور پلٹ کر واپس آئیں گے اور ضرور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو سمجھتے ہیں کہ آپکی موت ہوچکی ہے''۔

جو کوئی انہیں ایسی بات کرنے سے روکنے اور سمجھانے کی کوشش کرتا' حضرت عمرؓ اس پر برہنہ تلوار نکال لیتے۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے مکان سے تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوگئے۔ پھر لوگوں سے کوئی بات کئے بغیر اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں پہنچے اور آنحضرتؐ کی طرف متوجہ ہوئے۔ آنحضرتؐ کا جسد مبارک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے رُخ انور سے چادر ہٹائی اور اسے چوما اور بے ساختہ رونے لگے۔ پھر حضورؐ کو مخاطب کرکے کہنے لگے: ''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان' اللہ آپؐ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ جو موت آپؐ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپکو پہنچ چکی''۔ اسکے بعد حضرت ابوبکرؓ باہر تشریف لائے۔ اس وقت بھی حضرت عمرؓ اسی کیفیت سے دوچار تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا: عمرؓ! بیٹھ جاؤ۔ مگر حضرت عمرؓ نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے بیٹھنے سے انکار کردیا اور تلوار ہاتھ میں لئے اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔

تجہیز و تکفین اور تدفین

صحابہ کرامؓ ابھی اس سانحہ کو برداشت کرنے کی کوشش میں تھے کہ اُدھر آنحضرؐت کی تجہیز و تکفین سے قبل ہی آنحضرؐت کی جانشینی کے معاملہ میں اختلاف پڑ گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین نے سازش سے مدینہ میں خلافت کا فتنہ کھڑا کر دیا۔انصار بھی اس سازش کی لپیٹ میں آ گئے اور انہوں نے سقیفہ بنوساعدہ میں مجتمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی۔جونہی مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی آن جمع ہوئے۔اس وقت عالم یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی جانکاہ خبر مسلمانوں پر بجلی بن کر گر چکی تھی اور سارا عالم عرب سوگ و یاس کی گہری وادی میں اتر گیا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعوری طور پر اس حادثہ کو قبول نہ کر سکنے کے باعث جنونی کیفیت سے دوچار ہو گئے تھے۔غسل کی سعادت حضرت علیؓ کو سرفراز ہوئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے انتظامات میں مصروف تھے۔

جہاں تمام مسلمان اس سانحۂ جانکاہ سے بے حال تھے، وہیں کچھ اربابِ دانش اس فکر میں بھی مبتلا تھے کہ مبادا عرب اپنی فطری عجلت پسندی کی بناء پر کوئی غلط روش اختیار کر لیں، اسلئے سمجھتے تھے کہ اسلام کی اس نئی کشتی کو فوری طور پر کسی ناخدا کی ضرورت درپیش ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس قوم کی باگ ڈور کس کے ہاتھوں تھمائی جائے۔اس پر سوچ بچار کے ساتھ ساتھ اقتدار کے خواہش مندوں کو (موقع ہاتھ سے نکل سکنے کے احتمال و خدشہ نے) بے باک بھی کر دیا تھا۔صورت حال واقعی ایسی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھ بند فرماتے ہی بنوفزارہ، بنوتمیم کی ایک شاخ بنوکندہ اور بنوبکر نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔مسیلمہ نامی ایک کاذب حال ہی میں دعویٰ نبوت کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہوا واصل جہنم ہوا تھا اور اب اسود عنسی نامی ایک کاذب اور طلیحہ اسدی کذاب نے بھی دعویٰ نبوت کر ڈالا تھا۔

ایسی صورتِ حال میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فراست سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو ہوش مندی سے کام لینے اور موقع کی نزاکت کا احساس دلانے کیلئے خطبہ ارشاد فرمایا کہ ”لوگو تم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھ بند فرماتے ہی تم اس قسم کے جھمیلوں میں پڑنے لگے، تو تاریخ تمہیں کبھی

معاف نہ کریگی اور قومِ مسلم کے زیاں کے ساتھ ساتھ دین اسلام پر بھی حرف آئے گا سو ہوش کے ناخن لو۔ اگر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو جان رکھے کہ مخلوق میں سے ہر کسی کو موت لازم ہے اور اگر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتا ہے تو جان رکھے کہ وہ ہستی ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے"۔ پھر آپؓ نے ایک آیت مبارکہ تلاوت فرمائی "اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کے رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ انکا انتقال ہو جائے یا وہ راہِ خدا میں شہید ہو جائیں، تو کیا تم اسلام سے پلٹ جاؤ گے، اور جو کوئی پلٹ جائے، تو وہ خدا کا تو کچھ نہیں بگاڑے گا، اور اللہ شکر گزار بندوں کو بہتر بدلہ عطا فرمائیگا "۔ (آل عمران: ۱۴۴)

یہ سن کر حضرت عمرؓ فاروق نے چلاّ کر پوچھا کیا یہ آیت قرآن پاک میں موجود ہے؟ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے جواب دیئے بغیر تقریر جاری رکھی اور فرمایا۔ "خدا تعالیٰ کا ہی فرمان ہے کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وفات کی خبر اس وقت دی تھی جب وہ زندہ تھے۔ موت اٹل اور سب کو ہے بجز ایک خدا کے"۔ اس پر حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہوگئی اور ہوش بحال ہوئے۔

یہ کیفت اور حالت صرف حضرت عمرؓ ہی کی نہ تھی، بلکہ بہت سے صحابہ کرامؓ جو فرطِ غم سے سراسیمہ اور ابھی تک حیران و پریشان تھے اور ہر کوئی ایک دوسرے سے پوچھتا پھر رہا تھا کہ کیا ہوا؟ کوئی ہمیں بتائے کہ یہ ہم کیا سن رہے ہیں؟ کوئی کہہ دے کہ سب جھوٹ ہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے خطبے سے انہیں بھی یقین آ گیا کہ واقعی آنحضرتؐ کا وصال ہو چکا ہے تو لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ: خدا کی قسم! ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے اس سے پیشتر جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت بھی نازل فرما رکھی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت تلاوت کی تو بہت سے لوگوں کو اسکے بعد یاد آیا کہ یہ تو انہیں زبانی یاد ہے۔

حضرت سعیدؓ بن مصیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے چند روز بعد اپنی اس کیفیت کے بارے فرمایا: "خدا کی قسم! جیسے ہی میں نے حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ آیت سنی تو انتہائی متحیّر اور دہشت زدہ ہو گیا۔ میرے پاؤں میرا وزن اٹھا ہی نہیں پا رہے تھے اور پھر میں زمین پر گر پڑا، کیونکہ میں واقعی جان

گیا تھا کہ یہ سانحہ ہم پر گزر چکا ہے''۔

لیکن حالات ابھی تک قابو میں نہیں آئے تھے۔ جو انصار و مہاجرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھائی بھائی بن کر رہ رہے تھے' باہم دست و گریباں ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ انصارِ مدینہ کے سرکردہ لوگ خلافت پر اپنا حق جتانے میں مسلمانوں پر کیے گئے احسانات کی فہرستیں گنوا گنوا کر اپنے حقوق کی وکالت کرنے لگے۔ مکہ کے سرکردہ لوگ قریشیوں کے علاوہ کسی اور کی خلافت قبول کرنے سے انکار پر بضد تھے۔ قریشیوں کے علاوہ کسی اور کو خلافت سونپے جانیکی صورت میں خرابیوں کی نشاندہی دھمکیوں کی صورت ہونے لگی تھی۔ اونٹ کسی کروٹ نہ بیٹھتے دیکھ کر انصار کے حضرت خباب المنذ رؓ بول اٹھے کہ خدا کی قسم' ایک امیر ہمارا اور ایک تمہارا۔ یوں انصار اور مہاجرین میں پھوٹ پڑ جانے کا شدید اندیشہ لاحق ہو گیا تھا۔ یہ جوش و خروش دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے بڑے تحمل و دانائی سے انصار کے احسانات اور فضائل و محاسن کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا۔

> ''صاحبو' مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں' لیکن درحقیقت تمام اہل عرب قریش کے علاوہ کسی کی حکومت تسلیم کر ہی نہیں سکتے۔ پھر مہاجرین اپنے تقدمِ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ دیکھو' حضرت ابوعبیدہؓ ابن الجراح اور حضرت عمرؓ بن خطاب یہاں موجود ہیں' ان میں سے جسکے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو''۔

یہاں تک کہ اسی بحث و مباحثہ میں پیروار کا تمام دن گزر گیا اور رات ہوگئی۔ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی بجائے اسی دوسرے کام میں الجھے رہے یہاں تک کہ رات بھی گزر گئی اور منگل کا دن چڑھ آیا۔ اس وقت تک آنحضرتؐ کا جسد مبارک ایک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھکا بستر پر ہی پڑا رہا۔ گھر کے لوگوں نے باہر سے گھر کا دروازہ بند کر دیا تھا۔

بہرحال اس دانشمندانہ اور ناصحانہ خطبہ پر یکایک لوگوں میں تحریک پیدا ہوئی کہ کیوں نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہی یہ ذمہ داری ڈال دی جائے۔ اسی اثنا میں حضرت عمرؓ نے یہ بھانپتے

ہوئے کہ اس وقت قوم کا مزاج متناسب ہے اور انتخابِ خلافت میں تاخیر' خواہشمندانِ خلافت میں پھوٹ پڑ جانے کا باعث ہو سکتی ہے۔ آپؓ نے باقی مہاجرین اور بنو ہاشم سے مشورہ کیئے بغیر پیش دستی کرتے ہوئے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھام لیا اور اپنی بیعت کا اعلان کر دیا۔ اس پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ہاتھ بڑھاتے ہوئے بیعت کا اعلان کر دیا اور پھر لوگ آپکی بیعت پر پل پڑے اگرچہ حضرت ابو بکرؓ اپنی ضعیف العمری اور اس عہدہ کی ذمہ داریوں کو نہ اٹھا سکنے کا عذر بیان کرتے رہے مگر بالآخر لوگوں کے شدید اصرار پر انہوں نے یہ ذمہ داری اٹھانا قبول کر لیا۔ یوں قوم مسلم ایک خطرناک اور تباہ کن فساد سے بال بال بچی۔ آخر کار منگل کی صبح حضورؐ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔ غسل دینے والوں میں حضرت عباسؓ اور اپنے دو صاحبزادوں فضل اور قثم کے ساتھ حضورؐ کی کروٹ بدل رہے تھے۔ حضرت اسامہؓ اور شقرانؓ پانی بہا رہے تھے جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ غسل دے رہے تھے اور اوسؓ نے جسد مبارک کو اپنے سینے سے ٹیک دے رکھی تھی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا جن میں دستار اور کرتا نہ تھا۔ بس حضورؐ کو انہی تین چادروں میں لپیٹ دیا گیا تھا۔ ابھی خلافت کے جھگڑے پر مشکل سے حضرت ابو بکرؓ کے نام پر سمجھوتہ ہوا تھا کہ اب آپکی آخری آرام گاہ کے بارے بھی صحابہؓ کے مابین اختلافِ رائے ہو گیا۔ کوئی کہیں دفن کرنے کا کہتا تو کوئی کسی دوسری جگہ کو بہتر گردانتا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا کہ: میں نے رسولؐ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "کوئی نبی فوت نہیں ہوا مگر اس کی تدفین وہیں ہوئی جہاں وہ فوت ہوا"۔ اس فرمانِ نبویؐ کے بعد حضرت ابو طلحہؓ نے آنحضرتؐ کا وہ بستر اٹھایا جس پر آپکی وفات ہوئی تھی اور اسی کے نیچے قبر کھودی۔ قبر لحد (بغل) والی کھودی گئی تھی۔ اس کے بعد دس دس صحابہؓ باری باری حجرہ شریف میں داخل ہو کر (بغیر امام) نمازِ جنازہ پڑھتے رہے امام کوئی نہ تھا۔ سب سے پہلے حضورؐ کے خانوادہ یعنی (بنو ہاشم) نے نماز جنازہ پڑھی پھر مہاجرین نے پھر انصار نے پھر مردوں کے بعد عورتوں اور بچوں نے۔ حجرہ شریف میں چونکہ گنجائش ہی اتنی تھی اس لئے تمام دن لوگوں کے نمازِ جنازہ پڑھنے میں گزر گیا اور بدھ کی رات ہو گئی۔ پھر وسط رات میں آپؐ کے جسدِ مبارک کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

آنحضرتؐ پر منافقین اور غیر مسلموں کے عمومی دو اعتراضات کی وضاحت

(۱) آنحضرتؐ کی کثرت ازواج۔

(۲) اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔

جہاں کائنات بھر میں سرورِ کونین محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و ستائش کے ڈنکے بجتے چلے آرہے ہیں اور بفضل اللہ قیامت تک اور قیامت کے بعد بھی بجتے رہیں گے اور فرمانِ قرآن "وَرَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ" اس پر گواہ بھی ہے' وہیں اپنے تئیں مسلمان کہلوانے والے کچھ منافقین کی طرف سے یہ اعتراض اٹھایا گیا کہ رسولؐ اللہ نے ایک یا چار پر اکتفاء کی بجائے گیارہ شادیاں کیوں فرمائیں' اور دوسرا اعتراض جو مخالفینِ اسلام اور غیر مسلم ناقدین کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے کہ اسلام اپنے اعلیٰ اخلاق' اپنی گوناگوں خوبیوں اور اپنی لازوال تعلیمات کی وجہ سے نہیں بلکہ محض تلوار کے زور پر پھیلا۔

یہ دونوں اعتراض ناقص العلمی کی پیداوار ہیں اور قلبی انتشار کی بنیاد پر گھڑے گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی قلبی خباثت اور اسلام دشمنی کا علاج تو ہمارے پاس نہیں' کیونکہ یہ اٹل حقیقت ہے کہ "ھدایت صرف من جانب اللہ ہے اور کسی دوسرے کو اس پر قدرت نہیں"۔ بہرحال جو کوئی ان ہر دو اعتراضات کو نیک نیتی سے سمجھنا چاہتا ہے' وضاحتِ مندرجہ ذیل انشاءاللہ اسکے لئے ضرور مددگار ثابت ہونگی۔

یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ شادی یا نکاح جیسی مقدس رسم کے انعقاد کا مفہوم جن معانی میں لیا جاتا ہے یہ اس کا حتمی مفہوم نہیں ہے۔ گو کہ جنسی آسودگی کا یہ مفہوم بھی شادی بیاہ کے جملہ مفاہیم سے خارج نہیں۔ اس لئے اگر ہم دنیا کے ان علاقوں پر نظر ڈالیں جہاں ایک سے زائد شادیوں کو جائز یا معقول نہیں سمجھا جاتا تو ہمیں ایسے علاقوں میں جن پراگندہ اطوار و طرائق کا مشاہدہ ہوتا ہے اور مرد و زن کی جن غیر اخلاقی حرکات کی بھرمار نظر آتی ہے' انہیں دیکھ کر ہر پاک وصاف روح لرز کر رہ جاتی ہے۔ شرعی قوانین پر ثابت قدمی سے محروم لوگ بتدریج اس احساس سے بھی محروم ہو جاتے ہیں کہ وہ کس قدر

غلیظ معاشرے کی پیداوار کا حصہ بن چکے ہیں۔ایسے معاشروں میں باہمی رضامندی سے یا زور زبردستی سے ہونے والی زنا کاری کی سالانہ تعداد کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہے' آج انٹرنیٹ کے حامل دور میں اس سے کون ناواقف ہوگا۔ پھر ایسے تعفن زدہ معاشروں کا کیا حال ہوتا ہے یا ایسے معاشرے کن مشکلات ومسائل سے دوچار ہوجاتے ہیں یقیناً اس سے بھی کوئی ناواقف نہیں۔ جبکہ یہ پاکیزہ رسم جہاں مردوزن کو ایک دوسرے تک محدود رہنے کا پابند رکھتی ہے وہاں معاشرے کو ایسی پاکیزگی بھی عطا کرتی ہے جو اس معاشرے کو جنسی بے راہرویوں اور اس سے پیدا ہونے والی بے بہا قباحتوں' بیماریوں اور متعدد نحوستوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

اس موضوع کے تحت اگر ہم آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ کے اس پہلو پر غور کریں تو ہم یقیناً یہ سوچنے پر مجبور ہونگے اور اس بات کو سمجھنے کے قابل ہوسکیں گے کہ حضورؐ نے عین شباب اور بھری جوانی میں صرف ایک شادی کی اور اپنی جوانی کے پُرقوت اور عمدہ ایام یعنی تیس (۳۰) سال صرف ایک ہی خاتون کے ساتھ گزار دئے وہ بھی ایسی خاتون کے ساتھ جو پہلے سے بیوہ تھیں اور لگ بھگ ادھیڑ عمر تھیں۔ یہ شادی بھی اُنہی خاتون حضرت خدیجہؓ کی شدید خواہش پر ہوئی اور آنحضرتؐ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات تک یعنی پورے عہدِ شباب میں کوئی دوسری شادی نہ فرمائی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد دوسرا نکاح حضرت سَودہؓ سے فرمایا۔ تو کیا اس بات کا تصور کرنا یا ایسا گمان کرنا جائز ہے کہ جب آپؐ عہدِ جوانی سے گزر چکے اور بڑھاپے کی دہلیز تک پہنچ گئے تو اچانک آپؐ کے اندر جنسی جذبات اس قدر بڑھ گئے کہ آپکو مجبور ہوکر پے در پے نو شادیاں مزید کرنی پڑیں۔؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ کوئی ذی شعور ایسا گمان تک نہیں کرسکتا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ نے اتنی شادیاں کچھ ایسے اغراض ومقاصد کیلئے کیں جو شادیوں کے مقررہ روایتی مقصد سے بہت عظیم اور اعلیٰ مرتبہ تھے۔ وضاحت سے قبل ان خوشبخت خواتین کا (جنہوں نے امّہات المؤمنین کا مرتبہ پایا) اختصاراً تعارف پیش خدمت ہے۔

امّہات المومنین اور اُن سے غایت نکاح

۱۔حضرت خدیجہؓ ۲۔حضرت سَودہؓ بنت زمعہ

۳۔حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ ۴۔حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ بن خطاب

۵۔حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ۶۔حضرت اُم سلمہؓ ہند بنت ابی اُمیہ

۷۔حضرت زینبؓ بنت جحش ۸۔حضرت جویریہؓ بنت حارث

۹۔حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیان ۱۰۔حضرت صفیہؓ بنت حُی بن اخطب

۱۱۔حضرت میمونہؓ بنت حارث

عرب کا دستور تھا کہ وہ رشتہءمصاہرت کا بڑا احترام کرتے تھے۔انکے نزدیک دامادی کا رشتہ مختلف قبائل کے درمیان قربت کا ایک اہم باب تھا اور داماد سے جنگ لڑنا اور محاذ آرائی کرنا بڑے شرم اور عار کی بات متصور ہوتی تھی۔اس دستور کو مدنظر رکھتے ہوئے حضوؐر نے چند شادیاں اس مقصد سے کیں کہ مختلف افراد اور قبائل کی اسلام دشمنی کا زور توڑ دیں اور انکے بغض وعداوت کی چنگاریوں کو بھڑک اٹھنے سے پہلے ہی بجھادیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے نکاح کرنے کی غایت یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سے رشتہ مصاہرت قائم ہوجائے۔پھر حضرت عثمانؓ بن عفان سے پے درپے اپنی دو بیٹیوں حضرت رقیّہؓ اور پھر حضرت اُمّ کلثومؓ کی شادی کرواکر اور حضرت علیؓ سے اپنی لختِ جگر فاطمہؓ سے نکاح کرواکر جو رشتہ ہائے مصاہرت قائم کئے اُن سے آپؐ کے ان چاروں بزرگوں سے تعلقات نہایت پختہ ہوگئے۔پھر انتہائی پیچیدہ مراحل میں اسلام کیلئے اِن حضرات کی جانسپاری اور فداکاری کا جو امتیازی وصف اُن سے عملی طور پر مترشح ہوا اس سے کوئی ناواقف نہیں۔

حضرت اُم سلمہؓ جو قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں وہ ابوجہل اور خالدؓ بن ولید کا قبیلہ تھا۔جب حضوؐر نے ان سے شادی کی تو خالدؓ بن ولید میں وہ سختی اور دشمنی باقی نہ رہی جس کا مظاہرہ وہ جنگ اُحد

میں کر چکے تھے۔ بلکہ تھوڑے عرصہ بعد ہی انہوں نے اپنی خوشی و مرضی سے اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح جب حضورؐ نے ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت اُم حبیبہؓ سے شادی کر لی تو اسکے بعد ابوسفیان آپؐ کے مدّ مقابل نہ آیا۔ اسی طرح جب حضرت جویریؓہ اور حضرت صفیہؓ نے حضورؐ سے عقد کرلیا تو قبیلہ بنی المصطلق اور قبیلہ بنی نضیر نے محاذ آرائی ترک کردی اور انکے عقد میں آجانے کے بعد تاریخ میں ان قبیلوں کی طرف سے کسی محاذ آرائی کا سراغ نہیں ملتا۔ بلکہ حضرت جویریہؓ کے عقد میں آتے ہی صحابہ کرامؓ نے اُنکے ایک سو گھرانوں کو (جو اس وقت انکی قید میں تھے) یہ کہتے ہوئے آزاد کردیا کہ یہ آنحضرتؐ کے سسرالی ہیں۔ اس احسان کا اُن قبائل پر کیا اثر مرتب ہوا؟ آج بھی اس کا اندازہ ہر کوئی بخوبی لگا سکتا ہے۔

حضورؐ ایک غیر مہذب قوم کو تربیت دینے اور انہیں تمدن سے آشناء کرنے کے ساتھ ساتھ انکے تزکیہ نفوس فرمانے پر بھی مامور تھے صرف کلمہ پڑھا کر مسلمان کرلینا کافی نہیں تھا اور مردوں سے زیادہ عورتوں کی تربیت کرنے انہیں اخلاقیات و تکمیل معاشرہ کے اسباق سکھانے کی ضرورت تھی کیونکہ انہی سے نسل چلنا ہوتی ہے اور ماں بچوں کی جیسی تربیت کرتی ہے اسی پر معاشرہ اپنی شکل وصورت اختیار کرتا ہوا پھلتا پھولتا ہے۔

پھر خواتین کے پوشیدہ رموز صفائی و پاکیزگی کے اصول وقوانین شرعی وغیرہ غیر مردوں کی زبانی اس سلاست سے بیان نہیں کیے جاسکتے کہ بخوبی و درست طور پر سمجھ آسکیں۔ اسلامی معاشرے میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی گنجائش نہیں ہوتی اور اس عدم اختلاط کے اصول کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کی براہ راست تربیت نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے حضورؐ نے مختلف عمر اور لیاقت کی اتنی خواتین منتخب فرمالیں جو اس مقصد کیلئے کافی ہوں اور وہ دیگر خواتین کی تعلیم و تربیت و ابلاغِ مسائلِ شریعہ کے لئے ایک ٹیم کی طرح تیار ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ خانگی حالات کو امت تک پہنچانے کا سہرا زیادہ تر امّہات المؤمنین کے سر ہے بالخصوص اُن خواتین پر جنہیں زیادہ عرصہ تک حضورؐ کا قرب نصیب رہا۔

ا۔حضرت خدیجہؓ

حضورؐ کی پہلی شادی کے وقت آپکی عمر مبارک پچیس سال تھی۔آپؐ اس وقت مکہ میں تھے اور حضرت خدیجہؓ کے اموالِ تجارت کو بیرونِ مکہ لیجاتے لاتے رہتے تھے۔اسی دوران آپکی دیانت ولیاقت آپکے حسن اور شرافت سے متاثر ہوگئیں تو حضورؐ کو شادی کی درخواست کی۔اس پر آنحضرتؐ کے چچا ابی طالب نے حضورؐ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے کروادیا۔حضرت خدیجہؓ کی عمر اس وقت چالیس سال تھی اور آپؓ ایک بیوہ خاتون تھیں۔آنحضرتؐ کی اولاد میں ابراہیم نامی فرزند کے علاوہ تمام بیٹیاں اور بیٹے انہی خدیجہؓ کے بطن سے تھے۔صاحب زادوں کے نام قاسم، عبداللہ (جن کا لقب طاہر اور طیب تھا) اور ابراہیم تھا۔صاحبزادگان میں سے تو کوئی زندہ نہیں بچا البتہ آپکی بیٹیاں زندہ رہیں جن کے نام زینبؓ: رقیہؓ: اُم کلثومؓ: اور فاطمہؓ ہیں۔زینبؓ کی شادی ہجرت سے قبل انکے پھوپھی زاد حضرت ابوالعاصؓ بن ربیع سے ہوئی۔رقیہؓ اور اُم کلثومؓ کی شادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ بن عفان سے ہوئیں اور حضرت فاطمہؓ کی شادی جنگ بدر کے بعد اور جنگ احد سے پہلے حضرت علیؓ سے ہوئی۔جن کے بطن مبارک سے حسنؓ: حسینؓ: زینبؓ: اور اُم کلثومؓ پیدا ہوئے۔

۲۔حضرت سَودہؓ بنت زمعہ

سودہؓ سے حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے کچھ دن بعد نبوت کے دسویں سال ماہِ شوال میں شادی کی۔اس سے پہلے حضرت سَودہؓ اپنے چچیرے بھائی سکران بن عَمرو کے عقد میں تھیں اور وہ انتقال کر کے انہیں بیوگی میں چھوڑ گئے تھے۔

۳۔حضرت عائشہؓ صدیقہ

حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ سے حضورؐ نے حضرت سَودہؓ کے ایک سال بعد نکاح فرمایا اگرچہ انکی رخصتی بعد میں ہوئی اس وقت انکی عمر نو سال تھی۔یہ واحد خاتون ہیں جو باکرہ (کنواری) تھیں۔انکے علاوہ کسی باکرہ عورت سے آپؐ نے شادی نہیں کی۔حضرت عائشہؓ صدیقہ آپکی سب سے محبوب بیوی

تھیں اور امّت کی عورتوں میں علی الاطلاق سب سے زیادہ فقیہ اور صاحب علم تھیں۔

۴۔ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ بن خطاب

حفصہؓ کے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ سہمیؓ تھے جو بدر اور اُحد کے درمیانی عرصہ میں رحلت فرما گئے اور وہ بیوہ ہو گئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ھ میں اُن سے شادی کر لی۔

۵۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ

زینبؓ بنت خزیمہ قبیلہ بنو ہلال بن عامر بن صعصعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مسکینوں پر رحم و مروت اور رقّت و رأفت کی وجہ سے اُنکا لقب اُم المساکین پڑ گیا تھا۔ پہلے یہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے عقد میں تھیں۔ وہ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تو حضورؐ نے ۴ھ میں ان سے شادی فرما لی۔ مگر یہ صرف آٹھ ماہ ہی حضورؐ کی زوجیت میں رہنے کے بعد وفات پا گئیں۔

۶۔ اُمّ سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ

اُمّ سلمہؓ پہلے حضرت ابو سلمہؓ کے عقد میں تھیں۔ جمادی الآخر ۴ھ میں ابو سلمہؓ کے انتقال کے بعد بیوہ ہو گئیں تو اسی سال شوال میں آنحضرتؐ کے عقد میں آ گئیں۔

۷۔ زینبؓ بنت جحش بن ریاب

زینبؓ بنت جحش قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی تھیں اور حضورؐ کی پھوپھی زاد تھیں۔ پہلے انکی شادی زیدؓ بن حارثہ سے ہوئی تھی، جنہیں حضورؐ کا متبنّٰی (لے پالک بیٹا) کہا جاتا تھا۔ مگر بعد ازاں جب نباہ نہ ہو سکا تو انہیں طلاق ہو گئی اور عدت پوری ہونے پر حضورؐ سے شادی ہو گئی۔ دراصل یہ شادی اللہ تعالیٰ کی ایماء پر ہوئی اس ضمن میں الاحزاب کی ۳۷ نمبر آیت کا آخری حصہ درج ذیل ہے:۔

.... فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡہَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَہَا لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِہِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡہُنَّ وَطَرًا ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا (۳۷)

(سورۃ: الاحزاب)

۔۔۔ پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ آپکی زوجیت میں دیدی

کہ مسلمانوں پر انکے لئے کوئی حرج نہ رہے انکے لے پالک بیٹوں کی بیویوں میں جب ان سے انکا کام ختم ہوجائے اور اللہ کا حکم نافذ ہوکر رہتا ہے
(الاحزاب:۳۷)

انھی کے تعلق سے سورۃ احزاب کی کئی آیات نازل ہوئیں جن میں متبنّیٰ کے قضیہ کا دوٹوک فیصلہ کردیا گیا۔

۸۔ جویریہؓ بنت حارث

جویریؓہ کے والد قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنوالمصطلق کے سردار تھے۔ یہ بھی بنوالمصطلق کے قیدیوں میں لائی گئی تھیں اور حضرت ثابتؓ بن قیس کے حصے میں آئی تھیں۔ انہوں نے آپس میں مکاتبت کرلی یعنی ایک مقررہ رقم کے عوض آزاد کردینے کا معاملہ طے کرلیا تھا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے انکی طرف سے رقم ادا کردی اور ان سے عقد فرمالیا۔ یہ شعبان ۵ یا ۶ ھ کا واقعہ ہے۔

۹۔ اُمّ حبیبہؓ رملہ بنت ابی سفیان

رملہؓ پہلے عبیداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں اور اس کے ساتھ ہجرت کرکے حبشہ بھی گئی تھیں۔ حبشہ میں عبیداللہ نے مرتد ہوکر عیسائی مذہب اختیار کرلیا مگر یہ اسلام پر قائم رہیں۔ عبیداللہ کچھ دن بعد مر گیا اور یہ بیوہ ہوگئیں۔ جب رسولؐ اللہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے محرم ۷ ھ کو عَمرو بن امیہ کے ہاتھ نجاشی رضی اللہ کو ایک خط بھیجا جس میں یہ پیغام بھی تھا کہ رملہؓ میرے ساتھ عقد کرنے پر راضی ہو تو اس سے میرا نکاح کروادیں۔ نجاشیؒ نے اُمّ حبیبہ کی رضامندی پاکر انکا نکاح حضوؐر سے کروادیا اور شرجیلؓ بن حسنہ کے ہمراہ حضوؐر کی خدمت میں روانہ کردیا۔

۱۰۔ حضرت صفیہؓ بنت حُی بن اخطب

صفیہؓ بنی اسرائیل سے تھیں اور خیبر کے قیدیوں میں شامل تھیں۔ آپؐ نے انہیں منتخب فرمالیا اور پھر آزاد کرکے ان سے شادی کرلی۔ یہ فتح خیبر ۷ ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔

۱۱۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث

میمونہؓ: اُمّ الفضل لبابہ بنت حارثؓ کی بہن تھیں۔ ان سے حضوؐر نے ذی قعد ۷ ھ میں عمرۂ

قضاء سے فارغ ہونے بلکہ صحیح قول کے مطابق احرام سے حلال ہونے کے بعد شادی کی۔

یوں یہ گیارہ بیویاں ہوئیں جو آنحضرتؐ کے عقد نکاح میں آئیں۔ان میں سے صرف ایک بیوی حضرت عائشہؓ صدیقہ باکرہ (کنواری) تھی باقی تمام کی تمام خواتین بیوگان تھیں۔آپکی دو بیویاں حضرت خدیجہ اور اُم المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہما آپکی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں۔البتہ نو بیویاں آنحضرتؐ کی وفات کے بعد تک حیات رہیں۔

جہاں تک آنحضرتؐ کی لونڈیوں کا معاملہ ہے آپؐ نے دو لونڈیوں کو اپنے پاس رکھا۔ایک کا نام ماریہؓ قبطیہ تھا جسے مقوقس (فرمانروائے مصر) نے بطورِ ہدیہ بھیجا تھا جن کے بطن سے آپؐ کے ایک فرزند ابراہیم پیدا ہوئے جو بچپن ہی میں ۲۹۔شوال ۱۰ھ کو مدینہ میں انتقال فرما گئے۔دوسری لونڈی ریحانہؓ بنت زید تھیں جو یہودیوں کے قبیلہ بنو قریضہ کے قیدیوں میں شامل تھیں۔ابو عبیدہ نے ان دو لونڈیوں کے علاوہ بھی دو لونڈیوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کا نام جمیلہ تھا جو کسی جنگ میں قید ہو کر آئی تھیں اور دوسری کوئی اور ہی لونڈی تھی جسے حضرت زینبؓ بنت جحش نے آنحضرتؐ کو ہبہ کیا تھا۔

تعدادِ ازواج کے موضوع پر ان وضاحات کے بعد بحث کی مزید ضرورت نہیں رہتی۔کیونکہ جو لوگ (اہل یورپ) اس موضوع پر زیادہ لے دے کرتے ہیں انکی اپنی زندگیوں کا حال کسی سے پوشیدہ نہیں کہ وہ جس تلخی اور بدبختی سے گزر رہے ہیں اور کس کس طرح کی رسوائیوں اور جرائم میں مبتلاء ہیں۔ بطورِ خاص تعدّدِ ازواج کے اصول سے منحرف ہو کر جس قسم کے رنج والم اور مصائب کا سامنا کر رہے ہیں وہ ہر قسم کی بحث وجدل سے مستغنی کر دینے کیلئے کافی ہے اور جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ جانتے بوجھتے ہوئے نہ ماننے والوں کا تو کوئی علاج نہیں۔البتہ اصحاب نگاہ کیلئے اس میں بڑی عبرت ہے۔

اسلام تلوار سے پھیلا۔۔۔؟

''اسلام تلوار کے زور پر پھیلا'' جیسے نعرے لگانے والے تنگ دلوں کا حال ان سے مختلف نہیں جو جہالت ومنافقت کی بناء پر ایسے لغو پراپیگنڈے کاندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں۔وگرنہ حقائق

کے مطالعہ کیلئے تواریخ ایسی معلومات و وضاحات سے بھری پڑی ہیں۔ پھر رواں دَور میں تو یہ سب کچھ جاننا نہایت سہل ہے اور حقیقت پسند لوگ جانتے ہیں کہ مسلمان کن مجبوریوں سے تنگ آ کر آمادۂ جنگ ہوئے۔ معترضین غور کریں کہ جب کسی کو اسکے گھر سے بے گھر کر دیا جائے۔ امن معاہدوں کو جب چاہے پامال کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ اسکے زندہ رہنے کا حق بھی اس سے چھین لیا جائے تو ''مرتا کیا نہ کرتا'' کے مصداق مسلمان تلوار نہ اٹھاتا تو اس کا یہ تساہلانہ فعل صریح خودکشی کہلاتا اور (معاذ اللہ) اسلام کا وجود تک باقی رہنا مشکل ہو جاتا۔ کیونکہ۔۔۔۔''ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات''

پیغمبرِ اسلامؐ کا پوری دنیا کیلئے منشور

۹۔ ذی الحجہ ۱۰ھ کو طلوع آفتاب کے بعد حضور نبی محتشمؐ وادیٔ نمرہ سے میدانِ عرفات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار قدسیوں کے ساتھ تشریف لائے تو پورا میدان تکبیر و تہلیل کی ایمان افروز صداؤں سے گونج اٹھا۔ محسن انسانیتؐ بلکہ محسن جن وانس صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل رحمۃ کے قریب قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار ہو کر کرّہ ارض کے ہر فردِ جن و بشر کیلئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو کائناتِ انسانی کیلئے ایک ایسا بین الاقوامی منشور ہے جو بنی آدم کی فلاح و بہبود اور امن و سلامتی کے ابدی پیغام اور طریق کار پر مشتمل ہے۔ آپؐ نے جو فرمایا اس میں سے چنیدہ نکات پیش کرتا ہوں۔

۱۔ لوگو تمہارا خدا ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے اور تم سب آدمؑ کی اولاد ہو جو مٹی سے تخلیق فرمائے گئے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت یا برتری حاصل نہیں۔ نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی امتیاز حاصل ہے۔ یعنی وطنیت اور رنگ و نسل کی بنیاد پر سب امتیازات ختم ہیں۔

۲۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ (یعنی حتیٰ الوسع گناہ سے بچنے میں کوشاں اور زیادہ سے زیادہ نیکی اختیار کرنے میں کوشاں)۔

۳۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اخوت اسلامی کے رشتے میں منسلک ہے۔

۴۔ تم اپنے غلاموں ملازموں اور خادموں کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور انہیں وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔

۵۔ دَورِ جاہلیت کی ہر بات میں اپنے قدموں تلے روندتا ہوں اس زمانے کے تمام خون باطل کر دیئے گئے اور تمام سودی لین دین ختم کر دیئے گئے۔ ۶۔ اپنی عورتوں کے متعلق خدا سے ڈرتے رہو۔ تم عورتوں کے اور عورتیں تمہارے حقوق دیانتداری سے پورے کریں۔ ۷۔ پس غور سے سن لو کہ اپنے رب کی عبادت کرتے رہو۔ تمہیں عنقریب خدا کے حضور پیش ہونا ہے اور تم سے تمہارے اعمال کی بابت باز پرس کی جائیگی۔

ثنائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بزبانِ الٰہِ مصطفیٰ جل جلالہ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ ج وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ(۱۶۴) (سورۃ:اٰل عمران)

ترجمہ: یقیناً اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک رسول اُن میں مبعوث فرمایا جواُن پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (۳/۱۶۴)

رب کائنات کا یہ احساس دلانا کہ ’’اے جن وبشر میں نے تم پر کتنا بڑا احسان فرمایا‘‘ ہر ذی شعور کو دعوت ہے کہ وہ اِس احسانِ عظیم کی اہمیت اور قدر و قیمت کو سمجھے اور حق شکر ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کے شکرانے کی پہلی منزل ہی یہ ہے کہ اس کے محبوؐب کریم کی دل کی انتہائی گہرائیوں سے تکریم کرے اور انکی فرمانبرداری سے سرِ موء انحراف نہ کرے۔ تا کہ آیت ھٰذا میں مذکور تینوں نعمتوں سے سرفراز ہونے کے لائق ہو سکے۔ وہ قیمتی اور انمول نعمتیں یہ ہیں۔

۱۔ کہ وہ نبی مکرمؐ انہیں اللہ تعالیٰ کی (قرانی) آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان پر عمل کی تاکید کرتا ہے۔

۲۔ انہیں ہر نجاستِ روحانی وجسمانی سے پاک کرنے کے طریق بتاتا ہے۔

۳۔ اور انہیں احکامات الٰہیہ کے اسرار ورموز اور فرامین قرآن کی مصلحات اور ان میں پوشیدہ حکمتوں سے روشناس کر کے حقیقی کامیابی کی راہ پر گامزن فرماتا ہے۔

تمام وہ لوگ جو قبل از بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جن گمراہیوں کا شکار تھے اب اُن گمراہیوں سے نکل کر نورِ توحید ورسالت سے بہرہ مند ہوئے اور مسلمان کہلوانے کا اعزاز پایا تو لازم ہے کہ اس نعمت لازوال اور اللہ کے اس احسانِ عظیم کا شکر واجب رکھیں۔ جو کہ اللہ اور اسکے محبوؐب کے ساتھ دل وجان سے محبت کرنے اور انکے احکام پر خوش دلی سے عمل پیرائی پر موقوف ہے۔ غور کریں ذات کبریاء جل جلالہ نے اپنے محبوؐب کے ساتھ کن اطوار وسلوک کی تاکید فرمائی ہے کہ ہمیں اُن پر مرتے دم تک دھیان رکھنا از بس ضروری ہے بصورتِ دیگر فلاح یابی ممکن نہیں رہتی۔

دل وجان سے حضورؐ کے فیصلوں کو تسلیم کرنے کا حکم

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا(۶۵) (سورۃ:النساء)

ترجمہ: تو اے محبوبؐ تیرے رب کی قسم وہ مومن نہ ہونگے یہاں تک کہ آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو فیصلہ تم فرمادو تو وہ اپنے دلوں میں رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں (النساء/۶۵)

ذات احکم الحاکمین نے اپنی قسم کھا کر مسلمانوں کو اعتبار دلایا کہ اے حبیبؐ یہ لوگ اس وقت تک حامل ایمان نہیں ہو سکتے جب تک آپکے ہر حکم پر بلا چون و چرا عمل پیرا نہ ہوں۔ مراد ہے انکے ایمان مکمل نہیں تاوقتیکہ اپنے کسی تصفیہ طلب جھگڑے میں آپکو حکم نہ بنالیں اور پھر آپؐ جو بھی فیصلہ فرمادیں طرفین دل وجان سے اسے قبول نہ کرلیں۔ یعنی جس کے حق میں فیصلہ نہ ہو وہ بھی اندر سے چیں بچیں نہ ہو بلکہ خوش دلی سے اسے قبول کرلے کہ جب حضورؐ نے فرمادیا تو یہی درست فیصلہ ہے۔ اور یقیناً میں ہی مغالطہ میں تھا۔ سوچ کا یہ معیار اہل ایمان کا ہمیشہ سے طرزِ طریق رہا۔ شانِ نزول آیتِ ھٰذا کا یہ ہے کہ:

پہاڑ سے آنے والے پانی (جس سے باغات میں آب رسانی کی جاتی ہے) کی تقسیم میں ایک انصاری کا حضرت زبیرؓ سے جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا تو حضورؐ نے فرمایا: زبیر چونکہ تمہارا باغ پہلے ہے اس لئے تم اپنے باغ کو پانی دیکر اپنے پڑوسی کو بھی دیدیا کرو۔ پانی بعد میں دینے والی بات انصاری کو ناگوار گزری تو اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ زبیر آپکے پھوپھی زاد بھائی جو ہیں! جو حضورؐ کو اچھا نہیں لگا۔ باوجودیکہ فیصلہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو انصاری کے ساتھ احسان کی ہدایت فرمائی گئی تھی مگر انصاری نے اسکی قدر نہ کی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا: زبیر تم اپنے باغ کو سیراب کرکے پانی کو روک لو۔ کیونکہ پانی جس طرف سے آرہا ہو انصافاً پانی پر اسی کا حق ہوتا ہے۔ حضورؐ کے فیصلوں میں اپنے یا غیر میں فرق کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔ یوں بھی آپؐ انصار کی محبت اور قربانیوں کی بہت قدر فرماتے تھے۔ مگر دوران انصاف مسلم یا غیر مسلم کیا! یا مہاجر و انصار کیا!۔ مذکورہ

انصاری کی اس مشکوک الذہنی کو اللہ تعالیٰ نے بھی ناپسند فرمایا اور فسق ایمان کی نشانی قرار دیا۔

حضورؐ بحیثیت رحمۃ للعالمین

وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (۱۰۷) (سورۃ:الانبیاء)

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت بنا کر تمام جہانوں کیلئے (انبیاء:۱۰۷)

آیت ھٰذا میں یہ جہانِ دنیا ہی مذکور نہیں بلکہ یہ انگنت جہانوں کی اجتماعیت کا بیان ہے جن کیلئے حضورؐ کو اللہ جل شانہ نے اپنی رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ اس میں مسلم یا غیر مسلم کی بھی تخصیص نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: حضورؐ کا رحمت ہونا نہ صرف ایمان والوں کیلئے بلکہ جو ایمان نہ لایا ہو اس کیلئے بھی عام ہے۔ مومن کیلئے تو آپؐ دونوں جہانوں میں رحمت ہیں البتہ کفار کیلئے دنیا میں رحمت ہیں کہ آپکی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف و مسخ اور استیصال کے عذاب اٹھا دیے گئے۔

تفسیر روح البیان میں اکابر کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ہم نے آپکو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ۔ رحمت تامہ۔ رحمت عامہ۔ رحمت شاملہ۔ رحمت جامعہ۔ رحمت محیطہ بر جمیع مقیدات۔ رحمت غیبیہ وشہادتِ علمیہ وعینیہ۔ رحمت وجودیہ وشہودیہ رحمت سابقہ اور لاحقہ۔ اور علاوہ ازیں حضورؐ اُن تمام عالموں کیلئے بھی رحمت ہیں خواہ وہ عالم ارواح ہو یا عالم اجسام ذوی العقول ہو یا غیر ذوی العقول۔ اور جو تمام عالموں کیلئے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ بفضل اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے افضل بھی ہو۔

بارگاہِ محبوؐبیت میں ادب و آداب کی تعلیم

مخلوقاتِ عالم اور بالخصوص عہدِ دوراں کے اصحاب کو حضورؐ کا احترام سکھایا جانا ازحد ضروری تھا کہ بے خیالی یا لاعلمی میں کسی بے ادبی یا گستاخی کے ارتکاب سے دنیاوی پریشانیوں میں نہ پڑیں یا عذاب اخروی کا شکار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ سورۃ نور کی آیت تریسٹھ میں ارشاد فرما کر لوگوں کو متنبع فرمایا گیا۔

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ اَوۡ

يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ(۶۳) (سورۃ:النور)

ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں سے ایک کسی دوسرے کو پکارتا ہے بیشک اللہ جانتا ہے جو تم چپکے سے نکل جاتے ہو کسی چیز کی آڑ لے کر تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے (النور:۶۳)

جس بے تکلفی سے لوگ آپس میں بات چیت کرتے ہیں (جس میں احترام و آداب کا لحاظ بمشکل ہی کیا جاتا ہے) حضوؐر سے اس طریق سے بات کرنا یا انہیں بے تکلفی سے مخاطب کرنا منع فرما دیا گیا۔ بات چیت کیلئے حضوؐر کے قریب ہونے یا بارگاہ میں حاضر خدمت ہونے کیلئے اجازت لینا درکار ہو تو ادب وتکریم اور توقیر و تعظیم کے ساتھ آپکے معظم القابات سے نرم آواز کے ساتھ متواضعانہ اور انکسارانہ لہجہ میں یارسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ کہہ کر مخاطب کرے۔ جس کو رسولؐ اللہ بلائیں اس پر اجابت و تعمیل واجب ہو جاتی ہے اور ادب سے حاضر خدمت ہو جانا لازم ہے۔ پھر واپس جانے کیلئے بھی اجازت لینا ضروری ہے اور بلا اجازت واپس چلے جانا بھی گستاخی اور بے ادبی میں شامل ہو گیا۔

آیت ھٰذا کا شان نزول یہ ہے کہ بروزِ جمعہ منافقین کو مسجد میں ٹھہر کر حضوؐر کا خطبہ سننا گراں گزرتا تھا چنانچہ وہ چپکے چپکے صحابہ کی آڑ لے کر سرکتے ہوئے مسجد سے نکل جاتے تھے۔ اس پر آیت ھٰذا نازل ہوئی کہ انکی حرکتیں اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ پس یہ لوگ ڈر رکھیں کہ حضوؐر کے حکم کی خلاف ورزی کی پاداش میں انہیں خداتعالیٰ کی طرف سے کوئی فتنہ پہنچے یعنی دنیا میں تکلیف یا قتل یا زلزلہ یا کسی ظالم بادشاہ کا مسلط کر دیا جانا یا دلوں کا شقاوت زدہ ہو کر معرفت الٰہی سے محروم ہو رہنا یا پھر آخرت میں دردناک عذاب سے سابقہ ہونا۔ یہ تمام امکانات اللہ کے محبوبؐ کی تعظیم نہ کرنے والوں کیلئے عبرت کا سبق ہیں۔

آداب نبویؐ میں کوتاہی کا ہیبت ناک خسارہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ(۲) (سورۃ:الحجرات)

ترجمہ:اے ایمان والوتمہاری آوازیں اونچی نہ ہوں نبی کی آواز سے اورانکے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ مبادا تمہارے اعمال اکارت ہوجائیں اورتمہیں خبر ہی نہ ہو (حجرات:۲)

یعنی جب حضورؐ کی بارگاہ میں کچھ عرض کرنا ہو تو آہستگی اور پست آواز سے عرض کیا کرو۔یہی دربارِ رسالت کا ادب واحترام ہے۔اس آیت میں حضورؐ کا اجلال واکرام اورادب واحترام تعلیم فرمایا گیا اورحکم دیا گیا کہ ندا کرنے میں ادب کا پورا لحاظ رکھا کریں اور جیسے آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکار لیتے ہیں یا اونچی آواز سے مخاطب ہوجاتے ہیں حضورؐ کی بارگاہ میں یہ طریق بے ادبانہ ہے اس لئے انہیں اس طرح نہ پکاریں بلکہ جو عرض کرنا ہو کلمات ادب وتعظیم وتکریم وتوصیف اورالقابِ عظمت کے ساتھ عرض کیا کرو۔ورنہ حضورؐ کی بارگاہ میں تمہاری بے خیالی اورترک ادب کے سبب تمہارے تمام اعمال ضائع ہوجانے اورتمہاری نیکیوں کے برباد ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

تقدیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منع ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۱) (سورۃ:الحجرات)

اے ایمان والواللہ اوراسکے رسول سے آگے نہ بڑھواوراللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔(حجرات۱/)

یعنی تم پر لازم ہے کہ کسی کام میں حضورؐ کی تقدیم (سبقت) واقع نہ ہو۔نہ قول میں نہ فعل میں کہ پہل کرنا رسولؐ کے ادب واحترام کے خلاف ہے۔اسی طرح جب تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چل رہے ہوتو ان سے آگے بڑھ جانا بھی بے ادبی ہے۔ بارگاہ رسالت میں نیازمندی اور

آداب لازم ہیں۔اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر چند اشخاص نے آنحضرتؐ سے پہلے قربانی کر لی تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ دوبارہ قربانی کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ اسی طرح ماہِ صیام میں کچھ لوگ ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبیؐ سے تقدیم نہ کرو۔یہ تمام باتیں وہ ہیں جن میں اللہ اور اسکے رسول کا احترام اور ادب سکھایا گیا ہے۔اسکے بعد حضورؐ کی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو پست رکھنے اور آدابِ نبوی کو دھیان میں رکھنے والوں کی تعریف فرمائی گئی۔

حضورؐ کی تعظیم بجالانے والوں کو بخشش کی نوید

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (۳) (سورۃ: حجرات)

ترجمہ: بیشک وہ جو رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں انکا دل اللہ نے پرہیزگاری کیلئے پرکھ لیا ہے ان کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے (سورۃ حجرات:۳)

جب یہ آیت ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ'' نازل ہوئی تو ادب و تعظیم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ حضرت عمر فاروقؓ اور کچھ صحابہ بہت محتاط ہو گئے اور انکی آوازیں بارگاہ نبویؐ میں یوں پست ہو گئیں گویا کوئی کان میں بات کرتا ہے اور بسا اوقات تو حضورؐ کو بارِ دیگر پوچھنا پڑتا کہ کیا کہا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ثابتؓ بن قیس کو ثقل سماعت تھا چنانچہ جب وہ بات کرتے تو عادتاً اونچی آواز میں کرتے۔جب یہ آیت نازل ہوئی تو گھر میں بیٹھ رہے۔حضورؐ نے انکی غیر حاضری پر حضرت سعدؓ سے (جو انکے ہمسائے تھے) پوچھا کہ انکی طبیعت تو ٹھیک ہے وہ کچھ دنوں سے دکھائی نہیں دیئے۔اس پر حضرت سعدؓ انکے گھر تشریف لے گئے اور انکی غیر حاضری کی وجہ دریافت کی تو حضرت ثابتؓ نے عرض کیا کہ گزشتہ دنوں جو آیت نازل ہوئی ہے اسکی روشنی میں مجھے خدشہ ہے کہ میرا سب کیا کرایا ضائع ہو گیا اور اب میں اہل نار میں سے ہوں۔اسی فکر و پریشانی میں حاضر بارگاہ نہ ہو سکا۔جب حضرت سعدؓ نے جا کر معاملہ حضورؐ کی بارگاہ میں عرض کیا تو حضورؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ وہ اہل جنت

میں سے ہیں۔ چنانچہ ایسے اصحابؓ کے حق میں آیت متذکرہ نازل ہوئی۔

مرتبہ افضل الصلوٰۃ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ(۲۴) (سورۃ:انفال)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہوجاو جب تمہیں اس چیز کیلئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہوجاتا ہے اور یہ کہ تمہیں اس ہی کی طرف اٹھنا ہے (انفال:۲۴)

یہاں حکم ہوا کہ اے ایمان لائے لوگو: اللہ اور اسکے رسول کے بلانے پر فوراً حاضر خدمت ہوجایا کرو۔ کیونکہ حضورؐ کا بلانا اللہ تعالیٰ ہی کا بلانا ہے۔ یہی وہ آیت ہے جس کی بناء پر رسولؐ اللہ کا ایک مرتبہ ''افضل الصلوٰۃ'' بھی ہے۔ بخاری شریف میں سعیدؓ بن معلیٰ سے مروی ہے: فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے حضورؐ نے پکارا۔ تو میں نے کوئی جواب نہ دیا پھر جب سلام پھیر کر حاضر خدمت ہوا تو حضورؐ نے استفسار فرمایا کہ اتنی تاخیر کیونکر ہوئی۔ میں نے عرض کی میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو حضورؐ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ اللہ اور رسولؐ کے بلانے پر حاضر ہوجایا کرو۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے دوران نماز حضورؐ کی پکار سنی مگر جواب نہ دیا البتہ جلدی سے نماز مکمل کی پھر بارگاہ میں حاضر ہوکر سلام عرض کیا۔ حضورؐ نے فرمایا تمہیں جواب دینے میں کیا بات مانع ہوئی؟ تو عرض کیا حضورؐ میں نماز میں تھا۔ حضورؐ نے فرمایا! کیا قرآن میں تم نے یہ نہیں پایا کہ اللہ اور رسولؐ کے بلانے پر حاضر ہوجایا کرو۔ عرض کیا بیشک آئندہ ایسا ہی ہوگا۔

غور طلب ہے کہ خود خالق و مالکِ کائنات اپنے محبوبؐ کے بارے کن جذباتِ محبت واحترام کا حامل ہے اور امت نبوی کو کیا تعلیم فرما رہا ہے۔ سو ہر مسلمان پر عائد ہے کہ وہ بھی اللہ کے محبوبؐ سے اپنا ہر تعلق، محبت واحترام کی بنیاد پر رکھے اور اسے تادمِ مرگ برقرار اور توانا تر کرنے میں کوشاں رہے۔

کیونکہ بصورتِ خلاف اپنا سارا کیا کرایا ضائع کروا کر خسارہ پانے والوں میں شامل ہونے کا اندیشہ ہے۔

مفسرین نے کہا: حضورؐ کا کسی کو بلانا زندگی عطا فرمانے کا باعث ہی ہے۔اس سے ایمان بھی مراد ہوسکتا ہے کیونکہ کفار بظاہر تو زندہ ہیں مگر حقیقت میں مردہ ہی ہیں اور ایمان سے ہی انکو حقیقی زندگی مل سکتی ہے۔حضرت قتادہؓ نے فرمایا زندگی سے مراد قرآن ہے کیونکہ اسی سے حیاتِ قلبی اور نجات و عصمتِ دارین ہے۔محمد بن اسحٰق نے کہا کہ وہ چیز جہاد ہے کیونکہ اسکی بدولت اللہ تعالیٰ ذلت سے عزت کی طرف لے جاتا ہے اور بصورت شہادت ہمیشہ کی زندگی عطا فرماتا ہے۔جان رکھو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اسکے دلی ارادوں میں حائل ہوجاتا ہے کہ وہ طبعاً سہل پسند ہے اور طبعاً زندہ رہنے کا خواہاں ہوتا ہے لیکن اس حقیقت سے منہ نہ پھیرے کہ آخر کار اسی کے حضور حاضر ہونا ہے۔

انبیائے سابقین سے عہد لیا جانا

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (۸۱)

(سورۃ: ال عمران)

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہاری طرف وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اسکی مدد کرنا پھر فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا تو فرمایا ایک دوسرے پر گواہ ہوجاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں (ال عمران:۸۱)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سمیت جس جس کو بھی نبوت عطا فرمائی ان تمام سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے یہ عہد لیا اور تواتر سے آنے والے تمام انبیاء

نے اپنی اپنی قوموں سے یہ عہد لیا کہ اگر انکی حیات میں سیدؐ عالم مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائیں اور انکی نصرت کریں۔اس پر تمام انبیاء نے اللہ تعالیٰ سے عہد و اقرار کیا اور اس پر گواہ ہوئے جس پر خود ذاتِ حق نے فرمایا میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

سابقہ امتوں کیلیئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اسلام قبول نہ کر کے اپنے انبیاء کا وہ عہد توڑنے کے مرتکب تو نہیں ہو رہے جس پر تمام انبیاء نے گواہی دی اور جس پر ذات خدا خود گواہ ہے۔

قبولیتِ دعا و مغفرت کا قرآنی طریق

وَ مَـآ اَرۡسَلۡنَـا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِـاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَـوۡ اَنَّهُـمۡ اِذۡ ظَّـلَـمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ

فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿۶۴﴾ (سورۃ:النساء)

ترجمہ:اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوبؐ تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول انکی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے (النساء:۶۴)

یہاں منجملہ انبیاء و رسل کی شان بیان فرمائی گئی ہے کہ تمام رسولوں کی حکم برداری عائد من جانب اللہ ہے اور وہ اللہ ہی کا پیغام اسکی مخلوق کو پہنچانے پر متعین فرمائے گئے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ انکے احکام کو دل و جان سے تسلیم کریں اور ان پر عمل پیرا ہو کر فلاح یاب ہوں۔یاد رہے کہ رسولوں کا بھیجنا اسی لئے ہے کہ وہ مطاع بنائے جائیں۔ان پر ایمان لانا فرض ہے۔جنہوں نے انکی اطاعت نہ کی یا ان پر ایمان نہ لائے وہ سب کافر ہیں اور لڑیں تو واجب القتل ہیں۔آیت ھٰذا کے اگلے حصہ میں فرمان ہوا۔

اے محبوبؐ اگر ان لوگوں نے معصیت و نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو انہیں چاہیے تھا کہ آپکی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے اپنے عصیاں کی معافی مانگتے اور آپؐ انکے گناہ معاف کر دینے کی شفاعت کرتے تو وہ جان لیتے کہ اللہ کتنا وسیع و بردبار اور توبہ قبول فرمانے والا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہِ الٰہی میں نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اور آپکی شفاعت کاربراری کا ذریعہ ہے۔

وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا۔ اس نے روضہ شریف کی خاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا! یا رسول اللہ آپؐ نے جو فرمایا ہم نے سنا جس میں "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓاْ أَنفُسَهُمْ" والی آیت بھی ہے بیشک میں نے بھی اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور آپکے حضور اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگنے کیلئے حاضر ہوا ہوں میری بھی بخشش کروائیں۔ اس پر قبر مبارک سے آواز آئی کہ تیری بخشش کی گئی۔

اس سے چند مسائل معلوم ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض حاجت کیلئے اس کے مقبولین کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے۔ اللہ کے ولیوں کی قبر پر حاضر ہو کر اللہ سے معافی مانگنا بھی اسی ضمن یعنی "جَآؤُوکَ" کی مد میں شامل ہے اور خیر القرون کا معمول رہا ہے۔ جو اللہ کی پاک جناب میں ایک مقبول عمل اور حفظِ عذاب کا باعث ہے۔

حضورؐ کی موجودگی اور امت کا استغفار

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ(۳۳) (سورۃ:انفال)

ترجمہ:۔ اور اللہ کا کام نہیں ہے کہ وہ ان پر عذاب لائے جب تک آپ ان میں موجود ہیں اور اللہ عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں (انفال:۳۳)

یہ آیت پاک خود اپنی تشریح ہے اور حضورؐ کی ان میں موجودگی کی برکات کی نشان دہی کر رہی ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ کفار میں سے نضر بن حارث تھا یا ابو جہل تھا جس نے آیات انذر پر کہا کہ خود کو عالمین پر رحمت بھی کہتے ہو اور عذاب کی دھمکیاں بھی دیتے ہو اور لاتے بھی نہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا! سنت الٰہیہ ہے کہ جب تک قوم میں اسکا نبی موجود ہو' ان پر عام بربادی کا عذاب نہیں بھیجتا جس سے کہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔

ایک جماعت مفسرین کا قول ہے یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب آپؐ ابھی مکہ میں مقیم تھے۔ پھر جب آپؐ نے ہجرت فرمائی اور کچھ مسلمان مکہ میں رہ گئے جو استغفار کیا کرتے تھے۔ تو

کفار پھر شور مچانے لگے۔تو اس آیت مبارکہ کا دوسرا حصہ خود بیان کر رہا ہے کہ جب تک استغفار کرنے والے ایماندار یہاں موجود ہیں اللہ عذاب کرنے والا نہیں۔ پھر جب وہ بھی مدینہ طیبہ چلے گئے تو مسلمانوں کو فتح مکہ کی نوید عطا فرمادی گئی اور کفار کو شکست فاش جیسا عذاب موعود آ گیا۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ استغفار عذاب سے امن میں رہنے کا ذریعہ ہے۔حدیث شریف میں ہے حضورؐ نے فرمایا میری امت کیلئے اللہ نے دو امانیں اتاریں۔ایک میری ان میں موجودگی اور دوسری انکا استغفار کرنا۔

حضورؐ کو مقام محمود عطا فرمانا

وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا(۷۹) (سورۃ:بنی اسرائیل)

ترجمہ:رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو اور یہ خاص تمہارے لئے کچھ زیادہ ہے قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں (بنی اسرائیل:۷۹)

عشاء سے فارغ ہو کر سو جانے کے بعد رات کے آخری پہر میں بجہد اٹھ کر عبادت خداوندی کیلئے نوافل ادا کرنا تہجد کی نماز کہلاتی ہے۔اس میں کم از کم دو رکعتیں متوسطاً چار اور پوری نماز میں آٹھ رکعتیں ہیں جو دو دو نوافل کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔احادیث مبارکہ میں تہجد کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ یہ نماز آنحضرتؐ پر فرض اور امت کیلئے سنت ہے۔آیتِ فرضیت تہجد میں ہی یہ خوش خبری بھی عطا فرمادی گئی کہ اسکی بدولت تمہیں تمہارا رب (بروزِ حشر) ایسی جگہ کھڑا کریگا جہاں سب تمہاری تعریف کریں گے۔اس مقام کو عرفِ عام میں مقام محمود کہا جاتا ہے۔مقام محمود دراصل مقام شفاعت ہے اور یہ ایک ایسا مقام و مرتبہ ہے جہاں اوّلین و آخرین سب حضورؐ کی حمد کریں گے۔ان حمد کرنے والوں میں تمام انبیاء ورسل تمام ملائکہ اور علیٰ ھذا القیاس سب کے سب شامل ہیں۔اس سے بھی اللہ کے محبوبؐ کی شان و شرف کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں۔زہے عز و شرف!

امت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خوش بخت صالحین تواتر سے تہجد ادا کرنے کے عادی ہوں ان کیلئے تہجد قضاء کرنا مکروہ ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے جو سید عالم پر فرض تھی سو اسکی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ نہ صرف ادائیگی تہجد ہی بلکہ محبوبِ حق سبحانہ کی تمام زندگی ہی صالحین کیلئے قابل تقلید نمونہ ہے۔

حضورؐ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کیلئے بھیجے گئے

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ط (۲۸) (سورۃ:فتح)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ھدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ (فتح:۲۸)

اللہ جو خالق کائنات اور اپنی کل خلق کا بلا شرکت غیرے واحد معبود ہے اس نے اپنے محبوبؐ رسول کو ھدایت اور سچ و حق دین جیسی نعمت عطا فرما کر مبعوث فرمایا کہ وہ دین اسلام کی ترویج کریں اور اسے آسمان کی طرح یوں پھیلا دیں کہ تمام باطل ادیان (خواہ مشرکین کے دین ہوں یا اہل کتاب کے) مغلوب ہو جائیں اور اسلام غالب آجائے۔

جزیرۃ العرب کے مشرکین کی اکثریت تو اسلام لے آئی اور جو نہ ماننے والے تھے انہوں نے بھی شکست تسلیم کر لی اور جزیہ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ حضورؐ کی تاکیدات کے مطابق کسی غیر مسلم کو حرم شریف میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ حضورؐ پر اتاری جانے والی مقدس کتاب قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود ذات حق سبحانہ نے لیا ہوا ہے جس کی بناء پر آج تک اس میں کسی نوع کی کمی بیشی یا تحریف نہ ہو سکی نہ کوئی اس جیسا کلام وضع کرنے پر قادر ہوا۔ جبکہ سابقہ کتبِ سماوی میں کئی انواع کی تحریفات ثابت ہیں۔ اس بناء پر ببانگ دُہل کہا جاسکتا ہے کہ اسلام ہی سچا اور حقیقی دین ہے۔ حضورؐ رسالت مآب کی رسالت اور اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ بلاشبہ ایک انمٹ اور حتمی حقیقت ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا کافی ہے۔ پھر اس سے متصل اگلی آیت میں حضورؐ اور آپکے اصحاب کا تعریفی انداز میں تذکرہ فرمایا گیا۔ جس کا

ذکر سابقہ کتب میں بھی موجود ہے۔

حضوؐر اور آپکے ساتھیوں کی صفات کا تذکرہ توریت وانجیل میں

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ٘ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ ۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ؏ (۲۹)

(سورۃ: الفتح)

ترجمہ: اللہ کا رسول محمد اور اسکے ساتھی کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تُو انہیں رکوع کرتے سجدے کرتے دیکھے گا اللہ کا فضل اور اسکی رضا چاہتے ہیں انکی علامت انکے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے انکی صفت توریت میں ہے اور انکی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں اللہ نے ایمان لانے اور اچھے کام کرنے والوں سے وعدہ کیا بخشش اور بڑے ثواب کا (فتح:۲۹)

محمدؐ جو اللہ کے رسولؐ ہیں اور انکے ساتھی یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ کافروں پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں بڑے نرم دل۔ سختی کا عالم یہ کہ کفار پر یوں جھپٹتے ہیں جیسے شیر اپنے شکار پر حملہ آور ہوتا ہے اور لڑتے ہوئے بھی کفار سے احتیاط رکھتے ہیں کہ انکا بدن کسی کافر کے بدن سے نہ چھو جائے اور انکے کپڑے بھی کفار کے کپڑوں سے نہ چھو جائیں۔ جبکہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت ومہربانی کا یہ عالم ہے کہ حضوؐر کو اپنے باپ کی طرح جانتے اور ازواج مطہرات کو اپنی ماؤں کی طرح مانتے ہیں اور تمام مسلمان ایک دوسرے کو اپنے بھائیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ یہ محبت اس حد تک پہنچ گئی کہ جب ایک مومن

کسی دوسرے مومن کو دیکھتا یا ملتا تو فرط محبت سے ہاتھ ملاتا اور گلے لگا لیتا ہے۔ پھر صرف یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی ہر ضرورت کو پورا کرنے میں کسی کے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی۔ وہ دل و جان سے ایک دوسرے کی مدد کرنے کے خواہاں رہتے ہیں۔

آیت ھٰذا میں اللہ تعالیٰ نے انکی عبادت گزاری اور سجدہ ریزیوں کی بھی تعریف فرمائی۔ کہ وہ تم کو اللہ کے فضل اور اسکی رضا کی طلب میں کثرت سے رکوع کرتے اور سجدوں میں گرتے اور نمازوں پر مداومت اختیار کرتے دکھائی دیں گے۔ انکی علامت انکے چہروں میں ہے ان کی گرد آلود پیشانیوں اور سجدوں کے نشانوں سے انہیں پہچانا جا سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: بروز حشر انکی یہ پیشانیاں چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہی ہونگی اور انکے تاباں چہروں سے انہیں پہچانا جائیگا کہ انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نیازمندی میں کثیر التعداد سجدے کئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب یعنی توریت و انجیل میں اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے صحابہ کی تعریف ایک مثال سے بیان فرمائی کہ جیسے ایک کھیتی کہ زمین سے نکل کر بتدریج توانا ہو کر اپنی ساق پر کھڑی ہو کر لہلہاتی ہے تو کسانوں کو کس قدر اچھی لگتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں جب کہ اس کا دشمن فصل کی بہار دیکھ کر حسد میں مبتلا ہوتا اور اسکا دل جلتا ہے۔ یہ مثال ابتدائے اسلام اور بتدریج اسکی ترقی کی ہے کہ آنحضرتؐ تنہا اٹھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپکو آپکے مخلصین اصحابؓ سے تقویت دی۔ حضرت قتادہؓ نے کہا کہ سیدؐ عالم کے اصحابؓ کی مثل انجیل میں یہ لکھی ہے کہ ایک قوم کھیتی کی طرح پیدا ہوگی۔ وہ نیکیوں کا حکم کریں گے اور برائیوں سے منع کریں گے۔ کہا گیا ہے کہ وہ کھیتی جو بار آور ہوئی حضورؐ ہیں اور اس کی پروان چڑھی شاخیں اصحابؓ اور مومنین ہیں جو قیامت تک لوگوں کو اچھائی کا سبق دیتے رہیں گے اور برائیوں سے منع کرتے رہیں گے۔

یہاں دشمن سے مراد تمام کفار و مشرکین اور حضورؐ پر ایمان نہ لانے والی سابقہ امتیں ہیں جن کے دل آجتک جل رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تا کہ کافروں کے دل جلیں۔ نیز آیت ھٰذا کے آخری حصہ میں فرمان الٰہی ہے کہ اللہ نے ایمان والوں اور اچھے اعمال والوں سے بخشش اور بڑے ثواب

کا وعدہ فرمایا ہے۔

توریت وانجیل میں آنحضرتؐ کے بارے ایک اہم بیان

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِیْلِ ؗ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ع (۱۵۷) (سورۃ:اعراف)

ترجمہ: (اہل کتاب یہود ونصاریٰ میں سے) جو لوگ غلامی کریں گے اس بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے رسول کی جسے اپنے پاس توریت وانجیل میں اپنے پاس لکھا ہوا (بھی) پائیں گے اور وہ (نبی امّی) انہیں بھلائی کا حکم دیگا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں انکے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام فرمائے گا اور ان پر وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جواُن پر تھے اتارے گا پس وہ جو اس (نبی آخری) پر ایمان لائیں گے اور اسکی تعظیم کریں گے اور اسکی نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ اترا وہی فلاح یاب ہوئے (سورۃ اعراف:۱۵۷)

سابقہ اہل کتاب کو تاکید فرمائی گئی کہ نبی آخر الزمانؐ پر ایمان لانا اور انکی نصرت کرنا انکی عزت کرنا اور اُس (نور) یعنی کتابِ آخری قرآن کے احکامات پر عمل کرنا تمہارے انبیاء اور تمہاری کتب توریت وانجیل کے ذریعے تم پر عائد فرما دیا گیا تھا جو کہ فلاح کا راستہ ہے۔ جسے تم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا موجود پاؤ گے۔ ہمارا یہی نبیؐ تو ہے جو تم پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے اتارے گا جو تم پر عائد تھے۔

یعنی وہ سخت تکلیفیں جو اہل کتاب پر عائد تھیں جیسا کہ کسی گناہ کی توبہ میں اپنے آپ کو قتل کرنا' اور جن اعضاء سے گناہ سرزد ہوئے ہوں انہیں کاٹ کر الگ کر ڈالنا' اور احکام شاقہ: جیسا کہ بدن یا

کپڑوں کی جن جگہوں پر نجاست لگ جائے انہیں قینچی سے کاٹ ڈالنا' پھر جو مالِ غنیمت ہاتھ لگے اسے جلا دینا اور گناہگاروں کے گناہوں کا انکی رہائش گاہوں کے دروازوں پر ظاہر ہونا وغیرہ۔

قبل از اسلام سابقہ اہل کتاب پر یہ سخت احکام عائد تھے مگر اسلام کے روشن ہوتے ہی حضورؐ کی امت پر اللہ کریم نے اپنے انگنت احسانات میں سے یہ احسان بھی فرمایا کہ انکی خطاؤں کی سزاؤں میں نرمی کے سلوک کو ترجیح دی۔ بدن یا کپڑوں کو نجاست لگ جائے تو انہیں کاٹ پھینکنے کی بجائے دھو کر پاک کر لینا کافی فرما دیا۔ بچھڑا پوجنے والوں کو معافی کی شرط یہ تھی کہ جنہوں نے شرک نہیں کیا وہ شرک کرنے والوں کو قتل کریں اور مشرکین اپنی گردنیں خود پیش کرتے اور بلا تامل قتل ہوتے رہیں۔ یہاں تک کہ صبح سے شام تک کئی ہزار لوگ قتل ہوئے۔ جبکہ اسلام میں ایسی سزا کبھی نہیں رہی۔ بصورت جہاد دشمن پر فتح و قبضہ کی صورت میں جو مال غنیمت ہاتھ لگتا وہ بھی ان پر حلال نہ تھا اور اسے جلا ڈالنے کا حکم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے مسلمان مجاہدین کیلئے مال غنیمت کو حلال و جائز فرما دیا۔

اہل کتاب ہر قرن میں اپنی کتابوں میں تراش خراش اور کاٹ چھانٹ سے اس کوشش میں لگے رہے کہ کسی طرح محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی صفات کے تذکروں کو مٹا کر دم لیں۔ انہیں اس میں کسی خاص دشواری کا سامنا بھی نہ تھا کہ اصل کتاب انکی تحویل میں تھی لیکن ہزاروں تبدیلیاں کرنے کے باوجود حضورؐ کی بشارت کے کچھ نشان رہ ہی گئے۔ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۳ء کی چھپی ہوئی بائیبل میں یوحنا کی انجیل باب چودہ آیت ۱۶ میں حضرت عیسیٰؑ اپنی امت سے مخاطب ہیں۔

''میں باپ سے درخواست کرونگا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔''

کتاب کے حاشیہ میں لفظ مددگار کے معنی شفیع اور وکیل لکھے ہوئے ہیں اور ابد تک رہنے سے مراد یہ ہے کہ اسکا دین قیامت تک برقرار رہے گا اور کبھی منسوخ نہ ہوگا۔ پھر اسی کتاب (کے صفحہ ۲۹/۳۰) میں ہے۔

''اب میں نے اس کے (مبعوث) ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب وہ ہو جائے تو تم یقین کرو۔

اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں''۔

کیسی صاف بشارت ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی امت کو حضورؐ کی ولادت کا کیسا منتظر بنایا اور شوق دلایا ہے۔ اس میں دنیا کا سردار فرمانا سید عالم کا ترجمہ ہے۔ پھر یہ فرمانا کہ مجھ میں اسکا کچھ نہیں حضورؐ کی عظمت کا اظہار اور آنحضرتؐ کے حضور اپنا کمالِ ادب وانکسار ہے۔ پھر اسی کتاب (کے باب سولہ کی آیت نمبر ۷) میں ہے۔

''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئیگا لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔''

اس میں حضورؐ کی بشارت کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا بھی اظہار ہے کہ بحیثیت خاتم الانبیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اسی وقت ہوگا جب مجھ سمیت تمام انبیاء تشریف لے جاچکے ہونگے۔ قرب قیامت میں نزولِ مسیح علیہ السلام بحیثیت نبی کے نہیں ہوگا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ طیبہ پڑھ کرامت محمدیؐہ میں شامل ہونگے اور امام المسلمین کی حیثیت سے جمیع مسلمانوں کی امامت کا فرض نبھائیں گے۔

پھر انجیل کے اسی باب (۱۴ کی آیت ۱۳) میں ہے۔

''لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔''

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ سیدؐ عالم کی آمد پر دین حق یعنی اسلام مکمل ہوجائیگا اور وہ غیبی علوم کے خزائن تعلیم فرمانے میں کمی نہ فرمائیں گے اور جو باتیں تمہیں معلوم نہ ہونگی تمہیں بتائیں گے۔ وہ تمام باتیں یوں حق وسچ اور لائق اعتبار ہونگی کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات جوڑ جاڑ کر قطعی بیان نہ فرمائیں گے بلکہ صرف وہ باتیں بیان فرمائیں گے جو انہیں وحی کی جائیں گی۔

حضورؐ تمام خلق کیلئے رسول بنائے گئے

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا نِالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ(۱۵۸) (سورۃ: اعراف)

ترجمہ: تم فرماؤ کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندہ کرے اور مارے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے بے پڑھے نبی پر پس جو اللہ اور اسکی باتوں پر ایمان لائیں تو (انہیں تاکید ہے) وہ نبی امّی کی اتباع کریں تاکہ ھدایت پائیں (سورۃ اعراف:۱۵۸)

یہاں تمام اولادِ آدمؑ کو یہ باور کروانے کا حکم ہوا ہے کہ میں کائنات کے اکیلے معبود اور زمین و آسمان کے بادشاہ کی طرف سے تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں جو زندگی و موت کا مالک ہے اور میں نہ صرف قبائل عرب کیلئے یا صرف اہل کتاب یہود و نصاریٰ کیلئے یا محض مسلمانوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بلکہ کوئی کسی خطہ ارض کا باسی ہو، کسی مذہب و ملت سے متعلق ہو، کسی رنگ و نسل کا ہو میں قیامت تک تم سب کی رہنمائی کیلئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس جو کوئی زمین و آسمان کے بادشاہ اور زندگی و موت کے مالک پر اور اسکے احکام پر ایمان لائے تو اس پر لازم ہے کہ مجھ امّی نبی کی تابعداری کرے تاکہ ھدایت پائے۔

پس جو کوئی کامیابی و فلاح اور حقائق کا متلاشی ہو تو اسے لازم ہے کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری رسول تسلیم کرتے ہوئے دین اسلام میں داخل ہو۔ اسلام ہی یہود و نصاریٰ کے موجودہ عقائد کو باطل ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ انکے خود وضع کردہ عقائد خود انکے انبیاء کی تعلیمات کے بھی خلاف ہیں۔

توحید یہ ہے کہ تمام آسمانوں اور زمین میں صرف اور صرف اللہ واحد القہار کی بادشاہی ہے۔ وہی خالق و مالک کائنات اور اکیلا معبودِ کل عالم ہے۔ کائنات بھر میں کوئی ایسا نہیں جو اس سے کسی نوع کی رشتہ داری، برابری یا ہمسری کا دعویٰ کرے۔ ایسا دعویٰ کرنے والا صریح بدگمان اور گمراہ ہے کیونکہ وہ ذات واشگاف الفاظ میں اعلان فرما چکی ہے کہ وہ زن و فرزند جیسے سب بکھیڑوں سے پاک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت بعثت مبارکہ

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ۙ (۸) لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا (۹) (سورۃ:الفتح)

ترجمہ:۔ بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر گواہ اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا (الفتح۸) تاکہ اے لوگو تم ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسول پر اور تعظیم و توقیر کرو رسول کی اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو (الفتح۹)

شاہد کے لغوی معنی گواہ کے ہیں کہ حضورؐ بروزِ حشر اپنی امت کے اعمال و افعال پر گواہی دیں گے۔ ''شاہد'' کا ترجمہ حاضر و ناظر کرنا عین برحق ہے کیونکہ گواہ اگر موقع پر حاضر اور موجود نہ ہو اور اس نے کچھ دیکھا اور جانا ہی نہ ہو تو ایسا گواہ بارگاہِ الٰہیہ میں بھلا کس کی اور کیا گواہی دیگا۔ شاہد کے معنوں میں نہ صرف امت کے ظاہرہ اعمال و افعال کو دیکھ کر گواہی دیدینا کافی ہے بلکہ حضورؐ کا امت کے دلوں کے اندر کی سوچ اور نیات پر مطلع ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ مسجد میں آئے کسی جوتی چور کی نمازیوں کی صف میں موجودگی کے باعث اس کے بھی نمازی ہونے کی گواہی دیدیں گے۔

متذکرہ بالا آیات میں بعثت نبویؐ کے دو اہم مقاصد بیان فرمائے گئے کہ اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان لانے والوں کو نویدِ بخشش اور جنت کی خوشخبری دی جائے اور کفار و مشرکین کو (جو ایمان لانے اور احترام نبویؐ سے محروم رہے انہیں) انکے انجام ہلاکت خیز سے خبردار کر دیا جائے کہ ایسے نافرمانوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس کا عذاب انہیں پہنچنے والا ہے۔ (الفتح۸)

اس سے متصل اگلی آیت (الفتح۹) میں وضاحت ہے کہ اے لوگو: تم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اسکے منطقی نتیجہ میں آنحضرتؐ کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی صفت و ثناء اور اسکا ہر عیب سے پاک ہونا بیان کرو۔ اس سے مراد صرف صبح اور شام کے دو وقت ہی نہیں بلکہ ہر وقت اللہ کو یاد کرنا اور اسکی حمد و ثناء سمیت اسکی دیگر خوبیوں کو سراہنا، اسکی نعمتوں پر شکر کرنا، گناہوں سے استغفار کرنا اور اسکی نافرمانی کے خدشہ و احتمال سے بھی اسکی حفظ و امان طلب کرتے رہنا سب اس میں شامل ہے۔ جس میں صبح سے

شام تک کی پانچوں نمازیں تو فرض ہیں جن کا تارک گناہ گار ہے اور بقیہ دیگر اوقات میں کیئے جانے والے اوراد و وظائف بھی بڑی اہمیت کے حامل اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہیں جنہیں صبح و شام اپنے معمول میں رکھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

صاحب تمکن اولیاء اور اس سے برتر مرتبہ ولائت کے حاملین اس پر آگاہ ہیں کہ اللہ کی یاد میں لذت و رغبت کی فراوانی اور بارگاہِ خداوندی میں مقبول عبادات کی توفیقات کی کنجی حضورؐ کی محبت اور انکی عزت و توقیر میں نہاں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

تقلیدِ اسوۂ حسنہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ط وَ مَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ع (٦) (سورة:ممتحنه)

ترجمہ: بیشک تمہارے لئے انکا اسوۂ حسنہ اچھی پیروی تھی اسے جو اللہ اور آخرت کے روز کا امیدوار ہو اور جو کوئی اس سے منہ پھیرے تو اللہ بے نیاز ہے سب خوبیوں بھرا (ممتحنہ:٦)

یہ آیت مبارکہ حاطبؓ اور کچھ مومنین کے بارے نازل ہوئی (جو حالتِ کفر و شرک میں اپنے مرنے والے عزیزوں کیلیئے مغفرت طلب کرنے کو مناسب قرار دیتے تھے) کہ تمہارے لئے حضرت ابراہیمؑ کی ملت کو اپنانا ایک اچھی مثال تھا اور انکے اسوۂ پر چلنا مالک کائنات کی طرف سے تعریف کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ بغیر ایمان لائے کسی شخص کیلیئے نماز جنازہ پڑھی جائے یا اسکی بخشش کی دعا کی جائے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کہ میں اپنے باپ ابراہیم خلیلؑ اللہ کی ملت پر ہوں اور انہی کا اسوۂ اپناتا ہوں اور انہوں نے ہی ہمارے مایۂ ناز دین کا نام اسلام رکھا۔ آیت ھذا میں اللہ کو چاہنے اور حیات اخروی کی بہتری کے امیدواروں کو خطاب فرما کر ارشاد ہوا کہ جس اسوہ کو ہمارے خلیل ابراہیمؑ نے اپنایا تم بھی اسی پر چلو اور اہل قرابت کے ساتھ خلیلؑ اللہ جیسا طریق سلوک اختیار کرو جو یہ تھا۔

حضرت ابراہیمؑ نے تہیہ کیا تھا (کہ میں اپنے باپ کی بخشش کیلئے دعا کرتا رہوں گا) لیکن جونہی انکو یقین ہو گیا کہ میرا باپ ایمان لانے والا نہیں تو انہوں نے اپنے اس ارادے کو ترک کر دیا۔ اس لئے کہ کسی کافر یا مشرک کی موت کے بعد اس کیلئے دعائے مغفرت کرنا آپ کے نزدیک موزوں یا جائز نہیں تھا۔ سو مسلمانوں کو حکم ہوا کہ تم میں سے جو اللہ کا طلب گار اور روزِ آخرت کا امیدوار ہو اسے چاہیئے کہ وہ بھی یہی اُسوہ اپنائے۔ پھر جو کوئی اس طریق سے منہ پھیرے یعنی نہ مانے تو بیشک اللہ بے نیاز ہے اور وہی سب خوبیوں کا حامل و مالک ہے۔

بعد از وفات بھی حضورؐ کی تعظیم وتوقیر کا وجوب

اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد بھی انکی تعظیم وتوقیر اور حرمت ومحبت کو ایسے ہی برقرار رکھنا ضروری ہے جیسا آپکی زندگی مبارکہ میں آپکے اصحاب رضی اللہ عنہ کا طرز وطریق تھا اور حضورؐ کے روبرو استوار و معمول تھا۔ حضورؐ کی وفات مبارکہ کے بعد بھی انکے احسانات کی قدر افزائی میں عقلی و منطقی طور پر بھی فرق واقع نہیں ہوتا۔ بجز آنحضرتؐ کسی کا ایسا کوئی احسان کیا ہو سکتا ہے جو قدر و منزلت کے اعتبار سے آپکے احسانات سے بڑھ کر مسلمانوں پر ہو۔ کیونکہ آپؐ ہی تو ان سب کی ھدایت کا ذریعہ ہیں۔ آپؐ ہی انہیں جہالت وضلالت سے نکالنے اور فلاحِ دارین کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپؐ ہی تو انکے رب کی طرف وسیلہ اور انکے لئے اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے اور انکی شفاعت کرنے والے ہیں۔ آپؐ ہی امت کی شہادت دینے والے اور انکی دائمی بقاء اور اُن پر اللہ کی لازوال وانگنت نعمتوں کے موجب ہیں۔ (انگنت درود وسلام اور اللہ کی رحمتیں ہوں ایسی محسن امت ہستی پر)

یادرہے کہ مخفی نظامِ روحانیہ پر دسترس رکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام انبیاء واولیائے علیّین اور شہداء کی موت، دراصل عارضی زندگی کا حیاتِ ابدی میں بدل جانے کا نام ہے۔ یہ حیات' برزخی زندگی سے الگ ایک ایسی زندگی ہے جس کا عامۃ المسلمین کو شعور تک نہیں۔ اکابر وعالی مرتبت دوستان الٰہیہ کا تو کیفیات قبور کو ملاحظہ کرتے رہنا عام معمول ہے۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا: میں جب بھی انبیاء کی قبور سے

گزراہوں میں نے اکثر انہیں نماز و عبادات میں مشغول پایا۔

ابن حمیدؒ سے باسند مروی ہے کہ امیر المومنین ''ابو جعفر'' مسجد نبویؐ میں حضرت امام مالکؒ کے ساتھ مناظرہ کرتے ہوئے تلخ و بلند آواز میں گفتگو کرنے لگے تو امام صاحب نے اس سے کہا!

اے امیر المومنین اس مسجد میں بلند آواز سے نہ بولو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (الحجرات/۲) میں ایک جماعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب سکھاتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم اپنی آوازوں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو مبادا تمہارے اعمال ہی ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ پھر ان لوگوں کی بھی مذمت فرمائی جو حضورؐ کے حجرے کے باہر ہی سے آوازیں دیکر انہیں پکارتے تھے کہ ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ جبکہ دوسری جماعت کی مدح فرمائی کہ بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست کرتے ہیں اللہ نے انکے دلوں کو پرہیز گاری کیلئے پرکھ لیا ہے ان کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (الحجرات/۳) بلاشبہ آنحضرتؐ کی عزت و حرمت اسی طرح برقرار اور محفوظ ہے جس طرح آپکی حیات ظاہرہ میں تھی۔ یہ سن کر ابو جعفر لرز گیا اور مؤدب و خاموش ہو گیا۔

چنانچہ تاکید ہے کوئی ایسا گمان بھی نہ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام لوگوں کی مانند معاذ اللہ مر کر مٹی ہو چکے، سو انکی قدر افزائی یا تعظیم کی ضرورت نہیں، تو یہ بدنصیبی اور محرومی کی نشانی ہے ایسی سوچ کے حامل اور حبیبؐ الرحمٰن کی شان میں بے ادبی کے مرتکبین کو اپنے کیئے کرائے کے ضائع ہو جانے کے شدید خطرے کو ہمیشہ مدِّ نظر رکھنا چاہیے۔

معصبؒ بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفرؒ بن صادق کو دیکھا ہے حالانکہ وہ بہت خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے مگر جب بھی انکے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل کیا جاتا تو انکا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ میں نے انہیں کبھی بے وضو حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا۔ امام مالکؒ بن انس کے بارے بھی یہی صورت حال بیان فرمائی کہ جب انکے سامنے حضورؐ کا ذکر کیا جاتا تو انکے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا، آنکھیں بند اور گریہ زار ہو جاتیں اور اکثر آپؒ ادب سے اتنا جھک جاتے کہ انکے مصاحبوں کو گراں محسوس ہوتا۔ ایک دن اس قدر جھکنے کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا۔ ''اگر تمہیں کہوں جو

میں دیکھتا ہوں تو ضرور میرے دیکھے ہوئے کا انکار کرو"۔

حضورؐ کی محبوبیت کے حوالہ جات بحوالہ کتبِ احادیث

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں حضورؐ کے اصحابؓ کی جماعت بیٹھی ہوئی آپکا انتظار کررہی تھی تبھی آنحضرتؐ تشریف فرما ہوئے لیکن آتے آتے آپؐ نے انکی باتیں سنیں جو وہ کرر ہے تھے ایک کہہ رہا تھا تعجب ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: یہ زیادہ تعجب کی بات نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ ایک صحابیؓ نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور اسکی روح ہیں۔ ایک نے فرمایا کہ حضرت آدمؑ بھی اللہ تعالیٰ کے صفی اور برگزیدہ ہیں۔

ابھی یہی کلام سنا تھا کہ حضورؐ اس جماعت کے سامنے آئے اور فرمایا میں نے تمہاری باتیں اور کلماتِ تعجب سنے۔ پھر تفصیلاً بتایا کہ وہ سب اسی لائق تھے لیکن خبردار میں اللہ کا حبیب ہوں اور یہ فخر سے نہیں کہتا۔ میں ہی روزِ قیامت حامل لواء الحمد ہوں اور یہ فخر سے نہیں کہتا۔ سب سے پہلا شخص میں ہی ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور اللہ تعالیٰ میرے لئے دروازہ کھولے گا اور مجھے جنت میں داخل فرمائے گا درانحالیکہ میرے ساتھ فقراء اور مومنین ہونگے۔ یہ فخر نہیں۔ میں اکرم الاوّلین والآخرین ہوں اور یہ فخر نہیں۔ بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضورؐ فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی و پیغمبر کو نہ ملیں۔

(۱) ہر نبی کسی خاص قوم پر مبعوث ہوتا ہے اور میں سرخ وسیاہ کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

(۲) میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں اور مجھ سے پہلے کسی کیلئے نہیں ہوئی تھیں۔

(۳) میرے لئے زمین پاک (مسجد) اور پاک کرنے والی (قابل تیمّم) کی گئی۔ جس کو کہیں نماز کا وقت آئے وہیں پڑھ لے۔

(۴) دشمن پر ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد فرمائی گئی۔

(۵) مجھے شفاعت عنایت کی گئی اور مسلم شریف میں ہے کہ میں تمام خلق کی طرف رسول بنایا گیا اور میرے ساتھ انبیاء ختم کیے گئے۔

سفرِ اسرا و معراج کے دوران انبیاءؑ کے خطبات

دوران سفر معراج پہلے آنحضرتؐ کو بیت المقدس لے جایا گیا۔ راستہ میں آپکا گزر رُس سرخ ٹیلے کے پاس سے ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر شریف ہے۔ حضورؐ نے دیکھا کہ وہ قبر میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ حضورؐ نے انہیں سلام کرنے میں پہل کی تو انہوں نے سلام کا جواب عرض کیا۔ بہت سے انبیاء بھی بیت المقدس تشریف لا چکے تھے۔ بعد میں حضورؐ اور جبریل امینؑ بیت المقدس پہنچے اور دونوں نے دو دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور مؤذن نے اذان دی۔ سب منتظر تھے کہ امامت کیلئے کس کو سعادت نصیب ہونے والی ہے کہ جبریل امینؑ نے حضورؐ کا بازو پکڑ کر جائے امامت پر کھڑا کر دیا۔ یوں حضورؐ نے تمام انبیاءِ کرامؑ کی امامت کرائی۔

نماز سے فراغت کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے یوں خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد ان احسانات کو گنوایا جو رب جلیل نے ان پر فرمائے تھے۔ آپؑ نے فرمایا:

> ''ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا' مجھے ملک عظیم عطا فرمایا' مجھے اپنا فرمانبردار بنایا جسکی پیروی کی جاتی ہے' مجھے آگ سے بچایا اور اسے میرے لئے ٹھنڈا اور سلامتی کا باعث بنایا۔''

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور ان احسانات و انعامات کو بیان فرمایا جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا۔ آخر میں رحمت العالمین خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سب نے میرے رب کی ثناء کی ہے اب میں اپنے رب کی ثنا گستری میں لب کشا ہوتا ہوں اور پھر یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے سارے جہانوں کیلئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا

اور تمام لوگوں کیلئے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا اور مجھ پر فرقان نازل کیا اس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں سے افضل بنایا اور اسے لوگوں کی بھلائی کیلئے پیدا کیا' میری امت کو وسط بنایا میری امت ہی اوّل و آخر ہے ۔ مجھے شرح صدر کی نعمت سے نوازا ۔ میرے بوجھ کو مجھ سے اٹھا لیا۔ میرے ذکر کو میرے لئے بلند فرمایا اور مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔''

یہ جان پرور کلمات سن کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے گروہِ انبیاء سے مخاطب ہو کر فرمایا: بِهٰذَا فُضِّلَكُمْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''ان ہی احسانات و انعامات کے باعث محمدؐ ہم سب پر فضیلت پا گئے۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد۳ صفحہ ۱۲۱)

دورانِ معراج النبی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو فرمایا: دوسرے انبیاء کو میں نے مختلف اعلیٰ مناصب پر فائز کیا لیکن میں نے تجھے اپنا حبیب بنایا اور توریت میں لکھ دیا ''محمد حبیب الرحمٰن''۔

(کتاب الشفاء، جلد ۱ صفحہ ۲۴۰)

حضورؐ کی بلندیٔ شان کا ذکر بحوالہ قرآن

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۱) وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ (۲) الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (۳) وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۴) فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۵) اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۶) فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (۷) وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ (۸)

ترجمہ: کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا (۱) اور تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار دیا (۲) جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی (۳) اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا (۴) پس بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے (۵) اس میں شبہ نہیں کہ دشواری کے ساتھ آسانی ہے (۶) پس جب تم فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو (۷) اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جایا کرو (۸) (سورۃ: الم نشرح)

یعنی کیا ہم نے آپکے سینہ مبارک کو ہدایت و معرفت' موعظت و نبوت اور علم و حکمت کیلئے کشادہ نہیں کر دیا یہاں تک کہ عالم الغیب و شہادۃ اس میں سما گئے اور علائق جسمانیہ بھی آپکے انوارِ روحانیہ

کوسینہ میں سماتے رہنے میں مخل نہ ہو سکے۔ پھر علوم لدنّیہ' احکام الٰہیہ' معارف ربانیہ اور حقائق رحمانیہ آپکے سینہ مبارک سے جلوہ نما ہوئے۔ علاوہ ازیں متعدد بار ظاہری شرح صدر بھی ہوا۔ جیسے ابتدائے عمر میں پھر ابتدائے وحی سے قبل اور پھر قبل از سفر معراج۔ جسکی صورت یہ تھی کہ جبریل امینؑ نے سینہ پاک کو چاک کر کے قلب مبارک کو نکال کر زریں تشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے غسل دیا پھر اسے نور و حکمت سے بھر کر اسی جگہ رکھ دیا اور چاکِ سینہ کو برابر کر دیا۔

آپؐ پر وہ بوجھ جو کفار کے ایمان نہ لانے کے احساسِ غم اور فکر کندی کی بناء پر تھا اور اپنی امت کے گناہوں کے ممکنہ احتمال سے بھی جو پریشانی لاحق تھی کہ جس سے آپؐ نہایت متفکر و پریشان تھے اور یہ ایسا بوجھ تھا کہ جس سے تھک کر کوئی کمر میں اینٹھن اور تھکاوٹ محسوس کرتا ہے اس سے آپکو نجات دی۔ وہ یوں کہ جو ایمان اور ھدایت سے محروم رہے تو اس میں آپکی طرف سے کوئی کوتاہی یا کمی نہیں بلکہ اسے ھدایت دینا ہمارا کام ہے۔ رہا امت کی کوتاہیوں وعصیاں کا معاملہ جس سے آپ فکر مند رہا کرتے تو ہم نے آپکو مقبولِ شفاعت کر کے اس بوجھِ غم سے بھی نجات عطا فرما دی۔

بلندئی ذکر کے بارے جب حضورؐ نے جبریل امینؑ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یوں ہے کہ جہاں جہاں میرا ذکر کیا جائیگا وہاں وہاں آپکا بھی ذکر کیا جائیگا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کلمۃ اللہ میں جب تک آپکی رسالت پر گواہی نہ دی جائے کوئی اسلام میں داخل نہیں۔ اذان میں تکبیر میں تشہد میں مساجد کے خطبوں میں اگر کوئی اللہ کی عبادت کرے ہر بات میں اسکی تصدیق کرے مگر حضورؐ کی رسالت کی گواہی نہ دے تو یہ سب بیکار محض ہے اور وہ کافر کا کافر ہی رہیگا۔ آپکے ذکر کی بلندی یہ بھی کہ تمام انبیاءؑ سے حضورؐ پر ایمان لانے کی گواہی لی گئی۔ جس پر خود ذات کبریاء جل شانہ بھی گواہ ہوا۔

سورۃ نشرح کی آیت ۶/۵ میں تکرار کے ساتھ جو فرمان ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی ہے سے مراد ہے کہ کفار اور مشرکین کی طرف سے آپؐ پر جو ظلم وستم روا ہیں انکی جو گستاخیاں و بدکلامیاں معمول ہو چکی ہیں وہ جلد دم توڑ دینے والی ہیں اور ہم آپکو جلد اُن پر غلبہ و فتح عطا فرمانے والے ہیں۔

پھر فرمان ہوا کہ جب آپؐ اپنی مصروفیات نماز و تبلیغ سے فارغ ہوں تو دعا و التجاء میں بھی محنت

کیا کریں۔اس فرمان میں نماز کے اندر سلام پھیرنے سے پہلے دعا کرنا مراد ہے اور سلام پھیرنے کے بعد بھی دعا والتجاء کی تعلیم عطا فرمائی گئی ہے۔نہ صرف یہی بلکہ آخری آیۃ میں فرمان ہے کہ ہمہ وقت اس کے فضل کے طالب رہیں اسی پر توکل کریں اور اُسی پر بھروسہ رکھیں۔

قبل از اختتامِ کتاب، ملحدین کو بارِ دیگر دعوتِ غور وفکر

آخر میں دہریت کی گمراہانہ بھول بھلیوں میں بھٹک رہے اپنے اُن احباب کو نصیحت ہے جو حقیقت کی کھوج کے خواہاں ہوں قرآن کی درجِ ذیل وضاحات پر غور کریں اور انہیں چاہئے کہ وہ (سائینس اور قرآن) اور (سائینس اور اسلام) پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کریں اور درجِ ذیل خاص فرامین پر صدقِ دل سے توجہ فرمائیں۔اُس مہربان سے کیا بعید کہ ھدایت عطا فرمانا اسی کے ہاتھ میں ہے جبکہ وہ بے پرواہ ذات تو کسی کے ایمان لانے یا نہ لانے سے بے نیاز ہے۔

۱۔ وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا(۸۰) (سورۃ : بنی اسرائیل)

ترجمہ: یوں عرض کریں اے میرے رب مجھے اچھی طرح داخل فرما اور اچھی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ دے (بنی اسرائیل:۸۰)

۲۔ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (۸۸) (سورۃ:الحجر)

ترجمہ: اپنی آنکھ اٹھا کر ان چیزوں کو نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے کچھ جوڑوں کو برتنے کو دی ہیں انکا غم نہ کھاؤ اور مسلمانوں کو باہیں پھیلا کر اپنی رحمت کے پروں میں لے لو (الحجر:۸۸)

۳۔ وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (۲۵) (سورۃ:انفال)

ترجمہ: اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے

گا اور جان لو کہ اللہ کی پکڑ سخت ہے (سورۃ انفال:۲۵)

۴۔ وَ تَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ اَکۡلِہِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ(۶۲) (سورۃ:المائدہ)

ترجمہ: اور تم اُن میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور زیادتی اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں۔ بیشک بہت ہی برے کام کرتے ہیں (مائدہ:۶۲)

۵۔ لَوۡ لَا یَنۡہٰہُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَ الۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِہِمُ الۡاِثۡمَ وَ اَکۡلِہِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ(۶۳) (سورۃ:المائدہ)

ترجمہ: انہیں کیوں منع نہیں کرتے انکے پادری اور درویش گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے بیشک بہت ہی برے کام کر رہے ہیں (مائدہ:۶۳)

۶۔ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ یَنۡزِعُ عَنۡہُمَا لِبَاسَہُمَا لِیُرِیَہُمَا سَوۡاٰتِہِمَا ط اِنَّہٗ یَرٰىکُمۡ ہُوَ وَ قَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَہُمۡ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ(۲۷) (سورۃ:الاعراف)

ترجمہ: اے اولادِ آدم خبردار شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکلوا دیا انکے لباس اتروا دئے کہ انکی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں بیشک شیطان اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے بیشک ہم نے شیطان کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے (اعراف :۲۷)

آخر میں احسن الخالقین اپنے مدلل فرامین کی سچائی کو جھٹلانے والوں کو کیا فرما رہا ہے، کاش ہم اسکی گہرائی پر غور کر کے نصیحت حاصل کریں اور خود کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ یاد رہے صرف وہی ھدایت دینے والا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ (۵۲) (حٰم السجدہ : ۵۲)

ترجمہ:۔ آپ فرمائیں کہ اگر قرآن اللہ کی طرف سے ہے تو پھر تم اسکے منکر کیوں ہوتے ہو۔تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو پرلے درجہ کا ضدی ہو (حٰم السجدہ : ۵۲)

بارگاہِ کبریائی میں مصنفِ کتاب کی عاجزانہ التجاء!

میں اپنی بساط واوقات سے بخوبی واقف ہوں اس لئے اِس نہایت اہم اور حساس موضوع پر قلم طرازی کی جرأت کے لئے شرمندہ ہوں اور اس دوران ہر کوتاہی اور اللہ جل جلالہ کے محبوب کی شان کے موافق خیال وتحریر سے بے بہری کی بناء پر اپنی ہر ممکنہ لغزش وکوتاہی پر ضرور نادم ہوں اور بخشش کا طلب گار ہوں۔

آخر میں بارگاہِ عزوجل کے حضور اسکے مالکِ ھدایت ہونے کے واسطہ سے استدعا ہے کہ ہم سب کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ھدایت کاملہ سے نواز کر اپنے عرفان سے بہرہ مند فرمائے اور کتاب ھٰذا کو اولادِ آدم علیہ السلام کیلئے روشن چراغ بنادے کہ جسکی ضیاع میں حتی المقدور آپکے عرفان سے بہرہ ور ہوسکیں۔آمین یا الٰہ العالمین۔

ایصال ثواب کی درخواست :۔ نیز یارب مجھ بندۂ عاجز وناچیز کی محض خوش نیتی سے کی گئی معمولی کوشش کو اگر اپنی بارگاہ میں پسندیدگی کا شرف عطا فرمائے تو میں اسکے اجر وثواب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی تمام امت کیلئے بطور ایصالِ ثواب تیری نذر کرتا ہوں،قبول فرما۔بیشک تو از حد رحم فرمانے اور ہمارے خستہ حال اعمال قبول کرنے والا ہے۔

(گر قبول افتد زہے عزوشرف)